598
598

علمِ لدُنّی کا شاہکار

خزینۂ معارف

مشہور عربی کتاب **اِبْرِیز** کا سلیس اُرُدو ترجمہ،

اس کتاب میں حضرت علامہ احمد بن مُبارک سلجماسی نے غوثِ زماں حضرت سیّد عبد العزیز دبّاغ مغربی کے مختصر سوانح حیات، عقائد، کرامات، بعض آیاتِ قرآنی و احادیثِ نبویؐ کی بے نظیر تشریحات اور علم و عرفان کی نادر باتیں جمع کی ہیں

حصّہ اول

ترجمہ از
ڈاکٹر پیر محمد حسن ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی
پرنسپل گورنمنٹ ہائر سکنڈری سکول (راولپنڈی)

علمی کتاب خانہ۔ اُردو بازار۔ لاہور

ہدیہ حصہ اول ۸/۵ روپے۔ حصہ دوم ۸/۴ روپے مجلد یکجا ۱۲/۰ روپے

نقوش پریس لاہور

Marfat.com

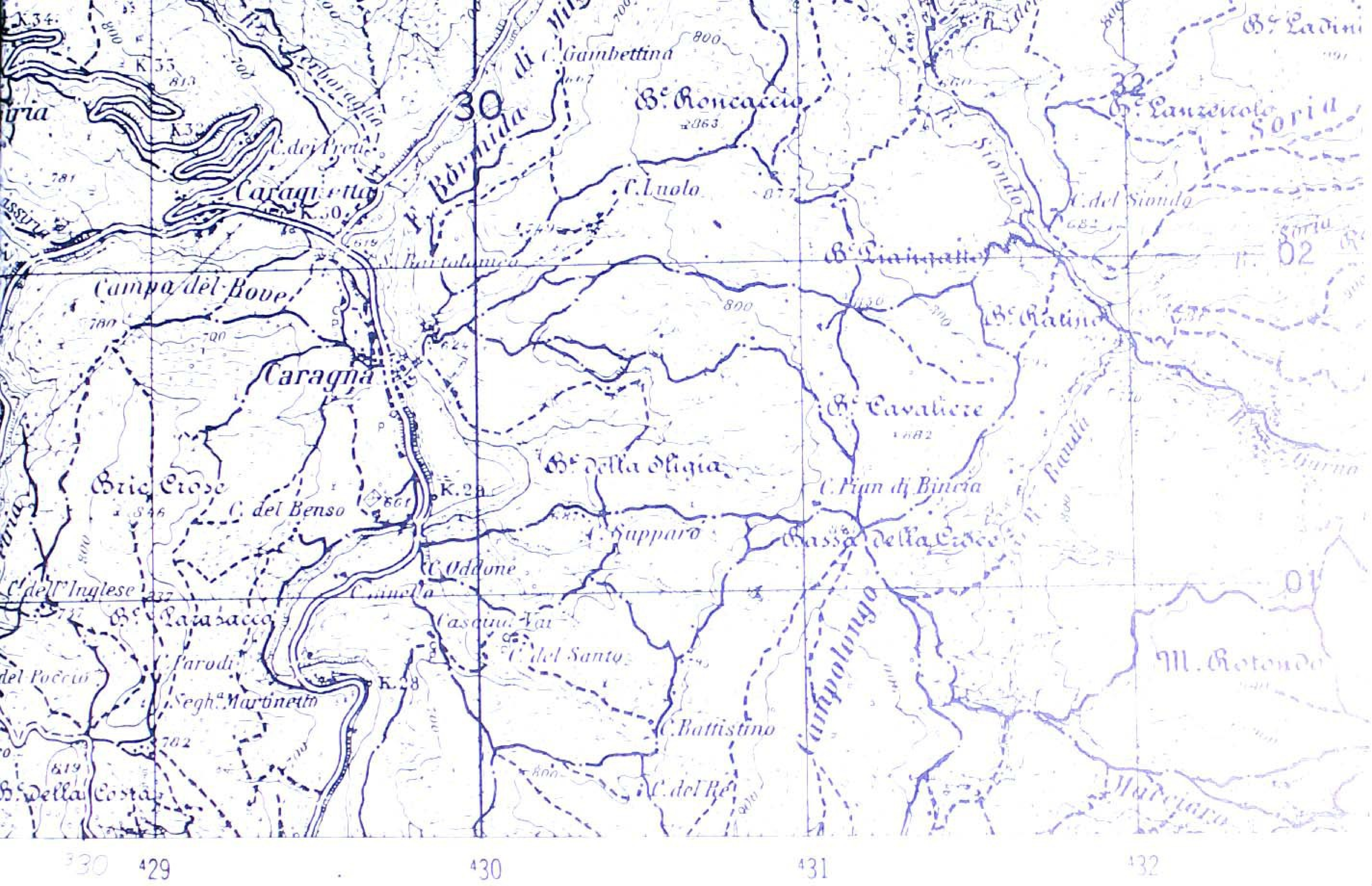

Scale 1:25,000

1000 500 0

1000 500 0

..., U. S.
...'Italia,
...th pro-

HEIGHTS IN METERS

TRANSVERSE MERCATOR PROJECTION

GRID ZONE DESIGNATION 32T 100,000 M. SQUARE IDENTIFICATION MQ	SAMPLE POINT: GRASSE 1. Locate first VERTICAL grid line to LEFT of point and read LARGE figures labeling the line either in the top or bottom margin, or on the line itself: 30 Estimate tenths from grid line to point: 8 2. Locate first HORIZONTAL grid line BELOW point and read LARGE figures labeling the line either in the left or right margin, or on the line itself: 07 Estimate tenths from grid line to point: 2	32T MQ
IGNORE the SMALLER figures of any grid number; these are for finding the full coordinates. Use ONLY the LARGER figures of the grid number. example: 4901000	SAMPLE REFERENCE: 308072 If reporting beyond 18° in any direction, prefix 100,000 Meter Square identification, as: MQ308072 If reporting beyond 18° in any direction, prefix Grid Zone Designation, as: 32TMQ308072	4901000m

Marfat.com

معرفت اور علمِ لدنّی کی لاجواب کتاب

خزینۂ معارف

اُردو ترجمہ

ابریز

مع حواشی و پیش لفظ از مترجم

جسمیں حضرت العلامہ احمد بن مبارک سلجماسی نے غوثِ زماں حضرت سید عبدالعزیز دباغ مغربی کے مختصر حالاتِ زندگی متعدد آیاتِ قرآنی احادیثِ نبوی کی بے نظیر تشریحات اور علم و عرفان کی درباتیں جمع کی ہیں

مترجم

پیر محمد حسن ایم۔اے بی ایچ ڈی پرنسپل گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول راولپنڈی

علمی کتاب خانہ اُردو بازار لاہور

الماس رقم

PRINO-ARTS

Marfat.com

53278

Marfat.com

فہرست مضامین

حصہ اوّل

مضمون	صفحہ
خطبہ	۱
نسب نامہ حضرت عبدالعزیز دباغ	۱
جبرئیل کا آنحضرت سے حقیقتِ ایمان کے متعلق سوال کرنا	۲
جامع کتاب کی حضرت دباغ سے پہلی ملاقات	۳
ابتداء تالیف کتاب	۳
العربی الفشتالی کا مبارک بن علی کی بیعت کرنا	۴
عبدالعزیزؒ دباغ کا فارحہ سے نکاح	۴
العربی الفشتالی کے کشف کی ایک مثال	۵
العربی کی مسعود دباغ سے محبت	۵
عبدالعزیزؒ دباغ کی ولایت کی پیشین گوئی	۵
العربی کی وفات	۶
عبدالعزیز کی ولادت	۶
الفشتالی کا مرتبہ	۶
فشتالی کے کشف کی ایک اور مثال	۶
کشف کی تیسری مثال	۷
فشتالی کا اپنے احوال کو چھپانا	۷
عمر بن الفارض کے ایک شعر کا الفشتالی پر اثر	۷
اخفاء حال کی ایک اور شہادت	۸
کشف کی ایک اور مثال	۸
قیام اللیل میں فشتالی کی حالت	۸
کشف کی مثال	۸
آداب شرع کا پاس	۹
فشتالی کا صبر و تحمل	۹
ہمسایوں سے برتاؤ	۹
کشف و کرامت کی ایک اور مثال	۹
ایک واقعہ	۹
کشف کی مثال	۹
فشتالی کا شاہد عادل ہونا	۱۰
فصل ثانی	۱۰
عبدالعزیز دباغ کی خضرؑ سے ملاقات	۱۰
عمر بن محمد ہواری کی وفات	۱۱
حضرت عبدالعزیزؒ دباغ کا شرح صدر	۱۲
عبداللہ تاودی سے ملاقات	۱۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت	۱۳
عبداللہ برناوی کا دباغ کے سامنے عورت کی صورت میں آنا۔	۱۴

Marfat.com

مضمون	صفحہ
عبداللہ بنادی کی وفات	۱۴
سالکین خواہ ایک دوسرے سے کتنا دور رہی کیوں نہ رہتے ہوں ان کے درمیان بُعد نہیں ہوتا	۱۴
دباغ نے بنادیؒ سے اسرار ورثہ میں لئے	۱۵
قطب زمان منصور بن احمد سے ملاقات	۱۵
منصور بن احمد کی وفات	۱۶
سید عبداللہ بنادیؒ منصور بن احمد سے بڑے تھے۔	۱۶
محمد لبراج سے ملاقات	۱۶
کتمان سر کی تاکید	۱۶
کتمان سر کے بارے میں پہلی حکایت	۱۷
دوسری حکایت	۱۷
تیسری حکایت	۱۸
چوتھی حکایت	۱۸
پانچویں حکایت	۲۱
تیسری فصل۔ شیخ کی بعض کرامات کا بیان	۲۲
کرامت اول۔ سلامت عقیدہ	۲۳
احادیث صفات کے متعلق سوال	۲۳
جنت کی نعمتوں کی حقیقت دنیا والے معلوم نہیں کر سکتے۔	۲۴
احادیث صفات کے متعلق مؤلف کی تشریح	۲۴
دوسری کرامت	۲۶
تیسری کرامت	۲۷
چوتھی کرامت	۲۸
پانچویں کرامت	۲۹
چھٹی کرامت	۲۹

مضمون	صفحہ
ساتویں کرامت	۲۹
آٹھویں کرامت	۳۰
نویں کرامت	۳۲
دسویں کرامت	۳۳
اللہ کی معرفت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ضروری ہے۔	۳۴
وہ کرامات وکشوف جو محمد بن احمد زیاری سے پیش آئیں۔	۳۴
حضرت کا ایک کشف	۳۵
دوسرا کشف	۳۵
تیسرا کشف	۳۵
چوتھا کشف	۳۶
پانچواں کشف	۳۶
چھٹا کشف	۳۶
ساتواں کشف	۳۶
آٹھواں کشف	۳۷
نواں کشف	۳۷
کرامت	۳۷
دسواں کشف	۳۸
کرامت اور گیارھواں کشف	۳۹
بارھواں کشف	۳۹
تیرھواں کشف	۳۹
کرامت	۳۹
چودھواں کشف	۴۰
پندرھواں کشف	۴۰
ایک اور کرامت	۴۰

Marfat.com

مضمون	صفحہ
فقیہ علی بن عبداللہ الصباغی کی بیان کردہ کرامات	۴۱
پہلی کرامت	۴۱
دوسری کرامت	۴۱
تیسری کرامت	۴۲
چوتھی کرامت	۴۳
پانچویں کرامت	۴۴
چھٹی کرامت	۴۵
ساتواں کشف	۴۵
آٹھواں کشف وکرامت	۴۶
نواں کشف	۴۶
حضرت کی ان کرامات کا ذکر جو الفقیہ	
عبداللہ بن علی تازی نے بیان کیں۔	۴۷
پہلی کرامت	۴۷
دوسری کرامت	۴۷
تیسری کرامت	۴۸
چوتھی کرامت	۴۸
پانچویں کرامت	۴۸
چھٹی کرامت	۴۸
ساتویں کرامت	۴۸
آٹھویں کرامت	۴۹
نویں کرامت	۴۹
الارضی سید العربی الزیادی کی تحریر کردہ	
کرامات۔	۴۹
پہلی کرامت	۴۹
دوسری کرامت	۵۰
تیسری کرامت	۵۰

مضمون	صفحہ
چوتھی کرامت	۵۲
پانچویں کرامت	۵۲
چھٹی کرامت	۵۲
ساتویں کرامت	۵۲
آٹھویں کرامت	۵۳
نویں کرامت	۵۳
دسویں کرامت	۵۳
گیارھویں کرامت	۵۴
بارھویں کرامت	۵۴
تیرھویں کرامت	۵۵
چودھویں کرامت	۵۶
پندرھویں کرامت	۵۶
سولھویں کرامت	۵۷
سترھویں کرامت	۵۷
اٹھارھویں کرامت	۵۸
انیسویں کرامت	۵۸
بیسویں کرامت	۵۹
احادیث کے متعلق استفسار	۶۰
اکیسویں اور سب سے بڑی کرامت	۶۰
اُمِرْتُ اَنْ اَحْکُمَ بِالظَّوَاهِرِ	۶۰
کُنْتُ کَنْزًا لَا اُعْرَفُ	۶۰
اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ	۶۰
اِتَّخِذُوْا عِنْدَ الْفُقَرَاءِ اَیَادِیًا	۶۱
اُحِبُّ الْعَرَبَ لِثَلَاثٍ	۶۱
عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ	۶۱
اَنَا اَفْصَحُ مَنْ نَطَقَ بِالضَّادِ	۶۱

Marfat.com

مضمون	صفحہ
کلام نبی چھپا نہیں رہتا	۶۲
اولیاء کلام نبی کو کیسے پہچانتے ہیں	۶۲
دوسری پہچان	۶۲
اولیاء خواہ اُمّی ہی کیوں نہ ہوں قرآن اور	
حدیث میں امتیاز کر سکتے ہیں۔	۶۲
قرآن اور حدیث قدسی میں فرق	۶۳
حدیث قدسی کی قسمیں	۶۴
حدیث قدسی کلام خداوندی نہیں بلکہ کلام	
نبی ہے۔	۶۵
نور نبی کی تشریح	۶۵
دوسری تشریح	۶۶
نور نبی کی تین حالتیں	۶۶
تیسری تشریح	۶۶
کلام پاک کی ہیبت اور دبدبہ شاہی فرمان	
کا سا ہے۔	۶۷
کلام اللہ کی پہچان	۶۷
پہلی پہچان: طاقت بشری سے خارج ہونا	۶۷
دوسری پہچان: اس میں دبدبہ پایا جاتا ہے	۶۸
تیسری پہچان	۶۸
چوتھی پہچان	۶۹
پہلا باب	۷۰
وہ احادیث جن کا مطلب ہم نے شیخ سے	
دریافت کیا	۷۰
پہلی حدیث	۷۰
اس حدیث پر اعتراض اور اس کا جواب	۷۰
دوسری حدیث — اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ اُنْزِلَ	
عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ	۷۳
سات حروف کیا ہیں؟	۷۵
۱۔ حرف نبوت	۷۵
۲۔ حرف رسالت	۷۵
۳۔ حرف آدمیت	۷۵
۴۔ حرف روح	۷۵
۵۔ حرف علم	۷۵
۶۔ حرف قبض	۷۵
۷۔ حرف بسط	۷۶
شیخ کی تقریر پر اعتراض	۷۷
شیخ رح کی طرف سے اعتراض کا جواب	۷۸
حروف کی مزید تشریح	۷۹
اجزاء آدمیت اور اس کا پہلا جزو	۷۹
دوسرا جزو	۷۹
تیسرا جزو	۸۰
چوتھا جزو حسن باطنی کا کمال	۸۰
پانچواں جزو۔ نر ہونا	۸۰
چھٹا جزو۔ انسانی جسم سے شیطانی حصہ نکال دینا	۸۰
ساتواں جزو کمال عقل	۸۰
۲۔ قبض	
۱۔ حاشہ	۸۱
۲۔ انصاف	۸۰
۳۔ ضد سے نفرت	۸۱
۴۔ حق بات کہنے سے نہ شرمانا	۸۱
۵۔ تفصیل احکام	۸۱
۶۔ میل الی الجنس	۸۱
۷۔ کمال گرفت	۸۱

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
۳- بسط	۸۲	۵- رُوح	۹۰
۱- فرح کامل	۸۲	۱- ذوق الانوار	۹۰
۲- سکونِ خیر فی الذات	۸۲	ذوقِ رُوح اور ذوقِ جسم میں فرق	۹۱
۳- فتح حواس ظاہرہ	۸۲	رُوحِ محمدیؐ اور دیگر ارواح میں فرق	۹۱
فتح حواس ظاہرہ اور کمال حواس ظاہرہ میں		۲- طہارت	۹۲
فرق	۸۲	آنحضرتؐ کی روح سب سے بڑی روح ہے	۹۲
۴- فتح حواس باطنہ	۸۳	خون کی صفائی چار باتوں سے حاصل ہوتی	
۵- مقام رفعت	۸۴	ہے۔	۹۲
۶- حسنِ تجاوز	۸۳	۳- تمیز	۹۳
۷- نرم خوئی و تواضع	۸۴	رُوحِ محمدیؐ سے کوئی چیز محجوب نہیں	۹۳
آدمیت، قبض اور بسط کے اجزاء انبیاء وغیر		علم ازلی الٰہی اور علم نبوی میں کیا فرق ہے	۹۴
انبیاء دونوں میں پائے جاتے ہیں لیکن انبیاء میں		۴- بصیرت	۹۵
بدرجۂ اکمل ہوتے ہیں۔	۸۴	۵- عدمِ غفلت	۹۵
ذاتِ نبی اور غیر نبی کے قبض میں فرق	۸۴	اِنّی لَا اَنسٰی وَلٰکِنْ اُنَسّٰی لِاَسُنَّ	۹۶
شیاطین کا قبض	۸۴	۶- قوتِ سریان	۹۷
عائشۃ المومنین کا قبض	۸۵	یحییٰ علیہ السلام کا قصہ	۹۷
۴- نبوت	۸۵	اولیاء اللہ میں بھی یہ قوت پائی جاتی ہے	۹۷
۱- حق گوئی	۸۵	واقعہ معراج	۹۸
حکایت	۸۶	۷- مؤلماتِ اجرام کا عدمِ احساس	۹۸
دوسری حکایت	۸۶	۶- علم	۹۹
۲- صبر	۸۷	۱- معلومات کا بار اُٹھانا	۹۹
۳- رحمت	۸۷	۲- ضائع نہ کرنا	۱۰۰
۴- معرفتِ الٰہی	۸۸	۳- زبانوں، حیوانوں اور جمادات کی	
۵- خوفِ تام	۸۸	آوازوں کی معرفت	۱۰۱
۶- بغضِ باطل	۸۹	۴- اسماء سے واقفیت	۱۰۲
۷- عفو	۸۹	۵- ان علوم کی معرفت جن کا تعلق انسانوں	

Marfat.com

مضمون	صفحہ
اور جنوں سے ہے۔	۱۰۳
۶۔ ان علوم کی معرفت جن کا تعلق کونین کے احوال کے ساتھ ہے۔	۱۰۴
۷۔ جہات کا ایک جہت میں محصور ہونا۔	۱۰۴
۸۔ رسالت	۱۰۵
۱۔ روح کا جسم میں برضا و رغبت قیام	۱۰۵
۲۔ علم کا بل	۱۰۶
۳۔ صدق	۱۰۶
۴۔ سکینہ و وقار	۱۰۶
۵۔ مشاہدہ کا بلہ	۱۰۸
۶۔ زندگی میں موت	۱۰۸
۷۔ جنتیوں کی سی زندگی بسر کرنا	۱۰۸
قرآن مجید میں لحن کے بارے میں ابوبکرؓ باقلانی کی رائے۔	۱۱۶
نزول وحی کے بعد آنحضرتؐ معجزہ کے طور پر لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے۔	۱۲۲
قرآن کا رسم الخط توقیفی ہے۔	۱۲۴
اِنَّ فِی الْقُرْآنِ لَحْنًا پر بحث	۱۲۴
حرکات ثلثہ اور جزم کے انوار	۱۲۸
رفع کی سات قسمیں ہیں	۱۲۹
جزم کے اقسام	۱۲۹
زبر کے اقسام	۱۲۹
زیر کے اقسام	۱۲۹
سورۂ فاتحہ کی مختلف قراءتوں کے معانی	۱۳۷
حضرت علیؓ کی قراءت مَلَکَ یَوْمِ الدِّیْنِ	۱۴۱
ابوحیوہ کی قراءت مَالِکَ یَوْمِ الدِّیْنِ	۱۴۱

مضمون	صفحہ
عمر بن عبدالعزیز کی قراءت مَلِکُ یَوْمِ الدِّیْنِ	۴۱
مذکورہ بالا قراءتوں کے علاوہ اور قراءتیں	۴۲
اِیَّاکَ کی مختلف قراءتیں	۴۳
اسواری کی قراءت اِیَاکَ	۴۳
بعض اہل مکہ کی قراءت نِعْبُدُ	۴۳
اِیَّاکَ یُعْبَدُ کی قراءت	۴۴
قراءت نُعْبُدُ و	۴۵
یحییٰ بن وثاب کی قراءت نِسْتَعِیْنُ	۴۶
حضرت عمر کی قراءت غَیْرُ الْمَغْضُوْبِ	۴۶
ابو ایوب سختیانی کی قراءت وَلَا الضَّأْلِّیْنَ	۴۷
مقام نجدی	۴۷
شرح حال روح	۴۸
معارف اولیاء کی شرح	۴۸
شرح حدیث اُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ	۴۸
ائمہ قراء اور حضرت کے بیان میں فرق	
کہیں کوئی یہ خیال نہ کر بیٹھے کہ قرآن کی تفسیر انہی	۴۹
سات باطنی حروف سے ہو سکتی ہے اور بس	۴۹
حروف ملفوظہ کے اسرار کا علم سوائے اصحاب کشف کے کسی کو نہیں ہو سکتا۔	۵۰
قرآن مجید کا رسم الخط توقیفی ہے۔ اصطلاحی نہیں	۵۰
دو اعتراض اور ان کا جواب	۵۱
کلام شیخ اور احادیث میں تطبیق	۵۲
اختلاف قراءت سات قسم کا ہے	۵۸
تیسری حدیث اَلرُّؤْیَا الصَّالِحَۃُ الخ	۶۰
اس حدیث کی وہ شرح جو امام غزالی نے کی ہے	۶۵

Marfat.com

مضمون	صفحہ
مازری کی تشریح	۱۶۶
ابوسعید سفاقسی کی تشریح	۱۶۶
اس پر اعتراض	۱۶۶
تیسرے اعتراض کا جواب	۱۶۷
جواب الجواب	۱۶۷
چوتھے اعتراض کا جواب	۱۶۷
دوسرے اعتراض کا جواب	۱۶۷
ابن حجر کے بیان پر اعتراض	۱۶۸
ابو جعفر طبری کا بیان	۱۶۸
ابن بطال کا بیان	۱۶۸
ایک اور بیان	۱۶۸
امام ابو محمد ابن ابی جمرہ کا بیان	۱۶۹
رحمانی و شیطانی خوابیں	۱۶۹
سچی اور جھوٹی خوابیں	۱۷۰
ضرر رساں اور غیر ضرر رساں خوابیں	۱۷۱
جب خواب نقصان دہ نہیں تو پھر تھوکنے کا کیوں حکم دیا گیا۔	۱۷۲
بائیں طرف تھوکنے کا کیوں حکم دیا گیا	۱۷۳
دائیں جانب سے کیا مراد ہے ؟	۱۷۳
تین بار تھتکارنے میں حکمت	۱۷۴
پریشان خواب دیکھنے کے بعد نماز پڑھنے کا حکم	۱۷۴
آنحضرتؐ کی موجودگی میں ابو بکرؓ کی دی ہوئی تعبیر کے متعلق سوال۔	۱۷۶
حدیث کے الفاظ کی روایت میں اختلاف	۱۷۷
ابو بکرؓ کی غلطی کے بارے میں علماء کا اختلاف	۱۷۷
قاضی عیاض کی رائے	۱۷۷

مضمون	صفحہ
قتیبہ بن سعید وغیرہ کی رائے اور اس کا جواب	۱۷۹
امام طحاوی وغیرہ کی رائے	۱۷۹
ایک اور قول	۱۸۰
ایک اور قول	۱۸۰
ابن العربی کی رائے	۱۸۰
حضرت سید عبدالعزیز دباغؒ کی بیان کردہ تشریح	۱۸۰
عمرا ثلاثہ سے کون مراد ہیں ؟	۱۸۳
خواب کیا ہے اور کیسے نظر آتی ہے ؟	۱۸۶
مازری کی رائے	۱۸۶
فلاسفہ کی رائے	۱۸۶
معتزلہ کی رائے	۱۸۶
ابن عربی کی رائے	۱۸۶
صالح معتزلی کی رائے	۱۸۷
خواب کے متعلق اہل سنت کی رائے	۱۸۷
ایک اور رائے	۱۸۷
ایک اور قول	۱۸۷
اس حدیث کے متعلق ذہبی کی رائے	۱۸۸
ایک اور رائے	۱۸۸
خواب کی دو قسمیں ہیں۔ خواطر اور ادراکات	۱۸۹
پہلی قسم ۔ ادراکات	۱۸۹
ظلام ظلمت کے دس درجے ہیں	۱۹۰
پہلا درجہ	۱۹۰
دوسرا درجہ	۱۹۰
تیسرا درجہ	۱۹۱
چوتھا درجہ	۱۹۱
پانچواں درجہ	۱۹۲

Marfat.com

مضمون	صفحہ
چھٹا درجہ	۱۹۳
ساتواں درجہ	۱۹۳
آٹھواں درجہ	۱۹۴
نواں درجہ	۱۹۴
دسواں درجہ	۱۹۵
درجات طہارت	۱۹۵
طہارت کا پہلا درجہ	۱۹۵
دوسرا درجہ	۱۹۶
تیسرا درجہ	۱۹۶
چوتھا درجہ	۱۹۶
پانچواں درجہ	۱۹۷
چھٹا درجہ	۱۹۷
ساتواں درجہ	۱۹۷
آٹھواں درجہ	۱۹۷
نواں درجہ	۱۹۷
دسواں درجہ	۱۹۸
سوال	۱۹۸
جواب۔ انبیاء کی خوابیں دو قسم کی ہیں معاینہ اور وحی	۱۹۹
معراج دو مرتبہ ہوئی۔ ایک مرتبہ روحانی اور دوسری مرتبہ جسمانی	۱۹۹
خواب وحی	۱۹۹
سوال	۲۰۰
جواب	
جناب سید الوجود علیہ السلام کو خواب میں دیکھنا	۲۰۲
خواب کی دوسری قسم	۲۰۴

مضمون	صفحہ
تعبیر رؤیا ایک وہبی علم ہے۔ جو کسب سے حاصل نہیں ہو سکتا۔	۲۰۴
حدیث الاحسان ان تعبد ربک الخ	۲۰۵
تشریح	۲۰۵
سوال و جواب	۲۰۶
قرآن کی آیت کو بھلا دینے کی حدیث کے متعلق سوال	۲۰۷
جواب	۲۰۸
جنت اور دوزخ کی بحث والی حدیث کے متعلق سوال	۲۰۹
جبرئیل کا کچھ مدت تک وحی نہ لے کر آنے والی حدیث کے متعلق سوال	۲۱۰
محشر میں اللہ کا مؤمنین کے سامنے آنا	۲۱۱
حدیث ان قلب العبد بین الخ کے متعلق سوال	۲۱۳
جواب	۲۱۳
حدیث۔ حجر اسود دنیا میں اللہ کا دایاں ہاتھ ہے کے متعلق سوال	۲۱۴
حدیث یؤتی بالموت فی صورۃ کبش الخ کے متعلق سوال	۲۱۵
کنکریوں کی تسبیح وغیرہ کے متعلق بیان	۲۱۵
حضرت داؤد اور مینڈک کا قصہ	۲۱۶
محمد امواج اور مچھلیوں کا قصہ	۲۱۷
موسیٰ علیہ السلام کا اللہ سے کلام والی حدیث کے متعلق سوال	۲۱۹
جبرئیل کا ایک سائل کی صورت میں آنا	

Marfat.com

مضمون	صفحہ
حدیث مامن نبی الا وقد اعطی ما مثلہ آمن علیہ البشر	۲۲۲
مشاہدۂ نبی کریمؐ	۲۲۳
حدیث الاشعریین	۲۲۵
تابیر نخل کا قصہ	۲۲۸
حدیث اذا اذن بالصلوٰۃ ادبر الشیطن ولہ ضراط	۲۳۰
حدیث ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی	۲۳۰
ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	۲۳۱
ولادت نبوی کس ماہ میں ہوئی	۲۳۲
آنحضرتؐ کا یوم ولادت	۲۳۲
آنحضرتؐ کا سال ولادت	۲۳۳
آنحضرتؐ کی مدت حمل	۲۳۳
آنحضرتؐ کے بغل کے بال	۲۳۳
کیا آنحضرتؐ کے ابرو ملے ہوئے تھے؟	۲۳۳
آنحضرتؐ کی چال	۲۳۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی	۲۳۴
آنحضرتؐ کے بال۔ سفید بال خضاب اور چونہ کا استعمال	۲۳۴
شق صدر	۲۳۴
کیا آنحضرتؐ کی انگشت شہادت درمیانی انگشت سے بڑی تھی؟	۲۳۶
جبرائیل کا آنحضرتؐ کو تین بار بھینچنا	۲۳۷
حدیث اذا اتیتکم لیلتکم ھذہ	۲۳۷
دوسرا باب	۲۳۹
قرآنی آیات	۲۳۹
۱- فلما آتاھما صالحا الآیۃ	۲۳۹

مضمون	صفحہ
۲- اتجعل فیہا الآیۃ	۲۴۰
۳- اتبعوا احسن ما انزل الیکم	۲۴۱
قرآن مجید کی متعدد آیات میں سمع کو بصر پر مقدم کیوں لایا گیا ہے؟	۲۴۲
والذین اذا فعلوا فاحشۃ الآیۃ	۲۴۴
والزمھم کلمۃ التقوی الآیۃ	۲۴۵
وانہ اھلک عادا الاولی	۲۴۵
حضرت داؤدؑ غوث وقت تھے	۲۴۸
وداود وسلیمان اذ یحکمان فی الحرث الآیۃ	۲۴۸
حکایت	۲۵۱
یوم یکشف عن ساق	۲۵۲
مشیحا۔ یا۔ مشیخا	۲۵۲
انجیل کے معنی	۲۵۲
توراۃ کے معنی	۲۵۲
مشقح	۲۵۲
المنحمنا	۲۵۲
ایک اور قصہ اور احمی حیثا وطمی طمیثا کی تشریح	۲۵۳
سریانی ارواح کی زبان ہے	۲۵۴
سریانی کے سوا تمام زبانوں میں انقلاب پایا جاتا ہے	۲۵۴
سریانی زبان تمام زبانوں میں ساری ہے	۲۵۵
حضرت آدمؑ کی زبان سریانی تھی	۲۵۶
اہل دیوان کی زبان سریانی ہے۔	۲۵۷
کیا سوال قبر سریانی زبان میں ہوگا یا کسی اور زبان میں؟	۲۵۷
سوال و جواب کے الفاظ	۲۵۸
صمرا ذرھو	۲۵۸

Marfat.com

مضمون	صفحہ
مراد از یہ ہو	۲۵۹
کلمات قرآنیہ کے متعلق سوال	۲۶۰
اَسْفَارًا	۲۶۰
اَلرَّبَّانِیُّوْنَ	۲۶۱
هَیْتَ لَكَ	۲۶۱
شَهْرًا	۲۶۱
تَعُدُّوْنَ	۲۶۲
رَهْوًا	۲۶۲
کیا قرآن مجید لوح محفوظ میں عربی میں لکھا	
ہوا ہے؟	۲۶۴
کھیعص	۲۶۴
الٓمٓ	۲۶۵
ص	۲۶۷
کھیعص	۲۶۸
ا	۲۶۸
ہ	۲۶۸
ع	۲۶۹
ایک واقعہ	۲۷۰
ایک اعتراض	۲۷۰
جواب	۲۷۱
سوال	۲۷۱
جواب	۲۷۲
دوسرا سوال	۲۷۳
جواب	۲۷۴
سریانی زبان میں حروف تہجی کے معانی	۲۷۶
۱۴ آیت وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	۲۸۰

مضمون	صفحہ
۱۵ مسئلہ غرانیق	۲۸۱
ابن حجر کا بیان	۲۸۱
حضرت دآع کا جواب	۲۸۳
وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ الآیۃ	۲۸۵
پہلی تفسیر	۲۸۶
دوسری تفسیر	۲۸۶
تیسری تفسیر	۲۸۶
۱۶ قصہ ہاروت و ماروت	۲۸۷
۱۷۔ وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْهَا مِنْ بَرَدٍ	۲۸۷
سوال	۲۸۸
جواب	۲۸۸
زلزلہ اور اس کا سبب	۲۹۲
خسف کا سبب	۲۹۳
۱۷۔ یُرْسَلُ عَلَیْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ الآیۃ۔	۲۹۵
۱۸۔ یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ كَطَیِّ "	۲۹۵
۱۹۔ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ	۲۹۷
۲۰۔ یَمْحُو اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ	۲۹۸
۲۱۔ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ الآیۃ	۲۹۹
اہل فتح کو کن باتوں کا مشاہدہ ہوتا ہے۔	۳۰۱
دوسرے مقام کے مشاہدات	۳۰۲
۲۲۔ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا الآیۃ	۳۰۲
۲۳۔ وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ "	۳۰۵
۲۴۔ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ	۳۰۶
۲۵۔ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ	۳۰۸
۲۶۔ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِیْمًا۔	۳۰۹
۲۷۔ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ الآیۃ	۳۱۰

Marfat.com

مضمون	صفحہ
۲۸- فی الغنم السائمۃ زکوٰۃ	۳۱۰
۲۹- فلما جن علیہ اللیل	۳۱۲
۳۰- ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ	۳۱۴
۳۱- ومنھم من عاھد اللہ الآیۃ	۳۱۵
۳۲- واذ اخذ ربک من بنی آدم "	۳۱۷
کیا انبیاء نبوت سے پہلے بھی معصوم ہوتے ہیں؟	۳۱۹
۳۳- وتخشی الناس واللہ احق الآیۃ	۳۲۱
۳۴- عفا اللہ عنک "	۳۲۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کا علم تھا۔	۳۲۳

مضمون	صفحہ
۳۵- وما کنا معذبین حتی نبعث الآیۃ	۳۲۵
۳۶- وما صاحبکم بمجنون	۳۲۶
۳۷- وما یکون لنا ان نعود فیھا الا ان الآیۃ	۳۲۷
۳۸- والنجم اذا ھویٰ "	۳۲۷
الصمد	۳۲۸
اہل اعراف	۳۲۹
۳۹- انا فتحنا لک الآیۃ	۳۲۹
۴۰- عالم الغیب فلا یظھر الآیۃ اور ان اللہ عندہ علم الساعۃ	۳۳۳

حصہ دوم

تیسرا باب

مضمون	صفحہ
فاسق کون ہے؟	۳۳۷
محرومین	۳۳۸
اپنے اعمال پر غرہ نہیں ہونا چاہیئے	۳۳۸
حکایت	۳۳۸
لوگ جنت میں اللہ کی رحمت سے جائیں گے نہ کہ اعمال کی وجہ سے	۳۳۹
کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے درود پڑھنے سے فائدہ پہنچتا ہے۔	۳۴۲
لوگ بزرگوں کی قسمیں یا بزرگوں کا نام لے کر کیوں فریاد کرتے ہیں۔ اللہ کا نام کیوں نہیں لیتے	۳۴۶
اللہ سے منقطع کرنے والے اسباب	۳۴۷
صحابہؓ میں کیا خصال پائی جاتی تھیں؟	۳۵۰

مضمون	صفحہ
کن امور سے ایمان بڑھتا ہے	۳۵۲
اغلام کیوں حرام ہے؟	۳۵۲
زنا کیوں حرام ہے؟	۳۵۳
قیامت کے دن سب سے سخت عذاب کسے ہوگا	۳۵۴
رسولوں کے بھیجنے کا مقصد	۳۵۷
ذکر کے وقت چیخنا چلانا	۳۵۸
حکایت	۳۶۰
تمباکو نوشی	۳۶۱
بدکاروں کی مجلس میں بیٹھنا منع ہے	۳۶۲
جہنم کا ذکر	۳۶۳
علوم کشف (جفر، رمل وغیرہ) میں اشتغال کا سبب انقطاع القلب عن الحق ہے۔	۳۶۴
عجیب حکایت	۳۶۵

Marfat.com

مضمون	صفحہ
حکایت	۳۶۶
حکایت	۳۶۶
ولی کو کسی کے جنبی ہونے کا علم کیسے ہوتا ہے	۳۶۶
ولی کامل انسان کو ایک لحظہ میں واصل باللہ بنا سکتا ہے۔	۳۶۷
مومنین کی محبت گناہ مٹانے میں توبہ سے بھی زیادہ موثر ہے	۳۶۹
گناہ گار مومن سے محبت کی جائے تو حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کہاں رہے۔	۳۷۰
بغض معصیت سے ہونا چاہیے نہ کہ مومن سے	۳۷۰
لوگوں کی توجہ اپنی طرف کرنے کی غرض سے عمدہ لباس پہننا یا خوراک کھانا وغیرہ بُری بات ہے	۳۷۱
طول عمر میں حکمت	۳۷۲
حکایت	۳۷۴
ایک عابد کا واقعہ جس نے اپنے اعمال پر اعتماد کیا	۳۷۵
اہل دیوان مرنے کے بعد اپنے آپ کو خود غسل دیتے ہیں۔	۳۷۸
ایک واقعہ	۳۷۸
چوتھا باب	
دیوان صالحین	۳۸۳
گزشتگان میں سے بعض کاملین بھی دیوان میں حاضر ہوتے ہیں۔	۳۸۴
اموات اولیاء سے زندوں کے امور کے بارے میں مشورہ نہیں کیا جاتا	۳۸۴
مُردوں کے لئے دعاء مغفرت کرتے وقت فوت شدہ اولیاء میں سے کسی کا وسیلہ لانا بہتر ہے	۳۸۵

مضمون	صفحہ
دیوان میں جن و ملائکہ کے حاضر ہونے کا سبب	۳۸۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی دیوان میں تشریف فرما ہوتے ہیں۔	۳۸۵
دیوان کا وقت	۳۸۶
ساعت قبولیت پانے کا طریقہ	۳۸۶
اُمّت محمدیہ سے پہلے اصحاب دیوان ملائکہ تھے	۳۸۶
ہر شہر میں اولیاء کی مدد کے لئے فرشتوں کی ایک جماعت ہوتی ہے۔	۳۸۷
کیا انبیاء علیہم السلام بھی دیوان میں شرکت فرماتے ہیں	۳۸۸
حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ میں کون افضل ہے۔	۳۸۸
حضرت عائشہ کی افضلیت	۳۸۸
لیلۃ القدر کی اصل	۳۸۹
ساعت جمعہ کی قبولیت کا سبب	۳۸۹
مشرق و مغرب کے اعتبار سے اس ساعت کو کس طرح پایا جائے	۳۹۱
ساعت جمعہ اور شب قدر کے منتقل ہونے کا سبب	۳۹۲
احادیث سے حضرت کے بیان کی تائید	۳۹۲
اہل دیوان میں سے ہر کوئی لوح محفوظ کو نہیں دیکھ سکتا۔	۳۹۵
دیوان میں سے غوث کی غیر حاضری	۳۹۶
غوث کی موجودگی میں کسی کو مخالفت کی جرأت نہیں ہوسکتی	۳۹۷
ایک واقعہ	۳۹۸

Marfat.com

مضمون	صفحہ
مجاذیب کا دیوان میں کوئی دخل نہیں۔ اُن کا دخل تباہی کی علامت ہے۔	۳۹۸
خروج دجّال کے وقت تصرّف مجذوبوں کے ہاتھ میں ہوگا۔	۳۹۸
سالک اور مجذوب میں فرق	۴۰۰
ایک عارف اور ان کے بیٹے کا قصّہ	۴۰۱
سالک چند باتوں میں مجذوب سے پرہیز کرتا ہے۔	۴۰۱
اولیاء اللہ کے لئے اشیاء کا مسخّر ہونا اور ان کا حیرت انگیز امور کا کرنا۔	۴۰۲
امت محمدیہ کے اولیاء کی فضیلت	۴۰۲
اہل تصرف کفار کو ہلاک کیوں نہیں کردیتے	۴۰۳
ایک واقعہ	۴۰۳
کافروں سے جنگ کرنے میں اہل تصرّف باطن کو استعمال نہیں کر سکتے۔	۴۰۳
ایک عیسائی بچی کا واقعہ	۴۰۴
اگر ولی اپنے جسم کے سوا کسی اور جسم میں قتل ہو تو تکلیف کسے ہوگی۔	۴۰۴
صاحب تصرف ولی جس کسی کی جیب میں سے چاہے بدوں اس کے کہ اسے پتہ چلے ہاتھ ڈال کر پیسے نکال سکتا ہے۔	۴۰۷
مال لینے میں ولی اور چور میں فرق	۴۰۸
پانچواں باب	
پیر پکڑنے اور مُرید بننے کے بارے میں	۴۱۰
پہلا سوال:- کیا تربیت منقطع ہوگئی ہے۔	۴۱۰
خیر القرون میں پیری مُریدی کیوں نہ تھی	۴۱۰

مضمون	صفحہ
دوسرا سوال:- بیداری میں دیدار آنحضور صلعم	۴۱۲
تیسرا سوال:- پیر کی موجودگی اور عدم موجودگی کی وجہ سے مُرید کی تربیت میں کمی و زیادتی کیوں ہوتی ہے؟	۴۱۶
چوتھا سوال:- کیا طریق شکر افضل ہے۔ یا طریق مجاہدہ؟	۴۱۶
پانچواں سوال:- انسان کے لئے کیا یہ ممکن ہے کہ وُہ یہ معلوم کر سکے کہ آیا وُہ مرید بننے کے قابل ہے یا نہیں؟	۴۱۹
ایک عورت کا قصہ	۴۲۰
ایک معلّم کا واقعہ	۴۲۱
چھٹا سوال:- ابلیس اور سہل تستری کا مباحثہ	۴۲۲
ساتواں سوال:-	۴۲۴
آٹھواں سوال:- مجھے ہر چیز میں خدا نظر آتا ہے۔	۴۲۶
نواں سوال:- استحضار صورت آنحضرت	۴۲۶
ایک عیسائی کی محبت کا واقعہ	۴۲۸
جب تک مُرید کو شیخ سے محبت نہ ہو محض شیخ کی محبت سے مُرید کو فائدہ نہیں ہوتا۔	۴۲۸
شیخ کی ولایت اور سحر کی خاطر محبت کیوں فائدہ مند نہیں ہوتی؟	۴۳۰
محبت شریک نہیں چاہتی۔	۴۳۰
کیا محبت کی کوئی علامت ہو سکتی ہے؟	۴۳۱
شیخ سے سچی محبت کی علامت	۴۳۱
حضرت محمد بن عبدالکریم کا پانی پر چلنا	۴۳۳
شیخ عبدالعلی کا قصہ	۴۳۴

Marfat.com

مضمون	صفحہ
ایک مُرید کا امتحان	۴۳۵
ایک اور سچے مُرید کا واقعہ	۴۳۶
ایک مجذوب کا قصّہ	۴۴۱
اولیاء اللہ کے سوانح نگاروں نے بہت نقصان پہنچایا ہے	۴۴۱
ولی معصوم نہیں ہوتا	۴۴۳
مؤلف کتاب کا ایک فقیہ کے ساتھ مناظرہ	۴۴۵
صاحب فتح ولی حق بات کو جانتا ہے اور وہ مذاہب اربعہ سے کسی کا مقید نہیں ہوتا	۴۴۷
ولی سے ظاہر کی مخالفت کے اسباب	۴۵۶
تابیرِ نخل کا واقعہ	۴۵۶
ولی سے بیعت کا مقصد	۴۶۱
چھٹا باب	
شیخ تربیت کا بیان ۔ قصیدہ رائیہ	۴۶۴
شیخ کی باتوں پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے	۴۷۳
ایک اور مُرید کا واقعہ	۴۷۶
حضرت ثابت کا واقعہ	۴۷۹
ابوالحسن ہنادی کی حالت	۴۸۶
ناظم قصیدہ کے حالات	۴۹۴
حضرت عبدالعزیز دباغ کے مشائخ	۴۹۷
منصور بن احمد	۴۹۸
محمد سراج	۴۹۸
احمد بن عبداللہ مصری	۴۹۸
علی بن عیسیٰ مغربی	۴۹۸
محمد بن علی، محمد مغربی، عبداللہ جراز	۴۹۸
اسم اعظم	۵۰۱
اسماء حسنیٰ	۵۰۲
ایک اعتراض اور اس کا جواب	۵۰۲
روح کا احاطہ نہیں ہو سکتا	۵۰۵
روح کا سمجھنا مشکل امر ہے	۵۰۵
انسان حق سبحانہ کی معرفت کی طاقت نہیں رکھتا	۵۰۵
ذکر عبادت سے زیادہ بھاری ہے۔	۵۰۵
قریب	۵۰۶
المتعالی	۵۰۶
اسماء حسنیٰ کے ورد کے لئے کسی عارف سے تلقین لینا ضروری ہے	۵۰۷
اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ کا ورد فقر اور مصیبت کے لئے مفید ہے۔	۵۰۷
حضرۃ کب سے شروع ہوا۔	۵۰۸
ساتواں باب	
اولیاء اللہ کے مشکل کلام کی تشریح	۵۱۱
(۱) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مَنْ مِنْہُ انْشَقَّتِ الْاَسْرَار	۵۱۱
دوسری تشریح	۵۱۲
تیسری تشریح	۵۱۲
نور محمدی کی آفرینش	۵۱۴
لیلۃ القدر کی اصل	۵۱۸
وَفِیْہِ ارْتَقَتِ الْحَقَائق	۵۱۹
وتنزلت علوم آدم	۵۱۹
عالم ملکوت و جبروت	۵۲۱
عالم الملک کی ایک اور تعریف	۵۲۱
اَللّٰھُمَّ الحقنی بنسبہ وحققنی بحسبہ	۵۲۲
لیس من الکرم ان لا نحسن الا	۵۲۲

Marfat.com

مضمون	صفحہ
لِمَنۡ اَحۡسَنَ اِلَیۡكَ	۵۲۲
ابن فارض کے شعر کی تشریح	۵۲۳
امام غزالی کے ایک قول پر بحث	۵۲۸
جبرائیل آنحضرت سے زیادہ عالم نہ تھے	۵۲۹
تکبیرات عیدین	۵۲۹
خضنا بحوراً وقفت الانبیاء بسواحلها	۵۳۱
لیس فی الامکان ابدع مما کان	۵۳۱
فصل	۵۳۵
پہلا گروہ ۔ معترضین	۵۳۷
دوسرا گروہ	۵۳۸
شعرانی کا بیان	۵۳۹
امام ابوالبقاء کا جواب	۵۴۱
زرکشی کا جواب	۵۴۱
احمد زروق کا جواب	۵۴۲
برہان الدین کا جواب	۵۴۳
ابوالمواہب تونسی کا جواب	۵۴۳
شیخ الاسلام زکریا کا جواب	۵۴۴
سیوطی کا جواب	۵۴۵
شرف الدین بن تلمسانی کا بیان	۵۴۵
ابن ہمام کا بیان	۵۴۵
سید سمہودی کا جواب	۵۴۶
تیسرا گروہ	۵۴۶
پہلی عبادت	۵۴۶
دوسری عبادت	۵۴۶
تیسری عبادت	۵۴۷

مضمون	صفحہ
آٹھواں باب	
حضرت آدم کی پیدائش	۵۵۰
اکرموا عمتکم النخلۃ حدیث نہیں ہے	۵۵۴
ذات آدم ذات ملائکہ سے افضل ہے۔	۵۵۵
نواں باب	
فتح ظلمانی اور فتح نورانی ۔ فتح نورانی کی قسمیں	۵۵۸
حکماء و منجمین کو یہ علم کہاں سے حاصل ہوا	۵۵۸
ابراہیم خواص اور یہودی کا قصہ	۵۶۱
فلسفہ اور نجوم کی اصل	۵۶۲
ولی آئندہ آنے والے واقعات کے متعلق بہت کم بات کرتے ہیں۔	۵۶۳
حوادث دنیا کیوں باطل ہیں	۵۶۵
فتح اوّل میں اہل حق اور اہل باطل میں فرق۔	۵۶۵
بعض اوقات چھوٹے ولی کو بڑے ولی سے زیادہ مکاشفہ ہوتا ہے	۵۶۶
خضر نبی نہ تھے	۵۶۶
مشاہدۂ نبوی کی علامت	۵۶۸
مشاہدۂ الٰہی حاصل ہونے کی علامت	۵۶۹
کیا ولی کے لئے ترک نماز ممکن ہے؟	۵۷۰
مجذوب صاحب تصرف نہیں ہوتا	۵۷۲
صلوٰۃ العارفین	۵۸۱
دسواں باب	
برزخ اور اس میں روحوں کے اترنے کی کیفیت۔	۵۸۴

Marfat.com

مضمون	صفحہ
اصحاب فتح کبیر کو قیامت کا علم ہوتا ہے۔	
گیارہواں باب	
جنت، اس کی ترتیب اور تعداد	۵۹۵
جنتِ عالیہ	۵۹۶
جنتوں کی تعداد	۵۹۹
جنتوں کی ترتیب	۶۰۰
جنتوں کی کیفیت و وضع	۶۰۰
توبہ کا دروازہ	۶۰۲
توبہ کے دروازے بند ہونے سے کیا مراد ہے؟	۶۰۳

مضمون	صفحہ
درود شریف کے پڑھنے سے جنت میں دست پیدا ہوتی ہے۔	۶۰۳
کیا ہر درود پڑھنے والے کا درود مقبول ہوتا ہے؟	۶۰۴
اہل جنت کا لباس	۶۰۷
بارھواں باب	
جہنم کا بیان	۶۱۰
حکایت	۶۱۲
حکایت	۶۱۴

Marfat.com

پیش لفظ

مجھ سے پہلے ابریز کا ترجمہ مولوی عاشق الٰہی صاحب میرٹھی کر چکے ہیں اور درحقیقت انہوں نے بہت اچھا ترجمہ کیا ہے۔ عیوب سے پاک ذاتِ باری تعالیٰ ہے اس لئے مجھے کسی کے عیوب کا تذکرہ کرنا منظور نہیں ہے۔ میں نے مولوی عاشق الٰہی صاحب کے ترجمہ سے بہت مدد لی ہے۔ اس لئے میرے ترجمہ کی اگر تعریف ہو گی تو اسے انہی کی تعریف سمجھا جانا چاہیئے پھر اَلْفَضْلُ لِلْمُتَقَدِّم کے اعتبار سے بھی وہ مجھ پر فوقیت رکھتے ہیں۔

میں نے اس ترجمہ میں تقلید نہیں کی بلکہ مستقل طور پر ترجمہ کیا ہے اور چھوٹے چھوٹے عنوانات قائم کر دیئے ہیں۔ پھر الگ الگ پیرے بنا کر قارئین کی سہولت کے لئے کتاب کو جدید طرز میں پیش کیا ہے۔ جن علماء، صحابہ اور دیگر بزرگوں کا کتاب میں ذکر آیا ہے ان کے متعلق مختصر حواشی دے دیئے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کو ان کے متعلق کسی قدر معلومات حاصل ہو جائیں۔

مولوی عاشق الٰہی صاحب نے حضرت عبدالعزیز دبّاغ کے بیان سے دو جگہ اختلاف کیا ہے۔ مگر میرے خیال میں حق حضرت دبّاغ کے ساتھ ہے۔ مولوی صاحب اپنے عقیدہ کے مطابق بات کر رہے ہیں اور حضرت دبّاغ اپنے عقیدہ اور مرتبہ کے مطابق۔ نیز انہوں نے چند مقامات کا ترجمہ نہیں کیا مگر میں نے تمام کتاب کا ترجمہ کیا ہے۔

آخر میں یہ سراسر ناانصافی ہو گی اگر میں اپنے محترم دوست میجر عبدالعزیز صاحب۔ اے۔ ایم۔ سی۔ او۔ سی ہیلتھ اسینٹر۔ راولپنڈی کا شکریہ نہ ادا کروں۔ انہوں نے اپنے قیمتی کتب خانہ سے مجھے فتح الباری، تذکرۃ الحفاظ، اصابہ، اخبار الاخیار، لسان المیزان، کشف الظنون، کتاب الانساب اور فہرست ابن الندیم وغیرہ عاریۃً دیں جن کی مدد سے میں حواشی لکھنے کے قابل بنا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کی مدد کے بغیر میں اپنے کام کو کامیابی سے نہ کر سکتا تھا۔

محمد حسن

عرضِ حال

از ناشر

اللہ کے ولیوں نے طریق حق کے متلاشیوں کی رہنمائی کے لئے متعدد کتابیں لکھی ہیں جن سے اب تک خلق خدا روحانی فیوض و برکات حاصل کرتی رہی ہے۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جو ابریز کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب میں حضرت علامہ احمد بن مبارک سجلماسی (شہر فاس، الجزائر، افریقہ) نے اپنے مرشد کامل، غوث زماں حضرت سید عبدالعزیز دبّاغ مغربیؒ، جو اُمّی محض تھے، کے مختصر حالات زندگی اور کرامات لکھنے کے بعد آپ کی بیان کردہ بعض احادیث نبوی اور آیات قرآنی جن کو وہ خود متبحر عالم دین ہونے کے باوجود سمجھنے سے قاصر

Marfat.com

رہے تھے) کی تشریحات اور باطنی علوم اور احوال سے متعلق بے شمار استفسارات کے عمدہ اور صحیح جوابات درج کئے ہیں۔ اس میں چونکہ نادر و نایاب مسائل کا ایک گراں قدر مجموعہ موجود ہے، جو طالبانِ حق کے لئے رُوحانی تسکین کا موجب ہے۔ اس لئے اِس کتاب کا درجہ بہت ہی بلند ہے۔ بعض امور ایسے بھی بیان کئے گئے ہیں جو مرید کے اِستفسار پر براہِ راست آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے دریافت کر کے بتائے گئے۔

پچیس تیس سال پہلے اس کتاب کا اردو ترجمہ "تبریزیہ" کے نام سے، مولینا عاشق الٰہی میرٹھیؒ نے دہلی سے شائع کرایا تھا، جس کے کچھ نسخے منگوا کر اپنے دوستوں کو دیئے تھے۔ کتاب چونکہ نایاب ہوگئی تھی، اللہ تعالیٰ نے احقر کو توفیق بخشی کہ باوجود مالی بے بضاعتی کے اسے دوبارہ طبع کرانے کا عزم کروں۔ مولینا عاشق الٰہی صاحب مرحوم کا ترجمہ بہت عمدہ ہے مگر زبان ذرا پرانی ہے۔ اس میں عبارت مسلسل چلی جاتی ہے، کہیں کوئی سُرخی نہیں آتی اور بعض جدت پسند طبائع اسے پسند نہیں کرتیں۔ نیز ایک باب بھی چھوڑ دیا گیا ہے اس لئے مجھے اِس کتاب کا دوبارہ ترجمہ کرانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جناب ڈاکٹر عبداللہ چغتائی صاحب سے ایک دفعہ اتفاقاً تذکرہ ہوگیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک صاحب سے ملاقات کرادوں گا۔ اگر وُہ مان گئے تو تمہارا کام بن جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے چند روز بعد جناب ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب ایم اے، پی ایچ، ڈی، پرنسپل گورنمنٹ ہایر سیکنڈری سکول راولپنڈی سے تعارف کرایا۔ مَیں نے کتاب کا اُن سے تذکرہ کیا اور ساتھ ہی یہ گذارش بھی کی کہ ترجمہ کا کام معاوضہ کے تصوّر سے بے نیاز ہو کر کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے بڑے شوق اور محنت سے اِس کام کو اِتمام تک پہنچایا۔ ایک بڑا کارنامہ جو سرانجام دیا ہے وُہ یہ ہے کہ کتاب کے شروع میں اپنی طرف سے ایک مبسوط دیباچہ لکھا ہے جس میں بزرگانِ سلف کی کتابوں سے اقتباسات درج کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ صوفیائے کرام کا مسلک کتاب وسنت کے عین مطابق رہا ہے۔ نیز جن لوگوں نے ان مقدس ہستیوں پر الزامات عائد کئے ہیں انہوں نے جلد بازی سے کام لیا ہے اور اصل معاملہ کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی وغیرہ وغیرہ۔ نیز تمام کتاب میں عنوانات قائم کر دیئے ہیں اور مختلف بزرگوں کا جہاں کہیں ذکر آگیا ہے، حواشی میں ان کا مختصر تعارف کرادیا ہے۔ اس کارِ خیر میں ان کے ذاتی دوست میجر عبدالعزیز صاحب (راولپنڈی) کا بھی حصّہ ہے، جنہوں نے اپنی گراں بہا لائبریری میں سے وُہ تمام کتابیں انہیں مہیا فرمائیں جن کی انہیں ضرورت پڑتی رہی۔ اللہ تعالےٰ ان دونوں حضرات کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

احقر العباد

سَردار محمد

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی آلَاءِہٖ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَنْبِیَاءِہٖ لَاسِیَّمَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَآلِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ وَالرَّحْمَۃُ وَالْمَغْفِرَۃُ عَلٰی اَوْلِیَاءِہٖ

دنیا میں حق و باطل، ظلمت و نور، سچ اور جھوٹ میں قدیم سے جنگ چلی آتی ہے۔ باطل کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ حق یا تو بالکل ہی مٹ جائے یا کم از کم چھپا رہے۔ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ۔ یہی حال اللہ والوں کا رہا کہ باطل پرست ہر زمانہ میں ان کے مخالف رہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو اِنَّہٗ لَکَبِیْرُکُمُ الَّذِیْ عَلَّمَکُمُ السِّحْرَ کہا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ، شاعر، کاہن اور مجنون تک کہا گیا۔

قِیْلَ اِنَّ الْاِلٰہَ ذُوْ وَلَدٍ قِیْلَ اِنَّ الرَّسُوْلَ قَدْ کَہَنَا

(کہا گیا کہ اللہ کی اولاد ہے اور رسول اللہ کاہن ہیں) مگر اللہ والے ان باتوں سے متاثر ہو کر اپنا اصلی مقصد ترک نہیں کر دیتے۔ ان کا مقصد لوگوں کو راہ حق دکھانا ہوتا ہے۔ اور اس فرض کی ادائیگی میں وہ کسی قسم کی ملامت یا طعن و تشنیع کی پرواہ نہیں کرتے۔ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی اتباع میں اولیاء کرام بھی اسی راہ پر گامزن رہے۔ لوگوں نے ان پر طرح طرح کی الزام تراشیاں کیں۔ مگر آواز سگاں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے قافلہ بدستور چلتا رہا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جو لوگ ان بزرگوں پر زبان طعن دراز کرتے ہیں اور انہیں ہدف سہام ملام بناتے ہیں وہ یہ کام "اصلاح" کی آڑ لے کر کرتے ہیں۔

وَاِذَا قِیْلَ لَہُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ۔ اَلَا اِنَّہُمْ ہُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ۔

(جب انہیں کہا جاتا ہے کہ دنیا میں فساد بپا مت کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں یاد رکھو! یہی لوگ مفسدہ پرداز ہیں لیکن نہیں سمجھتے۔) لوگ اولیاء اللہ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں اور اولیاء اللہ خندہ پیشانی سے اسے برداشت کرتے ہیں اور بحکم اَللّٰہُمَّ اہْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّہُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ (خدایا! میری قوم کو ہدایت کرنا کیونکہ انہیں معلوم نہیں کہ میں کون ہوں) یہ ان کے لئے دعائے خیر بھی کرتے ہیں۔

سب سے زیادہ اور سخت جرح محی الدین ابن العربی معروف بہ شیخ اکبر پر ہوئی۔ انہیں مشرک تک قرار دیا گیا اور یار لوگ توحید کے پرچار کی آڑ لیتے لیتے اپنا ایمان بھی کھو بیٹھے۔ ابن عربی پر ردّ و قدح کی سب سے بڑی وجہ ان کی عبارتوں کا نہ سمجھنا ہے اور ان لوگوں نے اپنی کج فہمی کو بنیاد قرار دیتے ہوئے ایک عمارت کھڑی کر ڈالی اور ابن العربی

Marfat.com

کو اس کج فہمی کی بنا پر کافر اور کیا کچھ کہہ ڈالا

خشتِ اول چوں نہد معمار کج   تا ثریا می رود دیوار کج

حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے بزرگوں نے کتابیں لکھیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام قاضی القضاۃ مجد الدین محمد بن یعقوب متوفی ۸۱۷ھ ۱۴۱۴ء مصنف قاموس اور حافظ ابن حجر کے استاد، جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ ۱۵۰۵ء اور امام عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ ۱۵۶۵ء نے اس سلسلہ میں تصانیف کیں۔ موجودہ دور میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ ۱۹۴۳ء نے بھی ابن عربی کی براءت میں ایک کتاب لکھی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جعلی اور بناوٹی صوفی حقیقی اولیاء اللہ اور صوفیائے کے بھیس میں لوگوں کے سامنے آکر ان کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالتے اور طرح طرح کی چالوں سے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں جس سے حقیقی صوفی اور اہل طریقت بدنام ہو جاتے ہیں اور لوگ ان سے بھی بدظن ہو جاتے ہیں۔ انہی صوفی نماؤں کے متعلق مولانا روم رح فرماتے ہیں:۔

حرفِ درویشاں بدزدیدہ بسے   تا گماں آید کہ ہست او خود کسے

خردہ گیرد در سخن بر بایزید   ننگ دارد از درون او یزید

ہر کہ داند مرد را چوں بایزید   روزِ محشر حشر گردد با یزید[1]

(یہ صوفی نما لوگ صوفیوں کے الفاظ یاد کر لیتے ہیں تاکہ لوگوں کو ان کے متعلق بھی صوفی ہونے کا گمان ہو۔ یہ لوگ اپنی تقریروں میں حضرت بایزید بسطامی پر بھی نکتہ چینی کر جاتے ہیں حالانکہ ان کا باطن اس قدر سیاہ ہوتا ہے کہ اسے دیکھ کر یزید کو بھی شرم آجائے۔ لہٰذا جو شخص ایسے آدمی کو بایزید بسطامی رحمۃ اللہ جیسا سمجھے گا۔ اس کا حشر یزید کے ساتھ ہوگا)

نیز فرماتے ہیں

اے بسا ابلیس آدم روی ہست   پس بہر دستے نباید داد دست

(بہت سے شیطان انسانی شکل میں پھر رہے ہیں لہٰذا تمہیں ہر کسی کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دینا چاہیئے)

درحقیقت اس قسم کے لوگوں نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا ہے اور انہی غلط کار اور صوفی نما لوگوں کو دیکھ کر بعض لوگوں نے تمام صوفیاء پر بلا امتیاز بدعتی اور مشرک ہونے کا فتوی لگانا شروع کر دیا ہے۔

قرونِ اولی سے لے کر آج تک جتنے بھی حقیقی صوفی اور اولیاء اللہ گذرے ہیں۔ سب کے سب خالص توحید اور اتباع سنت پر کاربند رہے ہیں اور انہوں نے سرِ مُو اس سے انحراف نہیں کیا اور انہوں نے اسی کی تلقین میں عمریں گذار دیں۔ اگر ان تمام اقوال کو جمع کیا جائے جن میں ان بزرگوں نے توحید اور اتباع سنت پر زور دیا ہے تو ایک مستقل کتاب ہو جائے۔ میں یہاں چیدہ چیدہ بزرگوں کے چند اقوال پیش کرتا ہوں تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ کس حد تک توحید پر قائم اور سنتِ نبوی کے متبع رہے ہیں۔ ان سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ظالموں نے ان بزرگوں پر کس قدر غلط اور بے جا الزامات لگا رکھے ہیں۔

---

(۱) مثنوی معنوی دفتر اول صفحہ ۴۹۔

Marfat.com

۱۔ ابوسلیمان دارانی کا قول ابوسلیمان عبدالرحمٰن بن احمد بن عطیہ العنسی متوفی ۲۱۵ھ، احمد بن ابی الحواری کے استاد تھے۔ احمد بن ابی الحواری کا تمام خاندان زاہدوں کا خاندان تھا۔ اور ان کی وفات ۲۳۰ھ میں ہوئی ابوسلیمان فرماتے ہیں :۔ رُبَّمَا يَقَعُ فِي قَلْبِي النُّكْتَةُ مِنْ نُكَتِ الْقَوْمِ أَيَّامًا فَلَا أَقْبَلُ مِنْهُ إِلَّا بِشَاهِدَيْنِ عَدْلَيْنِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ[1]

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میرے دل پر صوفیاء کے نکات معرفت وارد ہوتے ہیں اور کئی دنوں تک رہتے ہیں۔ مگر جب تک کتاب وسنت کے دو گواہ اس کی تائید نہیں کرتے میں انہیں قبول نہیں کرتا۔

صوفیاء پر اعتراض کرنے والے انصاف سے کام لیتے ہوئے ذرا غور کریں اور بتائیں کہ کوئی متبع سنت اس سے بڑھ کر اتباع سنت کا دعویٰ کر سکتا ہے ؟

۲۔ المحاسبیؒ کا قول ابوعبداللہ الحارثؒ بن اسد المحاسبی علوم ظاہر اور باطن دونوں کے حامل تھے۔ اور انہوں نے بہت سی تصانیف بھی کی ہیں۔ ان کی وفات امام احمد بن حنبلؒ کی وفات کے دو سال بعد ۲۴۳ھ میں بغداد میں ہوئی فرماتے ہیں

مَنْ صَحَّحَ بَاطِنَهُ بِالْمُرَاقَبَةِ وَالْإِخْلَاصِ زَيَّنَ اللّٰهُ ظَاهِرَهُ بِالْمُجَاهَدَةِ وَاتِّبَاعِ السُّنَّةِ[2]

جس نے مراقبہ اور اخلاص کے ذریعہ سے اپنا باطن درست کر لیا۔ اللہ اس کے ظاہر کو مجاہدہ اور اتباع سنت سے مزین کر دیتا ہے۔

۳۔ سہل تستریؒ کا قول ابومحمد سہلؒ بن عبداللہ تستری ائمہ صوفیاء میں سے ہوئے ہیں۔ پرہیزگاری میں یکتائی روزگار اور صاحب کرامات تھے۔ شیطان سے ان کا مناظرہ مشہور ہے۔ ذوالنون مصری سے اُن کی ملاقات مکہ میں ہوئی۔ جب کہ یہ وہاں حج کے لئے آئے ہوئے تھے انہوں نے ۲۸۳ھ میں وفات پائی فرماتے ہیں

أُصُولُنَا سَبْعَةُ أَشْيَاءَ :۔ اَلتَّمَسُّكُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَالْإِقْتِدَاءُ بِسُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَكْلُ الْحَلَالِ وَكَفُّ الْأَذَى وَاجْتِنَابُ الْمَعَاصِي وَالتَّوْبَةُ وَأَدَاءُ الْحَقِّ[3]

ہمارے سات اصول ہیں۔ قرآن کا پابند رہنا، سنت نبوی کی اقتداء، اکل حلال، کسی کو دکھ نہ دینا، گناہوں سے پرہیز، توبہ اور اداءِ حق۔

۴۔ جنید بغدادیؒ کا قول سید الطائفہ حضرت ابوالقاسم جنید بن محمدؒ بغدادی متوفی ۲۹۷ھ مشہور و معروف اولیاء کبار میں سے ہوئے ہیں۔ شیخ شبلی رحمہ اللہ متوفی ۳۳۴ھ نے انہی سے تربیت حاصل کی۔ فرماتے ہیں :۔

---

[1] رسالہ قشیریہ : ۱۷ اور نفحات الانس : ۴۱۔ نفحات الانس میں یہ قول یوں دیا ہے ، رُبَّمَا يَنْكُتُ الْحَقِيقَةُ قَلْبِي أَرْبَعِينَ يَوْمًا فَلَا آذَنُ لَهَا أَنْ تَدْخُلَ قَلْبِي إِلَّا بِشَاهِدَيْنِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ [2] لواقح الانوار : ۱ : ۶۶

[3] لواقح الانوار : ۱ : ۶۶

Marfat.com

(الف) اَلطُّرُقُ کُلُّهَا مَسْدُوْدَةٌ عَلَی الْخَلْقِ اِلَّا مَنِ اقْتَفٰی اَثَرَ الرَّسُوْلِ عَلَیْهِ السَّلَامُ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے والوں کے سوا تمام لوگوں کے لئے قرب الٰہی کے راستے بند ہیں۔

(ب) مَنْ لَمْ یَحْفَظِ الْقُرْاٰنَ وَلَمْ یَکْتُبِ الْحَدِیْثَ لَا یُقْتَدٰی بِهٖ فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ لِاَنَّ عِلْمَنَا هٰذَا مُقَیَّدٌ بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ [1]

جس شخص نے نہ قرآن مجید یاد کیا ہو اور نہ حدیث لکھی ہو۔ طریقت میں اس شخص کی پیروی نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے کہ ہمارے اس علم طریقت میں کتاب و سنت کی قید پائی جاتی ہے۔

(ج) عِلْمُنَا هٰذَا مُشَیَّدٌ بِحَدِیْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ [2]

ہمارا علم طریقت حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مضبوط ہوتا ہے۔

(د) مَذْهَبُنَا هٰذَا مُقَیَّدٌ بِاُصُوْلِ الْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ۔ ہمارا مذہب اصول کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے مقید ہے

۵۔ ابو حمزہ بغدادی کا قول

ابو حمزہ محمد ابراہیم رح بغدادی عیسٰی بن ابان کی اولاد میں سے تھے۔ قرآن مجید کی قراءتوں اور فقہ کے عالم تھے۔ ابوبکر کتانی متوفی ۳۲۲ھ اور خیر نساج متوفی ۳۲۲ھ وغیرہ نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن سے امام احمد بن حنبل رح متوفی ۲۴۱ھ مسائل حل کرنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ ان کی وفات ۲۹۰ھ میں ہوئی۔ ان کی وفات کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ جمعہ کے دن اپنی مجلس میں تقریر فرما رہے تھے کہ یکایک ان کی حالت بدل گئی اور وہیں منبر پر سے گر پڑے۔ آئندہ جمعہ تک یہی حالت رہی۔ اور انتقال کر گئے۔ فرماتے ہیں:۔

مَنْ عَلِمَ طَرِیْقَ الْحَقِّ سَهُلَ عَلَیْهِ سُلُوْکُهٗ وَلَا دَلِیْلَ عَلَی الطَّرِیْقِ اِلَی اللّٰهِ اِلَّا مُتَابَعَةُ الرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ اَحْوَالِهٖ وَاَفْعَالِهٖ وَاَقْوَالِهٖ [3]

جس نے حق تعالیٰ کا راستہ معلوم کر لیا اس کے لئے اس پر چلنا بھی آسان ہو جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال، افعال اور اقوال میں تابعداری کئے بغیر اس راہ کی طرف کوئی رہنمائی بھی نہیں ہو سکتی۔

۶۔ ابن عطاء آدمی کا قول

ابو العباس احمد بن محمد بن سہل بن عطاء الآدمی صوفیا کے کبار مشائخ میں سے تھے۔ انہوں نے تصوف کے رنگ میں قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی ہے۔ جب القاہر باللہ کے وزیر نے منصور حلاج کو قتل کیا تو ان سے پوچھا کہ تم منصور حلاج کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے جواب بدل کر کہا۔ خود تمہارے پاس لوگوں کا مال پڑا ہے۔ اسے واپس کیوں نہیں کرتے؟ وزیر نے کہا: کہ تم بات ٹال رہے ہو اور حکم دیا کہ ایک ایک کر کے ان کے تمام دانت نکال دیئے جائیں اور ان کے سر میں گاڑ دیئے جائیں۔ اسی سے انکی وفات ہوئی۔ یہ واقعہ ذوالقعدہ ۳۰۹ھ کا ہے[3]۔ فرماتے ہیں[4]:۔ مَنْ اَلْزَمَ نَفْسَهٗ اٰدَابَ الشَّرِیْعَةِ نَوَّرَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ بِنُوْرِ الْمَعْرِفَةِ وَلَا مَقَامَ اَشْرَف

(۱) رسالہ قشیریہ: ۲۰ (۲) رسالہ قشیریہ: ۲۲ (۳) نفحات الانس: ۱۴۱ تا ۱۴۲ ا فتحات میں القاہر باللہ کا نام دیا ہے حالانکہ قاہر باللہ کا عہد خلافت ۳۲۰ھ تا ۳۲۲ھ ہے اور ابن عطاء کا قتل قاہر کے باپ المقتدر باللہ کے عہد میں ہوا ہے۔ مقتدر کا عہد خلافت ۲۹۵ھ تا ۳۲۰ھ ہے۔
(۴) رسالہ قشیریہ ۲۵۱۔

Marfat.com

مِنْ مَقَامِ مُتَابَعَةِ الْحَبِيْبِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اَوَامِرِهٖ وَاَفْعَالِهٖ وَاَخْلَاقِهٖ

جس نے اپنے نفس پر آداب شریعت کا لحاظ رکھنا لازم قرار دیا اللہ اس کے دل کو نورِ معرفت سے منور فرمائیں گے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر، افعال اور اخلاق کی تابعداری سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں ہو سکتا۔

۷۔ عبداللہ بن منازل کا قول

ابو محمد عبداللہ بن منازل یکتائی روزگار، ملامتیہ[1] کے شیخ اور عالم تھے۔ انہوں نے کثرت سے احادیث لکھیں۔ کی وفات ۳۲۹ھ یا ۳۳۰ھ میں نیشاپور میں ہوئی۔

فرماتے ہیں:۔ لَمْ يُضَيِّعْ اَحَدٌ فَرِيْضَةً مِنَ الْفَرَائِضِ اِلَّا ابْتَلَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِتَضْيِيْعِ السُّنَنِ وَلَمْ يُبْلَ اَحَدٌ بِتَضْيِيْعِ السُّنَنِ اِلَّا اَوْشَكَ اَنْ يُبْتَلٰى بِالْبِدَعِ[2]

جس کسی نے ایک فرض بھی ترک کیا وہ سنتوں کے ترک کرنے میں مبتلا ہوگا۔ اور جو سنتوں کے ترک کرنے میں مبتلا ہوا وہ عنقریب بدعتوں کے ارتکاب میں مبتلا ہوگا۔

۸۔ ابوبکر طمستانی کا قول

ابوبکر طمستانی کو صوفیا کے پانچویں طبقہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ علم و حال کے اعتبار سے یگانۂ روزگار تھے۔ شیخ شبلی متوفی ۳۳۴ھ اور ابراہیم دباغ کے شاگرد تھے۔ ان کی وفات ۳۴۰ھ کے بعد ہوئی۔ فرماتے ہیں:۔

(الف) مَنِ اتَّبَعَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ وَهَاجَرَ اِلَى اللّٰهِ بِقَلْبِهٖ وَاتَّبَعَ اٰثَارَ الصَّحَابَةِ لَمْ تَسْبِقْهُ الصَّحَابَةُ اِلَّا بِكَوْنِهِمْ رَاَوُا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[3]

جس نے کتاب و سنت کی پیروی کی دل سے اللہ کی طرف ہجرت کی اور صحابہ کے نقش قدم پہ چلا تو صحابہ اس سے صرف اس لئے افضل ہونگے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔

(ب) اَلطَّرِيْقُ وَاضِحٌ وَالْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ قَائِمٌ بَيْنَ اَظْهُرِنَا وَفَضْلُ الصَّحَابَةِ مَعْلُوْمٌ لِسَبْقِهِمْ اِلَى الْهِجْرَةِ وَلِصُحْبَتِهِمْ فَمَنْ صَحِبَ مِنَّا الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ وَتَغَرَّبَ عَنْ نَفْسِهٖ وَالْخَلْقِ وَهَاجَرَ بِقَلْبِهٖ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمُصِيْبُ[4]

ہمارا طریقہ واضح ہے۔ اور کتاب و سنت ہمارے درمیان قائم ہے اور ہجرت اور صحبت نبوی کی وجہ سے صحابہ کا افضل ہونا بھی معلوم ہے لہذا ہم میں سے جو شخص کتاب و سنت کا ساتھ دے اور اپنے نفس اور مخلوق سے دور ہو جائے اور دل سے اللہ کی طرف ہجرت کرے تو وہ سچا ہے اور صحیح راہ پر ہے۔

۹۔ ابوالقاسم قشیری کا قول

ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ رسالہ قشیریہ اور تفسیر لطائف الاشارات کے مصنف ہیں۔ انہوں نے ان دو کتابوں کے علاوہ اور بھی بہت سی تصانیف کی ہیں یہ ابو علی دقاق متوفی ۴۰۵ھ کے مرید اور ابو علی فارمدی کے استاد تھے۔ سید علی بن عثمان بن ابو علی الجلابی الغزنوی

---

(۱) ملامتیہ صوفیا کا ایک فرقہ ہے جو اخلاق کا مجسمہ ہوتے ہیں اور ان لوگوں کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کے نیک اعمال لوگوں پر ظاہر نہ ہوں اور وہ اپنی برائیوں کو نہیں چھپاتے (عوارف المعارف ج ۱: ۲۵۹) (۲) رسالہ قشیریہ ۲۰۰ (۳) لواقح الانوار ۱: ۱۰۴۔ (۴) رسالہ قشیریہ ۲۱۳۔

Marfat.com

متوفی ۴۶۵ھ ۱۰۷۲ء جو سید علی ہجویری اور داتا گنج بخش کے نام سے مشہور ہیں) ان کے ہمعصر تھے۔ ہندوستان آنے سے پہلے داتا صاحب کی ان سے اکثر ملاقات رہتی تھی۔ داتا صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ طریقہ فکر میں آپ کی ابتدا کس طرح ہوئی جواب دیا کہ مجھے ایک بار گھر کی کھڑکی کے لئے ایک پتھر درکار تھا جس پتھر کو اٹھاتا گوہر بن جاتا۔ لہذا میں اسے پھینک دیتا۔ سید علی ہجویری فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے نزدیک گوہر اور پتھر برابر تھے بلکہ ان کے نزدیک گوہر پتھر سے کم تھا۔ اس لئے کہ انہیں پتھر کی ضرورت تھی گوہر کی ضرورت نہ تھی(۱) قشیری کی وفات ۴۶۵ھ میں ہوئی۔ فرماتے ہیں۔

اِعْلَمُوْا رَحِمَكُمُ اللّٰهُ اَنَّ شُيُوْخَ هٰذِهِ الطَّائِفَةِ بَنَوْا قَوَاعِدَ اَمْرِهِمْ عَلٰى اُصُوْلٍ صَحِيْحَةٍ فِي التَّوْحِيْدِ صَانُوْا بِهَا عَقَائِدَهُمْ عَنِ الْبِدَعِ وَدَانُوْا بِمَا وَجَدُوْا عَلَيْهِ السَّلَفَ وَاَهْلَ السُّنَّةِ مِنْ تَوْحِيْدٍ لَيْسَ فِيْهِ تَمْثِيْلٌ وَلَا تَعْطِيْلٌ وَعَرَفُوْا مَا هُوَ حَقُّ الْقِدَمِ (۲)

یاد رکھو خدا تم پر رحم کرے کہ اس جماعت کے جس قدر شیوخ گذرے ہیں انہوں نے تصوف کی بنیاد توحید کے صحیح اصولوں پر رکھی ہے اور انہوں نے اپنے عقائد کو بدعتوں سے بچائے رکھا ہے اور انہی امور کی پیروی کی ہے جن پر انہوں نے سلف صالحین اور اہل سنت کو پایا ہے۔ یعنی ایسی توحید جس میں نہ (فرقہ مُمثلہ کی) تمثیل اور نہ (فرقہ مُعطلہ کی) تعطیل پائی جاتی ہے۔ اور انہوں نے خدائی لم یزل ولایزال کے حق کو پہچانا ہے۔

پھر کبار صوفیاء کے حالات لکھ چکنے کے بعد امام قشیری فرماتے ہیں:۔

هٰذَا ذِكْرُ جَمَاعَةٍ مِنْ شُيُوْخِ هٰذِهِ الطَّائِفَةِ كَانَ الْغَرَضُ مِنْ ذِكْرِهِمْ فِيْ هٰذَا الْمَوْضِعِ التَّنْبِيْهُ عَلٰى اَنَّهُمْ مُجْمِعُوْنَ عَلٰى تَعْظِيْمِ الشَّرِيْعَةِ مُتَّصِفُوْنَ بِسُلُوْكِ طُرُقِ الرِّيَاضَةِ مُقِيْمُوْنَ عَلٰى مُتَابَعَةِ السُّنَّةِ (۳)

صوفیاء کے شیوخ کی ایک جماعت کا ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ ان کا ذکر کرنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ لوگوں کو آگاہ کر دیا جائے کہ تمام کے تمام صوفیاء اس بات پر متفق ہیں کہ شریعت کی تعظیم کی جائے۔ یہ لوگ طرح طرح کی ریاضتیں کرتے ہیں اور اتباع سنت پر کاربند رہتے ہیں۔

۱۰۔ شیخ بقاء بن بطو کا قول

شیخ بقاء بن بطو متوفی ۵۵۲ھ شیخ عبد القادر جیلانی رح متوفی ۵۶۱ھ کے ہمعصر اور صاحب کرامات تھے۔ ان کے متعلق شیخ عبد القادر جیلانی فرمایا کرتے تھے:

”اکثر مشایخ کو اللہ تعالیٰ نے ناپ تول کر معرفت عطا کی ہے مگر انہیں بغیر اندازے کے ہی عطا کر دی گئی ہے“(۴)

انہوں نے سید عبد القادر جیلانی رح کے طریقہ کے متعلق یوں رائے ظاہر کی ہے:۔

كَانَ طَرِيْقُ الشَّيْخِ عَبْدِ الْقَادِرِ جِيْلَانِيْ ..... وَمُوَافَقَةُ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ فِيْ كُلِّ نَفَسٍ وَخَطْرَةٍ (۵)

---

(۱) نفحات الانس: ۲۸۸ (۲) رسالہ قشیریہ: ۳ (۳) رسالہ قشیریہ: ۲۳۳ (۴) قلائد الجواہر: ۱۰۵ (۵) لواقح الانوار: ۱۱۱ ۱۰۔ الشیخ بقا بن بطو کے مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ لواقح الانوار: ۱۱۱/۲، نفحات الانس: ۴۶۹ اور قلائد الجواہر: ۱۰۵۔

Marfat.com

شیخ عبدالقادر جیلانی کا طریقہ ہر دم اور ہر لحظہ کتاب و سنت کی موافقت کرنا تھا۔

-ابن حجر کی رائے

شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری سے کسی نے سوال کیا کہ یہ سماع جسے بعض فقراء نے وقوف و آلات کے ساتھ اختیار کر رکھا ہے کیا شیخ عبدالقادرؒ بھی اس سماع میں حاضر ہوا تے تھے یا کسی کو حاضر ہونے کا حکم دیتے تھے یا اس کے جواز یا حرمت کا حکم دیتے تھے یا نہیں؟

جواب:- علامہ ابن حجرؒ نے جواب دیا: شیخ عبدالقادر کے متعلق جو صحیح اطلاع ہمیں ملی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک یہ، زاہد اور عابد تھے، وعظ فرماتے تو زہد اور توبہ کی ترغیب دیتے اور گناہ پر سزا ملنے کا خوف دلاتے۔ چنانچہ لاتعداد وق نے ان کے ہاتھوں پر توبہ کی۔ جتنی کرامات ان کی مشہور ہیں اتنی نہ ان کے زمانہ میں اور نہ ان کے بعد ہم نے کسی سے ہر ہوتی ہوئی نہیں سنیں[1]۔

۱-امام نووی کی رائے

شیخ الاسلام محی الدین نووی شارح صحیح مسلم اپنی کتاب بستان العارفین میں لکھتے ہیں[2] "معتبر روایات سے جس قدر کرامات ہم تک شیخ عبدالقادرؒ کے متعلق پہنچی ہیں اس کسی اور کے متعلق نہیں پہنچیں۔ یہ بغداد میں اپنے زمانہ کے شافعیہ اور حنبلیہ کے رئیس تھے اور علم کے اعتبار سے ی انہیں رئیس مانا جاتا تھا۔ متعدد اکابر نے ان کی صحبت سے فیضان حاصل کیا اور عراق کے بڑے بڑے شیوخ انہی سے نسبت ہے۔ ان کے لاتعداد مرید تھے اور تمام مشائخ اور علماء کا ان کی تعظیم و تکریم کرنے پر اتفاق ہے۔ ہر بت اور ہر ملک سے لوگ ان کی زیارت کے لئے اور مرادیں لے کر آتے۔ ہر طرف سے اہل سلوک کھچے چلے آتے تھے اچھی صفات، شریف اخلاق کامل ادب اور مروّت والے تھے، نہایت متواضع، خندہ پیشانی، وافر علم اور عقل کے لک تھے۔ کلام شرع اور احکام شرع کی شدت سے پیروی کرتے۔ اہل علم کی تعظیم کرتے۔ دیندار اور متبع سنت کی مد کرتے۔ اہل بدعت اور اہل ہوا کو بُرا جانتے۔ مختصر یہ کہ ان کے زمانہ میں اُن جیسا کوئی شخص نہ تھا۔

۱۲-سید عبدالقادرؒ اور شیطان

سید عبدالقادرؒ کے بیٹے سید موسیٰ (۵۳۹ھ تا ۶۱۸ھ) بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے اپنے باپ سے سنا کہ مَیں ایک مرتبہ جنگل میں نکل گیا اور کئی دنوں تک ھے پانی نہ ملا۔ اور مجھے سخت پیاس لگی۔ اس پر بادل آئے ان سے کچھ نمی ہوئی اور مجھے قدرے تسکین ہوگئی۔ اس کے بعد یں نے ایک نور دیکھا جس سے تمام اُفق روشن ہوگیا اور اس میں سے ایک صورت نمودار ہوئی جس نے مجھے پکار کر ہا: اے عبدالقادر مَیں تمہارا رب ہوں۔ مَیں نے تمہارے لئے تمام محرمات جائز کر دیئے ہیں۔ مَیں نے فوراً اَعُوْذُ بِاللّٰہِ نَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھا اور کہا: اے ملعون دُور ہو جا۔ بس پھر کیا تھا تمام نور ظلمت میں بدل گیا اور وہ صورت دھواں ن گئی۔ اس نے پھر مجھے مخاطب کر کے کہا: اے عبدالقادر اپنے علم اور منزلت کی وجہ سے مجھ سے بچ گئے۔ مَیں نے اس رح ستر صوفیاء کو گمراہ کیا ہے۔ مَیں نے جواب میں کہا: یہ اللہ کا فضل اور احسان ہے۔" اس کے بعد کسی نے حضرت سے دریافت کیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ شیطان ہے، تو آپ نے فرمایا: اس کا یہ کہنا کہ مَیں نے تمام محرمات تمہارے

---

(۱) قلائد الجواہر: ۱۲۵ (۲) قلائد الجواہر: ۱۲۷۔

Marfat.com

لئے حلال کر دیئے ہیں، میرے لئے اس کے شیطان ہونے کا کافی ثبوت تھا کیونکہ اللہ تعالٰی تو بُری باتوں کا حکم نہیں کرتے"۔[1]

۴ ۔ سہروردی کا قول

شیخ شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد بن عبداللہ السہروردی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ اسی لئے انہیں "البکری" کہا جاتا ہے۔ انہوں نے راہ طریقت اپنے چچا شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردیؒ متوفی ۵۶۳ھ سے حاصل کیا اور سید عبدالقادر جیلانی اور دیگر مشائخ کی صحبت پائی۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں جن میں سے عوارف المعارف، رشف النصائح، اعلام الہدیٰ۔ اور عقیدۃ ارباب التقیٰ زیادہ مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے انہیں لکھا کہ "اگر میں عمل کرنا چھوڑ دیتا ہوں تو باطل کی طرف لگ جاتا ہوں اور اگر عمل کرتا ہوں تو مجھ میں غرور پیدا ہو جاتا ہے" آپ نے جواب میں لکھا "عمل کئے جاؤ اور غرور سے اللہ سے معافی مانگو"[2]

شیخ سعد الدین حموی رح متوفی ۶۵۰ھ سے کسی نے پوچھا کہ محی الدین ابن عربی کو تو نے کیسا پایا؟ جواب دیا: وہ ایک ایسا موجزن سمندر ہے جس کی کوئی انتہا نہ ہو۔ پھر پوچھا شیخ شہاب الدین سہروردی کو کیسا پایا تو جواب دیا۔

نُوْرُ مُتَابَعَۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ جَبِیْنِ السُّہْرَوَرْدِیِّ شَیْءٌ آخَرُ

سہروردی کی پیشانی میں اطاعت الرسول کا نور کچھ اور ہی دکھائی دیتا ہے۔

سہروردی کی ولادت ۵۳۹ھ میں اور وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی۔

سہروردی عوارف المعارف کے خطبہ میں فرماتے ہیں:[3]

ثُمَّ اِنَّ اِیْثَارِیْ لِھَدْیِ ھٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ وَ مَحَبَّتِیْ لَھُمْ عِلْمًا بِشَرَفِ حَالِھِمْ وَصِحَّۃِ طَرِیْقَتِھِمُ الْمَبْنِیَّۃِ عَلَی الْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ الْمُحَقَّقِ بِھِمَا مِنَ اللّٰہِ الْکَرِیْمِ الْفَضْلُ وَالْمِنَّۃُ حَدَانِیْ اَنْ اَذُبَّ[4] عَنْ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃِ بِھٰذِہِ الصُّبَابَۃِ وَ اُؤَلِّفَ اَبْوَابًا فِی الْحَقَائِقِ وَالْآدَابِ مُعْرِبَۃً عَنْ وَجْہِ الصَّوَابِ فِیْمَا اعْتَمَدُوْہُ مُشْعِرَۃً بِشَھَادَۃِ صَرِیْحِ الْعِلْمِ لَھُمْ فِیْمَا اعْتَقَدُوْہُ حَیْثُ کَثُرَ الْمُتَشَبِّھُوْنَ وَاخْتَلَفَتْ اَحْوَالُھُمْ وَتَسَتَّرَ بِزِیِّھِمُ الْمُتَسَتِّرُوْنَ وَفَسَدَتْ اَعْمَالُھُمْ وَسَبَقَ اِلٰی قَلْبِ مَنْ لَا یَعْرِفُ اُصُوْلَ سَلَفِھِمْ سُوْءُ ظَنٍّ وَکَادَ لَا یَسْلَمُ مِنْ وَقِیْعَۃٍ فِیْھِمْ وَطَعْنٍ ظَنًّا مِنْہُ اَنَّ حَاصِلَھُمْ رَاجِعٌ اِلٰی مُجَرَّدِ رَسْمٍ وَتَخَصُّصَھُمْ عَائِدٌ اِلٰی مُطْلَقِ اِسْمٍ

پھر چونکہ مجھے ان کے حال کی بزرگی کا علم تھا اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ ان کا طریقہ صحیح ہے اور اس کی بنیاد کتاب و سنت پر ہے اور انہیں دونوں کی بدولت اللہ کی طرف سے فضل اور احسان ہوتا ہے اس لئے میں ان کے طریقہ کو پسند کرتا اور ان سے محبت کرتا تھا اور اسی بات نے مجھے مجبور کیا کہ میں اس مختصر سی کتاب کے ذریعہ سے ان لوگوں کی حمایت کروں اور حقائق و آداب کے متعلق چند ابواب تالیف کروں تاکہ جن امور میں لوگوں نے بے اعتدالی کی ہے

---

(۱) قلائد الجواہر: ۲۰-۲۱ (۲) نفحات الانس: ۴۲۰ (۳) عوارف المعارف: ۱۲، ۱۳، ۱۴ (۴) اصل کتاب میں اَذُبَّ کی بجائے "اذھب" چھپا ہے جو غلط ہے میں نے اس کی تصحیح کر دی ہے۔

Marfat.com

ان میں انہیں صحیح راہ کا پتہ چل جائے اور انہیں یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ان کے جو عقائد ہیں ان کے متعلق ان کے پاس صریح علم کی شہادت موجود ہے۔ اس لئے کہ کثرت سے ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جنہوں نے صوفیاء کا سا طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ مگر در حقیقت ان کے حالات صوفیاء سے مختلف ہیں اور کچھ لوگ صوفیا کے لباس میں لوگوں کے سامنے آرہے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ بد اعمال ہیں جس کی وجہ سے ان لوگوں کے دلوں میں جو صوفیاء کے اسلاف کے اصولوں سے نا واقف ہیں۔ بدگمانی پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ صوفیاء کو بُرا کہنے لگ جاتے ہیں اور وہ یہ گمان کر بیٹھتے ہیں کہ تصوف محض ایک رسم ہے اور صوفی محض نام جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

١٥۔ ابن العربی

محی الدین محمد بن علی ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ مرسیہ میں ١٧ رمضان ٥٦٠ھ ، ٢٨ جولائی ١١٦٥ء میں پیدا ہوئے۔ ٥٦٩ھ ، ١١٧٣ء سے لے کر ٥٩٩ھ ، ١٢٠٢ء تک اشبیلیہ میں رہے اور پھر مشرق کی طرف سیاحت کے لئے نکل گئے۔ مصر سے ہوتے ہوئے حجاز پہنچے اور وہاں ایک مدت تک قیام پذیر رہنے کے بغداد، موصل اور ایشیائے کوچک کا سفر کیا اور بالآخر دمشق پہنچ کر سکونت اختیار کر لی اور وہیں ٦٣٨ھ ، ١٢٤٠ء میں وفات پائی۔ ان کی پانچ سَو سے زائد تصانیف ہیں۔ انہوں نے اپنے ایک مرید کی درخواست پر خود ایک رسالہ لکھا ہے۔ جس میں انہوں نے اپنی دو سَو پچاس سے زائد تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ ان کی بیشتر تصانیف تصوف میں ہیں۔ اسی رسالہ کے خطبہ میں فرماتے ہیں کہ دیگر اشخاص کی طرح ان تصانیف سے میرا مقصد محض مؤلف بننا نہیں بلکہ بعض تصانیف کا سبب تو یہ ہُوا کہ حق سبحانہ کی طرف سے مجھ پر معانی کا ورود ہوتا تھا اور اگر ان کا اظہار نہ کرتا تو مجھے جل جانے کا اندیشہ تھا اور بعض تصانیف کے متعلق مجھے خواب یا مکاشفہ میں حکم دیا گیا۔[1]

ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

امام عفیف الدین رحمۃ اللہ علیہ عبداللہ بن اسعد یافعی متوفّی بعد از ٧٥٠ھ مرآۃ الجنان۔ و عبرۃ الیقظان فی معرفتہ حوادث الزمان میں تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین سہروردی سے ابن العربی کی ملاقات ہوئی۔ دونوں کچھ دیر تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور بغیر کسی قسم کی گفتگو کئے بغیر ایک دوسرے سے جُدا ہو گئے۔ اس کے بعد کسی نے ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ سے شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا:۔

رَجُلٌ مَملُوٌّ مِنْ قَرْنِہٖ اِلٰی قَدَمِہٖ مِنَ السُّنَّۃِ

یہ شخص سَر سے پاؤں تک سنت سے لبریز ہے

اور جب سہروردی سے ابن العربی کے متعلق دریافت کیا گیا تو کہا ھُوَ بَحرُ الحَقَائِق۔ یہ شخص حقائق کا سمندر ہے۔[1] ابن العربی کی تصانیف میں سے زیادہ ترلے دے۔ ان کی دو تصانیف پر ہوئی۔ ایک فصُوص الحکم پر اور دوسرے فتوحات مکیہ پر۔ فتوحاتِ مکیہ بڑی ضخیم کتاب ہے۔ جو پانچ سَو ساٹھ ٥٦٠ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کے مقابلہ میں فصوص الحکم ایک مختصر سی کتاب ہے جو ستائیس ابواب پر مشتمل ہے۔

---

(١) نفحات الانس: ٤٩٦۔

Marfat.com

مولانا جامی کی رائے

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ متوفی ۸۹۸ھ ۱۴۹۲ء ابن العربی پر طعن کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"و اعظم اسباب طعن طاعنان در وے کتاب فصوص الحکم است و ہمانا کہ منشاء طعن طاعنان یا تقلید و تعصب است یا عدم اطلاع بر اصطلاحات وے یا غموض معانی و حقائقی کہ در مصنفات خود درج کردہ است و آں قدر حقائق و معارف کہ در مصنفات وے بتخصیص در فصوص و فتوحات اندراج یافتہ است در ہیچ کتاب یافت نمی شود و از ہیچ کس ازیں طائفہ نہ شدہ است و ایں فقیر از خدمت خواجہ برہان الدین ابونصر پارسا قدس سرہ چنیں استماع دارد کہ می گفت کہ والد مامی فرمود فصوص جان است و فتوحات دل"۔(۱)

ان پر طعن کرنے والوں کے لئے سب سے بڑا سبب کتاب فصوص الحکم ہے جس کی وجہ یا تو تقلید اور تعصب یا ان کی اصطلاحات سے ناواقفی یا ان معانی اور حقائق کا دقیق ہونا جو انہوں نے اپنی تصانیف میں درج کئے ہیں اور جس قدر حقائق و معارف انہوں نے اپنی تصانیف میں درج کئے ہیں بالخصوص فصوص اور فتوحات میں اس قدر کسی اور کتاب میں پائے نہیں جاتے اور نہ ہی اس قدر کسی اور بزرگ سے ظاہر ہوئے ہیں میں نے خواجہ برہان الدین ابونصر پارسا قدس سرہ سے سنا ہے کہ ان کے والد نے فرمایا کہ فصوص جان ہے اور فتوحات دل

امام شعرانیؒ کی رائے

امام شعرانی ان پر طعن کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَمَا اَنْكَرَ مَنْ اَنْكَرَ عَلَيْهِ اِلَّا لِدِقَّةِ كَلَامِهٖ(۲)

جنہوں نے ان کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے صرف ان کے کلام کے دقیق ہونے کی وجہ سے کیا۔

علماء و صوفیاء نے ان کے کلام کی دقت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی کتابوں کی شرح لکھی ہیں چنانچہ عز بن جماعہ عبدالرزاق کاشانی، جامی، اور آفندی بالی نے فصوص الحکم کی شروح لکھیں اور موجودہ دور میں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب متوفی ۱۳۶۲ھ ۱۹۴۳ء نے اردو میں فصوص الحکم کے بعض مشکل مقامات کو حل کیا ہے اور کتاب کا نام خصوص الکلم فی حل فصوص الحکم رکھا ہے اور جب بعض لوگوں نے اپنی کم مائیگی اور جہالت کی وجہ سے ابن عربی کے کلام کو نہ سمجھ کر ان پر نکتہ چینی شروع کردی تو متعدد علماء نے ابن العربی کی طرفداری میں کتابیں لکھیں چنانچہ عبدالغنی نابلسیؒ نے الرَّدُّ الْمَتِيْنُ عَلٰى مُنْتَقِصِ الْعَارِفِ مُحِي الدِّيْنِ لکھی، علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تَنْبِيْهُ الْغَبِيِّ فِيْ تَنْزِيْهِ ابْنِ الْعَرَبِيِّ لکھی اور عبدالوہاب شعرانی نے تَنْبِيْهُ الْاَغْبِيَاءِ عَلٰى قَطْرَةٍ مِنْ بَحْرِ عُلُوْمِ الْاَوْلِيَاءِ لکھی۔ اس کے علاوہ سراج الدین مخزومیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کے استاد مجد الدین فیروز آبادیؒ مصنف قاموس نے بھی ان کی تائید میں کتابیں لکھیں۔ موجودہ دور میں مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے ابن عربی کی طرفداری میں اَلتَّنْبِيْهُ الطَّرَبِيْ فِيْ تَنْزِيْهِ ابْنِ الْعَرَبِيِّ لکھی ہے۔ تھانوی صاحب نے کتاب کے خاتمہ پر ابن العربی کے متعلق اپنا عقیدہ اور ان کی مشکل عبارات کے متعلق اپنا مسلک بھی بیان کیا ہے۔ نیز فرمایا ہے کہ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے جہاں کہیں ابن العربی پر تنقید کی ہے، یہ انہی کا حق ہے ہمارا حق نہیں۔ اسی

(۱) نفحات الانس: ۴۹۶-۴۹۷ (۲) لواقح الانوار: ۱: ۱۶۳۔

Marfat.com

مَیں یہاں ابن عربی کی فتوحاتِ مکیہ میں سے عبارتیں پیش کرتا ہوں جن میں انہوں نے شریعت اور کتاب و سنت کی پابندی پر زور دیا ہے۔

۱۔ پہلی عبارت

مولانا جامی فرماتے ہیں: وہم وے آوردہ است حکایت از حال خود:-

وَلَقَدْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَمَاجَاءَ بِهٖ مُجْمَلاً وَمُفَصَّلاً مِمَّا وَصَلَ اِلَيْنَا مِنْ تَفْصِيْلِهٖ وَمَا لَمْ يَصِلْ اِلَيْنَا اَوْلَمْ يَثْبُتْ عِنْدَنَا فَنَحْنُ مُؤْمِنُوْنَ بِكُلِّ مَاجَاءَ بِهٖ فِيْ نَفْسِ الْاَمْرِ [1]

ابن عربی اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اور ان امور پر ایمان لائے ہیں جو ہمارے پاس مجمل یا مفصّل طور پر پہنچے خواہ ان کی تفصیل ہم تک پہنچی ہے یا نہیں پہنچی یا ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہوئی۔ ہم ان تمام امور پر ایمان لائے ہیں جنہیں دَرحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم لے کر آئے۔

۲۔ دوسری عبارت

ابن عربی نے فتوحاتِ مکیّہ کے آخری باب (باب ۵۶۰) میں تقریباً دو سَو وصیتیں دی ہیں۔ یہ وصیتیں اگرچہ تمام کی تمام نہایت قابلِ قدر ہیں۔ مگر یہاں پر صرف ایک دی جاتی ہے: عَلَيْكَ بِالْاِقْتِدَاءِ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اَحْوَالِهٖ وَاَقْوَالِهٖ وَاَفْعَالِهٖ اِلَّا مَا نَصَّ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مُخْتَصٌّ بِهٖ مِمَّا لَا يَجُوْزُ لَنَا اَنْ نَفْعَلَهٗ [2]

تم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے احوال، اقوال اور افعال میں اقتداء کرنی لازم ہے۔ سوائے ان امور کے جن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح طور پر فرمادیا ہے کہ وہ آپ کی خصوصیات میں سے تھے اور جن کا کرنا ہمارے لئے جائز نہیں۔

۳۔ تیسری عبارت

ابن عربی باب ۱۶۴ فِيْ مَعْرِفَةِ مَقَامِ التَّصَوُّفِ میں لکھتے ہیں:-

قَالَ اَهْلُ طَرِيْقِ اللّٰهِ اَلتَّصَوُّفُ خُلُقٌ فَمَنْ زَادَ عَلَيْكَ فِي الْخُلُقِ زَادَ عَلَيْكَ فِي التَّصَوُّفِ وَسُئِلَتْ عَائِشَةُ اُمُّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ۔ وَاِنَّ اللّٰهَ اَثْنٰى عَلَيْهِ بِمَا اَعْطَاهُ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالَ "وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ" وَمِنْ شَرْطِ الْمَنْعُوْتِ بِالتَّصَوُّفِ اَنْ يَكُوْنَ حَكِيْمًا ذَا حِكْمَةٍ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ فَلَا حَظَّ لَهٗ فِيْ هٰذَا اللَّقَبِ فَاِنَّهٗ حِكْمَةٌ كُلُّهٗ فَاِنَّهٗ اَخْلَاقٌ وَهِيَ تَحْتَاجُ اِلٰى مَعْرِفَةٍ تَامَّةٍ وَعَقْلٍ رَاجِحٍ وَحُضُوْرٍ وَتَمَكُّنٍ قَوِيٍّ مِنْ نَفْسِهٖ حَتّٰى لَا يَحْكُمُ عَلَيْهِ الْاَغْرَاضُ النَّفْسِيَّةُ وَلْيَجْعَلِ الْقُرْاٰنَ اَمَامَهٗ صَاحِبُ هٰذَا الْمَقَامِ۔

---

(۱) نفحات الانس، ص ۹۴۹۔ فتوحات کا جو قلمی نسخہ مجھے دستیاب ہوا ہے وہ ناقص ہے اسی لئے نفحات کا حوالہ دیا ہے۔

(۲) فتوحاتِ مکیہ قلمی نسخہ ۹۴۹۔ ب۔ مَیں یہاں پر اس نسخہ کا تعارف کرادینا چاہتا ہوں۔ یہ قلمی نسخہ میرے مکرم دوست میجر عبدالعزیز صاحب ایم۔ اے ایم۔ سی کی ملکیت میں ہے۔ محترم میجر صاحب پاکستان میں عظیم القدر ہستیوں میں سے ایک ہیں جن کی ذاتی لائبریری میں پچیس ہزار سے زائد کتابیں ہیں مجھ پر ان کی خاص عنایت ہے جتنی چاہوں مطالعہ کے لئے کتابیں لے آتا ہوں ان میں سے ایک فتوحاتِ مکیہ کا نایاب نسخہ ہے۔ یہ نسخہ نہایت خوش خط

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

Marfat.com

اہلِ طریقت کہتے ہیں کہ تصوف ہمہ تن خُلق ہے۔ جس کے اخلاق تم سے بہتر ہوں گے وُہ تم سے بہتر صوفی ہو گا۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے خُلق کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا: قرآن آپ کا خلق تھا۔ نیز جو اخلاق اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم وعطا کئے ہیں ان کی تعریف یوں فرمائی ہے "آپ کے اخلاق بہت بلند ہیں" اور جو شخص تصوّف کی صفت سے موصوف ہو اس کے لئے دانا ہونا بھی ضروری ہے اگر ایسا نہیں تو صوفی کا لقب اسے نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے کہ تصوّف ہمہ تن حکمت ہے کیونکہ اس میں اخلاق پائے جاتے ہیں اور اخلاق کے لئے معرفتِ تامہ عقلِ راجح دحاضر اور اپنے نفس پر پورا قابو ہونا ضروری ہے، تاکہ خواہشاتِ نفسانیہ اس پر قابو نہ پالیں۔ مقامِ تصوّف والے انسان کو چاہیئے کہ وُہ قرآنِ مجید کو اپنی نگاہ میں رکھے۔

۴۔ چوتھی عبارت

باب ۴۱۹۔ فِي مَعْرِفَةِ حَالِ قُطْبٍ كَانَ مَنْزِلُهُ اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ اِعْلَمْ اَيَّدَنَا اللّٰهُ وَاِيَّاكَ اَنَّهٗ مَا فِي الْقُرْاٰنِ دَلِيْلٌ اَدَلُّ عَلٰى اَنَّ الْاِنْسَانَ الْكَامِلَ مَخْلُوْقٌ عَلَى الصُّوْرَةِ مِنْ هٰذَا الذِّكْرِ لِدُخُوْلِ اللَّامِ فِيْ قَوْلِهٖ "وَلِلرَّسُوْلِ" وَفِيْ اَمْرِهٖ تَعَالٰى لِمَنْ اٰمَنَ(۱) مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالْاِجَابَةِ لِدَعْوَةِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَلِدَعْوَةِ الرَّسُوْلِ فَاِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مَا

---

(۱) اصل کتاب میں اسی طرح دیا ہے میرے خیال میں یہ لفظ بلفظ امن یہاں ہے اور میں نے اسی طرح ترجمہ کیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳)

اور بڑی تقطیع کے عمدہ کاغذ پر لکھا ہوا ہے اس کا حاشیہ اور ابواب کی تمام سرخیاں سنہرے حروف میں لکھی ہوئی ہیں اور یہ نسخہ ۹۳۸ھ کا لکھا ہوا ہے کتاب کے خاتمہ پر کاتب نے یہ عبارت لکھی ہے جس میں اس نے اپنا نام بھی لکھ دیا ہے۔

تُرَابُ الْقَدَمِ اَقَلُّ الْخَدَمِ يُوسُفُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُ الزَّلَّاتِ وَاَزَالَ عَنْهُ حُجُبَ الْغَفَلَاتِ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ اَنْ تُزِيْلَ عَنَّا شَتَاتَ الْقَوَاطِعِ وَتَجْتَلِبَنَا اِلَيْكَ وَتُمِدَّنَا بِاَسِرَّةِ الْجَامِعِ الْمَانِعِ وَتُحِلَّنَا مَقَارَّ الْجَمْعِيَّةِ الْحَقِيْقِيَّةِ وَتُمِدَّنَا بِفُيُوْضِ فُتُوْحَاتِكَ الْغَيْبِيَّةِ الْحَقِيَّةِ وَاَنْ تَجْعَلَنَا مِنْ خَاصَّةِ الْاَخْيَارِ وَصَفْوَةِ الْعَبِيْدِ يَاحَيُّ يَاعَلِيْمُ يَاقَدِيْرُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّهٖ مُحَمَّدٍ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَكَانَ ذٰلِكَ الْاِتْمَامُ فِيْ سَابِعِ عَشَرِيْ (عِشْرِيْنَ) ثَالِثِ تَاسِعِ ثَامِنِ تَاسِعَةِ هِجْرِيَّةٍ نَبَوِيَّةٍ۔

اور حاشیہ پر اسی شخص کے دست خطوں میں لکھا ہے اَعْنِیْ ، ۲۷ ربیع الاول ۸۷۹ھ۔ اس کے بعد کاتب نے فتوحاتِ مکیہ اور ابن العربی کی تعریف عربی میں کچھ اشعار دیئے ہیں جن سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے یہ اشعار کاتب کے اپنے ہیں۔ مگر کتابت کی اغلاط کی وجہ سے اس میں شک پیدا ہو جاتا ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ یہ نسخہ ناقص ہے۔ ابتدائی حصہ کسی اور کا لکھا ہوا ہے۔ جس کا خط اسقدر خراب ہے کہ اس کے پڑھنے میں سخت دقت پیش آتی ہے۔ درمیان میں کچھ اوراق خالی پڑے ہیں۔ جن کی وجہ سے کتاب ناقص رہ گئی ہے۔ آخری ورق پر ورق کا نمبر ۸۴۹ دیا ہے۔ کتاب پر چند جگہوں پر مغلیہ سلاطین کی مہریں بھی ثبت ہیں۔ ایک مہر پر احمد شاہ بادشاہ لکھا ہے۔ اور ۱۱۶۱ھ دیا ہے۔ میں نے جو حوالے دیئے ہیں وہ اسی نسخہ کے ہیں۔

Marfat.com

يَدْعُوْنَا اِلَّا لِمَا يُحْيِيْنَا فَلْيَكُنْ مِنَّا الْاِجَابَةُ عَلٰى كُلِّ حَالٍ اِذَا دَعَانَا فَاِنَّهٗ مَا يَكُوْنُ فِيْ حَالِ الْاَمِنَةِ فَلَا بُدَّ اَنْ نُجِيْبَهٗ اِذَا دَعَانَا فَاِنَّهُ الَّذِيْ يُقِيْمُنَا فِيْ اَحْوَالِنَا وَاِنَّمَا فَصَلَ هُنَا بَيْنَ دَعْوَةِ اللّٰهِ وَ دَعْوَةِ الرَّسُوْلِ. لِيَتَحَقَّقَ مِنْ ذٰلِكَ صُوْرَةُ الْحَقِّ الَّتِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهَا وَهُوَ الدَّاعِيْ فِي الْحَالَتَيْنِ اِيَّانَا فَاِذَا دَعَانَا بِالْقُرْاٰنِ كَانَ مُبَلِّغًا وَتَرْجُمَانًا وَكَانَ الدُّعَاءُ دُعَاءُ اللّٰهِ فَلْيَكُنْ اِجَابَتُنَا لِلّٰهِ وَالْاِسْمَاعُ لِلرَّسُوْلِ وَاِذَا دَعَانَا بِغَيْرِ الْقُرْاٰنِ كَانَ الدُّعَاءُ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلْيَكُنْ اِجَابَتُنَا لِلرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا فَرْقَ فِيْ دُعَائَيْنِ فِيْ اِجَابَتِنَا وَاِنْ تَمَيَّزَ كُلُّ دُعَاءٍ بِتَمَيُّزِ الدَّاعِيْ الخ

یاد رکھیں! خدا تمہاری بھی اور ہماری بھی مدد کرے کہ قرآن مجید میں اس آیت سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسان کامل کی صورت میں مخلوق ہوئے ہیں اس لئے کہ "الرسول" پر الف اور لام داخل ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں۔ دعوت الٰہی اور دعوتِ رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے اس لئے کہ خدا اور اس کا رسول ہمیں صرف انہی اُمور کی دعوت دیتے ہیں جو ہمیں زندگی بخشتے ہیں لہٰذا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کسی امر کی طرف بلائیں تو ہمیں ہر حالت میں سرِ تسلیم خم کرنا ہو گا۔ اس لئے کہ ہر حالت میں دعوت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہو گی۔ لہٰذا ہمیں ان کے بلانے کا جواب دینا ضروری ہے کیونکہ وہی ہمارے حالات کی اصلاح کرنے والے ہیں۔ یہاں پر دعوتِ خداوندی اور دعوتِ نبوی میں امتیاز اس لئے کیا ہے تاکہ وہ صحیح صورت جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ کیونکہ ہر دو صورت میں داعی تو وہی ہیں۔ لہٰذا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے الفاظ میں دعوت دیں تو اس صورت میں آپ مبلّغ اور ترجمان ہوں گے۔ اور دعوت اللہ کی طرف سے ہو گی۔ لہٰذا ہمیں اللہ کی اطاعت کرنی چاہیئے اور رسولؐ کی بات پہ کان لگانا چاہیئے اور جب قرآن کے علاوہ کسی اور الفاظ میں بلائیں تو یہ دعوت رسولؐ کی طرف سے ہو گی۔ لہٰذا ہمیں رسولؐ کی بات بھی ماننی چاہیئے۔ جہاں تک اجابت کا تعلق ہے ہمارے لئے دونوں دعوتوں میں کوئی فرق نہیں۔ حالانکہ داعی کے لحاظ سے دعوتوں میں فرق ہے۔

اس کے بعد ابن عربی نے حجیّتِ حدیث اور اس کے واجب العمل ہونے پر بحث کی ہے۔ اہل ذوق تفصیل وہاں سے ملاحظہ فرمائیں۔

۵۔ پانچویں عبارت باب ۵۶۰ کی ابتداء میں ابن العربی لکھتے ہیں۔

فَهُدٰى اَحْمَدَ عَيْنُ الْهُدٰى اَجْمَعُهٗ ۝ وَمِلَّةُ الْمُصْطَفٰى مِنْ اَنْوَرِ الْمِلَلِ

حقیقی راستہ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے اور تمام ملتوں سے زیادہ روشن ملت بھی انہی کی ملت ہے

---

(۱) اصل کتاب میں اسی طرح دیا ہے مگر میں نے اسے "العماء" پڑھا ہے اور اسی طرح ترجمہ کیا ہے۔

Marfat.com

۶- چھٹی عبارت

اسی باب میں فرماتے ہیں:

عَلَيْكَ بِمُلَازَمَةِ مَا افْتَرَضَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِيْ اَمَرَكَ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فَاِذَا اَكْمَلْتَ نَشْاَءَةَ فَرَائِضِكَ وَ كَمَا لَهَا فَرَضَ حِيْنَئِذٍ عَلَيْكَ رانْ) تَتَفَرَّغَ مَا بَيْنَ الْفَرْضَيْنِ لِنَوَافِلِ الْخَيْرَاتِ كَانَتْ مَا كَانَتْ[1]

جو امور اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کئے ہیں۔ انہیں اسی طرح ادا کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ جب تم فرائض کو پورا کر چکو تو دو فرضوں کے درمیان نوافل کی طرف توجہ دو خواہ وہ کسی قسم کے ہوں۔

۷- ساتویں عبارت

نیز اسی باب میں فرماتے ہیں:

وَعَلَيْكَ بِالصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ حَيْثُ يُنَادٰى بِهَا مَعَ الْجَمَاعَةِ فَاِنَّ الْمَسَاجِدَ مَا اتُّخِذَتْ اِلَّا لِاِقَامَةِ الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ فِيْهَا وَمَا يُنَادٰى اِلَّا اِلَى الْاِتْيَانِ اِلَيْهَا فَاِنَّ ذٰلِكَ سُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُرَادُ بِذٰلِكَ الْاِجْتِمَاعُ عَلٰى اِقَامَةِ الدِّيْنِ وَاَنْ لَا تَتَفَرَّقَ فِيْهِ لِهٰذَا اِخْتَلَفَ النَّاسُ فِيْ صَلٰوةِ الْفَذِّ الْمَكْتُوْبَةِ اِذَا قَدَرَ عَلَى الْجَمَاعَةِ هَلْ يُجْزِيْهِ اَمْ لَا وَمَنْ تَرَكَ سُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَلَّ بِلَا شَكٍّ۔

جب اذان ہو تو فرض نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کیا کرو۔ اس لئے کہ مسجدیں فرض نمازوں کو ادا کرنے کے لئے ہی بنائی گئی ہیں اور اذان جو دی جاتی ہے تو صرف اس لئے کہ ہم نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے آئیں کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم دین کو قائم کرنے کے لئے اکٹھے ہوں تاکہ آپس میں تفرقہ نہ پڑے۔ اسی لئے علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص فرض نماز اکیلے ادا کرے حالانکہ وہ جماعت کے ساتھ ادا کرنے پر قادر ہے۔ آیا یہ نماز ہو جائے گی یا نہیں اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک کیا وہ یقیناً گمراہ ہوا

ابن العربی کی کتابوں میں سے ہم بے شمار مثالیں پیش کر سکتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کتاب و سنت کے متبع تھے اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کرتے تھے۔ حق پسند اور منصف مزاج حضرات پر یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ ابن العربی پر کتاب و سنت کی مخالفت کا الزام بے بنیاد اور محض افترا ہے۔ میں نے بمقابلہ دوسرے صوفیاء کے ان کے متعلق ذرا زیادہ وضاحت سے کام لیا ہے اس لئے کہ طاعنین نے انہیں بدنام کرنے کی بہت کوشش کی ہے جن بزرگوں کو حق بات معلوم کرنے کے لئے مزید وضاحت کی ضرورت ہو وہ مولانا اشرف علی تھانوی کی التنبیہ الطربی کا مطالعہ کریں۔

۱۶- شیخ احمد ملثمؒ کا قول

شیخ ابو العباس احمد ملثم مصر کے جلیل القدر مشائخ میں سے ہوئے ہیں۔ ان کے والد مملک مشرق میں بادشاہ تھے۔ مگر انہوں نے سب کچھ چھوڑ کر طریق فقر اختیار کر لیا تھا۔ انہوں نے بڑی لمبی عمر پائی ہے۔ شیخ عبد الغفار قوصی جن کی وفات تقریباً ۶۷۰ھ میں ہوئی۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے ان کی عمر کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ اس وقت میری عمر تقریباً چار سو سال ہے۔ ان کی وفات سنہ ۶[illegible]ھ کے قریب

---

(۱) فتوحات مکیہ ۱: ۹۱۴ - الف - (۲) فتوحات مکیہ ۱: ۹۲۲ - ف

Marfat.com

ہوئی علماء ظاہر اکثر ان کے مخالف رہتے۔ لیکن ان کا اپنا قول ہے:۔

لَمْ یَکُنِ الْاَقْطَابُ اَقْطَابًا وَالْاَوْتَادُ اَوْتَادًا وَالْاَوْلِیَاءُ اَوْلِیَاءً اِلَّا بِتَعْظِیْمِهِمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمَعْرِفَتِهِمْ بِهٖ وَاِجْلَالِهِمْ لِشَرِیْعَتِهٖ وَقِیَامِهِمْ بِآدَابِهٖ[1]

نہ کوئی قطب قطب بن سکا ہے، نہ اوتاد اوتاد اور نہ ولی ولی جب تک کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نہیں کی اور اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل نہیں ہوئی اور جب تک اس نے آپ کی شریعت کی تعظیم نہیں کی اور اس کے آداب بجا نہیں لائے۔

۱۷۔ شیخ عبدالغفار قوصیؒ اور اتباع سنت

شیخ عبدالقادر قوصیؒ متوفی ۷۰۸ھ (تقریباً) کا اتباع سنت میں یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ اپنے بیٹے کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔ کھانے میں کدو بھی تھا۔ فرمایا: بیٹا! نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کدو بہت پسند تھا بیٹے کی زبان سے نکل گیا کہ یہ تو ایک گندی چیز ہے۔ ان سے یہ الفاظ برداشت نہ ہو سکے اس لئے کہ ان میں شان نبوی کے بارے تحقیر پائی جاتی تھی اور اسی وقت تلوار سے اپنے بیٹے کی گردن اڑا دی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پسند کو اپنے بیٹے کی جان سے بھی زیادہ عزیز جانا[2]

۱۸۔ ابراہیم دسوقیؒ

سید ابراہیم بن ابی المجد قرشی دسوقیؒ جلیل القدر صوفی اور صاحب کرامات بزرگ گذرے ہیں۔ انہیں فارسی، عربی، سریانی، زنگی اور تمام پرندوں اور وحشی جانوروں کی بولیاں آتی تھیں۔ ان کی وفات تینتالیس سال کی عمر میں ۶۷۶ھ میں ہوئی فرماتے ہیں:۔ اَلشَّرِیْعَةُ اَصْلٌ وَالْحَقِیْقَةُ فَرْعٌ فَالشَّرِیْعَةُ جَامِعَةٌ لِکُلِّ مَشْرُوْعٍ وَالْحَقِیْقَةُ جَامِعَةٌ لِکُلِّ عِلْمٍ خَفِیٍّ[3]

شریعت اصل ہے اور طریقت اس کی فروع شریعت میں تمام مشروع باتیں آجاتی ہیں اور حقیقت میں تمام مخفی علوم

حضرت دسوقیؒ جب کسی مرید سے عہد لیتے تو ان الفاظ میں لیتے:

یَا فُلَانُ اُسْلُكْ طَرِیْقَ النُّسُكِ عَلٰی کِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ نَبِیِّهٖ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوةِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ وَالْحَجِّ اِلَی بَیْتِ اللّٰهِ الْحَرَامِ وَاتِّبَاعِ جَمِیْعِ الْاَوَامِرِ الشَّرْعِیَّةِ وَالْاَخْبَارِ الْمَرْضِیَّةِ وَالْاِشْتِغَالِ بِطَاعَةِ اللّٰهِ قَوْلًا وَفِعْلًا وَاعْتِقَادًا وَلَا تَنْظُرْ یَا وَلَدِیْ اِلٰی زَخَارِفِ الدُّنْیَا وَمَطَایَاهَا وَمَلَابِسِهَا وَقِمَاشِهَا وَرِیَاشِهَا وَحُظُوْظِهَا وَاتَّبِعْ نَبِیَّكَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فِیْ اَخْلَاقِهٖ فَاِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَاتَّبِعْ خُلُقَ شَیْخِكَ فَاِنْ نَزَلْتَ عَنْ ذٰلِكَ هَلَكْتَ یَا وَلَدِیْ

اے! عبادت کے طریقہ میں کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت پر چلنا، نماز پڑھتے رہنا، زکوٰۃ ادا کیا کرنا، روزے رکھا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور تمام شرعی اوامر اور احادیث مرضیہ کی تابعداری کرنا۔ قولاً۔ فعلاً اور اعتقاداً

---

(۱) لواقح الانوار ۱: ۱۳۶ (۲) لواقح الانوار ۱: ۱۳۹۔ (۳) لواقح الانوار ۱: ۱۴۴۔

(۴) لواقح الانوار ۱: ۱۵۱

Marfat.com

ہر طرح سے اللہ کی اطاعت میں لگے رہنا۔ بیٹیا! دنیاوی زخارف، سواریوں، لباس، زیب وزینت اور حظوظ کی طرف دھیان نہ کرنا۔ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کی پیروی کرنا اگر اتنا نہ کر سکو تو کم از کم اپنے پیر کے اخلاق کی ہی پیروی[۱] کر لینا اور اگر کہیں اس سے بھی نیچے گر گئے تو ہلاک ہو جاؤ گے

ذرا غور فرمائیں کس قدر واضح الفاظ میں کتاب وسنت کی پیروی کرنے کا عہد لیا جا رہا ہے۔ ان امور کی پابندی کے باوجود اگر کسی سے بظاہر کوئی خلاف شریعت امر دکھائی دے تو اس کے متعلق فرماتے ہیں:

وَلَا يُقْدَحُ فِي صَاحِبِ الْخِرْقَةِ إِلَّا أَنْ خَالَفَ صَرِيْحَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ اِخْتِيَارًا[۲]

صاحب خرقہ پر صرف اس وقت عیب جوئی کی جا سکتی ہے جب وہ کتاب وسنت کے صریح احکام کی خلاف ورزی کرے۔

۱۹۔ شیخ ابو الحسن شاذلیؒ کا بیان

شیخ ابو الحسن علی بن عبد اللہ بن عبد الجبار شاذلی افریقہ میں شاذلہ کے رہنے والے اور حسینی سادات میں سے تھے۔ یہ نابینا تھے انہی نے سلسلہ شاذلیہ کی بنیاد ڈالی ہے۔ کبار اولیاء کی کثیر تعداد ان سے فیضیاب ہوئی۔ جب یہ حج کے لئے مکہ کو جا رہے تھے تو راستہ میں ایک صحراء میں ۶۵۶[۳]ھ میں وفات پائی۔ تقی الدین ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ میں نے ابو الحسن شاذلی سے بڑھ کر کسی کو عارف باللہ نہیں دیکھا۔ حزب البحر انہی کی طرف منسوب ہے۔ حضرت شاذلی اکثر فرمایا کرتے تھے:-

إِذَا عَارَضَ كَشْفُكَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَتَمَسَّكْ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَدَعِ الْكَشْفَ[۴]

جب تمہارا کشف کتاب وسنت کے خلاف ہو تو کتاب وسنت پر پابند رہو اور کشف کو چھوڑ دو۔

پھر فرماتے ہیں:

مَا ثَمَّ كَرَامَةٌ أَعْظَمَ مِنْ كَرَامَةِ الْإِيْمَانِ وَمُتَابَعَةِ السُّنَّةِ فَمَنْ أُعْطِيَهَا وَجَعَلَ يَشْتَاقُ إِلَى غَيْرِهَا فَهُوَ مُفْتَرٍ كَذَّابٌ أَوْ ذُوْ خَطَاءٍ فِي الْعِلْمِ بِالصَّوَابِ كَمَنْ أُكْرِمَ بِشُهُوْدِ الْمَلِكِ فَاشْتَاقَ إِلَى سِيَاسَةِ الدَّوَابِّ[۵]

ایمان اور اتباع سنت سے بڑھ کر کوئی کرامت نہیں جسے دونوں باتیں حاصل ہو جائیں اور پھر وہ کسی اور چیز کا مشتاق ہو تو وہ شخص مفتری اور کذاب ہے یا اسے اپنے علم میں صحیح بات معلوم کرنے میں غلطی لگی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کو بادشاہ کے دربار میں حضوری کا شرف حاصل ہو مگر وہ جانوروں کا داروغہ بننا چاہے۔

۲۰۔ علی بن شہابؒ کا قول

شیخ علی بن شہابؒ امام عبد الوہابؒ شعرانی کے دادا تھے۔ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ انہوں نے ستاسی سال کی عمر میں ۸۹۱ھ میں وفات پائی۔ ایک مرتبہ شیخ عبد الرحمٰن بن شیخ وہیب سطوحی جو اس وقت کے احمدیہ فرقہ کے رئیس تھے ان کے شہر میں آ رہے تھے تو علی بن شہاب نے انہیں کہلا بھیجا:

---

(۱) یہ اس لئے فرمایا کہ پیر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلتا ہے (۲) لواقح الانوار ۱: ۱۵۰ (۳) جامی رحمۃ اللہ نے نفحات الانس میں ان کی تاریخ وفات ۶۵۴ھ لکھی ہے (۴) لواقح الانوار ۲: ۴ (۵) لواقح الانوار ۲: ۶

يا شيخ عبد الرحمن إن كنت تطلع بلدنا فاطلعها بالكتاب والسنة وإلا فأنت محجوب(۱)

اے شیخ عبدالرحمٰن اگر تو ہمارے شہر میں آنا چاہتا ہے تو کتاب و سنت کے ساتھ آنا ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان جدائی ہوگی۔

۲۱۔ محمد عنان کا فرمان

شیخ محمد عنان اپنے زمانے کے بہت بڑے عابد اور زاہد تھے۔ ان کی کرامات مشہور ہیں۔ انہوں نے ایک سو دس برس کی عمر میں ۹۲۲ھ میں وفات پائی۔ ان کے پاس اگر کوئی راہ طریقت کی تلاش میں آتا تو فرماتے:

"یہ لوگ راہ حق سے مذاق کرتے ہیں"

اور کسی کو ذکر کی تلقین نہ کرتے۔ شیخ احمد نجدی قرآن مجید لے کر ان کے پاس آئے اور کہا تمہیں اس خدا کی قسم جس کا یہ کلام ہے کہ مجھے ضرور ذکر کی تلقین کریں۔ شیخ محمد عنان نے جب اللہ کی قسم کا لفظ سنا تو بیہوش ہو کر گر پڑے پھر اٹھ کر فرمایا:

يا ولدي الطريق ما هي بهذا إنما هي باتباع الكتاب والسنة(۲)

بیٹا! راہ طریقت یہ نہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری ہی کا نام طریقت ہے۔

۲۲۔ ابوبکر حدیدی اور اتباع سنت

شیخ ابوبکر حدیدی رحمہ اللہ کبار صوفیہ میں سے تھے اور امام عبدالوہاب شعرانی کے پیر تھے انہوں نے مدینہ میں ۹۲۵ھ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئے۔ ایک مرتبہ انہوں نے شیخ محمد العدل کو دیکھا کہ وہ کسی بیمار عورت کا پیٹ ٹٹول رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے بلند آواز سے کہا:

اے محمد! ہائے دین۔ اے عدل خدائی بزرگ تمہارے اوپر ہے۔

محمد عدل نے جواب دیا: میں نے کوئی بری نیت سے تو نہیں ٹٹولا۔

فرمایا: کیا تو معصوم ہے؟ ہم تو سنت کے ظاہری حکم کو جانتے ہیں(۳)۔

۲۳۔ ابن داؤد منزلاوی اور اتباع سنت رحمہ اللہ

امام شعرانی ابن داؤد رحمہ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں:

كان سيدي محمد بن داود يضرب به المثل في اتباع الكتاب والسنة .... وولده الشيخ شهاب الدين كان يضرب به المثل في اتباع الكتاب والسنة وما رأيت في عصري هذا أضبط منه للسنة(۴)۔

سیدی محمد بن داؤد رحمہ اللہ اتباع کتاب و سنت میں ضرب المثل تھے .... اسی طرح ان کے بیٹے شیخ شہاب الدین بھی کتاب و سنت کی اتباع میں ضرب المثل تھے۔ میں نے اپنے زمانہ میں ان سے بڑھ کر کسی کو

(۱) لواقح الانوار: ۲: ۱۰۳ (۲) لواقح الانوار: ۲: ۱۰۹ (۳) لواقح الانوار: ۲: ۱۱۹

(۴) لواقح الانوار: ۲: ۱۱۴۔

Marfat.com

سنت پر کاربند نہیں دیکھا۔

پھر آگے چل کر شہاب الدین کے متعلق لکھتے ہیں :۔

كَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مُلَازِمًا لِلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ مَا رَأَتْ عَيْنِي بَعْدَ الشَّيْخِ مُحَمَّدِ بْنِ عِنَانٍ أَضْبَطَ لِلسُّنَّةِ مِنْهُ (۱)۔

یہ ہمیشہ کتاب وسنت پر کاربند رہتے۔ میں نے شیخ محمد بن عنانؒ کے بعد ان سے زیادہ محافظ سنت نہیں دیکھا

اس کے بعد شعرانی لکھتے ہیں کہ چالیس سال تک ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں ان کی صحبت میں رہا مگر میں نے انہیں کبھی بھی مسنون طریقہ سے منحرف ہوتا نہیں پایا۔ خود منزلاوی فرماتے ہیں :

مَنْ أَرَادَ حِفْظَ السُّنَّةِ فَلْيَعْمَلْ بِهَا فَإِنَّهَا تَتَقَيَّدُ عِنْدَهُ وَلَا يَنْسَاهَا۔

جو شخص سنت کی محافظت کرنا چاہے وہ اس پر عمل کرے کیونکہ اس طرح سنت محفوظ ہو جاتی ہے اور بھولتی نہیں۔

۲۴۔ امام شعرانی کا قول

امام عبدالوہاب بن احمد بن علی شعرانیؒ متوفی ۹۷۳ھ ۱۵۶۵ء بہت بڑے عالم اور صوفی ہوئے ہیں ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ فرماتے ہیں :

(الف) وَاعْلَمْ أَنَّ طَرِيقَ الْقَوْمِ عَلَى وَفْقِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ فَمَنْ خَالَفَهَا خَرَجَ عَنِ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ (۲)

یاد رکھو کہ صوفیاء کا طریقہ کتاب وسنت کے عین مطابق ہے جس نے کتاب وسنت کے خلاف کیا وہ راہ مستقیم سے بھٹک گیا

(ب) فَرَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً رَأَى فِيهَا شَيْئًا يُخَالِفُ ظَاهِرَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَأَصْلَحَهُ وَلٰكِنْ بِشَرْطِ أَنْ يَكُونَ عَلَى يَقِينٍ وَمَعْرِفَةٍ لَيْسَ فِيهِ شَكٌّ (۳)

خدا اس شخص پر رحم کرے جس نے اس کتاب میں کتاب وسنت کے خلاف کوئی بات پائی اور اس نے اس کی اصلاح کر دی بشرطیکہ اسے اس قدر یقین اور معرفت حاصل ہو کہ اسے کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہو کہ یہ امر کتاب وسنت کے خلاف ہے۔

(ج) فَيَنْبَغِي لِسَالِكِ طَرِيقِ الْعَارِفِينَ أَنْ يَتُوبَ مِنْ تَرْكِ السُّنَّةِ كَمَا يَتُوبُ مِنْ تَرْكِ الْوَاجِبِ (۴)۔

عارفین کے طریقہ پر چلنے والے کے لئے ضروری ہے کہ جس طرح وہ ترک واجب سے توبہ کرتا ہے اسی طرح سنت کے ترک کرنے سے بھی توبہ کرے۔

(د) وَإِلَّا فَلَوْ رَأَيْنَا الصُّوفِيَّ يَتَرَبَّعُ فِي الْهَوَاءِ لَا نَعْبَأُ بِهِ إِلَّا أَنْ امْتَثَلَ أَمْرَ اللّٰهِ تَعَالَى وَاجْتَنَبَ نَهْيَهُ فِي الْمُحَرَّمَاتِ الْوَارِدَةِ فِي السُّنَّةِ مُخَاطِبًا كُلَّ الْخَلْقِ الْمُكَلَّفِينَ لَا يَخْرُجُ عَنْ ذٰلِكَ أَحَدٌ مِنْهُمْ وَمَنِ ادَّعَى أَنَّ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالَى حَالَةً أَسْقَطَتْ عَنْهُ التَّكَالِيفَ الشَّرْعِيَّةَ مِنْ غَيْرِ ظُهُورِ أَمَارَةٍ تُصَدِّقُهُ عَلَى دَعْوَاهُ فَهُوَ كَاذِبٌ (۵)۔

---

(۱) لواقح الانوار ۲: ۱۴۹ (۲) الانوار القدسیہ ۱: ۴۱-۴۲ (۳) الانوار القدسیہ ۱: ۱۳، ۱۴ (۴) الانوار القدسیہ ۱: ۳۲ (۵) الانوار القدسیہ ۱: ۳۸۔

Marfat.com

ورنہ اگر ہم صوفی کو ہوا پر چوکڑی لگائے بیٹھے ہوئے بھی کیوں نہ دیکھ لیں تب بھی اس کا کچھ اعتبار نہ کریں گے۔ البتہ اگر وہ محرمات کے ترک کرنے کا حکم کرتا ہو اور سنتِ نبوی میں جن محرمات سے منع کیا گیا ہے ان سے پرہیز کرتا ہو اور تمام مخلوقِ خدا کو محرمات کے ترک کرنے کا حکم کرتا ہو تب مان جائیں گے۔ اس لئے کہ کوئی شخص بھی احکام سے مستثنیٰ نہیں ہے اور اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اللہ اور اس کے درمیان ایک حالت ہے جس کی وجہ سے تمام احکام شرعیہ اس سے ساقط ہو چکے ہیں اور اس کے پاس اس دعویٰ کی تصدیق میں کوئی ظاہری علامت بھی نہ پائی جاتی ہو تو وہ شخص کاذب ہے۔

(ھ) وَظُهُوْرُ الْكَرَامَةِ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ فِي الْوَلَايَةِ۔ اِنَّمَا يُشْتَرَطُ اِمْتِثَالُ اَوَامِرِ اللّٰهِ وَاجْتِنَابُ نَوَاهِيْهِ فَيَكُوْنُ اَمْرُهٗ مَضْبُوْطًا عَلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ فَمَنْ كَانَ كَذٰلِكَ فَالْقُرْاٰنُ شَاهِدٌ بِوَلَايَتِهٖ[1]۔

ولی کے لئے کرامت کا ظاہر ہونا شرط نہیں۔ اگر شرط ہے تو یہ کہ وہ احکامِ خداوندی کی تابعداری کرے اور نواہی سے پرہیز کرے تاکہ اس کی حالت کتاب و سنت سے مطابقت کی وجہ سے پختہ ہو۔ لہٰذا جس شخص کا یہ حال ہوگا تو اس کی ولایت پر قرآن گواہ ہے۔

مذکورہ بالا اقوال پر بے شمار اقوال کا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر میں نے اتنے پر اکتفا کی ہے۔ ان سے قارئین بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ لوگ کس طرح خود بھی کتاب و سنت پر کاربند رہے اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کرتے رہے ان پر کتاب و سنت کی مخالفت کا الزام محض افتراء ہے جس سے ان کا دامن کلیۃً پاک ہے مگر اس کے باوجود بعض اہلِ ظاہر نے ان پر زبانِ طعن دراز کی اور ان پر ناروا الزامات لگائے۔ چنانچہ ذوالنون مصریؒ (م ۲۴۵ھ)، جنید بغدادیؒ (م ۲۹۷ھ) سہل تستریؒ (م ۲۸۳ھ)، ابوالحسن شاذلیؒ (م ۶۵۶ھ)، ابن العربیؒ (م ۶۳۸ھ) اور سید احمد بن ابی الحسن الرفاعیؒ (م ۵۷۸ھ) پر قسم قسم کے الزامات تراش کر انہیں بدنام کرنے کی کوشش کی گئی۔ بعض طاعنین نے کتاب و سنت کی آڑ لے کر انہیں قتل تک کرانے کی کوشش کی۔ یہ وہ لوگ تھے جن کا تعلق محض علمِ ظاہر سے تھا اور علمِ باطن سے سراسر کورے تھے ان کا علم بھی اسی قسم کا تھا جس کے متعلق مولانا روم فرماتے ہیں:

علم را بر دل زنی یارے بود	علم را بر گل زنی مارے بود!
علم تقلیدی وبالِ جانِ ماست	عاریہ است و نشستہ کآن ماست
زیں خرد جاہل ہمی باید شدن	دست در دیوانگی باید زدن[2]
علم تقلیدی بود بہر فروخت	چوں بیابد مشتری خوش برفروخت
مشتریٔ علمِ تحقیقی حق است	دائماً بازار او بارونق است[3]

ہم خدا کے پاس ایسے علم سے پناہ لیتے ہیں جو بجائے فائدہ پہنچانے کے "مار" کا کام کرے۔ آمین ؏

(۱) الانوار القدسیہ ۱: ۱۴۵ (۲) مثنوی معنوی ۴: ۱۱ (۳) مثنوی معنوی: ۹ ۱۲

اکابر علماء کا صوفیاء اور اولیاء اللہ کی تعظیم کرنا

اکابر علماء کو چونکہ یقینی طور پر معلوم تھا کہ صوفیاء متبع کتاب و سنت ہیں اور یہ کہ ان کے باطن نور سے معمور ہیں، اس لئے وہ ان کی تعظیم کرتے اور ان کے ذکر کو باعثِ رحمت سمجھتے۔ ہم ذیل میں اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں :-

۱۔ عبداللہ بن مبارک کا قول

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بڑے پایہ کے محدث، اور عالم تھے اور اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے مشہور تھے۔ ان کی وفات ۱۸۱ھ میں ہوئی۔ فرماتے ہیں،

إِنَّ الرَّحْمَةَ تَنْزِلُ عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِيْنَ

جب صالحین کا ذکر کیا جائے تو رحمتِ خداوندی کا نزول ہوتا ہے۔

۲۔ ابو ہاشمؒ اور سفیان ثوریؒ

ابو ہاشم شام کے مشہور شیخ تھے یہ دراصل کوفہ کے رہنے والے اور حضرت سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ کے ہم عصر تھے۔ ان کی صحیح تاریخ وفات معلوم نہیں نکلسن[۲] نے لکھا ہے کہ ان کی وفات ۸۰۰ء (۱۸۴ھ) سے پہلے ہوئی۔ اگرچہ ابو ہاشم سے پہلے بھی بہت سے بزرگ گذر چکے تھے جو اپنے زہد و ورع، حسن معاملت، طریقِ توکل اور طریقِ محبت کے اعتبار سے مشہور تھے۔ مگر سب سے پہلے بزرگ جنہیں صوفی کا لقب دیا گیا وہ یہی ابو ہاشمؒ تھے۔ انہی نے صوفیاء کے لئے سب سے پہلی خانقاہ[۳] بنوائی۔ اس کے بنوانے کا سبب یہ ہوا کہ ایک عیسائی رئیس شکار کے لئے نکلا ہوا تھا۔ راستہ میں اس نے دو شخصوں کو نہایت محبت سے آپس میں ملتے اور ہم آغوش ہوتے دیکھا۔ اس کے بعد انہوں نے باہم مل کر کھانا کھایا۔ عیسائی رئیس کو ان کا طرز معاشرت بہت پسند آیا۔ اس نے ان میں سے ایک کو بلا کر پوچھا کہ یہ دوسرا شخص کون ہے اس نے جواب دیا کہ میں نہ اسے جانتا ہوں اور نہ میرا کوئی اس سے تعلق ہے اور نہ ہی مجھے معلوم ہے کہ یہ کہاں کا رہنے والا ہے اس پر عیسائی رئیس نے دریافت کیا کہ پھر یہ آپس میں محبت کیسی ہے۔ درویش نے جواب دیا کہ یہ تو ہمارا طریقہ ہے۔ پھر رئیس نے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی جگہ ہے جہاں تم مل کر بیٹھ سکو۔ جواب دیا نہیں۔ اس پر رئیس نے رملہ (فلسطین) میں پہلی خانقاہ بنوادی[۴]

حضرت سفیان ثوریؒ جو مشہور محدث اور عالم ہوئے ہیں انہی ابو ہاشمؒ کے متعلق فرماتے ہیں :

(الف) لَوْلَا أَبُوْ هَاشِمِ الصُّوْفِيُّ مَا عَرَفْتُ دَقَائِقَ الرِّيَاءِ

اگر ابو ہاشم صوفی نہ ہوتے تو میں ریاء کی باریکیاں نہ جان سکتا۔

(ب) جب تک میں نے ابو ہاشم کو نہ دیکھا تھا مجھے معلوم نہ تھا کہ صوفی کسے کہتے ہیں[۵]۔

۳۔ امام احمد بن حنبلؒ اور ابو حمزہ بغدادیؒ

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ اتباعِ سنت اور اجتناب بدعت میں ضرب المثل تھے۔ انہوں نے ستتر برس کی عمر میں ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔ علم حدیث اور دیگر علوم میں ان کا مرتبہ کسی پر مخفی نہیں۔ انہیں جب کسی مسئلہ میں دقت پیش آتی تو ابو حمزہ بغدادیؒ متوفی ۲۸۹ھ سے دریافت

(۱) لواقح الانوار، ۱ : ۵۱ (۲) اے لٹریری ہسٹری آف دی عربز : ۲۲۹ (۳) نفحات الانس ۳۱ اور اے لٹریری ہسٹری آف دی عربز : ۲۲۹
(۴) نفحات الانس : ۳۲ (۵) نفحات الانس ۳۱۔

53278

Marfat.com

کیا کرتے۔ اور جب ان کی مجلس میں صوفیاء کے اقوال کا ذکر ہوتا تب بھی انہی کی رائے دریافت کیا کرتے"[1]

شیخ قطب الدینؒ بن امین بیان کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ اپنے بیٹے کو صوفیاء کی مجلس میں جانے کی ترغیب دیا کرتے اور فرمایا کرتے کہ یہ لوگ اخلاق میں اس درجہ تک پہنچے ہوئے ہیں کہ ہم وہاں تک نہیں پہنچ سکتے[2]

۴۔ امام احمدؒ اور شیبان راعیؒ

ایک مرتبہ امام احمد بن حنبلؒ امام شافعیؒ کے پاس بیٹھے تھے کہ شیبان راعیؒ ادھر آ نکلے۔ امام احمدؒ نے امام شافعیؒ سے کہا اے ابو عبداللہ میں اسے اس کی جہالت پر متنبہ کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ یہ کچھ علم سیکھنے کی طرف توجہ دے۔ امام شافعیؒ نے انہیں اس سے روکا مگر یہ باز نہ آئے اور شیبان سے کہا:۔

"ایک شخص رات اور دن میں ایک نماز پڑھنی بھول گیا ہے اور اسے یہ بھی یاد نہیں کہ اس نے کون سی نماز نہیں پڑھی اب اسے کیا کرنا چاہیئے"

یہ سن کر حضرت شیبان پر خاص کیفیت طاری ہو گئی اور فرمایا: اے احمد آپ ایسے شخص کا ذکر کر رہے ہیں جس کا دل اللہ سے غافل ہو چکا ہے لہٰذا اسے سزا دینی چاہیئے تاکہ آئندہ اللہ سے غافل نہ ہو۔

یہ جواب سن کر احمد بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو امام شافعیؒ نے فرمایا: کیا میں نے تجھے اسے چھیڑنے سے منع نہ کیا تھا؟[3]

اس واقعہ کے لکھنے کے بعد امام قشیریؒ فرماتے ہیں: یہ شیبان راعیؒ کا حال ہے جو اُمّی محض تھے۔ جب اُمّی صوفیوں کا یہ حال ہو تو پھر ان کے ائمہ کا کیا حال ہو گا۔

۵۔ ابو العباسؒ بن سُریج اور جُنید بغدادیؒ

ابو العباس بن سُریج متوفی ۳۰۶ھ = ۹۹۸ء امام شافعیؒ رحمۃ اللہ کے شاگردوں میں سے تھے۔ انہیں امام شافعیؒ کے تمام شاگردوں یہاں تک کہ مُزنی سے بھی افضل سمجھا جاتا ہے۔ جب یہ حضرت جُنید بغدادی متوفی ۲۹۷ھ = ۹۰۹ء کے پاس آئے اور ان کا کلام سنا تو کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ کا اس کلام کے متعلق کیا خیال ہے۔ تو فرمایا:۔

لَا اَدْرِیْ مَا یَقُوْلُ وَلٰکِنِّیْ اَرٰی لِھٰذَا الْکَلَامِ صَوْلَۃً لَیْسَتْ بِصَوْلَۃِ مُبْطِلٍ

جو کچھ یہ فرما رہے ہیں میں اسے نہیں جانتا مگر اس کلام میں اس قدر دبدبہ پایا جاتا ہے کہ ایک باطل شخص کے کلام میں نہیں ہو سکتا۔

۶۔ عبد اللہؒ بن سعید اور جُنیدؒ

عبد اللہؒ بن سعید بن کلاب ہر شخص کی باتوں پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے انہیں کہا کہ آپ ہر کسی کی بات پر اعتراض کرتے ہیں۔ یہاں جُنیدؒ نامی ایک شخص ہے۔ ذرا اس کی باتیں بھی سنیں۔ پھر دیکھیں کیا آپ ان پر اعتراض کر سکتے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ عبد اللہ جُنیدؒ

---

(۱) لواقح الانوار ۱: ۴۴ اور رسالہ قشیریہ: ۲۶ (۲) لواقح الانوار ۱: ۴۴ (۳) رسالہ قشیریہ: ۱۹۸ (۴) لواقح الانوار ۱: ۴۴ اور رسالہ قشیریہ: ۱۹۸۔

Marfat.com

کے حلقہ میں آئے اور اُن سے توحید کے بارے میں سوال کیا۔ حضرت جنیدؒ نے ایسا جواب دیا کہ عبداللہ حیران رہ گئے۔ اور کلام کو دوبارہ دہرانے کی درخواست کی۔ حضرت جنیدؒ نے بالکل مختلف الفاظ میں وہی بات دہرا دی۔ عبداللہ نے کہا یہ تو کچھ اور ہی بات ہے جسے میں یاد نہیں رکھ سکتا اور ایک بار پھر دہرانے کی درخواست کی۔ انہوں نے پھر ایک نئے طرز میں وہی بات دہرا دی۔ عبداللہ نے کہا: اس طرح تو یہ کلام مجھے یاد نہیں رہ سکتا۔ آپ مجھے یہ لکھا دیں۔ اور حضرت جُنیدؒ کی فضیلت اور عُلوِّ مرتبہ کا معترف ہوگیا (۱)

۷۔ ابو عمرانؒ اور شیخ شبلیؒ

ابو عمرانؒ ایک فقیہ تھے۔ جامع منصور میں ان کا حلقہ درس اور شیخ ابوبکر دلفؒ بن جحدر شبلی جنہوں نے ستاسی سال کی عمر میں ۳۳۴ھ / ۹۴۵ء میں وفات پائی، کا حلقہ درس ساتھ ساتھ تھا۔ ابو عمران درس دے رہے ہوتے اور جب شبلیؒ کلام شروع کرتے تو ان کا حلقہ درہم برہم ہو جاتا اور لوگ اُٹھ کر شبلیؒ کے پاس چلے جاتے۔ یہ دیکھ کر ابو عمران سخت برافروختہ ہوتے ایک دن انہوں نے چاہا کہ شبلی کے مبلغ علم کا راز فاش کریں۔ اور ان کے ایک شاگرد نے شبلیؒ سے مسئلہ حیض کے متعلق سوال کیا۔ شبلیؒ نے تقریر کی جس میں انہوں نے علماء کے اقوال اور اختلافات کا ذکر کیا۔ ابو عمران تقریر سن کر ششدر رہ گئے اور اُٹھ کر شبلی کے سر پر بوسہ دیا اور کہا اے شبلی اس مسئلہ میں مجھے آپ سے دس ایسے اقوال معلوم ہوئے ہیں جن کا مجھے پہلے علم نہ تھا۔ اور جتنے اقوال آپ نے بیان فرمائے ہیں ان میں سے مجھے صرف تین اقوال آتے تھے (۲)

اسی باطنی اور حقیقی علم کی وجہ سے شیخ شبلی فرمایا کرتے تھے:

مَا ظَنُّكَ بِعِلْمٍ عِلْمُ الْعُلَمَاءِ فِيهِ تُهْمَةٌ۔

ایسے علم کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جس کے مقابلہ میں علماء کا علم تہمت کے برابر ہو۔

مولانا جلال الدین رومیؒ متوفی ۶۷۲ھ علم ظاہر اور علم باطن کا مقابلہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

علم ہائے اہل دل حمالِ شان — علم ہائے اہلِ تن اَحمالِ شان

اہل دل کو اپنا علم اٹھانے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ان کا علم انہیں اٹھائے ہوتا ہے برخلاف اس کے اہل تن کا علم ان کے لئے بار ہوتا ہے۔

علم چوں بر دل زند یاری شود — علم چوں بر تن زند باری شود

علم اگر دل پر اثر کرے تو وہ مددگار ہوتا ہے۔ اور اگر تن پر اثر کرے تو بار ہو جاتا ہے۔

گفت ایزد یَحْمِلُ اَسْفَارَہٗ — بار باشد علم کاں نبود ز ہُو!

جو علم اللہ کی طرف سے نہ ہو وہ بار ہوتا ہے اور اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یَحْمِلُ اَسْفَارَہٗ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

علم کاں نبود ز ہو بے واسطہ — آں نپاید ہمچو رنگ ماشطہ

---

(۱) رسالہ قشیریہ: ۱۹۸ (۲) رسالہ قشیریہ: ۱۹۰ اور لوائح الانوار: ۱: ۴۸ (۳) لوائح الانوار: ۱: ۸۹

Marfat.com

جو علم بلاواسطہ اللہ سے حاصل کیا ہوا نہ ہو وہ ماشطہ کے ظاہری بناؤ سنگھار کی طرح پائیدار نہیں ہوتا۔

لیک چوں ایں بار را نیکو کشی　　بار برگیرند و بخشندت خوشی

لیکن اگر تو اس علم کو اچھی طرح سے اُٹھائے تو تجھے اس بار کے عوض خوشی عطا کی جائے گی۔

ہیں مکش بہر ہوا آں بار علم　　تا شوی راکب تو بر رہوارِ علم

خبردار اپنی خواہشات کی خاطر علم حاصل نہ کرنا تاکہ تو علم کے گھوڑے پر سوار ہو سکے۔

ہیں بکش بہر خدا ایں بار علم　　تا ببینی در دروں انبارِ علم

اللہ کی خاطر علم حاصل کرو تاکہ تمہارے اندر علم کے انبار دکھائی دیں۔

تاکہ بر رہوار علم آئی سوار　　آں نگہاں اُفتد ترا از دوش بار

جب تو علم کے گھوڑے پر سوار ہو گیا تب تمہارے کندھوں سے بوجھ بھی اُتر جائے گا۔

از ہوا ہا کے رہی بے جام ہُو　　اے ز ہُو قانع شدہ با نام ہُو[1]

اے اللہ کو چھوڑ کر محض اسم اللہ پر قناعت کرنے والے اللہ کی معرفت کا پیالہ پئے بغیر تو اپنی خواہشات سے رہائی نہیں پا سکتا۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

علم ہائے اہل حس شد پوزبند　　تا نگیرد شیر از اں علم بلند

جب تک اہل حس علم بلند باطن سے خوراک حاصل نہیں کرتے ان کا علم منہ تک محدود رہتا ہے (دل میں نہیں اترتا)

قطرۂ دل را یکے گوہر فتاد　　کاں بگرد و نہا دو دریا ہا نداد

علم کا جو گوہر دل میں آپڑتا ہے وہ نہ سمندروں کو حاصل ہوتا ہے نہ آسمانوں کو۔

چند صورت آخر اے صورت پرست　　جانِ بے معنیت از صورت نرست

اے صورت پرست تو کب تک صورت کے پیچھے لگا رہے گا۔ جو صورت سے آزاد نہیں ہوتا اس کی جان بے روح ہوتی ہے۔

گر بصورت آدمی انسان بدے　　احمدؐ و بوجہل خود یکساں بدے

اگر محض صورت سے آدمی انسان کہلاتا تو پھر احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل یکساں ہوتے۔

احمدؐ و بوجہل در بت خانہ رفت　　زیں شدن تا آں شدن فرقیست زفت

احمدؐ اور ابوجہل دونوں بت خانہ میں جاتے ہیں (مگر غور کرو) ان کے وہاں جانے اور ابوجہل کے جانے میں کسقدر فرق ہے۔

ایں در آید سر نہند آں ر ابتاں　　واں در آید سر نہد چوں اُمتاں

احمدؐ تشریف لاتے ہیں تو بت سرنگوں ہو جاتے ہیں۔ لیکن ابوجہل آکر اُمتیوں کی طرح ان کے سامنے سر جھکاتا ہے۔

نقش بر دیوار مثل آدم است　　بنگر از صورت چہ چیز او را کم است

---

(۱) مثنوی معنوی: دفتر اول: ۷۸

دیوار پر جو تصویر کھچی ہوتی ہے وہ ہو بہو آدمی کی طرح ہوتی ہے۔ ذرا غور کرو کیا اس میں کس چیز کی کمی ہے؟

جاں کم است آں صورت بتاب را   رو بجو آں گوہر کمیاب را [۱]

اس بے رونق صورت میں جان کی کمی ہے، لہٰذا تو اسی کمیاب گوہر کی تلاش کر۔

۸ - امام نوویؒ اور پیر مراکشیؒ

امام محی الدین یحییٰ بن شرف نوویؒ متوفی ۶۳۱ھ ۱۲۳۳ء اپنے عصر کے بہت بڑے محدث اور امام تھے ان کے شیخ پیر مراکشی دمشق کے بیرونجات میں رہتے تھے۔ امام نووی کو جب کبھی کسی ایسے مسئلہ میں دقت پیش آتی جسے وہ اپنی تصنیف میں درج کرنا چاہتے تو پیر مراکشی کی طرف رجوع کرتے اور ان سے تحقیق کر لینے کے بعد درج کرتے۔[۲]

۹ - عز بن عبد السلام اور صوفیاء

عز الدین عبد العزیز بن عبد السلام السلمی الشافعی بہت بڑے عالم اور صاحب تصانیف گذرے ہیں یہاں تک کہ انہیں سلطان العلماء کا خطاب دیا گیا۔ یہ پہلے صوفیاء کے مخالف تھے مگر بعد میں جب انہوں نے ابو الحسن شاذلیؒ کی بیعت کر لی تو ان کی فضیلت اور کمال کے معترف ہو گئے تھے۔ خود بھی صاحب کرامات تھے۔ ان کی وفات ۶۶۲ھ میں ہوئی۔ فرماتے ہیں:

مِمَّا یَدُلُّکَ عَلٰی صِحَّۃِ مَذْہَبِ الْفُقَرَاءِ کَثْرَۃُ کَرَامَاتِہِمْ وَمَا رَأَیْنَا اَحَدًا مِنَ الْفُقَہَاءِ وَقَعَ عَلٰی یَدَیْہِ کَرَامَۃٌ اِلَّا اَنْ سَلَکَ مِنْہَاجَہُمْ۔ وَمَنْ لَمْ یُؤْمِنْ بِکَرَامَاتِہِمْ حُرِمَ بَرَکَتَہُمْ۔ وَقَدْ شَاہَدْنَا کُلَّ مَنْ اَنْکَرَ عَلَی الْفُقَرَاءِ مِنْ غَیْرِ دُخُوْلٍ فِیْ طَرِیْقِہِمْ یَصِیْرُ عَلٰی وَجْہِہٖ کَآبَۃٌ وَعَلَامَۃٌ عَلَی الطَّرْدِ وَالْمَقْتِ لَا تَخْفٰی عَلٰی ذِیْ بَصِیْرَۃٍ وَلَا یَنْفَعُ اللّٰہُ بِعِلْمِہٖ اَحَدًا بِخِلَافِ اَہْلِ الْاِعْتِقَادِ فِیْہِمْ۔[۳]

فقراء کے طریقہ کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ان سے کثرت سے کرامات کا ظہور ہوا ہے۔ برخلاف اس کے ہم نے کسی فقیہ سے کوئی کرامت ظاہر ہوتی نہیں دیکھی۔ البتہ اگر وہ بھی فقراء کے طریقہ پر چلے تو ظاہر ہو سکتی ہے جو لوگ فقراء کی کرامت کے منکر ہیں وہ ان کی برکت سے بھی محروم رہتے ہیں۔ ہم نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جو ان کے طریقہ کو جانے بغیر ان پر اعتراض کرتے رہتے ہیں کہ ان کے چہرے بے رونق ہوتے ہیں اور ان پر غضب خداوندی اور راندہ ہونے کی علامت پائی جاتی ہے جو اہل بصیرت سے پوشیدہ نہیں ہوتی اور ایسے لوگوں کے علم سے کسی کو نفع بھی نہیں پہنچتا۔ برخلاف ان لوگوں کے جو فقراء کے معتقد ہوتے ہیں (کہ ان کے علم سے عوام کو فائدہ پہنچتا ہے)

۱۰ - ابن حجرؒ اور محمد بن فرغلؒ

شیخ الاسلام قاضی القضاۃ حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمدؒ بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۳ھ ۱۴۴۹ء اپنے زہد و تقویٰ اور علمی تبحر کی وجہ سے مشہور تھے۔ محمد بن احمد فرغلؒ متوفی ۸۵۰ھ (تقریباً) بھی اسی زمانہ میں ایک صاحب کرامات ولی مگر اُمّی تھے۔ محمد بن احمد فرغل عمر کی اولاد کی سفارش کے لئے مصر گئے تو علامہ ابن حجر کا ان پر گذر ہوا۔ ابن حجر نے انہیں دیکھ کر اپنے دل میں کہا: اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو اپنا ولی نہیں بناتے اور اگر بنائیں تو اسے علم بھی عطا کر دیتے ہیں۔ یہ خیال کر کے ابن حجر نے دل ہی دل میں ان

(۱) مثنوی معنوی دفتر اول: ۳۲ (۲) الانوار القدسیہ ۱: ۴۶ (۳) الانوار القدسیہ ۱: ۴۶ -

Marfat.com

کی ولایت کا انکار کیا اس پر ابن فرغل نے کہا "اے قاضی ذرا ٹھہر جاؤ" پھر پکڑ کر انہیں دھپڑ مارتے گئے اور کہتے گئے:

بَلْ اِتَّخَذَنِی وَ عَلَّمَنِی (۱)

بلکہ مجھے اللہ نے اپنا ولی بنایا ہے اور علم بھی دیا ہے۔ ابن حجر نے یہ سب کچھ خاموشی سے برداشت کیا اور ایک کلمہ بھی منہ سے نہ نکلا۔

ان مثالوں سے یہ بات واضح ہو گئی ہوگی کہ اہل طریقت کا علم کس قدر واضح اور صحیح ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ یہ لوگ براہ راست سرچشمۂ حقیقی سے علم حاصل کرتے ہیں اور درمیان میں کوئی واسطہ نہیں ہوتا کہ غلطی کا احتمال پیدا ہو۔ ان پر نکتہ چینی کا حق صرف انہی بزرگوں کو حاصل ہے جو بحرِ عرفان کے شناور ہوں۔ گندی نالیوں میں غوطہ کھانے والوں کو کیسے حق حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ ان پر حرف گیری کریں۔ چنانچہ جب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے حلاج کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا: "یہ ایک بلند تھا جس نے لمبا دعویٰ کیا لہٰذا اس پر شریعت کی قینچی چلائی گئی۔ پھر ایک اور مرتبہ حلاج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: حسین حلاج پھسل گیا۔ اس کے عہد میں کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہ تھا۔ اگر میں اس زمانہ میں ہوتا تو اس کا ہاتھ پکڑ لیتا (۲)

علی الخواصؒ اور علم لدنّی

عبدالوہاب شعرانی رحمہ کے پیر علی الخواصؒ بالکل اُمّی تھے، نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا اس کے باوجود جب قرآن مجید اور حدیث نبویؐ کے معانی پر گفتگو کرتے تو بڑے بڑے علماء بھی انگشت بدنداں رہ جاتے۔ عبدالوہاب شعرانی نے ان کے اقوال کو اپنی کتاب الجواہر و الدرر میں جمع کر دیا ہے۔ علی فرماتے ہیں:

لَا یُسَمّٰی عِنْدَنَا عَالِمًا اِلَّا مَنْ کَانَ عِلْمُہٗ غَیْرَ مُسْتَفَادٍ مِنْ نَقْلٍ اَوْ صَدْرٍ بِاَنْ یَکُوْنَ خِضْرِیَّ الْمَقَامِ وَ اَمَّا غَیْرُہٗ فَاِنَّمَا ھُوَ حَاکٍ لِعِلْمِ غَیْرِہٖ فَلَہٗ اَجْرُ مَنْ حَمَلَ الْعِلْمَ حَتّٰی اَدَّاہُ لَا اَجْرَ الْعَالِمِ وَ اللّٰہُ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ (۳)

ہمارے نزدیک وہی شخص عالم کہلا سکتا ہے جس نے علم نہ کسی نقل اور نہ صدر سے حاصل کیا ہو۔ یعنی یہ کہ وہ خضری مرتبہ رکھتا ہو۔ دوسرے لوگ تو اوروں کے علم کی صرف حکایت کرنے والے ہوتے ہیں لہٰذا انہیں عالم کا اجر نہ ملے گا۔ بلکہ اس شخص کا اجر ملے گا جس نے علم اٹھایا اور دوسروں تک پہنچا دیا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

یہاں سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ علماء کو حاملین علم کا اجر تو ملے گا۔ مگر ان کا علم نہ حقیقی کہلا سکتا ہے اور نہ یہ اس قدر یقینی ہوتا ہے جس قدر کہ اہل باطن کا علم۔ علم ظاہر میں ذہول و نسیان واقع ہو سکتا ہے۔ مگر علم باطن میں اس قسم کے حوادث طاری نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ علم باطن میں عمل علم کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کے برعکس علم ظاہر میں ضروری نہیں کہ علم و عمل میں مطابقت پائی جائے۔ چنانچہ ہم بالعموم دیکھتے ہیں کہ علماء ظاہر کے علم و عمل میں سخت تفاوت پایا جاتا ہے۔ لیکن

(۱) لواقح الانوار: ۲: ۹۵ (۲) قلائد الجواہر: ۱۷ (۳) لواقح الانوار: ۲: ۱۴۷۔

Marfat.com

اگر علم باطن میں عمل علم کے مطابق نہ ہو تو علم کے سلب ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے انہی حقائق کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے علی خواص فرماتے ہیں :

لَا يَكْمُلُ الْفَقِيْرُ فِيْ بَابِ الْاِتِّبَاعِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى يَصِيْرَ مَشْهُوْدًا لَهٗ فِيْ كُلِّ عَمَلٍ مَشْرُوْعٍ وَيَسْتَاذِنَهٗ فِيْ جَمِيْعِ اُمُوْرِهٖ مِنْ اَكْلٍ وَلُبْسٍ وَجِمَاعٍ وَدُخُوْلٍ وَخُرُوْجٍ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ شَارَكَ الصَّحَابَةَ فِيْ مَعْنَى الصُّحْبَةِ[1]

کوئی فقیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک ہر مشروع عمل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نگاہ میں نہ ہوں اور اپنے تمام اُموروں میں مثلاً کھانا، لباس، جماع اور دخول وخروج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اذن حاصل نہ کرے۔ پس جس نے ایسا کر لیا وہ صحبتِ نبوی میں صحابہ کا شریک ہو گیا۔

جس صوفی کا یہ حال ہو کہ وہ بھی صحابہ کی طرح آسمانِ شریعت کا ستارہ بن چکا ہو۔ جس کی اقتداء عین ہدایت اور عین نجات ہو اس لئے کہ جب ہر فعل میں خواہ ادنیٰ ہو خواہ اعلیٰ اس کی نظر سنّتِ نبوی پر ٹھہری اور وہاں سے اجازت حاصل کرنے کے بعد عمل کیا گیا تو وہاں غلطی کا احتمال کہاں رہا۔ لہٰذا ان بزرگوں کے ظاہری اقوال و الفاظ کو لے کر ان پر فتویٰ لگانا کہاں تک مناسب و روا ہے۔ افسوس ان بزرگوں پر آتا ہے جو علم بیان میں حقیقت و مجاز کی بحث کرتے ہوئے یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان یہ کہے کہ فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش ہوئی تو یہ مجاز ہو گا حقیقت نہ ہو گی اس لئے کہ کہنے والا مسلمان ہے مگر اگر کوئی عارف باللہ کوئی بات کہہ دے حالانکہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں ان کے طریقہ کی بنیاد کتاب و سنت پر ہے تو یہی لوگ بغیر سوچے اور بغیر اس کے کہ ان کے معانی کو سمجھیں ان پر فتویٰ لگانے پر اُتر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر اسی کتاب کے اندر اولیاء اللہ کے بعض اقوال پر بحث کی گئی ہے جن میں سے ایک قول یہ ہے :۔

خُضْنَا بُحُوْرًا وَقَفَتِ الْاَنْبِيَاءُ عَلٰى سَوَاحِلِهَا

اگر ہم اس قول کے ظاہری الفاظ کو لیں تو معنی جو درحقیقت غلط معنی ہیں یوں ہوں گے۔

ہم ایسے سمندر میں گھسے کہ انبیاءؑ ان کے سواحل پر ہی کھڑے رہے۔

ان ظاہری معانی میں کفر پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ ان معانی کے مطابق یہ لوگ (نعوذ باللہ) انبیاءؑ سے بھی افضل ٹھہرتے ہیں حالانکہ بڑے سے بڑا ولی بھی انبیاءؑ تو کجا کسی ادنیٰ ترین صحابی کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا لہٰذا ہمیں اس قول کے معانی میں غور کرنا پڑے گا اور ایسے معانی نکالنے پڑیں گے کہ یہ قول شریعت کے منافی نہ ہو حضرت عبدالعزیز دباغ رحمتہ اللہ کی تشریح تو آپ اس کتاب میں دیکھ لیں، بس یہاں دو اور بزرگوں کی تشریحیں پیش کرتا ہوں :

شاذلیؒ کی تشریح

پہلی تشریح ابوالحسن شاذلی کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس قول میں بایزید بسطامیؒ (م ۲۶۱ھ) اس بات کی شکایت کر رہے ہیں کہ وہ انبیاءؑ کے درجہ تک پہنچنے سے قاصر ہیں اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام تو توحید کے سمندر میں گھس کر پار نکل گئے اور دوسری جانب جا کر کھڑے ہو گئے اور پھر وہاں کھڑے ہو کر مخلوق کو توحید کے

(۱) لواقح الانوار : ۲ : ۱۳۷ ـ

Marfat.com

سمندر میں داخل ہونے کی دعوت دے رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر میں بھی کامل ہوتا تو وہاں کھڑا ہوتا جہاں انبیاءؑ کھڑے ہیں۔ ابن عطا کہتے ہیں کہ اس قول کی جو تشریح شیخ شاذلیؒ نے کی ہے وہی ابو یزید بایزید بسطامیؒ کے مقام و مرتبہ کے مناسب ہے اس لئے کہ بایزید خود فرماتے ہیں کہ انبیاءؑ کے مرتبہ کے مقابلہ میں اولیاء اللہ نے جو کچھ حاصل کیا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ شہد سے بھری ہوئی ایک مشکیزہ ہو جس کے تھوڑے سے چھینٹے اِدھر اُدھر پڑ جائیں اب جو کچھ مشکیزہ کے اندر ہے وہ تو انبیاءؑ کے علم اور مرتبہ کی مثال ہے اور چھینٹے مثال ہیں۔ اولیاء اللہ کے علم اور مرتبہ کی مزید برآں ابو یزیدؒ سے انبیاءؑ کی تعظیم اور ان کا کمال ادب ہی منقول ہے۔[1]

علی ولدہ کی تشریح

دوسری تشریح علی ولدہؒ (۷۶۱ھ ۱۳۵۹ء تا ۸۰۱ھ ۱۳۹۸ء) کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ انبیاءؑ علیہم الصلوٰۃ والسلام بحرِ تکلیف کو عبور کر چکے ہیں اور اب سلامتی کے ساحل پر کھڑے ان لوگوں کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے رہے ہیں جو سلامتی سے وہاں پہنچ جائیں۔ انہیں یہی حکم ملا ہے اور اسی کے لئے انہیں بھیجا گیا ہے۔ کیونکہ کشتی تو اسی دن ٹوٹ گئی تھی جس دن حضرت آدم علیہ السلام نے درخت کا پھل کھایا تھا۔[2]

اولیاء اللہ کے اقوال میں جہاں کہیں کوئی بات ہمیں ظاہر شریعت کے مخالف نظر آئے اس کی اسی طرح تاویل کر کے اسے شریعت کے مطابق سمجھنا اور بنانا چاہیئے اور ان کا انکار کرنے اور فتویٰ لگانے میں......... جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ ہمارا یہ رویّہ ہر اس ولی کے قول سے ہونا چاہیئے جو پختہ کار اور کامل ہو البتہ خام کار اور غیر کاملین کے اقوال میں اگر کوئی غیر مشروع بات نظر آئے تو اس قول کو ترک کر دینا چاہیئے لیکن نہ انہیں بُرا کہنا چاہیے اور نہ فتویٰ لگانا چاہیئے۔

مہمل فتویٰ باز

ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ افتاء کا باب کھولنے میں نہایت عجلت اور بے احتیاطی سے کام لیتے ہیں اور ان میں سے بعض کے فتوے تو نہایت بیہودہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ عبدالوہاب شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ میری موجودگی میں ایک شخص نے ایک عالم سے پوچھا کہ جو لوگ رات بھر بلند آواز سے قرآن مجید پڑھتے رہتے ہیں۔ ان کے متعلق کیا حکم ہے۔ اس عالم نے بغیر سوچے سمجھے فوراً کہہ دیا کہ یہ حرام ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کو آرام و راحت کا سبب بنایا ہے (جَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا) اور یہ لوگ اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں لہٰذا رات کے وقت بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنا حرام ہے۔[3]

اسی طرح ایک اور شخص نے ان لوگوں کے متعلق دریافت کیا جو جمعہ کی رات ذکر الٰہی کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں گزار دیتے ہیں۔ اس کے جواب میں فقیہ صاحب نے فرمایا کہ یہ بیہودہ لوگوں کا کام ہے اور بدعت ہے۔[4] آج کل صوفیاءؒ پر اعتراض کرنے والوں کا بالعموم یہی حال ہے کہ بلا امتیاز اور بغیر سوچے سمجھے بدعت اور کفر کے فتوے

---

(۱) لواقح الانوار ۲: ۱۵ (۲) لواقح الانوار ۲: ۷۶ اس تشریح کے مطابق مطلب یہ نکلا کہ میں بھی اسی سمندر میں گھستا ہوں خدا کرے کامیابی سے پار نکل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ جاؤں (۳) الانوار القدسیہ ۱: ۱۱۲ (۴) الانوار القدسیہ ۱: ۱۱۲

Marfat.com

لگائے جاتے ہیں۔ اللہ انہیں ہدایت کرے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ وَالْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اِجْتِنَابَہٗ

لَا مُشَاحَّۃَ فِی الْاِصْطِلَاحِ کا مقولہ عام مشہور ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو اپنی اصطلاح قائم کرنے کا حق حاصل ہے چنانچہ صوفیاء نے بھی اصطلاحات قائم کیں۔ اور مخالفین نے ان بزرگوں کی اصطلاحات سے ناواقف ہوتے ہوئے ان کے الفاظ میں اپنے معانی گھسیڑ دیئے اور ان بزرگوں پر الزام تراشی شروع کر دی۔ اسی لئے تو شیخ محی الدین ابن العربی فرماتے ہیں کہ جو لوگ ہمارے مقام اور اصطلاح کو نہیں سمجھتے ان پر ہماری کتابوں کا مطالعہ کرنا حرام ہے"[1]

مولانا عبدالرحمٰن جامی متوفی ۸۹۸ھ ۱۴۹۲ء نفحات الانس میں شیخ سعدالدین حموی متوفی ۶۵۰ھ کے متعلق لکھتے ہیں۔

درمصنفات وے سخنان مرموز و کلمات مشکل و ارقام و اشکال و دوائر کہ نظر عقل و فکر از کشف و حل آں عاجز است بسیار است و ہمانا کہ تا دیدہ بصیرت بنور کشف منفتح نشود ادراک آں متعذر است[2]

ان کی تصانیف میں بہت سے رموز، مشکل کلمات، ارقام، اشکال اور دوائر آتے ہیں جنہیں عقل و فکر حل کرنے سے عاجز ہے اور جب تک دیدہ بصیرت نور کشف کے ساتھ روشن نہ ہوا ہو ان رموز کا سمجھنا مشکل ہے۔

امام الحرمین کا قول

قزوینی نے سراج العقول میں نقل کیا ہے کہ کسی نے امام الحرمین ابوالمعالی جوینی (م ۴۷۸ھ ۱۰۸۵ء) سے غالی صوفیا کے کلام کے متعلق جن میں بظاہر کفریہ کلمات پائے جاتے ہیں دریافت کیا تو فرمایا:

ان کا کلام سخت مشکل ہے جس کا سمجھنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں، یہ لوگ تو توحید کے سمندر سے گھونٹ بھرتے ہیں[3]

تقی الدین سبکی کا قول

علامہ تقی الدین سبکی سے کسی نے غالی مبتدعہ پر حکم کفر لگانے کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا: جس شخص کے دل میں اللہ کا خوف ہوگا وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والوں کو کافر کہنے سے ڈرے گا اس لئے کہ مومن کو کافر کہنا بہت خطرناک چیز ہے"[4]

شیخ عبدالحق کا قول

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

لَا نُکَفِّرُ اَحَدًا مِّنْ اَھْلِ الْقِبْلَۃِ اہل قبلہ را یعنی آنہا کہ نماز بجانب قبلہ مسلماناں کنند و بہ کتاب و سنت تمسک نمایند و تلفظ بشہادتین کنند کافر نباید گفت اگر از بعضے کلمات ایشاں کفر لازم آید ولیکن مادام کہ التزام آں نکنند یا لزوم در غایت درجہ ظہور نبود تکفیر نباید کرد تا ممکن است توجیہ و اصلاح حال مسلمانان باید کرد و مبادرت بہ تکفیر و تغلیظ نباید کرد و در حدیث آمدہ است کہ ہر کہ دیگرے را کافر گوید اگر وے در نفس الامر کافر نبود قائل بالفعل کافر گردد و حکم لعن ہمچنیں آمدہ است اگر آنکس مستحق لعنت نبود لعن او بقائل عاید گردد پس احتیاط در ترک لعن و تکفیر باشد واللہ اعلم[5]

ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر قرار نہیں دیتے۔ یعنی وہ لوگ جو مسلمانوں کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ اور وہ کتاب و سنت پر کاربند ہیں اور کلمہ شہادت پڑھتے ہیں۔ اگر ان کے کسی کلمہ سے کفر لازم آئے تو انہیں کافر نہیں کہنا چاہیے

---

(۱) الانوار القدسیہ: ج ۱: ۶۴ (۲) نفحات الانس ۴۸۳ (۳) لواقح الانوار ۱: ۱۱ (۴) لواقح الانوار ۱: ۱۱ (۵) تکمیل الایمان: ۲، مطبعہ مجتبائی

Marfat.com

اور جب تک وہ ان کفریہ کلمات پر مُصِر نہ رہیں یا جب تک ان کا ان کلمات پہ ڈٹے رہنا بالکل ہی واضح نہ ہو انہیں کافر نہ کہنا چاہیئے بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکے اس کی کوئی نہ کوئی وجہ نکالنی چاہیئے اور مسلمانوں کے حال کی اصلاح کرنی چاہیئے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص دوسرے کو کافر کہے گا اور وہ درحقیقت کافر نہ ہو تو کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔ کسی پر لعنت کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر وہ شخص لعنت کا مستحق نہ ہوگا تو لعنت لعنت کنندہ پر لوٹ آئے گی لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ نہ کسی کو لعنت کی جائے اور نہ کافر کہا جائے۔ واللہ اعلم۔

لہٰذا جو لوگ ان بزرگوں پر اتہام لگاتے اور ان کو بدعتی یا مشرک قرار دیتے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ ان پر فتویٰ لگانے سے پہلے ان کے کلمات کے معانی کی وضاحت کرالیں۔ اگر وہ کلمات کسی خام بزرگ کے ہیں تو انہیں یک قلم ترک کر دیں اور تاویل کی زحمت نہ اٹھائیں۔ مگر اگر کسی پختہ کار کے کلمات ہوں تو تاویل کی ضرورت پڑے گی۔ مگر پھر بھی یاد رہے کہ شریعت کی بنیاد کتاب و سنت پر ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو ان کے بعض کلمات سمجھ میں نہ آتے ہوں تو بہتر یہی ہے کہ وہ اس بارے میں خاموشی اختیار کرے۔

آخر میں ہم یہ بھی بیان کر دیں کہ جہاں ایک طرف اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کی تعظیم و تکریم کرنا ضروری ہے۔ وہاں یہ بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہم ان کی تعظیم میں حد سے تجاوز نہ کر جائیں۔

گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں۔ چنانچہ لوگ عہدِ صحابہ سے لے کر آج تک اولیاء اللہ کی کرامات دیکھتے چلے آئے ہیں مگر ہمیں ان کی کرامات کی طرف توجہ دینے سے زیادہ ان کے اعمال اور ان کی زندگی کی طرف توجہ دینی چاہیئے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اسی لئے حضرت عبدالعزیز دباغ نے خود اسی کتاب میں فرما دیا ہے:

"اولیاء اللہ کے سوانح نگاروں نے بہت نقصان پہنچایا ہے۔

اس لئے کہ انہوں نے زیادہ تر ان کی کرامات کا ذکر کرنے پر زور دیا ہے اور ان کے اقوال و اعمال کا کم تذکرہ کیا ہے۔"

وَلی معصوم نہیں ہوتا مزید برآں ایک ولی کے متعلق ہمیں یہ بھی عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ وہ ایک انسان ہے کوئی فوق البشر شخصیت نہیں اور یہ کہ ضروری نہیں کہ وہ ایک نبی کی طرح معصوم ہو[1] مگر ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے گناہ سے بچائے رکھے۔ اور اگر اس سے کوئی لغزش وغیرہ بھی ہو جائے تو وہ فوراً سنبھل جائے۔ چنانچہ حضرت جنید سے کسی نے پوچھا: کیا عارف گناہ کا مرتکب ہو سکتا ہے؟ تو صرف اسی قدر فرمایا:

وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا[2] ۔ اللہ کا حکم مقدر ہو چکا ہے۔ اب میں اس بحث کو بخاری کی ایک حدیث پر ختم کرتا ہوں جس میں حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں۔ حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِعَائَيْنِ فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ فِيكُمْ وَأَمَّا الْآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُومُ[3] ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو قسم کے علموں کے خزانے حاصل کئے ان میں سے ایک کو تو میں نے تم میں ظاہر کر دیا ہے لیکن اگر دوسرے کو ظاہر کر دوں تو گلا کٹتا ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ؏

---

[1] رسالہ قشیریہ: ۱۷۵ اور خزینۂ معارف: ۱۴۴ [2] مشکوٰۃ: ۳۷؛ [3] ملاحظہ ہو صفحہ ۱۴۴

کتابیات

مَیں نے اِس کِتاب کے حواشی اَور دیباچہ لِکھنے میں مندرجہ ذیل کِتابوں سے مَدد لی ہے:۔

۱۔ فتوحاتِ مکیّہ:۔ قلمی نسخہ مملوکہ میجر عبدالعزیز صاحب۔ مَیں نے اس کا دیباچہ میں ذکر بیان کر دیا ہے۔ اس نسخہ پر متعدد بادشاہوں کی مہریں ہیں اَور بڑا نایاب نسخہ ہے۔

۲۔ تکمیل الایمان (فارسی) از شیخ عبدالحق محدث دہلوی مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۲۰ھ۔

۳۔ قلائد الجواہر فی مناقب عبدالقادر:۔ از علامہ محمد بن یحییٰ التاذفی الحلبی متوفی ۹۶۳ھ طبع مصر

۴۔ لواقح الانوار فی طبقات الاخیار جو بالعموم طبقات کبریٰ کے نام سے مشہور ہے:۔ از امام عبدالوہاب شعرانی۔ مطبوعہ مصر۔

۵۔ الانوار القدسیہ فی بیان آداب العبودیہ از شعرانی۔ برحاشیہ لواقح الانوار۔

۶۔ رسالہ قشیریہ:۔ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن۔ طبع مصر ۱۹۴۰ء۔

۷۔ التنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن العربی:۔ از مولانا اشرف علی تھانوی مطبع اشرف المطابع تھانہ بھون۔

۸۔ نفحات الانس:۔ از مولانا عبدالرحمٰن جامی مطبع نول کشور۔

۹۔ A Literary History of The Arabs by Nicholson ۱۹۵۳ء

۱۰۔ عوارف المعارف:۔ از شہاب الدین سہروردی برحاشیہ احیاء العلوم طبع مصر (طبع مصطفی بابی ۱۳۲۹ھ)

۱۱۔ مثنوی معنوی:۔ از مولانا روم۔ طبع تہران از سال ۱۳۱۵ھ تا ۱۳۱۹ھ

۱۲۔ معالم التنزیل:۔ از ابو محمد الحسین الفراء البغوی متوفی ۵۱۶ھ (۱۳)

۱۴۔ فتح الباری:۔ از علامہ ابن حجر العسقلانی۔ طبع مصر۔ (۱۵) الشفا بتعریف حقوق المصطفی:۔ از قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ

۱۶۔ نسیم الریاض شرح الشفا:۔ از شہاب الدین خفاجی (۱۷) استیعاب:۔ از ابن عبدالبر

۱۸۔ الاصابہ:۔ از ابن حجر (۱۹) وفیات الاعیان:۔ از ابن خلکان (۲۰) کشف الظنون:۔ از حاجی خلیفہ۔

۲۱۔ تہذیب التہذیب:۔ از ابن حجر (۲۲) درمختار:۔ از محمد علاءالدین الحصکفی مطبعہ

۲۳۔ مشکوٰۃ المصابیح۔ طبع مجتبائی ۲۴۔ مؤطا امام مالک۔ طبع مصر

۲۵۔ تنویر الحوالک شرح مؤطا امام مالک:۔ از جلال الدین سیوطی

۲۶۔ شرح الصدور:۔ از جلال الدین سیوطی ۲۷۔ وفیات الاعیان:۔ از ابن خلکان

۲۸۔ تذکرۃ الحفاظ:۔ ذہبی۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ شکر ہے اُس خدا کا جس نے اپنے اولیاء کے لئے وسائل کے طریقے کھول دیے اور ان کے کریم ہاتھوں پر قسم قسم کے فضائل جاری کئے، لہذا جس کسی نے اُن کی اقتدا کی وہ غالب آیا اور اُس نے راہِ راست پائی اور جو اُن کے راستہ سے مُنحرف ہوا وہ سرنگوں اور ہلاک ہوا۔ جس نے اُن کا دامن پکڑا وہ کامیاب ہوا اور پا گیا۔ جس نے اُن پر نقطہ چینی کی وُہ مُنقطع اور ہلاک ہوا۔

میں خدا کی حمد اس شخص کی طرح بیان کرتا ہُوں جسے یقین ہے کہ خدا کے پاس جانے کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں اور اس شخص کی طرح خدا کا شکریہ ادا کرتا ہُوں جسے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی خدا ہی کے پاس ہے اور میں خدا سے اس طرح مدد چاہتا ہوں جس طرح کہ وہ شخص مدد چاہتا ہے جو اپنے مُعاملات میں سوائے اس کے کسی پر اعتماد نہیں کرتا اور میں سیّدنا محمدؐ اور آپکی آل پر اس قدر درود و سلام بھیجتا ہُوں جس قدر کہ اللہ کریم کی مخلوقات اور انعامات ہیں۔

اَمَّا بَعْد جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ احسان کیا، جس کے لئے میں اس کی تعریف کرتا ہُوں اور شکریہ ادا کرتا ہوں کہ میں نے ولیٔ کامل، غوثِ حافل، صُوفیٔ ماہر اور عرفان کے درخشندہ ستارے، صاحبِ اشاراتِ عالیہ، اور صاحبِ عباداتِ سلیّہ، صاحبِ حقائقِ قُدسیّہ والوارِ محمدیّہ اور صاحبِ اسرارِ ربّانیہ وہمم عرشیہ، موجدِ معالمِ طریقت، بعد ازاں کہ اس کے آثار پوشیدہ ہو چکے تھے اور علوم وحقائق کے پیدا کرنے والے کو بعد ازاں کہ اس کے آثار پوشیدہ ہو چکے تھے اور علوم وحقائق کے پیدا کرنے والے کو بعد ازاں کہ اس کے انوار بجھ چکے تھے پہچان لیا۔ یعنی شریف، وجیہ، حسب ونسب والا جو جسمانی اور روحانی دونوں طرح کی پاکیزہ نسبتوں کا مالک ہے ذَالولادتین الکریمتین الملکیّۃ وَالملکوتیۃ المحمّدی العلوی الحسنی قطب السالکین وحامل لواءِ العارفین۔

نسب نامہ حضرت عبدالعزیز دبّاغ شیخنا وسیّدنا ومولانا عبدالعزیز بن مسعود بن احمد بن محمد بن احمد بن عبدالرحمٰن بن بن قاسم بن محمد بن احمد بن قاسم بن محمد بن ابراہیم بن عمر بن عبدالرحیم بن عبدالعزیز بن ہارون بن قنون بن علوش بن مندیل بن علی بن عبدالرحمٰن بن عیسیٰ بن احمد بن محمد عیسیٰ بن ادریس بن ادریس بن عبداللہ الکامل بن الحسن المثنّٰی بن الحسن السبط بن علی رضی اللہ عنہم اجمعین، خدا ہمیں ان کی برکتوں سے مستفیض کرے آمین!

چنانچہ میں نے ان کے اس قدر علوم ومعارف اور شمائل ولطائف کا مشاہدہ کیا کہ میرے ہوش جاتے

Marfat.com

رہے اور انہوں نے مجھے ہمہ تن مسحور و مقید کر لیا۔ میں نے اُن کی زبان سے سیّد الوجود و علم الشہود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر و منزلت کے متعلق وہ کچھ سُنا جو میں نے کبھی بھی نہ کسی انسان سے سُنا تھا اور نہ ہی کسی کتاب میں دیکھا تھا چنانچہ آپ اس کتاب کے دوران میں انشاء اللہ خود دیکھ لیں گے۔ اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ پہچانتا ہے وہ قیامت کے دن آپ سے سب سے زیادہ قریب ہوگا۔

اسی طرح میں نے اُن سے اللہ تعالیٰ، اس کی بلند صفات اور عظیم اسماء کے متعلق وہ کچھ سُنا جس کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی کوئی اس کی طاقت رکھ سکتا ہے اور ان باتوں کا ادراک خدائے خلاق کی عنایت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح میں نے ان سے اللہ کے انبیاء اور رسولوں کی معرفت کے متعلق وہ کچھ سنا جس سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ وہ ہر نبی کے ساتھ اس کے زمانہ میں ہوئے ہیں گویا کہ وہ ان کے معاصرین میں سے تھے۔

اسی طرح میں نے اِن کی زبان سے ملائکہ کرام، ان کی مختلف جنسوں اور ان کے تفاوتِ مراتب کے متعلق وہ وہ معرفت کی باتیں سنیں جن سے خیال پیدا ہوا کہ آیا بشر بھی اس قدر علم جان سکتے ہیں اور کیا وہ اس حد تک پہنچ سکتے ہیں!

اسی طرح میں نے ان سے کتبِ سماویہ اور گذشتہ انبیاء کی شریعتوں کے متعلق وہ معرفت کی باتیں سنیں جن سے سُننے والا یہ قطعی فیصلہ کرے کہ یہ شخص سیّد العارفین اور اپنے زمانہ کے اولیاء کا امام ہے۔

اسی طرح میں نے ان سے یوم آخرت، حشر و نشر، صراط اور میزان کے متعلق وہ معرفت کی باتیں سنیں جن سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ مشاہدہ سے بات کر رہے ہیں اور تحقیق اور عرفان سے بات کہہ رہے ہیں۔ تب جا کر مجھے ان کی ولایتِ عظمیٰ کا یقین ہو گیا اور میں ان کی ذات سے وابستہ ہو گیا اور میں نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ (شکر ہے خدا کا کہ اس نے ہمیں اس طرف کی راہ دکھا دی اور اگر خدا راستہ نہ دکھاتا تو ہم یہاں پہنچ نہ سکتے تھے۔) کیونکہ ہر مومن کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ گذشتہ امور کے متعلق معلومات حاصل کرے اور اسی سے اس کا سود اسود مند ہو سکتا ہے۔

جبرئیل کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقتِ ایمان کے متعلق سوال کرنا

ہم دیکھتے ہیں کہ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے سیّدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حقیقتِ ایمان کے متعلق سوال کیا تو آنحضرت[ؐ] نے فرمایا: حقیقتِ ایمان یہ ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے پیغمبروں، روزِ قیامت اور تقدیر پر ایمان کہ بھلی ہو یا بُری سب اللہ کی طرف سے ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو اِن امور میں سب سے زیادہ واقف ہوگا، وہی ان سب سے بہتر ایمان والا اور زیادہ کامل عرفان والا ہوگا۔ لہٰذا خدا تجھے توفیق دے،

ؐ مشکوٰۃ کتاب الایمان ص۱۱، صوفیہ اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ جبرئیل یہاں پر بطور شاگرد کے آئے تھے تاکہ آدابِ شاگردی سکھائیں

Marfat.com

یہی روشن راہ ہے۔

جامع کتاب کی حضرت دباغ سے پہلی ملاقات

میری اور اُن کی ملاقات رجب ۱۱۲۵ھ میں ہوئی۔ اس کے بعد میں آپ کی صحبت میں اور آپ کی محبت کے جھنڈے تلے رہا۔ ان سے بیشمار معارف سنتا لیکن میں نے کسی بات کو قلمبند نہ لیا۔ لیکن سب کچھ سنتا اور سمجھتا تھا اور میں اپنے دوستوں اور خاص ساتھیوں سے اس کا ذکر کرتا۔ جو کوئی سنتا، تعجب کرتا اور کہتا کہ ایسے بے مثل حقائق و معارف ہمارے کانوں میں کبھی نہیں پڑے۔ زیادہ تعجب کی بات یہ تھی کہ حضرت ممدوح اُمّی محض تھے اور کبھی ظاہری علم سے لگاؤ نہ ہوا تھا اور وہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے بظاہر علم سے انتہا درجہ کا اعراض کیا ہو اور جو کوئی بھی کچھ باتیں سُن پاتا وہ اُن کی لذت ایک یا دو دن تک محسوس کرتا اور بعض ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک محسوس کرتے رہتے۔ جب میں اُن سے ملتا یا وہ مجھے ملنے آتے تو وہ مجھ سے دریافت کرتے کہ کیا تم نے اِن معارف میں سے کچھ سُنا ہے؟ جس قدر ہو سکتا میں انہیں بیان کرتا اور ان کا تعجب اور محبت اور بڑھ جاتی۔ بخوف طوالت میں ان حضرات کے نام نہیں گنواتا جو مجھ سے ان کا کلام سُنتے اور محظوظ ہوتے کیونکہ جو شخص ان لوگوں کے ناموں سے واقف ہوگا وہ ہمارے شیخ کی قدر و منزلت کو سمجھ جائے گا۔ اس لئے کہ یہ لوگ عوام میں اپنی ولایت کی وجہ سے مشہور ہیں اور لوگ ان کی انتہا درجہ کی تعظیم کرتے ہیں اور وہ اکثر صالحین اور اولیاء کی صحبت میں رہنے والے لوگ ہیں اور ان کے فیضان سے بہرہ ور ہو چکے ہیں چنانچہ انہیں اسرارِ ولایت اور عارفوں کی علامات اور صادقین کے اوصاف کا علم ہے اور وہ صادی اور مہندی کے حالات سے واقف ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اکابر علماء و فُقَہا میں سے ہیں۔ جب وہ مجھ سے ہمارے شیخ (عبدالعزیز دباغ رح) کی باتیں سنتے تو مجھے کہتے کہ دیکھنا اس شخص کی محبت کا دامن نہ چھوڑنا۔ یہ تو واللہ ولیؔ کامل اور عارفِ واصل ہے۔ مختصر یہ کہ جو کوئی بھی اُن کا کلام سُنتا، وہ ان کو فوراً قبول کر لیتا جیسا کہ تجھے کتاب سے معلوم ہو جائے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ بمنّہٖ وکرمہٖ

ابتداء تالیفِ کتاب در ۱۱۲۹ھ

جب رجب ۱۱۲۹ھ ہوا تو اللہ نے میرے دل میں خیال ڈالا کہ ان کے بعض فوائد کو قلمبند کر دوں تاکہ ان کا فائدہ عام لوگوں کو ہو چنانچہ میں نے رجب، شعبان، رمضان، شوال اور ذی قعدہ میں جو کچھ سنا تھا جمع کیا اور یہ ۱۵ جُزء کے قریب بن گئے۔ خیال ہوا کہ اگر میں اُن باتوں کو بھی قلمبند کرتا جو میں نے گذشتہ چار سالوں میں سنیں تھیں تو یہ دو سو جُزء سے بھی زیادہ ہو جاتا۔ علم کی آفت اس کے قلمبند نہ کرنے سے ہوتی ہے۔

یاد رکھیں میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ آپ کے بحرِ ذخّار میں سے محض چند قطرے ہیں۔ لیکن جو عُلوم شیخ رضی اللہ عنہ کے سینہ میں تھے انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ اس مبارک مجموعہ سے مقصود صرف ان بعض باتوں کا جمع کرنا ہے جو ہم نے اُن سے سُنیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم ایک مقدمہ میں اس شیخِ کریم کے شمائل کا ذکر

Marfat.com

کریں اور بتائیں کہ ان کی ابتدا کیسے ہوئی۔ ان کے لئے فتح باب علم کیسے ہوا کس نے انہیں ذکر کی تلقین کی؟ وہ ظاہری اور باطنی شیوخ میں سے کن کن سے ملے، وغیرہ۔ ان تمام باتوں کا ذکر تین فصلوں میں کیا جائیگا۔

فصلِ اوّل

ولادت سے پہلے کے حالات

العربی الفشتالی کا مبارک بن علی کی بیعت کرنا

میں نے انہیں یہ کہتے سُنا کہ میرے آقا العربی الفشتالی اولیاء اللہ میں سے تھے۔ پہلے علم باطن محمد بن ناصر داو زرعہ والے سے حاصل کیا۔ پھر مبارک بن علی سے۔ مبارک بن علی قصابوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔ واقعہ یوں ہوا کہ عربی فشتالی نے حضرت مبارک بن علی کو فاس میں قرویین کی جامع مسجد میں دیکھا اور اپنی فراست سے ان میں خیر و صلاح کے آثار دیکھے تو کہا: اے میرے آقا مجھے بتائیں کہ ارباب سِر کو سِر کیسے حاصل ہوتا ہے؟ اس پر شیخ مبارک نے فرمایا: "اچھا چھینکو"۔ فشتالی نے کہا: چھینک تو اس وقت مجھے نہیں آرہی۔ فرمایا اسی طرح مجھے بھی خیال نہیں آرہا کہ تمہیں بتاؤں کہ ارباب سِر کو سِر کیسے حاصل ہوتا ہے؟ (یعنی یہ میرے اختیار کی بات نہیں ہے)

عبدالعزیز دباغ کے والد مسعود دباغ کا العربی الفشتالی کی بھانجی فارحہ کیساتھ نکاح

عبدالعزیز دباغ کہتے ہیں کہ العربی الفشتالی کی ایک بہن تھی جس کی ایک بیٹی تھی۔ ان کے بہنوئی کا نام علال القمارشی تھا جو بڑا مالدار آدمی تھا۔ علال القمارشی مرگیا اور ان کی بہن سے علال کے بعد مکناسۃ الزیتون کے ایک شخص نے شادی کرلی۔ لیکن بچی العربی کے پاس ہی رہی۔ انہوں نے اس کی تربیت کی اور بڑی محبت سے پالا اور اس پر خوب روپیہ خرچ کیا اور العربی ولی ہونے کے علاوہ فقیہ اور قاری بھی تھے چنانچہ وہ علم کا درس دیتے۔ طالب علم اپنی تختیاں ان سے درست کرواتے اور ان سے علم تجوید سیکھتے۔ میرا باپ مسعود بھی ان کے شاگردوں میں سے تھا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ مجلس علم ختم ہونے پر العربی نے میرے والد کو بلا کر کہا کہ میں اپنی بھانجی کی شادی تم سے کرنا چاہتا ہوں۔ ان کی بہن کا نام راضیہ اور بھانجی کا نام فارحہ تھا۔ میرے والد نے جواب دیا اگر آپ دیتے ہیں تو مجھے قبول ہے۔ العربی نے کہا میں نے اپنی بھانجی کو تمہیں دے دیا۔ میرے باپ مسعود نے کہا میں نے قبول کیا۔ اس کے بعد العربی نے کہا کہ مہر اور جہیز سب میرے ذمہ ہے۔ تم کو کسی قسم کا فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس پر میرے باپ کو انتہائی خوشی ہوئی۔ اس سے پہلے بھی العربی ان سے بہت محبت کرتے تھے اور جب کبھی ان سے ملتے جو کچھ حاضر ہوتا دیتے۔ جب عقد نکاح ہوچکا تو العربی نے اپنی بھانجی کو تیار کرکے میرے والد کے ہاں بھیج دیا۔ اس کے بعد والد صاحب سے ملے اور کہا میری دکان پہ آیا کرو۔

Marfat.com

ان کی دکان محلہ سماط عدول میں تھی۔ میرے والد ہر روز عصر کے بعد ان کے پاس آتے اور العربی انہیں ہر روز دو موزونہ[ع۵] دیا کرتے۔

میں نے اپنے آقا محمد بن عبد الرحمٰن سے سنا کہ میں اپنی تختی دکھا رہا ہوتا کہ تمہارے (عبد العزیز دباغ کے) والد مسعود دبّاغ آتے اور العربی الفشتالی جو کچھ بھی دکان سے حاصل کیا ہوتا، انہیں دے دیتے زواغہ میں ان کی بھانجی کی بہت سی زرعی زمین تھی جو اسے اپنے والد علّال القمارشی سے وراثت میں ملی تھی۔ ایک دن العربی نے میرے والد مسعود سے کہا تمہاری بیوی بڑی نیک ہے۔ وہ تمہیں ان تمام اراضی کے بیع کرنے کے لئے اپنا وکیل بناتی ہے جو زواغہ میں ہیں۔ جاؤ اور سب کو بیچ ڈالو۔ میرے والد میری والدہ کے پاس گئے۔ والدہ نے انہیں وکیل بنا دیا۔ میری والدہ کی ایک علاتی بہن تھی۔ ان کے پاس میرے والد گئے تاکہ وہ بھی انہیں ساری زمین کے فروخت کرنے پر وکیل بنا دے لیکن میری خالہ نے انکار کر دیا۔ میرے والد نے میری والدہ کا حصّہ فروخت کر دیا اور میری خالہ اپنے حصہ کے محاصل تقریباً ۳ سال تک وصول کرتی رہیں اس کے بعد ظالم وَدِیَّہ فرقہ آیا۔ انھوں نے زواغہ کی تمام اراضی غصب کر لیں جن میں میری خالہ کی زمین بھی تھی اس دن سے انہیں وہاں سے ایک حبّہ بھی وصول نہ ہوا۔ اس سے لوگوں کو علم ہوا کہ یہ العربی کا کشف تھا۔

العربی کی مسعود دبّاغ سے محبّت

العربی میرے والد سے اُلفت سے پیش آتے رہے اور عجیب وغریب کھانے لاتے، یہاں تک کہ میں نے والدہ سے سُنا، فرماتی تھیں "ماموں صاحب کی وفات کے بعد ہم نے طنجیہ ہی نہیں کھایا (ایک قسم کا حلوہ ہے) ماموں صاحب روزانہ اس کو ہمارے لئے تیار کروانے، اپنی مسجد میں عشاء کی جماعت کرا چکنے کے بعد آتے اور دستک دیتے۔ ہم نکلتے۔ مجھے طنجیہ دیتے۔ مرتے دم تک ان کا یہی معمول رہا۔

عبد العزیز دباغ کی ولایت کی پیشین گوئی

ماموں صاحب فرمایا کرتے "تمہارے ایک لڑکا ہو گا جس کا نام عبد العزیز ہو گا۔ ولایت میں بڑی شان والا ہو گا۔ دبّاغ کہتے ہیں کہ میں نے والدہ کو کہتے سنا کہ ان کے ماموں العربی الفشتالی نے انہیں بتایا کہ انھوں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ مجھ سے فرما رہے ہیں۔ تمہاری بھانجی کے ہاں ایک ولی کبیر پیدا ہو گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کا باپ کون ہو گا؟ تو حضورؐ نے فرمایا: مسعود دبّاغ۔ یہی وجہ تھی کہ عربی فشتالی نے میرے والد مسعود کار شتہ کے لئے انتخاب کیا۔

ع۵ اسے اُوجہ بھی کہتے ہیں۔ یہ چاندی کا ایک سکہ ہے جو مراکش میں اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں شریفوں نے رائج کیا۔ یہ سب سے چھوٹا چاندی کا سکہ تھا جو ۲۴ فلوس کے برابر تھا۔ 'انسائیکلوپیڈیا آف اسلام'۔

Marfat.com

العربی کی وفات ١٠٩٠ھ

العربی کی تمنا تھی کہ عبدالعزیز کی ولادت ان کی زندگی میں ہو۔لیکن ١٠٩٠ھ میں وبا آئی۔ اس میں وہ انتقال کر گئے۔ جب وفات کا وقت قریب آیا تو میرے والد مسعود کو بلا بھیجا۔ پوچھا، تمہاری بیوی کہاں ہے؟ اسے بھی بلا بھیجو۔ جب دونوں آئے تو العربی نے کہا، یہ اللہ کی امانت تمہیں دیتا ہوں۔ جب عبدالعزیز پیدا ہو تو یہ امانت اسے دے دینا، امانت میں ململ کا ایک ٹکڑا اور سیاہ رنگ کا بچوں کا جوتا تھا۔

عبدالعزیزؒ کی ولادت

اس زمانہ میں یہی کچھ پہنا جاتا تھا چنانچہ میری والدہ نے امانت لے لی اور اسے بڑی حفاظت سے رکھا لیکن اس حمل سے ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ پھر کچھ عرصہ بعد دوسرے حمل سے میں پیدا ہوا۔ جب میں بڑا ہوا اور رمضان کے روزے رکھے تو والدہ کو اللہ تعالیٰ نے امانت یاد دلادی۔ وہ امانت لے آئیں اور فرمایا "بیٹا! العربی الفشتالی نے یہ امانت تمہیں دینے کی وصیت کی تھی۔ عبدالعزیز کہتے ہیں کہ میں نے امانت لے لی۔ شاشیہ سر پر رکھ لی۔ جوتا پاؤں میں پہن لیا اس سے مجھے بہت سخت گرمی محسوس ہوئی یہاں تک کہ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے جو کچھ العربی نے میرے متعلق کہا تھا، میں نے سمجھ لیا اور ان کا اشارہ معلوم کر لیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ یہ ١١٠١ھ کی بات ہے۔

الفشتالی کا مرتبہ

(احمد بن مبارک) کہتا ہے کہ میں نے یہ عبدالعزیزؒ کی زبانی العربی الفشتالی کے متعلق سُنا تھا۔ میں نے ان کا زمانہ نہیں پایا کیونکہ میں تو اس وقت ابھی تقریباً چھ ماہ کا بچہ تھا، لیکن میں نے لوگوں سے ان کی تعریف ہی سُنی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ صاحب ورع، صاحب زہد اور قائم اللیل تھے۔ میں نے ثقہ لوگوں سے سُنا کہ احمد بن عبداللہ جو ایک ولی کبیر اور مشہور عارف ہوئے ہیں اور المخفیہ کے مصنف ہیں، وہ فشتالی کی بہت تعریف کیا کرتے اور کہا کرتے کہ وہ اکابر اولیاء میں سے تھے۔ مجھے خود احمد بن عبداللہ کی ایمانداری کا علم ہے۔ لوگوں کا ان کی ولایت، کشف اور نورِ بصیرت پر اتفاق ہے۔

میں نے عبدالقادر احماموش سے سُنا اور وہ شہر صفر کے رہنے والے تھے اور احمد بن عبداللہ کے مریدوں میں سے تھے کہ العربی الفشتالی اکابر اولیاء میں سے تھے اور اگر ان کی وفات نہ ہو چکی ہوتی تو میں ان کے حالات قطعاً تمہیں نہ بتاتا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں العربی کے شاگردوں میں سے تھا اور ہر وقت ان کی خدمت میں رہتا اور ہم انہیں ولی خیال ہی نہ کیا کرتے تھے اس لئے کہ وہ اپنے حالات چھپاتے تھے

فشتالیؒ کے کشف کی ایک اور مثال

احمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں سایس میں تھا کہ العربی نے مجھے کہا، ایک بڑا حادثہ پیش آگیا ہے میں نے عرض کیا: وہ کیا ہے، فرمایا: محمد بن ناصر رحمۃ اللہ ابھی فوت ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کی آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ فرمایا: اس کی وفات میں تو کوئی شک نہیں ہے۔ مجھے تعجب ہوا۔ پھر فرمایا: یہ شخص جو سامنے سے آرہا ہے، اسے دیکھو۔ وہ محمد بن ناصر کی وفات کی خبر لا رہا ہے اور وہ شخص بہت دُور دھندلا سا خیال دکھائی دے رہا تھا۔ پھر ہم اس شخص کی طرف چلتے گئے یہاں تک کہ ہم

Marfat.com

اُسے آملے۔ ہم نے پوچھا کیا خبر ہے؟ اس نے کہا محمد بن ناصر فوت ہوگئے ہیں۔

کشف کی تیسری مثال | احمد بن عبداللہ فرماتے ہیں۔ ایک دن میں قروین میں تھا کہ العربیؒ سے ملاقات ہوئی۔ میرا شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ مجھے دیکھ کر فرمایا" وہ عورت بڑی مبارک ہے! میں نے عرض کیا کونسی عورت؟ فرمایا:" جس سے تمہاری شادی ہوگی" میں نے عرض کیا" میرا تو ارادہ نہیں ہے" فرمایا" تیری اس سے شادی ہوگی" ابھی ایک ہفتہ ہی گذرا تھا کہ میرے دل میں شادی کی خواہش پیدا ہوئی۔ چنانچہ میں نے شادی کر لی۔

(احمد بن المبارک راوی کتاب کہتا ہے) اسی قسم کی ایک حکایت میں نے احمد بن عبداللہ سے سنی لیکن اس میں انہوں نے خبر دہندہ (یعنی فشتالی) کا نام نہیں دیا۔

احمد بن عبداللہ کہتے ہیں العربی الفشتالی کے ساتھ اولیاء کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ میں نے کئی ایک کا ذکر کیا۔ فرمایا، میں تو تم سے اکابر کے متعلق بات کر رہا ہوں۔ میں تو یہاں سے بازغہ تک (جو فاس سے ایک مرحلہ پر واقع ہے) کے تقریباً ۴۰۰ چھوٹے اولیاء کو جانتا ہوں۔

فشتالی کا اپنے احوال کو چھپانا | احمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ الفشتالی اپنے حالات کو چھپا کر رکھتے تھے۔ ایک روز اپنے چند شاگردوں سے کہنے لگے کیا تم سمجھتے ہو کہ کشف بھی کوئی چیز ہے؟ یہ تو محض چالاکی اور سرعتِ فہم ہے۔ اگر تمہیں شک ہو تو میری طرف دیکھو۔ تم مجھے اور میرے تمام حالات جانتے ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں تو کوئی ولی نہیں ہوں۔ سب نے کہا جی ہاں، ہمیں خوب معلوم ہے کہ آپ ولی نہیں ہیں۔ اس کے بعد آپ نے ایک طالبعلم کی طرف توجہ فرمائی اور کہا" کیا فلاں وقت تمہارا فلاں کام کرنے کا ارادہ نہیں ہے، طالبعلم نے عرض کیا ہاں۔ فشتالی نے فرمایا۔ یہی تو ہے جو میں نے بتایا کہ کشف محض چالاکی ہے سب کو یقین آگیا کہ ہاں ٹھیک ہے اور پھر فشتالی اُن سے غافل ہوگئے۔

عمر بن الفارض کے ایک شعر کا الفشتالی پر اثر | احمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ایک دن قروین کی مسجد میں گیا۔ وہاں العربی الفشتالی بھی تھے۔ ان کا رنگ بدلا ہوا اور زرد ہو رہا تھا۔ کہا" اس وقت میں تم سے یا کسی اور سے کوئی بات نہیں کر سکتا" میں نے عرض کیا آخر کیا سبب ہے؟ فرمایا، مَیں نے عمر بن الفارضؒ کے تائیہ قصیدہ کا شعر پڑھا ہے:

فَلَوْ خَطَرَتْ لِیْ فِیْ سِوَاكَ اِرَادَةٌ   عَلٰی خَاطِرِیْ سَهْوًا قَضَيْتُ بِرِدَّتِیْ

ؒ عمر بن الفارض: ابوحفص عمر بن علی المعروف بابن الفارض۔ قاہرہ میں ۵۷۶ھ = ۱۱۸۰ء میں ان کی پیدائش ہوئی۔ فقہ، لغت اور ادب میں مہارت حاصل کی۔ پھر طریقت کی راہ پر چلے اور مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کی۔ ۶۳۲ھ = ۱۲۳۴ء میں وفات پائی۔ یہ عربی زبان کے واحد صوفی شاعر ہیں۔

Marfat.com

ترجمہ (اے خدا) اگر تیرے سوا کسی اور کا خیال بھول کر بھی میرے دل پر گذرے تو میں اپنے مرتد ہونے کا حکم لگا دوں"۔

دیکھا تو میرے دل میں کسی اور کا خیال آیا ہوا تھا، لہذا میں نے اپنے آپ کو مرتد سمجھ لیا۔ اب میں گیا گذرا ہو گیا۔ یہ کہتے ہی ان کا رنگ اُڑ گیا۔ میں نے کہا یہ تو غلبۂ حال تھا جو ابن فارض پر طاری ہوا اور پھر جاتا رہا۔ بس اتنا کہنا تھا کہ فشتالی کو سکون ہو گیا اور فرمایا: اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔ تمہارے ان لفظوں سے میرا غم دُور ہو گیا۔

اخفاء حال کی ایک اور شہادت مولانا العربی القادری صوفیاء کے طریقہ پر چلتے تھے اور اولیاء اللہ کے کچھ انوار ان پر ظاہر بھی ہوتے تھے۔ ان کی العربی الفشتالی سے جان پہچان تھی۔ وہ اسے ولی نہ سمجھتے بلکہ انہیں صرف عالم سمجھتے تھے۔ جب العربی الفشتالی کی قادری سے ملاقات ہوتی تو بہت خوش ہوتے اور ان کی بڑی آؤ بھگت کرتے۔ ایک دن فشتالیؒ احمد بن عبداللہ کے پاس بیٹھے علوم عالیہ اور معرفت کی باتیں کر رہے تھے کہ القادری آگئے۔ محمدؒ دَریج النطادنی کو کہنے لگے کیا فشتالی احمد بن عبدالعزیز سے اس سے پہلے بھی اس طرح کی معرفت کی باتیں کیا کرتے ہیں یا صرف آج ہی ایسی باتیں کر رہے ہیں؟ محمدؒ دریج نے جواب دیا: وہ تو ہمیشہ ایسی باتیں کرتے ہیں۔ سید عبدالقادر مشد کہتے ہیں اس دن القادری کو الفشتالی کی ولایت کا علم ہوا۔ جب فشتالی کو علم ہوا کہ القادری کو اس کا پتہ چل گیا ہے تو اس دن سے جب انہیں دیکھتے، چھپ جاتے اور پہلی سی خوشی اور آؤ بھگت کرنا سب چھوڑ دیا، کیوں کہ وہ تو اپنے آپ کو چھپانا چاہتے تھے۔

کشف کی ایک اور مثال احمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ جب زیدان نے فاس کا محاصرہ کیا تو میں وہیں تھا۔ محاصرہ نے طول پکڑا اور فاس والوں کو بہت تکلیف کا سامنا ہوا۔ احمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ فشتالی یہی کہتے رہے اویر ہو یا سویر: سلطان اسمٰعیل کے بغیر چارہ نہیں۔ باغیوں کو اس کا پتہ چلا تو کہنے لگے کہ فشتالی اپنے آپ کو اسمٰعیل سمجھتا ہے۔ ابھی چند دن ہی گذرے تھے کہ العربی کی سچائی ظاہر ہو گئی۔ باغیوں نے ہتھیار ڈال دئے اور امان کی درخواست کی اور صلح ہو گئی۔ والحمد للہ ربّ العٰلمین۔

قیام اللیل میں فشتالی کی حالت فشتالی کے پڑوسی بیان کرتے ہیں کہ فشتالی رات کا اکثر حصہ نماز اور تلاوت میں گذارتے رات کے پہلے حصہ میں تو ان کی قراءت کی آواز سنائی دیتی لیکن جب ان پر حالت اور واردات الٰہیہ کا نزول ہوتا تو سوائے حرکت، اضطراب اور زمین پر رینگنے کے کچھ سنائی نہ دیتا۔

کشف کی مثال احمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں فشتالی کے ساتھ سوق الخمیس میں تھا اور یہ سلطان رشید کے عہد کی بات ہے۔ سلطان رشید کے عروج کا زمانہ تھا۔ بڑے آرام کی زندگی گزرتی، نہ کہیں فتنہ تھا اور نہ فساد۔ فشتالیؒ کے ساتھ سوق الخمیس میں جا رہا تھا کہ یکایک کہنے لگے "مجھے تو رشید کے ماتم کی آواز آرہی

Marfat.com

ہے حالانکہ رشید کی موت مراکش میں واقع ہوئی تھی۔ میں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ لیکن ابھی یہ بات کر ہی رہے تھے کہ رشید کی دفات کی خبر آپہنچی۔

آداب شرع کا پاس احمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ فشتالیؒ ظاہر شریعت کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔ ایک دن اُن کے ساتھ قرومین کی مسجد میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ مؤذن نے اذان دی۔ العربی مسجد سے نکل کر تھوڑی دیر غائب رہے، اور پھر واپس آگئے۔ میں نے کہا کیا بات تھی؟ نہ تو آپ کسی کام کے لئے گئے تھے کہ کہہ سکیں کام تھا اور نہ ہی جماعت کا وقت ہے۔ لہذا آپ کیوں باہر تشریف لے گئے تھے۔ لیکن آپ خاموش رہے۔ میں نے اصرار کیا۔ کہنے لگے تو بڑا کرید کرید کر باتیں پوچھتا ہے۔ میں اس لئے نکلا تھا تاکہ خانۂ خدا کی طرف میرا چلنا نماز کے لئے ہو جائے کیونکہ پہلے میں نے جو قدم اٹھائے تھے وہ تمہارے پاس بیٹھنے کے لئے اٹھائے تھے۔

فشتالی کا صبر وتحمل احمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ فشتالیؒ بڑے اچھے اخلاق والے اور صبر وتحمّل والے تھے اور عدول لوگوں میں سے تھے۔ ایک دن انہوں نے ایک شخص کے خلاف سچّی گواہی دی تھی۔ اس شخص نے ناراض ہو کر فشتالی کو بہت سی گالیاں دیں۔ جب وہ گالیاں دے چکا تو صرف اتنا کہا: میری شہادت کی شرعی وجہ یوں ہے۔ گالی دینے والا ان کے حُسنِ خُلق کو دیکھ کر بہت نادم ہوا اور توبہ کی۔

ہمسایوں سے برتاؤ ممدوح کے پڑوسیوں کا بیان ہے کہ حضرت فشتالیؒ جب اپنے گھر کے لئے گوشت خریدا کرتے تو ہمسایوں کے لئے بھی ضرور خریدتے۔ فرماتے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں تو گوشت کھاؤں اور میرے پڑوسی بغیر گوشت کے رہیں۔

کشف وکرامت کی ایک اور مثال بہت سے ثقہ لوگوں کا بیان ہے کہ مسجد کا بڑا دروازہ کھلنے سے پہلے فشتالی المخفیہ کے زاویہ (خانقاہ) میں آئے تو جہاں اب مسجد کا بڑا دروازہ ہے، اس کی طرف نظر اٹھا کر فرمانے لگے: یہاں سے ایک دروازہ کھلے گا جس سے لوگ مسجد میں جایا کریں گے۔ یہ الفاظ بہت سے لوگوں نے سُنے جن میں المہدی الفاسی، شارح دلائل الخیرات بھی تھے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اسی جگہ پر دروازہ کھولا گیا۔ یہیں سے لوگ وضو کے محل کو جاتے ہیں۔

ایک واقعہ محمد بن سودہ کہتے ہیں کہ ایک شخص فشتالیؒ کے گھر گیا۔ وہ اس وقت اپنے آپ کو پنکھا کر رہے تھے اور بے تکی باتیں کر رہے تھے۔ پوچھا کیا بات ہے؟ فرمایا: فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ اللہ کی دین ہے، جسے چاہے، دے)

کشف کی مثال شامیؒ کا بیان ہے کہ وہ فشتالیؒ سے باتیں کر رہے تھے اور گزشتہ حکّام مثلاً ابن صالح وغیرہ کی مذمت کرتے اور موجودہ حاکموں کی تعریف کر رہے تھے، اس پر فشتالی نے آئندہ آنے والے حاکموں کے احوال بیان کرنے شروع کر دیے۔

Marfat.com

فشتالیؒ کا شاہدِ عادل ہونا

متعدد لوگوں کا بیان ہے کہ فشتالی شاہدِ عادل تھے لیکن شہادت دینے سے اکثر پرہیز کرتے صرف انہیں امور میں شہادت دیتے جو روزِ روشن کی طرح ہوں۔ کوئی زیادہ اجرت دیتا تو ردّ کر دیتے۔ ایک شخص سے گواہی کا وعدہ کر لیتے تو دوسرے کو انکار کر دیتے۔

الغرض یہ کہ ممدوح کے کشف و کرامات بہت زیادہ ہیں اور لوگوں میں مشہور ہیں۔ آپ کی جلالتِ شان اور فخر و مباہات کے لئے تو صرف یہی رابطہ کافی ہے جو آپ کے اور غوث الزمان حضرت عبدالعزیز قدس سرّہٗ کے درمیان قائم ہوا۔

فصلِ ثانی

حضرتِ عبدالعزیز دباغؒ کا مدارجِ سلوک طے کرنا یہاں تک کہ آپ پر اسرار کا انکشاف ہوگیا اور ان عارفین کا بیان جن سے آپ کو ظاہری اور باطنی وراثت ملی۔

عبدالعزیز دباغ کی خضرؑ سے ملاقات

حضرت دباغؒ فرماتے تھے جب سے میں نے العربی الفشتالی کی امانت کو پہنا اور جو کچھ اس میں مجھے کہا گیا تھا میں سمجھ گیا تو اللہ نے میرے دل میں خالص عبودیت کا شوق ڈال دیا۔ لہٰذا میں لوگوں سے اس کے متعلق دریافت کرتا رہتا۔ جس بزرگ کا ذکر سنتا اس کے پاس جا کر اسے اپنا پیر بنا لیتا۔ ان کے فرمانے کے مطابق اوراد پڑھتا لیکن کچھ مدت گذرنے کے بعد جب ان کے پاس مزید ترقی نہ پاتا تو انہیں چھوڑ کر کسی اور کے پاس چلا جاتا۔ اسی طرح جب اس کے پاس بھی مزید معرفت نہ پاتا تو اسے بھی چھوڑ دیتا۔ اسی طرح میں ۱۱۰۹ھ سے لے کر ۱۱۲۱ھ تک حیران و پریشان پھرتا رہا۔ ہر جمعہ کی رات علی بن حرزہم کے مزار پر لوگوں کے ساتھ مل کر قصیدہ بُردہ عہ ختم کیا کرتا۔ ایک جمعہ کی رات حسبِ دستور بُردہ ختم کر کے روضہ سے باہر نکل ہی رہا تھا کہ ایک شخص کو اُس بیری کے درخت کے نیچے جو روضہ کے دروازہ کے پاس تھی بیٹھا ہوا دیکھا۔ اُس نے مجھ سے میرے ہی دل کی باتیں بتانی شروع کر دیں جس سے میں سمجھ گیا کہ یہ شخص اولیاء عارفین میں سے ہے۔ میں نے عرض کیا مجھے کوئی ورد عطا کریں اور ذکر کی تلقین کریں۔ اس نے بات ٹالنی چاہی اور اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔ میں اصرار کرتا جاتا اور آپ ٹالتے جاتے۔ ان کا مقصد میرے صحیح عزم کو معلوم کرنا تھا تاکہ میں ان سے جو بات سنوں اُسے پھر ترک نہ کروں۔ میں اسی طرح چمٹا رہا یہاں

عہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں علامہ بوصیری نے عربی میں ایک قصیدہ کہا ہے جسے قصیدہ بردہ کہا جاتا ہے۔ صوفیاء کے ہاں خاص طریقہ پر اس کا ورد کیا جاتا ہے اور اس کے ورد کرنے میں بہت سے فوائد مضمر ہیں۔ ناظم قصیدہ علامہ بوصیری کو اس قصیدہ کی بدولت فالج سے شفا ملی تھی۔ علامہ بوصیری ۶۰۹ھ = ۱۲۱۲ء میں مصر میں پیدا ہوئے اور ۶۹۶ھ = ۱۲۹۶ء میں وفات پائی۔

Marfat.com

تک کہ صبح ہوگئی اور خانقاہ میں گردسی دکھائی دی تو کہنے لگا جب تک تُو اللہ کا عہد نہیں دے گا کہ وِرد نہ چھوڑوں گا، وِرد نہ دوں گا۔ چنانچہ میں نے اُسے اللہ کا عہد دیا کہ آپ کے بتائے ہوئے وِرد کو نہ چھوڑوں گا۔ اور میرا خیال تھا کہ وہ مجھے ان بزرگوں کی طرح کا کوئی ورد بتائیں گے جن کی پہلے بیعت کر چکا ہوں۔ لیکن انہوں نے فرمایا: ہر روز سات ہزار بار یہ ذکر کیا کرو۔ اَللّٰھُمَّ یَارَبِّ بِجَاہِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اِجْمَعْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ فِی الدُّنْیَا قَبْلَ الْاٰخِرَۃِ ۔ (یا اللہ سیدنا محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل مجھے دنیا میں انہیں ملا دے۔) پھر ہم اُٹھے اور عمر بن محمد الھواری کے روضہ کے مُتولی آ گئے۔ اُس شخص نے اُنہیں کہا: تمہیں اس سے نیک برتاؤ کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ عمر بن محمد کہنے لگے یہ تو ہمارا سردار ہے۔ عمر بن محمد نے مرتے وقت مجھ سے پوچھا: تمہیں معلوم ہے کہ بیری کے درخت کے نیچے کس نے تمہیں ذکر کی تلقین کی تھی۔ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا وہ خضر علیہ السّلام تھے۔

عمر بن محمد ہواری کی وفات ۱۱۲۵ھ

دباغ فرماتے ہیں کہ جب اللہ نے میرا سینہ کھول دیا تو جو کچھ عمر نے فرمایا تھا، مجھے سمجھ میں آگیا۔ اب میں نے یہ ذکر شروع کر دیا۔ لیکن پہلے اس قدر بوجھل معلوم ہوا کہ رات ہونے تک بھی مکمل نہ ہوا۔ پھر کچھ کچھ ہلکا معلوم ہونے لگا اور مجھے اس سے اُنس ہونے لگا تو زوال تک مکمل کر لیتا۔ پھر ہلکے ہونے میں ترقی ہوئی حتیٰ کہ اشراق کے وقت پورا ہونے لگا۔ پھر ثقل میں اور کمی ہوئی حتیٰ کہ طلوعِ آفتاب تک پورا پڑھ لیا کرتا تھا۔ اس زمانہ میں حضرت عمر بن محمد ہواری کے پاس بیٹھتا اٹھتا رہا اور وہ بھی میرے ساتھ خاص محبّت فرماتے رہے حتیٰ کہ ۱۱۲۵ھ میں اُن کی وفات ہوگئی۔ بوقتِ وفات میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ فرمانے لگے جانتے بھی ہو میرے پیر کون تھے؟ میں نے کہا مجھے تو معلوم نہیں۔ فرمایا: سیّد فشتالی قدس سرہٗ۔ اور یہ بات دنیا سے رخصت ہوتے وقت ہی بتائی۔ الحمد للہ کہ حضرت فشتالی کے تمام اسرار و کیفیات بواسطہ سیّد عمر مجھے حاصل ہوئے اور اس کا مشاہدہ مجھے شرحِ صدر کے بعد ہوا حالانکہ سید عمر بھی حضرت فشتالی کے تمامی اسرار کے حامل نہ تھے بلکہ چند ہی کے حامل تھے۔ مگر مجھے حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان کے تمامی اسرار عطا فرمائے بلکہ ان سے بھی زیادہ اور اتنے زیادہ کہ میں اپنے مولیٰ کریم کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

ایک دن فرمایا کہ حضرت فشتالیؒ عارف باللہ اور اپنی زندگی میں دیوان الصالحین کے حاضر ہونے والوں میں سے تھے۔ میں نے عرض کیا اور بعدِ وفات؟ فرمایا نہیں اور ایسا ہی سیدنا منصورؒ کی بابت فرمایا کہ وہ اقطاب میں سے تھے اور صرف بحالتِ حیات اہلِ دیوان میں سے تھے۔ انتقال کے بعد اس مجلس میں حاضر نہیں ہوتے اور اس کا ایک خاص سبب بیان فرمایا جس کا ذکر انشاء اللہ آثنائے کتاب میں آئے گا۔

عـــہ وہ مجلس جس میں اقطابِ عالم و اغواث کا اجتماع ہوا کرتا ہے۔ کتاب کے آخر میں اس کا تفصیلی بیان آئے گا۔

Marfat.com

حضرت عبدالعزیز دباغ کا شرح صدر جمعرات ۸ رجب ۱۱۲۵ھ | حضرت نے فرمایا کہ سید عمر کی وفات کے تین دن بعد مجھے شرحِ صدر ہوا اور ہمنے حقیقت نفس سے اللہ کو پہچانا۔ فللہ الحمد وَ لہُ الشکر۔

بروز پنجشنبہ ۸ رجب ۱۱۲۵ھ کا واقعہ ہے کہ میں گھر سے نکلا تو حق تعالیٰ نے ایک صاحبِ خیر کے ہاتھ سے مجھے چار موز ولے دلائے چنانچہ میں نے مچھلی خریدی اور اس کو لے کر گھر آیا۔ میری بیوی نے کہا: علی بن حرزہم کے پاس جاؤ اور مچھلی تلنے کے لئے تیل لے آؤ۔ چنانچہ میں گیا اور ابھی باب الفتوح تک ہی پہنچا تھا کہ بدن میں رعشہ سا پیدا ہوا پھر زور کی کپکپی طاری ہوئی۔ اس کے بعد گوشت میں بکثرت چیونٹیاں سی چلتی ہوئی محسوس ہوئیں مگر میں اُسی حالت میں چلتا گیا۔ مگر حالت اور خراب ہوتی گئی حتیٰ کہ سید یحییٰ بن علال کے مزار تک پہنچا اور یہ علی بن حرزہم کے راستہ ہی میں آتا ہے۔ حالت نے اور شدت پکڑی اور میرا سینہ سخت مضطرب ہونے لگا یہاں تک کہ داڑھی چنبرِ گردن سے ٹکراتی تھی۔ میں نے سمجھا کہ یقیناً موت کا وقت آگیا ہے۔ پھر میرے جسم سے دھوئیں کی طرح کی ایک چیز نکلی پھر میرا جسم ہوتا ہوتا بہت ہی لمبا ہوگیا اور دنیا کی چیزیں منکشف ہو کر میری نظروں کے سامنے آنے لگیں۔ تمام شہر، قصبے اور دیہات اور جو کچھ بھی زمین پر ہے۔ میں نے سب کو دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ عیسائیت[ع] اپنے بچے کو گود میں لئے دودھ پلا رہی ہے۔ میں نے تمام سمندر دیکھے جو کچھ بھی سات زمینوں میں جانور اور مخلوقات ہے سب دیکھی۔ میں نے دیکھا کہ گویا آسمان کے اوپر بیٹھا ہوں اور اس کے اندر کی تمام اشیاء کو دیکھ رہا ہوں۔ اچانک ہر طرف سے کوندنے والی بجلی کی طرح نورِ عظیم آتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ نور میرے اوپر سے بھی نیچے سے بھی، داہنے سے بھی، بائیں جانب سے بھی اور آگے سے بھی، پیچھے سے بھی۔ سب طرف سے آیا اور اس سے مجھے سخت سردی لگی یہاں تک کہ میں نے سمجھا کہ مرنے لگا ہوں۔ میں جلدی سے چہرہ کے بل لیٹ گیا تاکہ اُس نور کو نہ دیکھ سکوں۔ لیکن پھر بھی یوں معلوم ہو رہا تھا کہ میرا تمام وجود آنکھیں بن گیا ہے۔ آنکھ دیکھتی ہے، سر دیکھ رہا ہے، پاؤں دیکھ رہے ہیں اور تمام اعضا دیکھ رہے ہیں۔ میں نے اپنے پہنے ہوئے کپڑوں پر نظر ڈالی۔ تو دیکھا کہ وہ اس نظر کو نہیں روک سکتے جو میری ذات میں سرایت کر چکی ہے۔ مجھے یقین ہوگیا کہ اوندھا لیٹنا اور کھڑا رہنا دونوں برابر ہیں۔ کچھ دیر تک یہی حالت رہی مگر پھر جاتی رہی اور میں اپنی پہلی حالت پر آگیا۔ اُس وقت میں گھر واپس آیا اور علی بن حرزہم کے پاس نہ پہنچ سکا۔ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہوا اور میں رونے لگا۔ اس کے بعد تھوڑی دیر کے لئے پھر وہی حالت طاری ہوئی اور پھر جاتی رہی۔ اسی طرح کبھی یہ حالت ہو جاتی اور کبھی ہٹ جاتی۔ اس کے بعد دائمی ہوگئی۔ اللہ نے مجھ پر رحم فرمایا کہ اپنے اولیاء میں سے ایک عارف سے مجھے ملا دیا جس کی صورت یوں ہوئی کہ فتح کے اگلے روز میں مولائی ادریس کی زیارت کے لئے چلا۔ ابھی ساطِ عدول کے محلہ تک پہنچا تھا کہ فقیہہ الحاج احمد جرندی سے ملاقات ہوئی۔ احمد جرندی مولائی ادریس کے

ع نصرانیت کے غلبہ کی طرف اشارہ ہے۔

Marfat.com

امام تھے۔ میں نے جو کچھ دیکھا تھا، اُس کا اُن سے ذکر کیا۔ فرمایا۔ میرے ساتھ میرے گھر چلو۔ میں اُن کے ساتھ اُن کے گھر گیا جو اس سقایہ[1] کے قریب تھا جو اُن غسالین کے پاس ہے جو صفارین[2] میں رہتے ہیں۔ میں اُن کے ساتھ مکان میں داخل ہوا اور وہ اندر ایک چبوترے پر بیٹھ گئے اور میں بھی اُن کے ساتھ بیٹھ گیا۔ پھر فرمانے لگے جو کچھ تو نے دیکھا ہے پھر سے بیان کرو۔ میں نے سارا واقعہ دُہرایا۔ مگر اُن پر جو میری نظر پڑی تو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ واقعہ سن کر فرمایا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ چار سو سال گذر چکے ہیں کہ ایسا واقعہ بیان کرنے والا ہم نے کوئی نہیں سُنا۔ اس کے بعد مجھے بہت سا روپیہ دیا۔ ایک بار فرمایا کہ مجھے پانچ مثقال[3] دیئے اور کہا کہ ان کو اپنی ضروریات میں خرچ کرو اور جب ختم ہوجائیں تو کسی اور کے پاس نہ جانا۔ میرے ہی پاس آنا کہ جو ضرورت ہوگی میں تم کو دوں گا اور میں تمہیں سیّد عبداللہ التاودی کے پاس جانے کی تاکید کرتا ہوں۔ انشاء اللہ خیر نصیب ہوگی۔ غرض میں اُن سے رخصت ہوا اور اس دن کے بعد پھر مجھے سیّد احمد جراوندی کی ملاقات نصیب نہ ہوئی کیونکہ اُن کو دفعتہً مرض الموت لاحق ہوا اور وہ انتقال کر گئے۔

عبداللہ تاودی سے ملاقات

مگر میں نے اُن کی وصیّت پر عمل کیا اور سیّد عبداللہ تاودی کی جانب چل پڑا۔ جب باب الجیسہ پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دروازہ سے باہر ایک سیاہ فام شخص اُس بڑے پتھر کے پاس کھڑا ہے جس کے قریب مجدی بیٹھا کرتے تھے۔ اُس نے مجھے غور سے دیکھنا شروع کیا۔ میں نے دل میں کہا آخر اس کا کیا ارادہ ہے؟ جب قریب پہنچا تو میرا ہاتھ پکڑ لیا اور سلام کیا جس کا میں نے جواب دیا۔ پھر کہنے لگے، میں چاہتا ہوں کہ جامع مسجد تک میرے ساتھ چلو۔ وہاں بیٹھ کر کچھ دیر باتیں کریں۔ میں نے کہا بڑی خوشی سے، چنانچہ ہم مسجد میں پہنچ کر بیٹھ گئے۔ مجھ سے فرمانے لگے مجھے فلاں فلاں مرض ہے اور میں نے ایسا ایسا واقعہ دیکھا ہے اور مجھے یہ یہ پیش آیا ہے۔ الغرض تمام وہ باتیں جو مجھے پیش آئی تھیں از خود ذکر کر دیں۔ ان کی اس گفتگو سے میرا بوجھ اتر گیا اور میں سمجھ گیا کہ یہ شخص اولیاء عارفین میں سے ہے۔ خود ہی بتایا کہ میرا نام عبداللہ برناوی ہے اور میں برنو کا باشندہ ہوں اور یہاں شہر فاس میں صرف تمہارے لئے آیا ہوں۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی اور اس وقت میں نے سیّد احمد جرندی کے کلام کی برکت کو سمجھا کہ مرحوم اہل خیر و صلاح میں سے تھے۔ غرض سیّد عبداللہ برناوی میرے ساتھ رہے۔ میری رہبری فرماتے۔ مجھے کجی و بدراہی سے بچاتے۔ قلب کو قوت پہنچاتے اور میرے دل سے وہ خوف مٹاتے رہتے تھے جو بقیہ رجب اور تمام شعبان و رمضان و شوال و ذی قعدہ اور ذی الحجہ کی دسویں تاریخ تک مجھے پیش آتے رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

جب عید الاضحٰی کا تیسرا دن ہوا تو مجھے سید الوجود حضرت محمد صلی

---

[1] چوبچہ
[2] محلہ کا نام۔
[3] آج کل کے حساب سے ایک مثقال تقریباً ۴ماشہ کا ہوتا ہے۔ پانچ مثقال تقریباً ۲ تولے بنے۔ یعنی اسقدر سونا دیا۔

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ اُس وقت عبد اللہ برناوی نے فرمایا: اے عبد العزیز اب تک تو مجھے تمہارے متعلق اندیشہ تھا مگر آج چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی رحمتِ کاملہ یعنی سید الوجود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا دیا ہے، اس لئے میرا دل مطمئن ہو گیا ہے۔ اب میں تمہیں اللہ کے حوالے کر کے جاتا ہوں۔ چنانچہ مجھے چھوڑ کر وہ اپنے وطن چلے گئے۔ دراصل اُن کا میرے ساتھ رہنے سے یہ مقصد تھا کہ جو مشاہدات مجھے پیش آ رہے تھے، اُن میں ظلمت کا دخل ہونے سے مجھے بچائے رکھیں حتیٰ کہ مشاہدۂ محمدیہ نصیب ہو جائے کیونکہ صاحبِ فتح پر اس کے بعد کوئی اندیشہ نہیں رہتا۔ جو کچھ اندیشہ وخطرات ہوتے ہیں وہ اس مشاہدہ سے پہلے ہی ہوتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ برناوی کے ساتھ مجھے بہت قصے پیش آئے۔ جن میں عجیب ترین یہ ہے کہ ایک دن انہوں نے عورت کی صورت میں آ کر مجھے بہت کچھ پھسلایا اور اصرار سے اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔

عبد اللہ برناوی کا دباغ کے سامنے عورت کی صورت میں آنا

واقعہ یوں ہوا کہ میں جزائر ابن عامر میں تھا کہ ایک عورت چادر اوڑھے مُنہ پر نقاب ڈالے خوشبو میں مہکی ہوئی صاف ستھری نہایت خوبصورت میرے پاس آئی اور کہنے لگی: میں تنہائی میں آپ سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ میں پورے زور سے اس سے بھاگا حتیٰ کہ میں نے کہا کہ اب تو میں اس سے بھاگ کر لوگوں میں آ گیا ہوں، مگر جب رصیف میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے پاس کھڑی ہے اور مجھے پھسلا رہی ہے۔ میں پھر بھاگا اور شراطین پہنچ کر دم لیا اور سمجھا کہ اب اس کی امید منقطع ہو چکی ہے پھر میری چال بھاری ہو گئی اور دیکھا کہ وہ پھر میرے پاس کھڑی ہے اور پھسلا رہی ہے۔ میں پھر بھاگا اور ایک بار پھر شماعین پہنچا مگر دیکھتا کیا ہوں کہ میرے پاس کھڑی ہے۔ میں پھر بھاگا اور مسجد قرویین کی شرقی جانب پہنچا اور مسجد میں داخل ہو گیا اور سمجھا کہ بس اب نجات مل گئی۔ مگر دیکھا کہ وہ میرے پاس کھڑی ہے۔ میں پھر بھاگا حتیٰ کہ صفارین تک پہنچا اور سمجھا کہ بس اب بچ گیا، مگر دیکھتا ہوں کہ وہ پاس کھڑی ہے۔ میں پھر بھاگا اور دوبارہ شماعین تک پہنچا اور سمجھا کہ اب چھٹکارا مل گیا مگر دیکھتا ہوں کہ وہ پاس کھڑی ہے۔ میں پھر بھاگ کر مسجد قرویین میں جا گھسا اور سمجھا کہ اب نجات مل گئی، لیکن جب بڑے شمعدان تک پہنچا تو دیکھا کہ وہ میرے پاس کھڑی ہے۔ اسوقت مجھ پر حال کا غلبہ ہوا اور ابھی چلانے کو ہی تھا۔ تاکہ لوگ جمع ہو جائیں کہ دفعتہً وہ عورت عبد اللہ البرناوی بن گئی اور فرمایا یہ کارنامہ تو میرا تھا اور تم کو آزمانے کے لئے کیا تھا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ سادات کا میلانِ طبع عورتوں کی طرف زیادہ ہے۔ سو الحمد للہ تم کو ایسا ہی پایا جیسا میں چاہتا تھا اور بہت خوش ہوئے۔

عبد اللہ برناوی کی وفات ۱۱۲۶ھ

حضرت برناوی کے بعض معارف کے فوائد اثناء کتاب میں آئیں گے۔ دباغ کہتے ہیں کہ ان کی وفات ۱۱۲۶ھ میں ہوئی۔

حضرت برناوی کے اپنے صالحین خواہ ایکدوسرے سے دُور رہتے ہوں لیکن اُنکے درمیان بُعد نہیں ہوتا

Marfat.com

وطن کو چلے جانے کے بعد میں نے حضرت دباغ کو کہتے ہوئے سنا" آج میں عبداللہ برناوی کے ساتھ تھا۔ انہوں نے مجھ سے یہ فرمایا اور میں نے یوں کہا اور ہم نے یہ یہ کام کیا، حالانکہ اس زمانہ میں میں ہر وقت ان کے ساتھ آتا جاتا چنانچہ ہم شاید ہی کبھی جدا ہوتے۔ جب اُن سے ایسی بات سنتا تو عرض کرتا کیا عبداللہ اپنے وطن کو نہیں چلے گئے۔ فرمایا صالحین کے وطن خواہ کتنے دُور ہی کیوں نہ ہوں، ان کے درمیان بعد نہیں ہوتا۔ چنانچہ مغرب کا اللہ کا بندہ سوڈان یا بصرہ وغیرہ کے دوسرے اللہ کے بندے سے باتیں کرسکتا ہے بعینہٖ اسی طرح جس طرح کہ پاس کے آدمی سے باتیں کی جاتی ہیں اور جب کوئی تیسرا اللہ والا اُن سے باتیں کرنا چاہتا ہے تو وہ بھی کر لیتا ہے اور اسی طرح چوتھا بھی حتیٰ کہ صالحین کی ایک جماعت جو مختلف علاقوں میں بکھرے ہوتے ہیں وہ اس طرح آپس میں باتیں کر لیتے ہیں جیسے کہ ایک جگہ پر جمع ہوئے ہوئے لوگ کرتے ہیں۔

دبّاغ نے برناوی سے اسرار ورثہ میں لئے | فرمایا سیّد عبداللہ برناوی کی وفات پر ان کے تمام اسرار کا میں وارث بنا۔ والحمد للہ

قطب زمان منصور بن احمدؒ سے ملاقات | نیز فرمایا منجملہ اُن بزرگوں کے جن کی مجھے ملاقات نصیب ہوئی حضرت منصور بن احمد ہیں جو قطب وقت تھے اور میرا اُن سے ملنا سورج گرہن سے ایک ماہ قبل ہوا۔

ملنے کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت منصور ایک جولاہے کے پاس سوت بٹنے کا کام کرتے تھے۔ میں اپنے بھائی عُلال کو لے کر اس غرض سے گیا کہ کوئی اُسے بننے کا کام سکھا دے چنانچہ میں ایک طراز[ع] (کشیدہ کاری کا کارخانہ) میں گیا۔ خادموں کے ساتھ میں بھی اُسے کام کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔ ایک شخص کو دیکھا جس سے میری بات ٹھہر گئی۔ جب فارغ ہوا اور باہر آنے لگا تو ایک ناواقف شخص نے مجھے آواز دی۔ اور کہا کہ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس کے پاس آیا تو اس نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ میں نے کہا: سیّد ہوں۔ کہا ماشاء اللہ! اچھے پاک اور نیک لوگوں کی اولاد ہو۔ پھر نام پوچھا: میں نے عبدالعزیز بتایا۔ کہا کس قدر پیارا اور بزرگ نام ہے۔ پھر پوچھا کیا آپ کے ماں باپ حیات ہیں؟ میں نے کہا نہیں دونوں کا انتقال ہو چکا ہے۔ کہنے لگے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے بیوی بچے ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ کہنے لگے کچھ روپیہ پیسہ بھی پاس ہے؟ میں نے کہا نہیں کہنے لگے یہ موزونے لے لو۔ دیکھا تو تیس[۳۰] موزونے تھے۔ ان سے جان پہچان اس طرح ہوئی۔ پھر اُن کے ساتھ مجھے عجیب وغریب واقعات پیش آئے جن میں چند کا تذکرہ اس کتاب میں انشاء اللہ آئے گا۔

ع کپڑے کے اوپر منقش یا کشیدہ کاری کرنے کو طراز کہتے ہیں اور بنانے والے کو طراز۔ اس زمانہ میں الجزائر، مصر وغیرہ میں طراز کے کارخانے پائے جاتے تھے۔ طراز کے معنی طراز کے کارخانہ کے بھی ہیں چنانچہ یہاں یہی مراد ہیں۔ ۱۲

Marfat.com

منصور بن احمد کی وفات ۱۱۲۹ھ

غرض اللہ و رسول کی محبت میں میرا اُن کا ساتھ رہا حتیٰ کہ ۱۱۲۹ھ میں ان کی وفات ہوگئی۔ احمد بن مبارک کہتے ہیں کہ سورج گرہن ۱۱۱۸ھ کی ابتدا میں ۲۹ محرم کو ہوا لہٰذا تقریباً بارہ ۱۲ سال ان کی صحبت رہی۔

سیّد عبداللہ برناوی منصور بن احمد سے بڑے تھے

میں نے حضرت ممدوح سے پوچھا کہ دونوں میں بڑا کون تھا عبداللہ برناوی یا منصور بن احمد؟ فرمایا حضرت عبداللہ برناوی بڑے تھے اگرچہ یہ دونوں قطب تھے نیز فرمایا کہ جب حضرت منصور کا انتقال ہوا تو اُن کے اسرار کا بھی میں ہی وارث ہوا۔ والحمد للہ۔

محمد لہواج سے ملاقات

حضرت ممدوح نے فرمایا کہ منجملہ ان مشائخ کے جن کی ملاقات وصحبت مجھے نصیب ہوئی حضرت محمد لہواج ہیں۔ جن کا وطن تطاون کے قریب تھا جیسا کہ جبل حبب میں شہر فحص حضرت منصور کا وطن تھا۔

اُن سے ملنے کی صورت یہ ہوئی کہ جب میرے والد بزرگوار کا انتقال ہوگیا تو میرے چچا مجھے اور میرے بھائی العربی کو لے کر ایک طرازخانہ میں گئے جہاں ململ پر کام کیا جاتا تھا۔ کارخانہ کا ایک کاری گر حضرت محمد لہواج کا رشتہ دار تھا اور حضرت ممدوح جب بھی اس رشتہ دار کو ملنے آتے تو میرے پاس بھی آکر بیٹھ جایا کرتے اور باتیں کرتے رہتے یہاں تک میرے اور اُن کے درمیان کمل جان پہچان ہوگئی اور میرے اور اُن کے درمیان عجیب وغریب حکایات وکرامات پیش آئیں، جن میں سے بعض کا ذکر اثناء کتاب میں آئے گا۔

میری ان سے ملاقات حضرت منصورؒ سے پہلے ہوئی تھی کیونکہ اُن سے میری ملاقات ۱۱۱۲ھ کو ہوئی لیکن اُن کی وفات حضرت منصور کی وفات کے چند دن بعد ہوئی۔ اُن کی وفات پر ان کے اسرار کا وارث بھی میں ہی بنا۔ والحمد للہ۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کی صحبت مجھے حاصل ہوئی:

۱۔ شیخ الشیوخ سیدنا خضر علیہ السّلام۔

۲۔ عمر بن محمد ہواری خادم روضۂ علی بن حرزہم، بہ وصیت خضر علیہ السلام۔

۳۔ عبداللہ برناوی۔ ان سے میری ملاقات شرح صدر یا فتح سے دوسرے دن ہوئی۔

۴۔ منصور بن احمد۔

۵۔ محمد اللہواج۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

کتمانِ سر کی تاکید

مؤلف کتاب احمد بن المبارک کہتا ہے لیکن حضرت دباغ کو دیگر اولیاء کاملین کی بھی ملاقات وصحبت نصیب ہوئی اور حضرت ممدوح اُن کے اسرار باطنیہ کے وارث ہوئے۔ اِن بزرگوں کا ذکر اثناء کتاب میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ منجملہ اُن کے غوثِ وقت حضرت احمد بن عبداللہ مصری ہیں چنانچہ میں نے حضرت ممدوح کو یہ فرماتے سُنا کہ جس روز میں دیوان (مجلس اقطاب واغواث)

Marfat.com

میں داخل ہوا ہوں اُس دن مجھ سے احمد بن عبداللہ اور اسی طرح دیگر اہلِ دیوان نے بجز اِس کے کوئی بات ہی نہیں کی کہ مجھے کتمانِ سرّ کی تاکید کرتے رہے۔ حتیٰ کہ احمد بن عبداللہ نے تمامی اہلِ دیوان کو حکم فرمایا کہ اس بارے میں ایک ایک واقعہ مجھے سنائیں چنانچہ اِن حضرات نے تقریباً ۲۰۰ (دوسو) واقعات مجھے سنائے۔ ان میں آٹھ واقعات میں نے حضرت ممدوح سے سنے تھے لیکن یہاں صرف پانچ درج کیے جاتے ہیں۔

کتمانِ سرّ کے بارے میں پہلی حکایت

پہلی حکایت احمد بن عبداللہ غوث کی ہے۔ فرمایا۔ میرا ایک مرید تھا اور اس کے ساتھ بڑی محبت تھی۔ ایک دن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمتِ شان اس کو سنانے لگا کہ بٹیا اگر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نور نہ ہوتا تو زمین کے اسرار میں سے ایک سرّ بھی ظاہر نہ ہوتا۔ وہ نور معظم نہ ہوتا تو نہ کوئی چشمہ اُبلتا نہ کوئی دریا بہتا۔ بٹیا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا نورِ مبارک مارچ کے مہینے (شروع موسم بہار) میں تین مرتبہ تمام بیجوں پر مہکتا ہے جس کی برکت سے ان میں پھل آتا ہے۔ اگر نورِ محمدی نہ ہوتا تو کوئی تخم بھی پھل نہ لاتا۔ بٹیا! سب سے کم درجہ کا ایمان اس شخص کا ایمان ہے جو اپنے ایمان کو پہاڑ بلکہ پہاڑ سے بھی بڑا سمجھے اور وہ اپنے آپ کو اوروں سے زیادہ حق دار سمجھے۔ لیکن ذات انسانی لبسا اوقات ایمان کے اس بوجھ کو اٹھانے سے عاجز آکر اسے پھینک دینے کا ارادہ کرتی ہے کہ دفعتاً نور محمدی مہکتا ہے اور بار ایمان کے اُٹھانے میں مددگار ہوتا ہے جس کی وجہ سے مومن کو ایمان شیریں اور پاکیزہ معلوم ہونے لگتا ہے (اور وہ تباہ ہونے سے بچ جاتا ہے)۔

جب میں اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت کا ذکر کر رہا تھا اور اُن برکات کا ذکر کر رہا تھا جو آپ سے حاصل ہوئیں یہاں تک کہ میں ذات محمدی میں محو ہو گیا۔ مرید نے جب میری یہ حالت دیکھی تو کہا: اے میرے آقا! اسی نبی محترم کی جاہ کا واسطہ مجھے سرّ عطا فرما دیجئے۔ میں نے باز رہنا چاہا۔ مگر جب بڑی ذات کے جاہ کا واسطہ نظر کے سامنے آیا تو میں نے اس کی بات مان لی اور اسے راز دے دیا۔ مگر چند ہی دن گزرے تھے کہ لوگوں نے اس پر کفر کی گواہیاں دیں اور اسے قتل کر دیا گیا۔ یہ شخص خوز عراقیوں میں سے تھا اور مصر کے ایک شہر میں محلہ کے ایک گوشہ میں رہتا تھا۔ مجھ سے سرّ الٰہی لے کر وطن چلا گیا۔ لوگ اس کے پاس آئے۔ اور یہ ان کو اسرارِ الٰہیہ سنانے لگا جو ان کی عقلوں سے بالا تھے۔ اس پر انہوں نے اس کے خلاف اُن باتوں کی شہادتیں دے کر جو اُس سے سنی تھیں اور اسے قتل کروا دیا۔

دوسری حکایت

ایک نے فرمایا میرا ایک مرید تھا جس نے ۱۲ سال میری خدمت کی اور مجھے اس سے بہت محبت تھی حتیٰ کہ میرا ارادہ تھا کہ اپنی لڑکی کی شادی اس سے کر دوں۔ میں ہر ہفتہ میں تین دن کے لئے بستی چھوڑ کر ساحلِ سمندر پر جا بیٹھتا۔ ایسا اتفاق ہوا کہ ان غائب رہنے کے دنوں کے اندر عید آ گئی۔ میرے چھ لڑکے اور تین لڑکیاں اور ایک خادم تھا۔ جب میں گھر آیا تو دیکھا کہ اس نے سب کے لئے کپڑے سلوائے اور جس جس چیز کی ضرورت تھی، وہ بھی خرید دی۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ جب وہ میرے سامنے آیا تو

Marfat.com

محبت وعقیدت سے ملا اور درخواست کی کہ اسے سرِّ الٰہی عطا کر دوں اور اس پر بڑا اصرار کیا چنانچہ میں نے اسے با دلِ ناخواستہ سرِّ الٰہی دے دیا۔ ابھی چالیس دن ہی گذرے تھے کہ لوگوں نے اس سے ایسی راز کی باتیں سُنیں۔ جنہیں عوام کی عقلیں باور نہیں کر سکتی تھیں۔ ان کی شہادتیں ہم پہنچائیں اور اسے پھانسی دے دیا گیا۔

تیسری حکایت | ایک صاحب نے فرمایا: میرا ایک مرید تھا جس نے ۹ سال میری خدمت کی۔ اس کی خدمت اور حسنِ معاشرت کی وجہ سے مجھے اس سے بہت محبت تھی۔ وہ میرا ہم محلہ اور ہمسایہ بھی تھا۔ میری بیوی اکثر بیمار رہا کرتی اور اپنی خوبصورت بیوی کو میرے گھر لے آیا کرتا تھا۔ جو کام میری بیوی نہ کر سکتی اس کو وہ انجام دیا کرتی۔ غرض دونوں میاں بیوی ہماری خدمت میں لگے رہتے۔ اسی وجہ سے مجھے اس سے بڑی محبت تھی۔ ایک دن میں ایک جگہ کھڑا تھا کہ وہ اپنی چھوٹی سی بچی کو لے کر آیا جس کے ہاتھ میں قرآن مجید تھا۔ مجھے پتہ بھی نہ چلا کہ یکایک کیا دیکھتا ہوں کہ بچی میرے پاؤں پڑی ہے اور قرآن مجید اس کے ہاتھ میں ہے۔ میں نے پیچھے ہٹ کر کہا: اے شخص آخر تو کیا چاہتا ہے؟ تو یہ بہت بڑا واسطہ لایا ہے۔ بولا "مجھے آپ سرِّ الٰہی عطا فرما دیں"۔ میں نے کہا "ارے تجھ میں اس کی برداشت کی طاقت نہیں۔ سرِّ الٰہی تو ایک بڑی چیز ہے۔ صرف وہی اس کے اُٹھانے کی طاقت رکھ سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ قوت دے اور اس کے حامل کو دو تہائی آدمی واہ واہ کہتے ہیں اور اسی میں اس کی ہلاکت و موت ہوتی ہے۔ اُس نے کہا آپ عطا فرما دیں میں ضرور برداشت کر لوں گا۔ غرض اس کی اور اس کی بیوی کی خدمتوں پر اور اُن تعلّقات و حقوق پر جو اس کے میرے ساتھ قائم تھے۔ نیز معصوم بچی اور کلام اللہ کا واسطہ لانے پر نظر کرتے ہوئے میں نے ہاں کر لی اور اُسے سرِّ الٰہی دے دیا۔ (شیخ فرماتے ہیں) اُس نے سرِّ الٰہی بغیر ذات کے لئے تھا اور جس کو بھی سرِّ الٰہی بغیر ذات کے ملا کرتا ہے وہ اس کو تباہ کر دیتا ہے۔ میں نے عرض کیا ذات سے کیا مراد ہے؟ فرمایا کہ پیر کی ذات اور اس کے اسرار اور پیر کی وفات کے بعد ہی مرید کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ولی سِرّ تو دے سکتا ہے لیکن ذات نہیں دے سکتا۔ ذات صرف خدا ہی دے سکتا ہے۔

الحاصل اس نے سِرّ لیا اور چلا گیا اور تین دن تک اپنے پیر سے غائب رہا۔ ابھی تین دن نہ گذرے تھے کہ اپنے پیر کی شان میں بکواس کرنے لگا۔ کسی نے آکر پیر کو اطلاع دے دی کہ آپ کا فلاں مرید آپ کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ پیر نے تغافل برتا۔ لیکن اس پر آزمائش کا وقت آتا رہا۔ چنانچہ اسی گمراہی اور تاریکی میں اس نے کچھ عرصہ گذارا کہ ایک قافلہ آیا اور یہ اس کے ساتھ بحری سفر میں چلا گیا۔ وہاں جا کر قید ہو گیا، پھر عیسائی ہو گیا (خدا بچائے) یہ بدبختی اُسے اس لئے حاصل ہوئی کہ اس نے سِرّ کو قبل از وقت لینا چاہا جس کے عتاب میں وہ اسلام سے بھی محروم ہو گیا۔ ہم اللہ سے سلامتی چاہتے ہیں۔

چوتھی حکایت | ایک صاحب نے فرمایا: میں اور ایک اور آدمی دینی بھائی تھے۔ ایک مرتبہ ہم نے یہ طے کیا کہ سفر کو نکلیں اور کسی اللہ کے ولی کی تلاش کریں جو ہمارا ہاتھ پکڑ لے اور ہمیں اللہ سبحانہ کے راستہ پر چلائے۔ چنانچہ ہم سیاحت کرتے رہے تا آنکہ اللہ نے ہماری ملاقات اپنے ایک ولی سے کرا دی۔ یہ بزرگ

Marfat.com

ثرید (ایک قسم کا کھانا) کی دکان کرتے تھے چنانچہ ہم میں سے ایک آگ جلایا کرتا اور دوسرا ثرید تول کر گاہکوں کو دیا کرتا اور شیخ ثرید پکایا کرتے۔ ہم مدّت تک یہی کرتے رہے۔ پھر شیخ کی موت کا وقت قریب آگیا اور ایک بار تو اُس کے حواس بھی جاتے رہے۔ دینی بھائی نے آکر شیخ سے درخواست کی کہ مجھے سرّ عطا فرمائیں۔ شیخ نے فرمایا تو ابھی اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ پھر کہا آپ کو ضرور دینا ہوگا۔ شیخ نے میری طرف دیکھا اور کہا کیا تو راضی[ع] ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت اگر آپ کی مرضی ہے تو میں بھی راضی ہوں۔ فرمایا: تو راضی ہوجا، خدا تمہیں اس کا بدلہ اپنے پاس سے دے گا چنانچہ میں راضی ہوگیا اور اس نے سرّ لے لیا۔ دو دن کے بعد شیخ کی وفات ہوگئی اور میرا دینی بھائی اپنے وطن چلا گیا اور میں شیخ کی دکان پر خدمت کرتا رہا۔ جو کچھ کماتا اُسے شیخ کے گھر والوں پر صرف کرتا اُن کی ایک بیوی، تین لڑکیاں اور ایک لڑکا تھا۔ میں دکان پر بارہ سال کام کرتا رہا اور مجھ میں اب بھی شیخ کی پہلی کی سی محبت تھی۔ اس میں ذرہ بھر بھی کمی واقع نہ ہوئی تھی۔ جب بارہ برس گذر گئے تو شیخ کی بیٹیوں کی شادیاں ہوگئیں اور وہ اپنے اپنے گھر چلی گئیں۔ شیخ کا بیٹا مغرب کو چلا گیا اور شیخ کے بھائی نے ان کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ جن سے تعلّق تھا کوئی بھی نہ رہا۔ میں کچھ تنگ دل سا ہوا اور اپنے وطن واپس آنے کا ارادہ کیا۔ جو کچھ میرے پاس تھا میں نے بیچ ڈالا اور سامانِ سفر تیار کر لیا۔ اب صرف شیخ کی قبر کی زیارت کرنی رہ گئی تھی۔ جب میں شیخ کی قبر کی زیارت کے لئے گیا اور یہ آبادی سے دُور ایک وحشت ناک جگہ پر تھی۔ زیارت کرنے کے بعد واپس آنے لگا تو میرے دل نے کہا: افسوس کیا تو ہمیشہ کے لئے اپنے شیخ کی قبر کو چھوڑ کر جا رہا ہے؟ میرے دل میں شیخ کے لئے ولولہ پیدا ہوا۔ چنانچہ میں واپس آگیا اور کچھ دیر اور وہاں رہا۔ پھر واپس آنے لگا تو دوبارہ مجھ پر دہشت طاری ہوئی۔ پھر واپس آیا اور زوال تک وہاں رہا۔ پھر لوٹنے کا ارادہ کیا تو وہی پہلی کی سی حالت ہوئی اس پر میں رات ہونے تک وہاں رہا۔ میں شیخ کی محبت کی وجہ سے رو رہا تھا۔ پھر میں نے قبر پر ہی رات گذاری اور میری بے چینی اور شیخ کی محبت بڑھتی گئی یہاں تک کہ فجر ہوگئی۔ اُسوقت حضرت خضر تشریف لائے اور مجھے ذکر تلقین فرمایا اور اللہ نے فتح (شرح صدر) نصیب کی اور میں اپنے وطن کو روانہ ہوا راستہ میں اپنے دینی بھائی کے وطن سے گذر ہوا۔ جب میں اس شہر میں پہنچا تو دیکھا کہ لوگ ایک شخص کو جلانے کے لئے ایندھن جمع کر رہے ہیں۔ میں اس شخص کو دیکھنے کے لئے گیا، دیکھا تو وہی میرا دینی بھائی تھا۔ میں نے ایندھن جمع کرنے والوں سے پوچھا کہ اس نے کیا قصور کیا ہے؟ کہنے لگے یہ ایسے ایسے کہتا ہے، یعنی اسرارِ الٰہیہ میں سے ایک راز کا اس نے افشاء کیا ہے جس کی عقولِ عامہ متحمّل نہ ہوسکیں۔ اُنھوں نے علماء سے استفتاء کیا اور علماء نے اس کے جلانے کا فتویٰ دیا۔ میں اپنے بھائی کی طرف آگے بڑھا۔ میں نے تو اُسے پہچان لیا تھا لیکن وہ اپنی مصیبت کی وجہ سے مجھے نہ

ع مقصد یہ تھا کہ اصل حقدار اور اہل تو ہے لیکن تیرا مطالبہ نہیں اس لئے اگر تو راضی ہو تو اُسے دیا جائے۔

Marfat.com

پہچان سکا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ تجھے کس لئے جلا رہے ہیں؟ کہا انہوں نے مجھے ایسے ایسے کہتے سُنا ہے اور میں نے تو سچی بات کہی ہے۔ میں نے کہا کیا تُو نے اس کے علاوہ بھی کچھ کہا ہے؟ کہنے لگا نہیں۔ اور کچھ بھی نہیں کہا۔ اب میں نے مجمع کی طرف منہ کر کے کہا: جب تک میں سلطان کے پاس سے واپس نہ آجاؤں اس وقت تک تم ہاتھ روکے رکھنا۔ میں سلطان کے پاس اس کے متعلق بات کرنے جا رہا ہوں۔ میں سلطان سے عرض کروں گا کہ اس شخص پر قتل کا حکم صحیح نہیں۔ لہٰذا تم میرے آنے تک صبر کرو اور اگر کسی نے کوئی کاروائی کی تو اس کی اپنی جان کی خیر نہیں کیوں کہ مجھے اُمید ہے کہ جب میں سلطان سے بات کروں گا تو وہ ضرور اپنا حکم واپس لے لیں گے۔ سب نے کہا بہتر۔ جب تک آپ واپس نہ آئیں گے، ہم کچھ نہ کریں گے۔ چنانچہ میں سلطان کے پاس پہنچا۔ دیکھا کہ علماء اس کے پاس ہیں اور اسی شخص کا تذکرہ ہو رہا ہے اور اسکو اسکے قتل پر اُبھار رہے ہیں۔ میں نے عرض کی: والاجاہ! خدا آپ کا ناصر و مددگار رہو اور ہر معاملہ میں آپ کو اپنے محبوب و پسندیدہ راستہ پر چلاتا رہے۔ دیکھیئے ہر انسان پر تین سو چھیاسٹھ فرشتے تعینات ہیں جو شخص کسی ایک ذات کو بھی ناحق قتل کرے گا تو مقتول کی ذات کے فرشتوں کی اتنی کثیر تعداد کا اس کے سوا کوئی مشغلہ نہیں ہوتا کہ قاتل پر لعنت کرتے رہیں کہ اس نے ذات کو قتل کر کے اُن کو بلا وجہ باہر نکالا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ فرشتوں کی دعا مقبول و مستجاب ہے۔ لہٰذا والاجاہ کو اس بددعا سے بچنا چاہیئے۔ مزید برآں ہر ذات پر سات بزرگ فرشتے بغرض محافظت و کتابت اعمال تعینات ہیں۔ پس جب کوئی ذات بلا وجہ قتل کی جائے تو ان فرشتوں کا اب صرف یہی کام ہوتا ہے کہ مقتول کے اعمالنامہ سے اس کی خطاؤں کو منتقل کر کے قاتل کے اعمال نامہ میں لکھ دیں اور قاتل نے جو بھی عمل نیک کیا ہو وہ اس کے اعمال نامہ سے منتقل کر کے مقتول کے اعمال نامہ میں درج کریں۔ قاتل کے مرتے دم تک ان کا یہی شغل رہتا ہے۔ پھر اس کے مرنے کے بعد اس کی بدیوں کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور فرشتوں کا ذکر بارش کا حکم رکھتا ہے۔ ہر ذکر کے ساتھ خیر نازل ہوتی ہے لیکن اگر کسی کا بدی سے نام لیں تو اس پر برائی نازل ہوتی ہے لہٰذا مقتول کا تذکرہ بھلائی کے ساتھ کرتے ہیں اور اس پر خیر و برکت کا نزول ہوتا رہتا ہے اور قاتل کا تذکرہ برائی کے ساتھ کرتے رہتے ہیں اور اس پر آفات برستی رہتی ہیں۔ اے بادشاہ کیا آپ اس سے نہیں ڈرتے؟ بادشاہ نے جواب دیا کہ ان علماء نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ انہوں نے قتل کا فتویٰ دینے میں جلدی کی ہے۔ انہیں چاہیئے تھا کہ اس کے لفظ اور نیت دونوں پر غور کر لیتے۔ اگر الفاظ اس کے قتل کا تقاضا کرتے ہوں تو اس کی نیت و مراد معلوم کی جاتی ہے۔ اگر اس کی نیت صحیح ہوئی تو اس پر قتل کا حکم نہیں لگ سکتا تھا۔ لہٰذا کسی کو بھیج کر اُس شخص کو بلوا لیا جائے اور اس کی نیت معلوم کر لی جائے۔ علماء نے کہا ہاں بالکل ٹھیک ہے اور ہمیں اس پر ضرور عمل کرنا چاہیئے چنانچہ اُسے بلایا گیا اور اس سے پوچھا گیا کہ تمہاری اس سے کیا مراد تھی؟ دیکھا تو اس کی مراد درست تھی جس سے اس پر قتل کا حکم نہ کیا جا سکتا تھا لہٰذا اسے رہا کر دیا گیا۔

Marfat.com

میں نے حضرت دباغ سے دریافت کیا کہ رہا ہونے کے بعد کیا ہوا؟ فرمایا جس بھائی نے اُسے رہا کرایا تھا اسی نے اس کا سِرّ سلب کر دیا اور اسے منجملہ عوام کے بنا دیا اور تمام وہ سِرّ جو شیخ نے اسے عطا کیا تھا، اُس سے لے لیا۔

میں نے عرض کیا کہ پہلے اور دوسرے قصہ والوں کا قتل ہونے کے بعد کیا انجام ہوا۔ فرمایا: اُن کی موت ولایت پر ہوئی مگر تیسری حکایت والا کفر پر مرا۔

پانچویں حکایت ایک نے کہا۔ میرا ایک مرید تھا جو بارہ برس سے میری خدمت کر رہا تھا۔ مرید سخی اور صاحب کرم بھی تھا۔ اس نے مجھ پر اور اپنے غریب برادرانِ طریقت پر ایک بھاری رقم خرچ کر دی تھی۔ میرا ایک بھائی شاہی ملازم تھا۔ ایک مرتبہ سلطان اس پر ناراض ہو گیا اور اُسے اس قدر بھاری جرمانہ کر دیا جس کے ادا کرنے کی اس میں طاقت نہ تھی۔ چونکہ عام لوگ میری تعظیم و تکریم کرتے تھے اس لئے حکومت[ع] مجھے کوئی نقصان نہ پہنچا سکی۔ مرید نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر کہا کہ حضرت یا تو مجھے سِرّ عطا کر دیجئے یا جو رقم کثیر مَیں نے آپ پر اور آپ کے ساتھی فقیروں پر خرچ کی ہے وہ سب ادا کیجئے ورنہ تجھے حکومت میں بلا لیں گے۔ ان تینوں میں سے جو بات پسند ہو اختیار کر لیں۔ میں نے کہا: ارے اللہ سے ڈر۔ اللہ تعالیٰ تجھے عنقریب سِرّ عطا کر دے گا۔ جیسا کہ تو چاہتا ہے بلکہ تمہاری توقع سے بھی زیادہ۔ اگر تجھے میرے کلام میں شک ہو تو میں اللہ کا عہد و میثاق دیتا ہوں۔ مگر میری باتوں سے اس کی سرکشی اور میری ایذارسانی پر برانگیختگی اور بھی زیادہ ہو گئی اور کہنے لگا خدا کی قسم جب تک تمام وہ رقم جو میں نے تم پر خرچ کی ہے نہ دو گے، نہیں چھوڑوں گا ورنہ تجھے حکومت میں بلاؤں گا اور اگر حکومت کو پتہ چل جاتا تو مجھے نہ چھوڑتے۔ اس نے لبطریقِ سابق مجھ سے کلام کیا اور وہی الفاظ دہراتا گیا۔ پھر میں نے سربسجود ہو کر اس کے لئے سِرّ کی دعا کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے سِرّ عطا فرما دیا۔ ابھی تھوڑے دن ہی گزرے تھے کہ اسے ایک چیز دکھائی دی جس کو اللہ نے تمام بندوں کی عقلوں سے مخفی رکھا تھا۔ کیونکہ وہ اُسے برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔ یہ شخص راز کی باتیں لوگوں سے بیان کرنے لگا۔ لوگوں نے اس سے یہ باتیں سُن کر اس کے خلاف شہادتیں دیں اور اسی وقت اسے قتل کرا دیا۔ اور اگر وہ صبر کرتا یہاں تک کہ اسے سِرّ ذات حاصل ہوتا جس سے سِرّ ولایت ہمیشہ ساتھ رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے توفیق بخشتا۔ اور اسرار ولایت کا کہیں تذکرہ نہ کرتا لیکن جب اس نے عجلت کی تو اللہ نے اسے سزا دی۔ اس پر میں نے حضرت شیخ سے پوچھا یہ شخص کس حال پر مرا، فرمایا۔ ولایت ہی پر مرا۔ اس پر میں نے اللہ کا شکریہ ادا کیا۔

ع اصل کتاب میں مخزن کا لفظ ہے جو مراکشی زبان میں حکومت (government) کے معنوں میں مستعمل ہے (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام۔ مقالہ مخزن)

Marfat.com

جو اسرار ان لوگوں کی موت کا سبب بنے ہیں نے اپنے شیخ سے سب سنے تھے مگر ان کو اس لئے تحریر نہیں کیا کہ یہ وہ اسرار الٰہیہ ہیں جو قابلِ بیان نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں کے کرنے کی توفیق دے جنہیں وہ پسند کرتا ہے۔ ہمارے شیخ کی برکت سے اور اس کی پاک نسب کی برکت سے آمین۔

ہم اتنی ہی حکایات پر اکتفا کرتے ہیں تا کہ لوگ اکتا نہ جائیں۔ خدا توفیق دینے والا ہے۔

تیسری فصل

شیخ کی بعض کرامات کا بیان

یاد رکھیں کہ ہمارے شیخ عجیب و غریب ہستی تھے اور ایسے انسان کو کرامت کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ آپ تو مجسم کرامت تھے کیونکہ باوجود اُمّی محض ہونے کے کہ قرآن تک بھی حفظ نہ تھا چہ جائیکہ کوئی علم پڑھا ہو اور باوجودیکہ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کسی مجلس درس میں آپ کو دیکھا نہ گیا تھا پھر بھی ایسے علوم پر بحث کرتے تھے جن پر بحث کرنے سے بڑے بڑے فاضل بھی قاصر ہوں اور جو کچھ بھی فرماتے معقول و منقول کے مطابق ہوتا۔

کرامت اوّل سلامتِ عقیدہ سب سے پہلے ہم اس کرامت کا ذکر کرتے ہیں جس سے بڑھ کر کوئی کرامت نہیں اور وہ صحیح العقیدہ ہونا ہے۔ جب مجھے آپ کی صحبت نصیب ہوئی تو میں نے آپ سے توحید کے متعلق آپ کا عقیدہ دریافت کیا۔ آپ نے اہل سنۃ والجماعت کا عقیدہ بیان فرمایا اور اس میں سے ایک بات بھی نہ چھوڑی۔ ایک بار فرمایا کسی بندہ کو فتح (کشفِ صدر) نصیب ہی تب ہوتی ہے کہ وہ اہلِ السنت والجماعت کے عقیدہ پر ہو اور اللہ کا کوئی ولی بھی کسی دوسرے عقیدہ کا نہیں ہوا۔ اور اگر فتح سے پہلے کسی دوسرے عقیدہ پر تھا بھی تو فتح کے بعد اس کے لئے اس عقیدہ سے توبہ کرنا اور اہل السنت کے عقیدہ پر آنا ضروری ہے۔ میں (احمد بن المبارک) کہتا ہوں کہ بدر الدین زرکشی[1] نے تاج الدین السبکی[2] کی کتاب جمع الجوامع کی شرح میں

ع۱ بدر الدین زرکشی: بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشی شافعی بزرگ ہیں۔ ان کی وفات ۷۹۴ھ = ۱۳۹۱ء میں ہوئی۔ انہوں نے تاج الدین سبکی کی کتاب جمع الجوامع کی شرح لکھی ہے جس کا نام تشنیف المسامع رکھا (کشف الظنون ۵۰۳/۱)

ع۲ ابو نصر عبد الوھاب بن علی تاج الدین سبکی ۷۲۷ھ = ۱۳۲۵ء میں پیدا ہوئے اور ۷۷۱ھ = ۱۳۷۰ء میں وفات پائی۔ یہ شافعی بزرگ تھے اور انہوں نے بہت سی تصانیف کیں۔ ان کی جمع الجوامع اصول فقہ کی کتاب ہے۔

Marfat.com

ایسا ہی ذکر کیا ہے۔

میں نے حضرت ممدوح کو ہمیشہ اہلِ سنّت کی تعریف کرتے ہوئے سُنا۔ فرماتے تھے کہ مجھے اہلِ سنّت سے بہت زیادہ محبت ہے اور اللہ سے دعا مانگا کرتا ہوں کہ ان ہی کے عقیدہ پر وفات ہو۔

پھر میں ان سے دیگر مذہب والوں کے شبہات پیش کرتا۔ آپ ان شبہوں کو بڑی اچھی طرح سے سمجھ لیتے اور پھر اس طرح ان کا جواب دیتے گویا کہ کوئی اپنی آنکھوں سے تمام اُمور کو دیکھ رہا ہو۔ چنانچہ ہم نے امرِ ربوبیت اور سرِّ الوہیت کی وہ وہ باتیں ان سے سنیں جو کبھی آنکھوں نے دیکھیں، نہ کانوں نے سنیں اور نہ کبھی ہماری عقلوں پر ان کا گذر ہوا حالانکہ معقول و منقول کے حاصل کرنے میں اس قدر زور لگایا تھا، یہاں تک کہ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ توفیق بخشتا اور وہ ان باتوں کا آپ سے مذاکرہ کرتا اور اہلِ ہوا فرقوں کے شبہوں کے جواب سنتا تو اسے قوّتِ ایمان حاصل ہو جاتی اور وہ اس قابل ہو جاتا کہ بہتّر فرقوں کے شبہات کو حل کر سکتا۔

ایک مرتبہ کشف و عیان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ہم تو انہی باتوں پر ایمان لائے ہیں جنہیں ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ کیا بے دیکھی چیز پر بھی کوئی ایمان لا سکتا ہے؟ اس لئے کہ وسواس تو بغیر دیکھے دُور نہیں ہو سکتے۔

احادیثِ صفات کے متعلق سوال

پھر میں نے آپ سے احادیثِ صفات[ع] کے متعلق دریافت کیا کہ سلف کے طریقے کے مطابق ان میں "تفویض" واجب ہے، یا "تاویل" جیسا کہ متاخّرین کا طریقہ ہے؟ فرمایا "تفویض" ہی ضروری ہے۔ شانِ خداوندی اس قدر عظیم ہے کہ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اور نہ

ع احادیث الصفات وہ احادیث ہیں جن میں اللہ کے ہاتھ، پاؤں آنکھ، انگلی وغیرہ کا ذکر آیا ہے۔ مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق خدا کا کوئی جسم نہیں کہ اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ ہوں لیکن اس کے باوجود خود قرآن مجید میں بھی، اور احادیث میں بھی اللہ کی طرف ہاتھ پاؤں وغیرہ منسوب کئے گئے ہیں۔ اس بارے میں محدّثین کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک متقدّمین کا اور دوسرا متاخّرین کا۔ متقدمین نے معاملہ خدا اور رسول پر چھوڑا اور کہدیا کہ ہمیں علم نہیں ہم تو اسی طرح مانتے ہیں جیسا کہ ان احادیث میں آیا ہے۔ ان کی حقیقی کیفیت کا علم خدا کو ہی ہے۔ اسے "تفویض" کہتے ہیں یعنی "معاملہ کو خدا کے سپرد کر دینا"۔ متاخّرین ان احادیث کی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہاتھ سے مراد قوّت ہے۔ سننے سے مراد علم ہے وغیرہ اور یہ دونوں طریقے اہلِ سنّت کے ہیں۔ حضرت سے یہی پوچھا گیا تھا کہ ان میں سے بہتر کون سا طریقہ ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ سوال کون شخص کر رہا ہے۔ سوال کرنے والا ایک عالم ہے اور پھر ہے بھی اہلِ باطن میں سے۔ جواب دینے والا غوثِ زمان ہے لہٰذا ان کا جواب اہلِ دل کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ اب رہے عوام اور اہلِ ظاہر تو ان کے لئے "تاویل" کا طریقہ زیادہ مناسب ہے۔ ۱۲

Marfat.com

ہی اس کی کسی ایک بات کی حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔

جنت کی نعمتوں کی حقیقت دنیا والے معلوم نہیں کر سکتے

پھر فرمایا کہ اگر دنیا والے جنّت کی نعمتوں کے متعلق جو کچھ بھی سنتے ہیں، اس کی حقیقت کو دریافت کرنا چاہیں تو ان کے لئے یہ ممکن نہ ہوگا کیونکہ جنت کے انگور دنیا کے انگوروں جیسے نہیں ہیں، نہ ہی وہاں کی کھجور یہاں کی کھجور کی سی ہے اور نہ ہی سونا سونے جیسا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کسی بندہ کی باطنی آنکھیں کھول دے اور وہ اہلِ جنّت کے سونے اور دنیا کے سونے کو دیکھے، وہاں کے انگور اور دنیا کے انگور کو دیکھے تو ان کی حقیقت میں انتہا درجہ کا تفاوت پائے گا اور محض نام کے سوا اُن میں کسی قسم کا اشتراک نہ ہوگا۔ اسی طرح دوسری زمین کے لوگوں کا حال ہے۔ دوسری دنیا کی نعمتوں کے متعلق کہ اگر ان کے سامنے مثلاً شہد، گھی، اور روٹی وغیرہ کی چند کھانے کی چیزوں کا نام لیا جائے تو وہ شہد وغیرہ اشیاء کو بھی نہ سمجھ سکیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اشیاء دوسری زمین میں نہیں پائی جاتیں پس جب ایک حادث کا دوسرے حادث کے ساتھ یہ حال ہو تو قدیم سبحانہ تعالیٰ کا حادث کے ساتھ کیا پوچھنا۔ لہذا بندوں کے لئے ضروری ہے کہ جب وہ "احادیث صفات" میں سے کوئی حدیث سنیں تو اللہ تعالیٰ کو ظاہری مفہوم سے جو شرعاً محال ہے منزّہ سمجھیں اور اس کے حقیقی مفہوم کو اللہ کے سپرد کریں۔

احادیثِ صفات کے متعلق مؤلف کی تشریح

میں کہتا ہوں کہ تفویض ہی مذہب ہے امام مالک[1] سفیان عنیہ[2] سفیان ثوری[3] حماد بن زید[4] حماد بن سلمہ[5]، شعبہ[6]، شریک[7] ابوعوانہ[8]، ربیعہ[9]، الاوزاعی[10]، ابوحنیفہ[11]، شافعی[12]، احمد بن حنبل[13]، ولید بن مسلم[14]،

---

(۱) **امام مالک:** اہلِ سنّت کے دوسرے امام مالک بن انس بن مالک بن انس۔ امام مالک مدینہ میں ۹۳ھ = ۷۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ وہ حدیث کے امام ہیں۔ انہوں نے مدینہ ہی میں قیام کیا اور وہاں سے کسی دوسرے شہر میں نہیں گئے۔ ان کی وفات ۱۷۹ھ = ۷۹۵ء میں ہوئی۔

(۲) **سفیان عُیینہ:** ابو محمد سفیان بن عُیَینہ کوفہ میں ۱۰۷ھ = ۷۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے چار برس کی عمر میں قرآن حفظ کیا اور سات برس کی عمر میں حدیث لکھی۔ ان کا شمار کبار محدثین میں ہوتا ہے ۱۹۸ھ = ۸۱۲ء میں اکانوے برس کی عمر میں مکہ میں وفات پائی۔

(۳) **سُفیان ثوری:** سفیان بن سعید ثوری۔ انہیں حدیث کا امیرالمومنین کہا جاتا ہے۔ ۹۷ھ = ۷۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۵۵ھ = ۷۷۲ء میں کوفہ سے بصرہ چلے گئے اور وہیں ۱۶۱ھ = ۷۷۶ء میں وفات پائی۔ نہایت ہی عابد و زاہد تھے۔

(۴) **حماد بن زید:** مشہور ثقہ راوی اور عالم تھے۔ انہوں نے ثابت بنانی وغیرہ سے روایت حدیث کی اور ان سے عبداللہ بن مبارک اور دیگر محدثین نے۔ یہ نابینا تھے ۱۹۹ھ = ۸۱۳ء میں وفات پائی۔

(۵) **حماد بن سلمہ:** حماد بن سلمہ بن دینار، مشہور بصرہ کے عالم حمید الطویل کے بھانجے تھے۔ انہوں نے بکثرت روایت حدیث کی۔ ان کی وفات ۱۶۷ھ = ۷۸۳ء میں ہوئی۔ (بقیہ حواشی صفحہ ۲۵)

Marfat.com

بخاریؒ(۱)، ترمذیؒ(۲)، ابن المبارکؒ(۳)، ابن ابی حاتمؒ(۴) اور یونسؒ(۵) بن عبدالاعلیٰؒ کا۔

بقیہ صفحہ ۲۴

---

(۶) شعبہؒ: شعبہ بن حجاج انہیں امیرالمومنین فی الحدیث والروایۃ کہا جاتا تھا۔ نہایت عابد و زاہد تھے۔ ان کے اقوال مشہور ہیں۔ سنہ ۱۶۰ھ = ۷۷۶ء میں ستانویں برس کی عمر میں وفات پائی۔

(۷) شریکؒ: شریک بن شہاب۔ ان کا شمار تابعین میں ہوتا مگر یہ زیادہ مشہور نہیں ہیں سنہ ۱۴۰ھ = ۷۵۷ء میں وفات پائی۔

(۸) ابوعوانہؒ: ابوعوانہ وضاح بن خالد البزّار حافظ حدیث اور ثقہ تھے۔ انہوں نے حسن بصری اور ابن سیرین سے ملاقات کی۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں ان کی لکھی ہوئی حدیثیں صحیح ہیں مگر جب حافظہ سے حدیث بیان کرتے ہیں تو انہیں وہم پیدا ہو جاتا ہے۔ سنہ ۱۷۶ھ = ۷۹۲ء میں بصرہ میں ان کی وفات ہوئی۔ محدثین میں ایک اور حافظ حدیث ابوعوانہ ہیں۔ جن کا نام یعقوب بن اسحاق اسفرائنی ہے۔ انہوں نے ایک صحیح احادیث کی مسند مسلم کی صحیح کے طرز پر لکھی ہے۔ ان کی وفات سنہ ۳۱۶ھ = ۹۲۸ء میں ہوئی۔

(۹) ربیعہؒ: ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن مدینہ کے فقہاء میں سے تھے۔ ان سے امام مالکؒ نے روایت کی ہے سنہ ۱۳۶ھ بمطابق ۷۵۳ء میں وفات پائی۔

(۱۰) الاوزاعیؒ: عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی سنہ ۸۸ھ = ۷۰۵ء میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۵۷ھ = ۷۷۴ء میں وفات پائی۔ ان کی وفات اس طرح ہوئی کہ یہ بیروت میں حمام میں گئے اور حمام والا دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ واپس آیا تو یہ مرے پڑے تھے۔ خلفاء ان کی بہت تعظیم کرتے تھے۔

(۱۱) ابوحنیفہؒ: ابوحنیفہ نعمان بن ثابت۔ ان کی پیدائش سنہ ۸۰ھ = ۶۹۹ء میں ہوئی اور سنہ ۱۵۰ھ = ۷۶۷ء میں وفات پائی۔ اہل سنت کے پہلے امام ہیں۔ اور ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ زہد و تقویٰ میں بے نظیر تھے۔

(۱۲) شافعیؒ: محمد بن ادریس شافعی۔ اہل سنت کے تیسرے امام ہیں۔ سنہ ۱۵۰ھ = ۷۶۷ء میں پیدا ہوئے اور سنہ ۲۰۴ھ = ۸۱۹ء میں وفات پائی۔ اتباعِ حدیث پر سختی سے کاربند تھے۔ ان کے مناقب بیشمار ہیں۔

(۱۳) احمد بن حنبلؒ: ابوعبداللہ احمد بن حنبل۔ اہل سنت کے چوتھے امام تھے۔ امام شافعی کے شاگرد تھے۔ علم و تقویٰ میں اپنے زمانے میں نظیر نہ رکھتے تھے سنہ ۱۶۴ھ = ۷۷۹ء میں بغداد میں پیدا ہوئے اور سنہ ۲۴۱ھ = ۸۵۵ء میں وفات پائی۔

(۱۴) ولید بن مسلمؒ: امام اور حافظ حدیث تھے۔ ان کی پیدائش سنہ ۱۱۹ھ = ۷۳۷ء میں ہوئی۔ امام احمد بن حنبل، اسحاق وغیرہ نے ان سے روایت کی۔ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں فرماتے ہیں کہ ان کے علم اور حافظہ میں کوئی کلام نہیں مگر یہ تدلیس کرتے ہیں اسی لئے جب تک صراحۃً سماع کا ذکر نہ کریں ان کی حدیث کو دلیل نہ سمجھنا چاہیئے سنہ ۱۹۵ھ = ۸۱۰ء میں انکی وفات ہوئی۔

بقیہ صفحہ ۲۵

(۱) بخاریؒ: ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری سنہ ۱۹۴ھ = ۸۰۹ء میں پیدا ہوئے اور ۲۵۶ھ = ۸۶۹ء میں وفات پائی۔ ان کی کتاب صحیح بخاری کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے۔ بڑے متقی اور زاہد و عالم تھے۔

(۲) ترمذیؒ: محمد بن عیسیٰ ترمذی سنہ ۲۰۹ھ = ۸۲۴ء میں پیدا ہوئے اور سنہ ۲۷۹ھ = ۸۹۲ء میں ستر برس کی عمر میں وفات پائی ان کی کتاب جامع ترمذی صحاح ستہ میں شمار کی جاتی ہے۔

(۳) ابن المبارکؒ: عبداللہ بن المبارک۔ علماء ربانیین میں سے تھے۔ ان کی پیدائش سنہ ۱۱۸ھ = ۷۳۶ء میں ہوئی اور وفات سنہ ۱۸۱ھ = ۷۹۷ء میں۔

(۴) ابن ابی حاتمؒ = ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم۔ علوم اور معرفتِ رجال میں انہیں سمندر سمجھا جاتا تھا۔ زاہد تھے

Marfat.com

اور یہی قرونِ ثلاثہ کے لوگوں کا قول ہے جو بہترین و افضل لوگ ہیں۔ یہاں تک کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمد[۱] بن الحسن الشیبانیؒ فرماتے ہیں۔ مشرق سے لے کر مغرب تک تمام فقہاء کا رب کی صفات کے بارے میں قرآنی آیات پر نیز اُن احادیث پر جنہیں ثقہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے بلا تشبیہ و تفسیر ایمان ہے۔

امام الحرمین[۲] رسالہ نظامیہ میں کہتے ہیں۔ ان ظواہر کے متعلق علماء کے مسلک مختلف ہیں۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ ان کی تفسیر کی جائے اور انہوں نے قرآن کی آیات اور صحیح حدیثوں میں اسی کا التزام کیا ہے۔ لیکن ائمہ سلف کی یہ رائے ہے کہ ان کی تاویل سے باز رہیں، اور ان کے معانی اللہ کے سپرد کریں۔ ہمارے نزدیک پسندیدہ رائے اور جو کچھ بھی اللہ کے متعلق ہمارا عقیدہ ہے وہ یہی ہے کہ ائمہ سلف کی تابعداری کی جائے کیونکہ اجماعِ امت کا حجت ہونا قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے اور اگر ان ظواہر کی تاویل کرنا ضروری ہوتا تو یقیناً ان کو ان ظواہر کا فروعِ شریعت سے زیادہ اہتمام ہوتا۔ لہذا جب صحابہ اور تابعین کا زمانہ اسی بات پر گذرا کہ وہ تاویل کرنے سے گریز کریں تو ہمارے لئے بھی یہی قابلِ اتباع طریقہ ہے۔

حافظ ابنِ حجر[۳] فرماتے ہیں کہ قرونِ ثلاثہ کے لوگوں کا قول نقل ہو چکا اور وہ مثلاً یہ لوگ ہیں: الثوریؒ،

بقیہ صفحہ ۲۵

اور ان کا شمار ابدال میں ہوتا ہے۔ ان کی وفات ۳۲۷ھ = ۹۳۸ء میں ہوئی۔

۵۔ یونس بن عبد الاعلیؒ۔ عالمِ مصر تھے۔ ۱۷۰ھ = ۷۸۶ء میں ان کی پیدائش ہوئی۔ انہوں نے ورش وغیرہ سے قرآن پڑھا اور سفیان بن عیینہؒ، ولید بن مسلم وغیرہ سے حدیث سنی۔ ان کی وفات ۲۶۴ھ = ۸۷۷ء میں ہوئی۔

حواشی صفحہ ۲۶

(۱) محمد بن حسن شیبانیؒ: واسط میں ۱۳۲ھ = ۷۴۹ء میں پیدا ہوئے اور کوفہ میں نشوونما پائی۔ امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ ۱۸۹ھ = ۸۰۴ء میں مقام رے میں وفات پائی۔

(۲) امام الحرمینؒ: ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ الجوینی المعروف بامام الحرمین۔ اپنے والد سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور فقہ، اصول اور کلام میں نیشاپور بلکہ کل مشرق کے امام ہو گئے۔ مکہ میں چار سال تک مجاورت کی اور وہیں سے امام الحرمین کا لقب حاصل کیا۔ ان کی تصنیفات میں فقہ کی ایک کتاب نہایہ ہے۔ ان کی وفات ۴۷۸ھ = ۱۰۸۵ء میں ہوئی۔

(۳) ابن حجرؒ: ابن حجر عسقلانی صحیح بخاری کے مشہور شارح ہیں۔ شرح کا نام فتح الباری ہے جس کا ذکر کئی بار اس کتاب میں آیا ہے۔ انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے ایک اصابہ فی تمیز الصحابہ ہے ۸۵۳ھ = ۱۴۴۹ء میں وفات پائی۔

(۴) لیثؒ: لیث بن سعد ابو الحارث۔ یہ اہلِ مصر کے فقیہ تھے ۹۴ھ = ۷۱۳ء میں مصر میں پیدا ہوئے۔ بہت سی مخلوق نے ان سے روایت حدیث کی۔ بہت بڑے مالدار تھے مگر کبھی زکوٰۃ فرض نہیں ہونے دی یعنی سب کچھ صدقہ و خیرات کیا کرتے تھے۔ ۱۷۵ھ = ۷۹۱ء میں وفات پائی۔

Marfat.com

الاوزاعیؒ، مالکؒ، لیثؒ[1] اور ان کے ہمعصر لوگ اور ان کے شاگردوں کا بھی یہی مسلک ہے۔ لہذا جس بات پر قرونِ ثلاثہ کے لوگ متفق ہوں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق تمام قرنوں سے بہتر و افضل ہیں تو اس پر اعتماد کیسے نہ کیا جائے۔" لہذا ہمارے شیخ کا عقیدہ وہی قرونِ ثلاثہ کے لوگوں کا عقیدہ ہے اور یہی سب سے بڑی کرامت ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ناصر الدین ابن المنیر[2] کا قول ہے: صحیح عقیدہ[3] پر استقامت ہی ضمنی طور پر کرامت ہوتی ہے، برخلاف دیگر خوارق کے کیونکہ وہ کبھی رحمت ہوتے ہیں اور کبھی فتنہ۔

ان باتوں کے سننے کے بعد یاد رکھو کہ جس قدر کہ ہم نے حضرت شیخ کی کرامات اور کشف دیکھے ہیں وہ احاطہ سے باہر ہیں لہذا ہم یہاں کچھ تھوڑے سے ذکر کرتے ہیں۔

دوسری کرامت شیخ سے ابھی میری ابتداء معرفت ہی تھی کہ میرا ایک بیٹا مر گیا۔ اس کی والدہ کو اس کا بہت غم ہوا۔ اس سے پہلے ایک اور بیٹا مر چکا تھا۔ میں نے اسے تسلی دینی شروع کی اور کہا میں نے خانقاہ مخفیہ کے بزرگ احمد بن عبداللہ کو کہتے ہوئے سنا کہ جب میں بچوں کو دیکھتا ہوں اور ان پر آئندہ اترنے والی مصیبتوں کو دیکھتا ہوں تو ان پر مجھے رحم آتا ہے لیکن جو بچے مر جاتے ہیں وہ ان مصائب سے بچ جاتے ہیں۔ اور تمہارا بچہ بھی مر گیا ہے (لہذا وہ آئندہ کی مصیبتوں سے بچ گیا) یا اسی طرح کی اور باتیں کہیں جن سے اسے تسلی ہو جائے اور اسے صبر آ جائے۔ دوسرے دن صبح کے وقت میں حضرت کی خدمت میں گیا۔ فرمایا: تم نے کل رات اپنی بیوی سے ایسی ایسی بات کہی اور جو قول میں نے احمد بن عبداللہ کا نقل کیا تھا وہی دہرایا۔ میں سمجھ گیا کہ جو بات گھر کے اندر مجھ سے واقع ہوئی اُسے انہوں نے کشف سے معلوم کر لیا ہے

تیسری کرامت حضرت ممدوح سینہ کی کسی تکلیف کے سبب لونگ کھایا کرتے تھے۔ لہذا ان سے لونگ کی خوشبو آیا کرتی تھی۔ جب میں ان کے پاس دن کے وقت ہوتا تو اسے اکثر سونگھا کرتا۔ جب آپ سانس لیتے تو لونگ کی خوشبو سانس کے ساتھ بھی آیا کرتی۔ پھر جب میں رات کو اپنے گھر میں ہوتا تو یہی خوشبو مجھے رات کو بھی آتی رہتی حالانکہ دروازے بند ہوتے اور حضرت ممدوح رأس الجبان کے محلہ میں ہوتے اور میرا مکان بکر نفر کے محلہ میں تھا اور یہ خوشبو کئی بار ہمیں آتی میں نے

ع۱ قرونِ ثلاثہ سے مراد صحابہ و تابعین، اور تبع تابعین کا زمانہ ہے۔

ع۲ بلا تشبیہ و تفسیر سے مراد یہ ہے کہ وہ خدا کی ان صفات کی انسان یا غیر کے اعضا سے تشبیہ نہیں دیتے اور نہ ہی دینی چاہیے کیونکہ اللہ انسان کی طرح تو نہیں ہے اور نہ ہی اس کی تشریح کرتے ہیں۔

امام ناصر الدین علی بن محمد بن المنیر اسکندرانی انہوں نے دس ضخیم جلدوں میں بخاری کی شرح لکھی ہے۔ اور ابن بطال کی شرح پر حواشی لکھے ہیں۔ ان کی ایک اور کتاب انتصاف ہے۔

ع۳ ابوالحسن شاذلی فرماتے ہیں: ایمان اور اتباع سنت سے بڑھ کر کوئی کرامت نہیں ہو سکتی جسے یہ حاصل ہو جائے اور پھر وہ کسی اور چیز کے پیچھے پھرنے لگے تو وہ مفتری اور کذاب ہے (لواقح الانوار فی طبقات الاخیار ج ۲ : ۶)

Marfat.com

اس پر غور کیا اور اپنی بیوی سے اس کا ذکر کیا۔ اسے حضرت سے بڑی محبت تھی اور اسی طرح حضرت کو بھی اس سے بڑی محبت تھی۔ ایک مدّت درازتک یہ خوشبو آتی رہی۔ ایک دن میں نے حضرت سے ذکر کیا کہ آپ کی خوشبو رات کے وقت ہمیں آتی ہے اور ہم اکثر اسے سونگھتے رہتے ہیں کیا آپ ہمارے پاس ہوتے ہیں؟ فرمایا "ہاں" میں نے ہنسی کے طور پر کہا کہ میں خوشبو کو پکڑنے کے بہانے آپ کو پکڑ لیا کروں گا۔ انہوں نے بھی ہنسی میں جواب دیا میں گھر کے کسی اور گوشہ میں ہو لوں گا۔ ایک بار پھر میں نے خوشبو کا ذکر کیا، تو فرمایا یہ تو سونگھنا ہوا، شوق کہاں ہے۔

ایک مرتبہ مجھے فرمایا۔ میں نہ دن کو نہ رات کو تم سے جدا ہوتا ہوں۔

ایک اور بار فرمایا: اگر ایک گھنٹہ میں پانچ سو مرتبہ تمہارا خیال نہ کرتا ہوں تو تو مجھے خدا کے ہاں پکڑ لینا۔

ایک بار میں نے عرض کیا اے میرے آقا میں نے خواب میں اپنے آپ کو اور آپ کو ایک ہی کپڑے میں دیکھا ہے۔ فرمایا یہ تو سچا خواب ہے۔ آپ کا اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ وہ کبھی بھی نہ دن میں نہ رات مجھ سے جدا نہیں ہوتے۔

ایک بار فرمایا: آج رات تمہارے پاس آؤں گا، ذرا دھیان رکھنا۔ جب رات کا آخری چھٹا حصہ ہوا اور میں کچھ سو رہا تھا، کچھ جاگ رہا تھا، تو آپ آگئے۔ جب آپ قریب آئے، تو میں نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور بوسہ دینے کا ارادہ کیا۔ جب میں نے آپ کے ہاتھ اور سر کو بوسہ دیا تو آپ غائب ہوگئے۔

چوتھی کرامت ایک بار سلطان نے فرمان جاری کیا اور دو قاصد بھی ساتھ بھیجے تاکہ میں مکناسہ جاکر الریاض کی جامع مسجد میں امامت کراؤں۔ اس سے مجھے اس قدر پریشانی ہوئی جس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ حضرت کو اس کا علم ہوا، تو فرمایا۔ ڈرو نہیں، جب تم مکناسہ جاؤ گے تو میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ لیکن ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ جو بات سلطان چاہتا ہے وہ نہ ہوگی۔ میں ان دونوں قاصدوں کے ساتھ مکناسہ گیا۔ اللہ کی مرضی سے معاملہ خیر سے گذر گیا اور اسی طرح ہوا جس طرح کہ شیخ نے فرمایا تھا۔ میں فاس (فیض) میں اپنے گھر واپس آگیا۔ جب میرے خسر فقیہ محمد بن عمر نے میری آمد کا سنا تو مجھے لکھا: تم مکناسہ گئے اور سلطان سے نہ ملے اور نہ باقاعدہ استعفا دیا۔ معلوم نہیں تم پر کیا عتاب نازل ہو۔ مناسب ہے کہ فوراً مکناسہ واپس جاؤ اور سلطان سے ملو۔ اور مسجد مذکور کی امامت پر رضامندی کا اظہار کرو۔ اس کے سوا کسی اور رائے پر عمل نہ کرنا۔ میں خط لے کر شیخ کے پاس آیا۔ فرمایا: اپنے گھر بیٹھے رہو۔ کسی قسم کا خطرہ نہیں اور ایسا ہی ہوا جیسا کہ شیخ نے فرمایا تھا۔

یہ ایک عجیب و غریب کرامت ہے۔ اگر میں حکایت کو کھول کر بیان کروں تو اس کا انوکھا پن

Marfat.com

ظاہر ہو جائے۔ یہاں تک کہ میں نے ایک قریبی دوست کو کہتے سنا کہ ہم نے اس سے عجیب تر بات نہیں دیکھی۔ سلطان نے تجھے بلا بھیجا اور تاکید بھی کی اور اپنے دو قاصد بھی بھیجے جو تجھے لے کر آئے پھر تم نے اس سے ملاقات بھی نہیں کی اور سلطان کی پرواہ کیے بغیر فاس واپس چلے گئے۔ یہ عجیب بات ہے۔ اور یہ سب حضرت کی برکت تھی۔

پانچویں کرامت میری بیوی حاملہ تھی۔ حضرت نے فرمایا: لڑکا ہو گا۔ جب نواں مہینہ ہوا اور اس کی عادت نویں مہینہ کی ابتدا میں بچہ جننے کی تھی۔ اسے درد اُٹھا۔ ہم نے سمجھا کہ دردِ زہ ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ درد کسی اور مرض کا درد ہے۔ ولادت تو ابھی دُور ہے۔ چنانچہ جیسا حضرت نے فرمایا تھا۔ ویسا ہی ہوا۔

چھٹی کرامت ایک دفعہ مولانا محمد مُبَّارہ سے میری ملاقات ہوئی اور انہوں نے حضرت شیخ کے لئے چار موزونے دیے۔ اس کے بعد مجھے حضرت نے فرمایا محمد میارہ بڑی چیز ہیں۔ جیب میں ہاتھ ڈالا تو بُرے موزونے نکلے لہذا ان کو لوٹا کر دوبارہ اچھے موزونے نکالے اور ہمیں دئے۔ میں مولانا محمد میارہ سے ملا تو حضرت کا فرمان بیان کیا۔ کہا بالکل ٹھیک ہے۔ پہلے کھوٹے موزونے نکلے تھے میں نے ان کو لوٹا دیا اور پھر کھرے نکال کر پیش کئے۔

فقیہ مذکور سے ایک روز باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک شخص کا ذکر ہوا جس کے بارے میں فقیہ مذکور اچھی رائے رکھتے تھے۔ ان کے متعلق جو میں جانتا تھا وہ میں نے ذکر کر دیا۔ شیخ نے فرمایا جب تو نے اس شخص کے متعلق باتیں بیان کیں تو فقیہ مذکور کی انتڑیاں بھی پیٹ میں نیک نیتی کی وجہ سے لرزنے لگ گئی تھیں۔ جب میری ملاقات فقیہ مذکور سے ہوئی تو حضرت کا قول نقل کیا۔ کہا آپ نے سچ فرمایا ہے۔ ایسا ہی ہوا تھا۔

ساتویں کرامت حضرت کا صاحبزادہ ادریس سخت بیمار پڑ گیا، جس سے ان کی والدہ سخت فکر مند ہوئیں۔ ایک دن میں مغرب کے بعد گیا تو دیکھا کہ مرض کی شدت کی وجہ سے وہ کلام بھی نہ کر سکتا تھا۔ مجھے بھی فکر دامن گیر ہوئی۔ جب نکلا تو حضرت نے فرمایا کہ یہ اس مرض سے نہیں مرے گا اور یہ عنقریب صحت یاب ہو گا جیسا حضرت نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔

اسی طرح کا واقعہ ان کی بیٹی فاطمہ سے پیش آیا۔ وہ بیمار پڑ گئی اور بیماری نے طول پکڑا۔ حضرت نے مجھ سے فرمایا یہ مرے گی نہیں عنقریب صحت یاب ہو گی اور ایسا ہی ہوا۔

اسی طرح میں حضرت کے ساتھ محمد میارہ کے بیٹے کی عیادت کے لئے گیا اور وہ سخت بیمار تھا۔ حضرت نے فرمایا وہ اس مرض سے نہیں مرے گا اور ایسا ہی ہوا۔

اسی طرح حاجی محمد بن علی بن عبدالعزیز بن علی المرالطی السجلما سی کا بیٹا بیمار پڑ گیا اور باپ بیٹے کی حیات سے مایوس ہو گیا۔ میں نے اس کا ذکر حضرت سے کیا جب کہ ہم جامع اندلس میں سے جمعہ

Marfat.com

کی نماز پڑھ کر نکل رہے تھے اور باب الفتوح کی طرف جارہے تھے۔ حضرت نے فرمایا: کوئی بات نہیں۔ اس کی والدہ تو نہیں چاہتی کہ اس کا بیٹا مرے۔ اگر مرگیا تو ماں پر پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔ لہذا یہ نہیں مرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہ سب لوگ آج تک زندہ ہیں۔ اور آج ۲۲ ربیع الاول ۱۱۳۰ھ ہے۔

آٹھویں کرامت ایک مرتبہ ہم قطب زماں عبدالسلام بن مشیش[1] رح کی زیارت کے لئے گئے۔ ہم حضرت کے پاس ظہر کی نماز کے وقت پہنچے۔ ہمارا خیال تھا کہ آپ ہمیں اپنے پاس ٹھہرائیں گے۔ لیکن آپ نے فرمایا: سواریوں سے نہ اترنا۔ ہم شیخ کی زیارت کر کے ابھی واپس آتے ہیں۔ میں آپ کے ساتھ پہاڑ پر چڑھ کر شیخ عبدالسلام کی زیارت کے لئے گیا۔ کہنے لگے کیسی زیارت رہی اور کیا دعا مانگی۔ میں نے عرض کیا کہ اس بار تو میں محض آپ کے لئے دعا مانگتا رہا۔ جب سے زیارت کے لئے بیٹھا ہوں میں آپ ہی کے لئے دعاء خیر کر رہا ہوں اور میں نے اوروں کا تو ذکر ہی کیا، اپنے لئے بھی دعا نہیں مانگی۔ حضرت نے فرمایا اسی طرح میں نے صرف تمہارے لئے دعا کی ہے کسی اور کے لئے نہیں کی۔ مجھے اس سے انتہائی خوشی ہوئی۔ وللہ الحمد۔

پھر ہم پہاڑ سے اترے تو ہمیں شہر تطاون جانے کا حکم فرمایا۔ میں نے عرض کیا شہر تو دور ہے۔ ہم وہاں تک نہ پہنچ سکیں گے لیکن جو آپ فرمائیں وہی کیا جائے گا۔ آپ نے اصرار سے کہا تو ہم سمجھ گئے کہ آپ صحیح بات ہی فرماتے ہیں۔ ہم سواریوں پر سوار ہوئے اور صبح طلوع ہونے تک چلتے رہے اور شہر تطاون میں داخل ہوئے۔ بس شہر میں گھسنا تھا کہ آسمان نے پکھالیں کھول دیں اور اس قدر زور کی بارش ہوئی کہ الٰہی پناہ۔ دو دن تک بارش جاری رہی۔ حضرت مجھے لے کر اس گھر کی چھت پر گئے جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے۔ ابھی بارش ہو رہی تھی۔ فرمانے لگے کیا دیکھ رہے ہو کس قدر زور کی بارش ہو رہی ہے۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا اسی لئے تو میں نے تمہیں رات بھر چلایا تھا کیونکہ جب میں عبدالسلام کے مزار پر پہنچا تھا تو میں نے اسے دیکھ لیا تھا۔ اگر ان سیڑھیوں میں یہ بارش آکر ہمیں گھیر لیتی تو ہمارا کیا حشر ہوتا۔ نہ ہمارے کھانے کے لئے کچھ ہمارے پاس تھا نہ جانوروں کے کھانے کے لئے اور یہ بارش متواتر رہتی۔ میں نے عرض کیا پھر تو اگر موت سے بچ جاتے تو ہر طرح کی مشقت اٹھانی پڑتی۔ اس کے بعد میں نے آپ کا ہاتھ چوما اور عرض کیا اللہ آپ کو جزاء خیر دے۔ جب دو دن کے بعد ہم تطاون سے نکلے اور ابھی بارش انتہائی زور کی ہو رہی تھی۔ میں نے

---

[1] عبدالسلام بن مشیش: ابوالحسن شاذلی کے پیر تھے۔ ابوالطواجن نے بلاد مغرب میں انہیں قتل کردیا تھا۔ (الشعرانی : ۲ : ۶)

Marfat.com

عرض کیا کہ ہم بارش سے ہی تو بھاگے تھے اور پھر اسی کی طرف لوٹ رہے ہیں لیکن آپ خاموش رہے۔ پھر ہم نکلے اور جانوروں کے لئے جو خریدنے کا ارادہ کیا لیکن حضرت نے منع فرما دیا۔ آخر اسی زور کی بارش میں ہم نکل پڑے۔ ابھی ایک یا دو میل ہی چلے ہوں گے کہ بادل پھٹ گئے۔ ہوا ٹھہر گئی اور سورج نکل آیا اور موسم اچھا ہو گیا۔ ہمیں اس پر بڑا تعجب ہوا۔ پھر جب عصر کا آدھا وقت گزر گیا۔ تو ہم نے عرض کیا کہ حضرت سواریوں کا چارہ کہاں ہے؟ آپ نے رفقاء سے پوچھا کہ آبادی کتنی دور ہے؟ معلوم ہوا کہ اس قدر دُور ہے کہ آدھی رات سے پہلے وہاں نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن آپ خاموش رہے اور ہم بھی ہر بات پر آپ کو لبّیک کہتے تھے۔ جب مغرب ہوئی تو فرمایا دائیں طرف کو مڑ چلو۔ چنانچہ ہم راستہ چھوڑ کر دائیں طرف کو ہو لئے۔ ابھی تھوڑی دُور ہی گئے تھے کہ غلّہ کے کھلیان نظر آئے جنہیں ابھی روندا نہ گیا تھا اور پاس ہی ایک پانی کا چشمہ بھی تھا۔ فرمایا یہاں اُتر جاؤ۔ خدا نے جانوروں کا چارہ بھیج دیا ہے۔ ہم نے ضرورت کے مطابق کھلیان میں سے لے لیا اور بڑے آرام سے رات گزاری۔ جب عشاء کا وقت قریب آیا تو کھلیان کا مالک آیا اور ہمیں دیکھ کر نہایت خوش ہوا۔ شیخ نے جس قدر کہ جانوروں نے کھایا تھا اس سے زیادہ قیمت ادا کر دی۔ اس پر کھلیان کا مالک بہت ہی زیادہ مسرور ہوا اور رات بھر ہمارے پاس رہا۔ اور ہمارے ساتھ ہی کھانا کھایا اور ایسا بن گیا گویا ہمارا ساتھی ہے۔

اسی طرح کا واقعہ ایک بار اور پیش آیا۔ ہم شیخ عبد السلام مذکور کی قبر کی زیارت کے لئے جا رہے تھے اور ابھی وہاں پہنچے نہ تھے۔ جب بنی زکار کی گھاٹی کو عبور کر لیا تو عصر کا وقت نکل چکا تھا۔ جو لوگ ہم سے پہلے اس گھاٹی کو عبور کر چکے تھے وہ پڑاؤ ڈال چکے تھے۔ ہم نے عرض کیا کہ حضرت جو لوگ ہم سے پہلے آئے تھے وہ تو پڑاؤ ڈال چکے ہیں۔ فرمایا چلتے جاؤ۔ ہم نے پھر عرض کیا حضرت چلیں کیسے؟ نہ ہمیں راستہ معلوم نہ کوئی راستہ بتانے والا ہمارے ساتھ۔ فرمایا پھر بھی چلے چلو۔ چنانچہ ہم چلتے گئے اور ان لوگوں کو جو پڑاؤ ڈال چکے تھے، وہیں چھوڑ بغیر کسی راہنما کے چل پڑے۔ ہم چلتے رہے اور اللہ تعالیٰ ہمارے دل میں ڈال دیتا کہ اس راستہ پر چلو، یہاں تک کہ پانی کے ایک چشمہ پر پہنچے جس کے پاس ہی غلّہ کے کھلیان تھے۔ ہم کھلیانوں کے مالک سے ملے۔ اس نے ہمیں وہاں ٹھہرنے کے لئے کہا اور ہم نے بڑے آرام سے رات گزاری۔ ہمارے جانور رات بھر بھوسہ کھاتے رہے اور جو قافلہ ہم سے پہلے گھاٹی پر اترا تھا ان کے جانوروں کو رات بھر بھوسہ نہ ملا۔

اس سفر میں حضرت کی زبان مبارک سے بڑے بڑے دقائق و حقائق سننے میں آئے۔ اُن میں سے اکثر کا ذکر ہم نے اس کتاب میں کر دیا ہے۔ حضرت ممدوح جب شہروں کا ذکر فرماتے تو ناواقف آدمی یوں سمجھتا کہ حضرت نے ان مقامات کا ضرور سفر کیا ہے حالانکہ وہ محض کشف ہوتا۔ اکثر آپ دُور دُور کے مقامات کا سفر بغیر رہبر کے کرتے اور ایسے چھوٹے راستوں پر چلتے جن کا اکثر لوگوں کو علم نہیں۔

Marfat.com

ایک دن فقیہ علی بن عبداللہ الصباغی رحمۃ اللہ سے جن کا گھر شہر فاس سے چار منزل پر موضع صباغات میں تھا، فرمایا کہ ایک بار میں گھوڑ سواروں کی جماعت کے ساتھ آنکلا اور فلاں فلاں موضع پر پہنچے حضرت نے اس جگہ کا نام بھی بتایا اور اس کی صورت وکیفیت بھی بتائی - اور میں تمہارے مرشد کے پاس بھی گیا۔ پھر ان کا حلیہ اور ان کے گھر کی ایسی کیفیت بیان کی جیسے کہ وہ ان کی نظروں کے سامنے ہے۔ اور گھوڑوں پر سوار ہونے کا ذکر محض کشف کو چھپانے کے لئے کیا تھا۔ شیخ علی فرماتے ہیں کہ حضرت نے بغیر کم وکاست اس طرح بیان کیا جس طرح کہ یہ اُن کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ پھر فرمایا، جہاں تم گھوڑے باندھتے ہو، وہاں ایک ولی کبیر کی قبر ہے۔ وہاں گھوڑے مت باندھا کرو۔ اس کے بعد اُنھوں نے تحقیق کی تو اسے سچ پایا اور اس جگہ مزار بنا دیا گیا۔

میں نے حضرت کو یہ بھی فرماتے ہوئے سُنا کہ وہ ولی ہمارے آباء میں سے ہیں یعنی غوث تھے۔ اور یہ بات واضح طور پر فرمائی۔

ایک روز میں آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص زآ سے آیا جو ایک مشہور بستی ہے۔ آپ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ جواب دیا کہ زآ سے۔ حضرت اس بستی کا حلیہ اور اس کے مقامات و علامات بیان فرمانے لگے اور وہ شخص آپ کی تصدیق کرتا اور یوں سمجھتا رہا کہ حضرت وہاں جا چکے ہیں۔ جب وہ شخص اُٹھ گیا تو میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ لوگ کشف کو پسند کرتے ہیں حالانکہ اس میں خود ولی کے لئے اور طالب کشف کے لئے بھی بڑی مضرّت ہے۔ ولی کے لئے ضرر تو اس لئے ہے کہ اس میں ولی مشاہدۂ حق کو چھوڑ کر مشاہدۂ خلق کی طرف آتا ہے اور یہ چوٹی سے نیچے اترنے کی مثال ہے۔ کشف چاہنے والے کے لئے اس لئے کہ کشف وکرامت کا طالب وہی ہوتا ہے جس کی محبت سرسری ہوتی ہے اور جب ولی نے اس کا ساتھ دیا تو گویا اُسے اسی اندھے پن پر رہنے دیا۔ ان دونوں باتوں کی تشریح انشاء اللہ آئندہ کتاب میں آئے گی۔

نویں کرامت | سادات میں سے ایک شخص مجھ سے علوم دقیقہ میں سے کوئی علم پڑھا کرتا تھا اور میں اپنی بساط کے مطابق اس کی تشریح کر دیا کرتا اور اسے بہت پسند آتی اور کہتا کہ کوئی فقیہ آپ جیسی تشریح نہیں کرسکتا۔ ایک بار میں اس کتاب کی تشریح کر رہا تھا کہ ایسا مسئلہ آگیا جس میں مصنف نے اسرار الہٰیہ میں سے کسی ایک سِر کی بحث کی تھی۔ اس سیّد نے مجھ سے اس کا مطلب پوچھا۔ میں نے لاعلمی ظاہر کی کیونکہ افشاءِ سِر سے ڈر لگتا تھا۔ لیکن اس کا شوق بڑھتا رہا اور میں نے کہا: اللہ کی قسم جب تک تو یہ وعدہ نہ کرے کہ جو کچھ تو مجھ سے سُنے گا، اس کا کہیں بھی ذکر نہ کرے گا، نہ اپنے سے، نہ بیگانے سے، تب تک تشریح نہ کروں گا۔ اس نے وعدہ کیا اور میں نے مطلب بیان کر دیا اور تمام اعتراضات جو پیدا ہوتے تھے اُن کا بھی جواب دے دیا۔ یہاں تک کہ مسئلہ آفتاب کی طرح واضح ہوگیا۔ اس پر وہ

Marfat.com

بہت خوش ہوا۔ میں نے اُسے کہا دیکھو اگر ہمارے حضرت سے ملنے کا اتفاق ہو اور پھر اس مسئلہ کا ذکر چھڑ جائے اور وہ تشریح فرمانے لگیں تو تُو لاعلمی ظاہر کرنا اور ایسا بھولا بننا کہ گویا تم نے یہ مسئلہ کبھی سُنا ہی نہیں۔ اس نے یہ بھی وعدہ کر لیا۔ پھر اتفاق سے اسی دن حضرت سے ملاقات ہو گئی تو سب سے پہلی بات آپ نے یہی کی کہ فلاں سیّد سے تم نے یہ گفتگو کی اور وہ مسئلہ بھی ذکر فرما دیا۔ میں نے عرض کیا ہاں لیکن میری نیت نیک ہی تھی۔ اس کے بعد میں حضرت کے خاطر مبارک کو ٹٹولتا رہا کہ کہیں ناراض تو نہیں ہیں مگر الحمدللہ آپ کے خاطر مبارک کو دودھ کی طرح صاف پایا۔

حضرت کے کشف لاتعداد ہیں۔ ان کی کرامات کا ذکر کرنے کو تو ایک مستقل تالیف کی ضرورت ہے اور حق بات یہ ہے کہ جو کچھ اس کتاب میں ہے وہ انہی کی کرامات ہیں۔

دسویں کرامت | یہ بھی آپ کی کرامت تھی کہ آپ کے کلام کا لوگوں کے دلوں پر اثر ہوتا تھا۔ ایک دن ایک فقیہہ آپ کے پاس آیا اور آپ سے درخواست کی کہ حضور دعا فرمائیں کہ میرے دل میں وسوسے نہ آیا کریں۔ فرمایا وسواس تو اُسی وقت ہوتا ہے جب راستہ سے بے خبری ہو۔ اگر کوئی شخص کسی شہر کا راستہ نہ جانتا ہو اور اس شہر کا سفر اختیار کرے تو وسوسے تو ضرور آئیں گے۔ کبھی خیال آئے گا کہ راستہ ادھر کو ہے اور وہ ادھر چل پڑے گا۔ پھر خیال آئے گا کہ نہیں راستہ اُدھر کو ہے اور وہ حیران و پریشان رہ جائیگا کہ کدھر کو جاؤں۔ اور جو شخص راستہ کو جانتا ہو وہ راستہ پر بغیر تردّد کے چلا جائیگا۔ پس دنیا و آخرت کا راستہ چونکہ ذات حق ہے اس لئے جس نے اس راستہ کو معلوم کر لیا، اس نے دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل کر لی۔ خدا اُسے عمدہ زندگی عطا کرے گا اور جو اس سے ناواقف ہوگا وہ اس کے برعکس ہوگا۔ آپ سے یہ الفاظ سن کر میری یہ کیفیت ہوگئی کہ جب طبیعت کسی ضرورت کے پورا کرنے میں غیراللہ کی طرف جاتی تو ایک اندرونی کشش اُسے پھیر کر اللہ کی طرف لے آتی۔ اللہ سے دُعا ہے کہ معرفت کو اتمام تک پہنچائے۔

آپ نے ایک مرتبہ فرمایا "مومن جب سوتا ہے تو اللہ ہی کے دھیان میں سوتا ہے اور جب جاگتا ہے تو اللہ ہی کے دھیان میں جاگتا ہے۔ یہ بات سُن کر اس کا مفہوم میرے قلب میں اُتر گیا اور الحمدللہ کہ سوتے وقت بھی اللہ میرے دل میں ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا "کہ بندہ کا خیال جب غیراللہ کی طرف جاتا ہے تو اللہ جل جلالہ سے بے تعلق بن جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ ایک پہر میں اللہ کی طرف لوٹ آتے ہیں کوئی دو پہر بعد اور کوئی اس سے بھی کم وقت میں اور کوئی اس سے زیادہ وقت میں۔ لہذا بندہ کو دیکھنا چاہیئے کہ اس کے دل کا تعلق اللہ کے ساتھ کیسا ہے۔"

آپ کے ان الفاظ نے میرے دل کے لئے لگام کا کام کیا۔ جب کبھی میرا دل غفلت کے سمندر میں آزاد پھرنا چاہتا تو یہ کلام اُسے کھینچ لیتا۔

Marfat.com

اللہ کی معرفت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ضروری ہے

ایک بار آپ نے فرمایا کہ جبتک سید الوجود صلعم کی معرفت حاصل نہ ہو اُسوقت تک اللہ کی معرفت حاصل نہیں ہوسکتی اور شیخ کی معرفت کے بغیر سید الوجود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت حاصل نہیں ہوتی اور شیخ کی معرفت اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک تمام مخلوقات مرید کی نگاہ میں فنا ہوجاوے ۔ نہ کسی پر نظر جاوے نہ خیال۔ لہذا سب کو مُردہ سمجھ اور اور کی طرف تمام توقعات کو منقطع کرے۔

آپ کے اس کلام سے اللہ نے مجھ پر بڑا کرم کیا۔ ہر قسم کی خیر و خوبی نصیب ہونے کا بھی وسیلہ بنا۔

اس کلام کی تشریح بڑی لمبی ہے اگر اس کے پیچھے پڑیں تو بڑی دور نکل جائیں۔ اس لئے جتنا ذکر کر دیا اتنا ہی کافی ہے۔

میں نے اپنے برادران طریقت سے درخواست کی تھی کہ حضرت ممدوح کی کچھ کرامات جو اُنہوں نے دیکھی ہوں مجھے لکھ بھیجیں چنانچہ ان تحریروں میں ایک تحریر محمد بن احمد بن حنین الزبیراری کی بھی تھی۔ اُنہیں میں نے حضرت کے پیش کیا۔ آپ نے اُن کی تصدیق فرمائی۔

وہ کرامات وکشوف جو محمدؒ بن حنین زبیراری سے درپیش آئیں

اللہ کے احسانات میں سے ایک فضل یہ ہے کہ جب میری ملاقات غوثِ زمان عبدالعزیز بن مسعود سے ہوئی اُس وقت میرا دل تجارت، زراعت وغیرہ دنیاوی امور میں لگا ہوا تھا۔ چنانچہ اس کے لئے مجھے بہت کدو کاوش کرنی پڑتی۔ دھیان دُنیا کی طرف لگا رہتا اور آخرت کا خیال محض ایک خواب تھا مجھے اللہ تعالیٰ نے کچھ علم بھی عطا کیا تھا۔ میں نے ارادہ کرلیا کہ محکمہ شہادت کی افسری اختیار کرلوں یا قاضی کا عہدہ حاصل کرنے کی کوشش کروں۔ والعیاذ باللہ۔ لیکن خدا نے مجھ پر رحم کیا اور اُن سے ملاقات کرادی اور اللہ نے میرا دل پاک کردیا۔ یہ آپ ہی کی برکت اور حسنِ سیاست کی وجہ سے تھا کیونکہ جب اُن سے ملا ہوں اور ان سے بیعت ہوا اور جو مرض مہلک مجھے لگا ہوا تھا اُسے آپ نے دریافت کرلیا تو مجھے حکم ہوا کہ کھیتی باڑی کے تمام بیل بیچ ڈالوں اور اس سے فلاں فلاں کام کروں اور انہوں نے وہ کام کرنے کو کہا جو دنیاوی اسباب کے منافی نہ تھا اور درحقیقت اُن کا مقصد اسباب دنیا کو میرے دل سے مٹانا تھا۔ اس امام کے حُسنِ سیاست کے قربان جائیں کہ جس حالتِ خسیثہ سے مجھے نکالنا چاہتے تھے تو ایسے نکالتے کہ مجھے خبر بھی نہ ہوتی اور میں اپنے آپ کو پہلی حالت سے زیادہ عمدہ اور احسن حالت میں پاتا اور پہلی حالت کا خبث اور تاریکی نمایاں طور پر ظاہر ہوجاتی۔ اس امام عظیم کا میرے ساتھ اور دیگر برادرانِ طریقت کے ساتھ یہی دستور ہے۔ چنانچہ اگر کوئی قبیح بات آپ میں دیکھیں

Marfat.com

گے تو صراحتہً یہ نہ فرمائیں گے کہ اسے چھوڑ دو۔ یا یہ کہ اس پر تجھے بُرا بھلا کہیں یا یہ کہ اگر تو اس کام کو نہ چھوڑے
تو تجھ سے بیزاری ظاہر کریں کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کا نفس ان باتوں سے ابا کرتا ہے اور پھر یہ مخالفت
کا سبب بن جاتا ہے۔ بلکہ تجھ سے مہربانی سے پیش آئیں گے اور تمہارے کام کی کسی حد تک تعریف بھی کر دیں
گے۔ پھر آہستہ آہستہ تمہیں اپنے ساتھ چلاتے یہاں تک کہ تو اپنے نفس کو ایسی حالت میں پاتا جس پر تو پہلے نہ
تھا اور پہلی حالت کو قبیح سمجھتا اور اس کے ساتھ تمہارا سینہ کھُل جاتا۔ اور تجھے خوشی محسوس ہوتی جب
بیلوں کو بیچے ابھی چند دن ہی گذرے تھے کہ کھیتی کی محبّت میرے دل سے نکل گئی بلکہ میں اُسے بُرا
سمجھنے لگ گیا۔ پھر آپ نے تمام کتابوں کو بیچ دینے کا حکم دیا اور کہا کہ انہیں بیچ کر ایسا کام کر دوں جسے
میرا دل چاہتا ہے اور جس سے مجھے خوشی ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد لوگوں سے مال کی طمع اور حرص
نے میرا دامن پکڑا کہ اہلِ ثروت کی طرف نظر جاتی اور ان کے مال و دولت کو لالچ بھری نگاہوں سے
دیکھتا۔ لیکن حضرت مجھے اس سے اور اونچا لے گئے یہاں تک کہ طمع کا تو ذکر ہی کیا مجھے نہ لوگوں سے
کچھ نفع نظر آتا نہ نقصان۔

حضرت کا ایک کشف | ابھی ابتداء ملاقات ہی تھی کہ ایک دن مجھ سے پوچھا کیا تمہارے پاس کچھ
گھی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں بہت ہے۔ فرمایا تھوڑا سا لے آنا۔ میں نے عرض کیا اچھا۔ میرے ایک
پیر بھائی نے کہا: شاید کہ باقی ماندہ گھی ارزانی کے موسم تک نہ چل سکے۔ میں نے کہا، ہاں صحیح ہے۔
حضرت نے فرمایا کیا باقی ماندہ گھی فلاں وقت تک چل جائے گا؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا جتنا
اس سے زائد ہو، وہ لے آنا۔ چنانچہ میں لے آیا اور جب وہ وقت آیا تو ایک شخص جس کا مجھے وہم
وگمان بھی نہ تھا مجھے لوجہ اللہ گھی دے گیا۔ اور یہ گھی مجھے ارزانی کے موسم تک کافی ہو گیا۔

دوسرا کشف | میں اپنی غلّہ کی فصل کی فروخت میں آپ سے مشورہ کر لیا کرتا تھا۔ تو ایک بار فرمایا
فلاں مہینہ کی پانچ تاریخ کو جو کچھ بیچنا ہے، بیچ دینا۔ جب وہ مہینہ آیا تو اس ماہ کی پانچویں اور چھٹی
تاریخ کو غلہ کی خوب فروخت ہوئی لیکن جب ساتویں تاریخ ہوئی تو خوب بارش ہوئی جس سے
غلہ سستا ہو گیا۔ والحمدللہ۔

تیسرا کشف | ایک مرتبہ میری ایک بیوی حاملہ تھی۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور حمل کا ذکر کیا،
فرمایا لڑکا ہو گا جس کا نام احمد ہو گا۔ میں نے آکر بیوی سے ذکر کیا اور ایسا ہی ہوا۔

پھر میری دوسری بیوی کو غیرت آئی کہ سوکن نے لڑکا جنا ہے اور ابھی اس کی گود میں ایک
شیر خوار لڑکی تھی۔ جسے اس نے قبل از وقت دودھ چھڑا دیا۔ اس امید پر کہ شاید حمل ہو جائے۔ میں
نے اس پر اُسے ملامت بھی کی۔ کہنے لگی میں حاملہ ہوں اور مجھے بچی کا خطرہ تھا اور اس نے اس بات
پر قسم بھی کھائی۔ جب حضرت کی خدمت میں پہنچا تو یہ قصّہ بیان کیا۔ فرمایا جھوٹ کہتی ہے۔ حمل وِل کچھ بھی

Marfat.com

نہیں ہے۔ میں نے واپس آکر کرید کی تو ایسا ہی پایا جیسا کہ حضرت نے فرمایا تھا۔ تین ماہ گزر جانے کے بعد پھر حاضر ہوا تو فرمایا کہو بیوی کو حمل ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت مجھے تو علم نہیں ہے۔ فرمایا پندرہ دن سے حمل قرار پا چکا ہے اور انشاءاللہ لڑکا ہوگا۔ اس کا نام میرے نام پر عبدالعزیز رکھنا اور اس کی شکل بھی انشاءاللہ میرے جیسی ہوگی۔ میں نے واپس آکر بیوی کو خبر دی۔ وہ خوش ہوئی۔ چنانچہ لڑکا پیدا ہوا اور اس کا چہرہ حضرت سے مشابہ تھا۔

چوتھا کشف | میری پہلی بیوی کو پھر حمل ہوا۔ میں نے حضرت سے حمل کی نسبت سوال کیا۔ فرمایا بیٹی ہوگی۔ اس کا نام میری والدہ کے نام پر (فارحہ) رکھنا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ ہمارے ہاں ایک اور لڑکی آگئی اور اس کا نام حضرت کی والدہ کے نام پر فارحہ رکھا۔

پانچواں کشف | ایک روز میں ان کے پاس بیٹھا تھا اور مجھ سے خوش طبعی کر رہے تھے فرمایا کیا تم نے فلاں کام کیا اور وہ ایک معصیت کا کام تھا۔ میں نے عرض کیا نہیں کیونکہ میرا گمان یہی تھا۔ کہ میں نے نہیں کیا اس پر ہنس کر فرمایا: ذرا غور کرو۔ میں نے قسم کھا کر عرض کیا کہ میں نے نہیں کیا۔ دوسری بار کہا پھر تیسری بار کہا لیکن جب چوتھی بار کہنے لگے اور سوچا تو معلوم ہوا کہ پندرہ سال گزرے ایک دور دراز کے علاقہ میں جو فاس سے سات منزل پر ہے میں نے وہ کام کیا تھا۔ مجھے شرم آگئی اور آپ سمجھ گئے۔ فرمایا اب بھی قسم کھا کر کہو گے؟ میں نے عرض کیا نہیں اور آپ کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور عرض کی حضرت آپ کو کیسے اس کا علم ہو گیا؟ فرمایا کیا کوئی چیز اللہ سے مخفی ہو سکتی ہے اور یہی حال ان لوگوں کا ہے جنہیں اللہ اپنے اسرار پر مطلع کر دے۔ پھر آپ نے چند ایسی باتیں بتلائیں جو اس کام سے پہلے اور بعد کی تھیں اس پر میں نے آپ کے ہاتھ پر نیک نیتی سے توبہ کی۔ والحمدللہ۔

چھٹا کشف | ایک روز آپ کے سامنے کے رخ پر بیٹھا تھا اور آپ اپنے داہنے ہاتھ پر ٹیک لگائے خواب و بیداری کے درمیان لیٹے ہوئے تھے کہ میرے دل میں ایک برا خیال آیا۔ والعیاذ باللہ۔ فوراً آپ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا کیا کہا؟ میں نے عرض کیا حضرت میں نے تو کچھ نہیں کہا۔ فرمایا اپنے دل میں تم نے کیا کہا؟ مجھے بڑی شرم آئی اور میں نے توبہ کی۔

ساتواں کشف | ایک رات خلوت میں اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کر رہا تھا اور وہ چت لیٹی ہوئی تھی کہ اس کی شرمگاہ پر میں نے قصداً نظر ڈالی۔ جب ان کی زیارت کے لئے آیا اور حالانکہ میرے اور ان کے درمیان دو منزل کا فاصلہ تھا۔ مزاح کے طور پر فرمانے لگے: اے علماءِ دین عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھنا کیسا ہے؟ میں نے علماء کا قول نقل کر دیا (کہ مکروہ ہے) فرمایا کیا تم ایسا کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ اس لئے کہ میں اپنا واقعہ بھول گیا تھا۔ فرمایا حتیٰ کہ فلاں رات بھی نہیں کیا؟ مجھے اپنا فعل یاد آگیا اور مجھے شرم آگئی۔ فرمایا پھر ایسا نہ کرنا۔ اپنی نظر کعبہ کی طرف لگائے رکھو۔ انشاءاللہ۔

Marfat.com

آٹھواں کشف | ایک مرتبہ کسی عذر کی بنا پر دونوں بیویاں اپنے اپنے گھر میں نہ سو سکیں اور انہیں میں نے ایک ہی گھر میں ایک رات جمع کیا۔ دونوں الگ الگ بستر پر سو گئیں اور میں الگ بستر پر سو گیا۔ اور ایک چوتھا بستر خالی رہا جس پر کوئی نہ سویا۔ رات کو جماع کی خواہش ہوئی اور یہ خیال کر کے کہ دوسری سو رہی ہے۔ ایک سے جماع کیا۔ پھر تھوڑی دیر سونے کے بعد دوسری سے جماع کیا یہی خیال کر کے کہ پہلی سو رہی ہے۔ پھر جب آپ کی زیارت کے لئے آیا اور باوجود بعد مسافت کے میں اکثر آپ کے پاس آیا کرتا تھا۔ آپ نے مجھ سے مزاحاً فرمایا کہ لوگوں کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہے کہ ایک شخص دو بیویوں کو ایک ہی مکان میں جمع کر کے ایک سے جماع کرے۔ میں سمجھ گیا کہ آپ کا اشارہ میرے فعل کی طرف ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو اس کا کیسے علم ہوا فرمایا اور چوتھے بستر پر کون سو رہا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں نے سمجھا کہ وہ سو رہی ہے۔ فرمایا نہ پہلی سوئی ہوئی تھی نہ دوسری۔ اس کے علاوہ خواہ وہ سو بھی رہی ہو تب بھی مناسب نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ علماء کا یہی فتویٰ ہے اور میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔

نواں کشف | ایک مرتبہ برادران طریقت کے ساتھ آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور حضرت کی زوجہ محترمہ گھر میں نہ تھیں۔ ہم میں سے ایک کو رفع حاجت کی ضرورت ہوئی۔ بیت الخلا نیچے تھا اور اس کا دروازہ گھر کے دروازہ کے عین بالمقابل تھا اور گھر میں داخل ہونے والے کی نظر بیت الخلا میں بیٹھے ہوئے شخص پر پڑ سکتی تھی۔ یکایک آپ اٹھے اور بڑی تیزی سے اوپر گئے اور گھر کا دروازہ بند کر دیا اور پھر جلدی سے اتر آئے۔ ہم نہ سمجھ سکے کہ آپ نے یہ کیوں کیا اور ہم حیران تھے کہ اچانک ان کی زوجہ محترمہ تشریف لے آئیں ہم سمجھ گئے کہ آپ نے دروازہ انہی کے لئے بند کیا تھا۔

کرامت | ایک بار آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ آپ میرے ساتھ گھر کے ایک کمرے میں بیٹھے تھے یہاں تک کہ سونے کا وقت آ گیا۔ آپ نے فرمایا سو جاؤ اور خود اتر گئے۔ میں کپڑے اتار کر لیٹ گیا دیکھتا کیا ہوں کہ ایک ہاتھ مجھے گدگدی کر رہا ہے۔ میں مجبور ہو کر ہنس پڑا اور آپ بھی ہنس پڑے حالانکہ آپ گھر کے نچلے حصہ میں اپنی خوابگاہ میں تھے۔ میں جان گیا کہ آپ نے گدگدی کی تھی۔

ع چونکہ شیخ کا کام مریدوں کی اصلاح کرنا اور ان کو ہر مکروہ بات سے طریق ہدایت کی طرف لانا مقصود ہوتا ہے۔ اس لئے ان باتوں کا ذکر کیا کہ اگرچہ یہ امور کبائر میں سے نہ تھے لیکن پھر بھی ان سے منع کر دیا تاکہ اصلاحِ نفس ہو۔ مرید نے ان مکروہ چیزوں کا ذکر کر دیا ہے۔ حالاں کہ وہ خود ان کا مرتکب ہوا تھا لیکن چونکہ مسئلہ اہم مسئلہ ہی ہے اس لئے اوروں کی ہدایت کے لئے مؤلف کتاب نے یہاں یہ بات ذکر کر دی ہے۔

Marfat.com

دسواں کشف ایک مرتبہ برادرانِ طریقت کی ایک جماعت کے ساتھ آپ کی زیارت کے لیے گیا۔ جب آپ کے پاس سے واپس لوٹے اور ہمارے پاس نہ کوئی ہتھیار تھا نہ کوئی اور ایسی چیز تھی جس سے چوروں کا دفعیہ کرسکیں۔ ہم آبادی کا راستہ بھول گئے اور ایک چٹیل اور خطرے کی جگہ پر جہاں چوروں کا گھر تھا، رات گذارنی پڑی۔ ہمارے ساتھی سو گئے اور میں اور ایک اور ساتھی رہ گیا دیکھا تو قریب ہی شیر کھڑا ہے۔ میں نے ساتھی سے کہا باقی ساتھیوں کو جگانا نہیں تاکہ کہیں وہ اچانک شیر کو دیکھ کر گھبرا نہ جائیں اور اُن میں ایسے لوگ بھی تھے جنہیں معاملات کا تجربہ نہ تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی اُسے ہم سے دُور کر دے۔ جب صبح قریب ہوئی اور ہم چلنے لگے تو پاس ہی ایک خرگوش دیکھا اُلوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ ابھی مرا ہے۔

پھر جب دوبارہ برادرانِ طریقت کے ساتھ آپ کی زیارت کے لیے آیا تو میں نہ سویا اور جانوروں پر پہرہ دیتا رہا۔ جب آپ کے پاس آئے تو عرض کیا حضرت میں سونا چاہتا ہوں کیونکہ میں کل رات نہیں سویا۔ پوچھا کیوں؟ میں نے عرض کیا کہ میں جانوروں کی پاسبانی کرتا رہا۔ فرمایا تمہاری پاسبانی سے کیا ہوتا ہے اور رات کے وقت کوئی درندہ آجائے تو اور آپ نے شیر والی رات کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے عرض کیا حضرت وہ کیسے؟ فرمایا جب فلاں وادی میں پہنچے تھے کیا تمہارے پاس تین آدمی نہیں آئے تھے؟ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا: جب وہ پہاڑ پر پہنچے تو وہاں انہیں چار اور آدمی ملے جو قافلوں کے منتظر تھے تاکہ ان پر ڈاکہ ڈالیں۔ جب ان کے پاس پہنچے تو انہیں تمہاری خبر دی اور ساتوں مل کر تمہارے پیچھے پیچھے ہولیے تاکہ دیکھیں کہ تم کہاں رات گذارتے ہو۔ جب تم رات گذارنے کے لیے ٹھہرے تو وہ تمہارے سو جانے کا انتظار کرتے رہے جب انہوں نے خیال کرلیا کہ اب سو گئے ہوں گے۔ تم پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے آئے لیکن تمہارے قریب ایک شیر کو پایا۔ وہ آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کیا کریں۔ اگر شیر سے لڑتے ہیں تو لوگ بیدار ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ان کی طرف جاتے ہیں تو شیر ہمیں روکتا ہے۔ لہٰذا وہ تمہیں چھوڑ کر دوسرے قافلہ کی طرف چلے گئے۔ لیکن جب وہاں بھی کچھ نہ ملا تو دوسری طرف سے تمہاری طرف آئے۔ وہاں بھی شیر نے راستہ روکا اور اُسے ایک دوسرا شیر خیال کیا۔ اُن میں ایک کہنے لگا کیا بات ہے کہ فلاں جہت سے آئے ہیں، تب بھی شیر نے ان کی حفاظت کی ہے، پھر دوسری جہت سے آئے ہیں تب بھی شیر نے ان کی حفاظت کی ہے۔ انہوں نے اس معاملہ کو سمجھنا چاہا لیکن اللہ نے اُن کے دلوں پر مہر لگا دی۔ پھر میں نے خرگوش کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا شیر میں انسانوں کی طرح نخوت ہوتی ہے۔ جیسا کہ انسان کے چہرہ پر مکھی بیٹھتی ہے تو وہ اُسے اڑا دیتا ہے۔ یہی حال شیر کا ہے۔ جب وہ بیٹھا ہوا تھا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کے پاس ہی ایک خرگوش ہے اور خرگوش نے

Marfat.com

شیر کو نہ دیکھا تھا لہٰذا شیر نے اسے مار ڈالا۔

گیارھواں کشف میں نے زیر اری عورت سے شادی کرنا چاہی۔ مجھے اس کی صفات معلوم نہ تھیں۔ آپ نے اس کی صفات بیان کیں جنہیں نکاح کے بعد میں نے ویسا ہی پایا اور اس کے بارے میں کچھ ایسے اُمور کا بھی ذکر کیا جن کا اللہ کے سوا کسی اور کو علم نہ تھا۔ پھر جب شب زفاف آئی، فرمایا آج رات میں تمہارے پاس ہوں گا۔ میں نے عرض کیا مجھے اس کا کیسے علم ہوگا فرمایا میں کوئی ایسا فعل کروں گا جس میں اس کی علامت پائی جائے۔ پھر جب میں بیوی کے پاس گیا اور ابھی کچھ باتیں کی تھیں کہ کیا دیکھتا ہوں کہ اس کی ناک میں سے خون بہ رہا ہے۔ میں نے سبب دریافت کیا کہنے لگی کہ آپ نے ہی تو ناک پر مارا ہے۔ اس پر میں چپ رہا اور سمجھ گیا کہ یہ حضرت کا کام ہے۔ پھر جب میں آپ کی زیارت کے لیے گیا اور ان سے قصہ بیان کیا فرمایا: ہاں اگر یہ خون اس کی ناک سے نہ اترتا تو وہ بیمار پڑ جاتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دُور سے آئی تھی اور دن ٹھنڈا تھا جس سے ناک میں خون جم گیا تھا۔

بارھواں کشف ایک مرتبہ میں آپ کے ساتھ آپ کے گھر میں تھا آپ نیچے کچھ کام کر رہے تھے اور میں اوپر اپنے سامنے کے مکان کی چھت کی طرف دیکھ رہا تھا کہ ایک عورت اوپر چڑھی۔ میں نے اس کے چہرے میں سرخی دیکھی۔ میں نے غور سے دیکھا کہ آیا یہ سرخی خون کی ہے یا رنگ کی۔ ابھی دیکھا ہی تھا کہ نیچے سے میری طرف نظر کر کے کہنے لگے: اللہ سے ڈرو یہ بدنظر اور میرے سامنے؟ اور ہنسنے لگے۔

تیرھواں کشف ایک بار آپ کی زیارت کے لیے خچر پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔ جب ایک دشوار گذار مقام پر پہنچا تو میں خچر پر سے اُتر گیا اور وہ خود چلتی رہی۔ جب وہ مقام گذر گیا اور میں نے پھر خچر پر سوار ہونا چاہا تو وہ خچر بھاگ گئی۔ میں نے زور زور سے پکارنا شروع کر دیا یا سیّدی مولائی عبدالعزیز۔ اللہ نے کچھ لوگ پیدا کر دیے جنہوں نے خچر کو پکڑ لیا۔ جب آپ کے پاس پہنچا تو مسکرانے لگے اور فرمایا عبدالعزیز کیا کر سکتا ہے؟ تو فلاں جگہ پر تھا اور میں اس جگہ پر۔ ہاں اگر تمہارے پاس ہوتا تو ضرور تمہاری مدد کرتا۔ میں نے عرض کیا حضرت آپ کے لیے ایک ہی بات ہے، خواہ آپ دُور ہوں، خواہ نزدیک۔

کرامت ایک دن عبدالقادر فاسی کی خانقاہ میں قبلہ کی دیوار سے تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا تھا اور میرے سامنے ایک ستون تھا جس کے ساتھ کوئی شخص نہ بیٹھا تھا اور نہ ہی میرے اور ستون کے درمیان کوئی اور شخص تھا اور میں ذکر الٰہی میں مشغول تھا۔ کچھ دیر کے بعد میں حضرت کے گھر کی طرف آنے کے لیے اُٹھا۔ ابھی تھوڑے قدم ہی چلا ہوں گا کہ مجھے یاد آ گیا کہ میں کوئی چیز بھول آیا

Marfat.com

ہوں پھر واپس آیا تو دیکھا کہ حضرت ستون کے ساتھ کھڑے ہیں - حالانکہ مجھے یقین ہے کہ وہاں کوئی نہ تھا - میں نے عرض کیا حضور آپ کب سے یہاں ہیں؟ اور کب یہاں تشریف لائے ہیں؟ فرمایا جب سے تو فلاں ذکر کر رہا تھا - حالانکہ میں یہ ذکر دل میں کر رہا تھا اور میرے ساتھ والا آدمی بھی اُسے سن نہ سکتا تھا - میں سمجھ گیا کہ وہ ایسی حالت میں تھے جس میں وہ آنکھوں سے اوجھل تھے -

چودھواں کشف | ایک بار ایک اجنبی عورت سے میں نے ایسی بات کی جسے شریعت پسند نہیں کرتی - لیکن وہ معمولی سی بات تھی - ایک روز آپ کے پاس بیٹھا تھا اور عورتوں کا ذکر ہو رہا تھا اور اُس عورت کا بھی ذکر آ گیا - مجھے معلوم نہیں اس کا ذکر کیسے چھڑ گیا - آپ نے فوراً فرمایا: میں تمہارے اور اس عورت کے درمیان نیلا دھاگہ عہ دیکھتا ہوں اور یہ کیوں ہے؟ مجھے وہ واقعہ یاد آ گیا اور میں شرما گیا اور اس واقعہ کو پانچ سال گذر چکے تھے -

پندرھواں کشف | ایک مرتبہ آپ سے خورد و نوش کا غلہ وغیرہ خریدنے میں مشورہ لیا - فرمایا جتنا تمہارے پاس ہے کافی ہے البتہ گھی خرید لو کیونکہ تمہارے پاس اتنا نہیں کہ موسم تک چل سکے - میں نے عرض کیا: ہاں مگر میرے پاس فلاں عورت کا گھی امانت کے طور پر رکھا ہے - ایک دن اس عورت کی موجودگی میں میں نے گھی کی کمی کا ذکر کیا - کہنے لگی تھی تو میرے پاس بہت ہے جتنا ضرورت ہو لے لینا - میں نہ سمجھ سکا کہ آیا وہ لوجہ اللہ مجھے عطیہ کے طور پر دے رہی ہے یا اُدھار دے رہی ہے اور میں سمجھ رہا تھا کہ وہ سچ کہتی ہے - حضرت نے تھوڑی دیر خاموش رہ کر فرمایا گھی خرید لو اور اسے دوسری اور تیسری مرتبہ دہرایا - میں سمجھ گیا کہ جو کچھ عورت نے زبانی کہا ہے وہ اُسے پورا نہ کرے گی - چنانچہ ایسا ہی ہوا - جب فروخت کا وقت آیا وہ آئی اور میرے گھر میں بیٹھ کر گھی فروخت کر دیا حالانکہ اُسے میری حالت معلوم تھی کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے - اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شیخ کی برکت سے مجھے توقع سے زیادہ فراخی عطا فرمائی -

ایک اور کرامت | ایک مرتبہ ایک شخص نے کچھ رقم مجھے قرض دی اور بقیہ میرے پاس امانت رکھ گیا - کچھ عرصہ بعد اپنی امانت اور قرض دونوں وصول کرنے کے لیے آیا مگر میرے پاس اُس وقت کچھ نہ تھا کہ دے دوں نہ کوئی ایسی چیز تھی کہ بیچ کر قرض ادا کر دوں - میرا خیال تھا کہ کہیں دیر کے بعد اُسے ضرورت پڑے گی - میں نے اس کی امانت تو اُسے نکال کر دے دی اور دل میں حضرت شیخ کو یاد کرنے لگا کہ یہ قرض کا مطالبہ نہ کرے - وہ خاموش رہا اور اب تک بھی کہ چھ مہینے گذر چکے ہیں اس نے قرض کا مطالبہ نہیں کیا حالانکہ وہ آیا ہی اسی نیت سے تھا کہ دونوں رقمیں لے کر جائے -

---

عہ نیلا دھاگہ ظلمت اور معصیت کی علامت ہے -

Marfat.com

فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

یہاں پر محمد بن احمد بن حنین کی بیان کردہ کرامات و کشوف ختم ہوتے ہیں۔

فقیہ علی بن عبداللہ الصباغی کی بیان کردہ کرامات

فقیہ علی بن عبداللہ الصباغی نے بھی جو کرامات دیکھیں وہ مجھے لکھ بھیجیں۔ میں نے انہیں ایک ایک حرف کرکے شیخ کے پیش کیا۔ آپ نے اقرار فرمایا اور تصدیق کی کیونکہ میرا ارادہ اس مجموعہ میں صرف ان کرامات کے ذکر کرنے کا ہے جو میں نے خود دیکھی ہوں یا میں نے حضرت سے خود سُنی ہوں۔

فقیہ علی بن عبداللہ کی عبارت یوں ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ۔ یہ تحریر ان کرامات کے متعلق ہے جو میں نے اپنے شیخ الامام الاستاذ الاکبر الغوث الاشہر سیدی و مولای عبدالعزیز ابن مولائی مسعود جو فاس کے سادات میں سے ہیں اور جن کا نسب دباغ کے نام سے مشہور ہے، سے دیکھیں۔

علی بن عبداللہ کی بیان کردہ پہلی کرامت

جب پہلی بار آپ کی زیارت ہوئی اور آپ کی صحبت میں بیٹھا اور بیعت کی تو گھر آنے کے دس دن بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ کسی ایک رشتہ دار کے ہاں ایک سخت معاملہ پیش آیا۔ کچھ لوگوں کو اس کا علم ہوگیا اور کچھ لوگ اس واقعہ پہ موجود تھے جن کی تعداد چھوٹے بڑے اور مرد و عورت ملاکر تقریباً بیس ہوگی اور یہ ایک ایسا معاملہ تھا کہ اگر حکومت کو اس کا علم ہوجاتا تو تمام قبیلہ تباہ ہوجاتا۔ میں نے کھلے میدان میں جاکر بلند آواز سے تین مرتبہ پکارا "حضرت اس قبیلہ کی پردہ پوشی کریں اور اس معاملہ کی آگ سے بچائیں"۔ اور ایسا ہوا جیسا کہ اس معاملہ پہ پہاڑ گر گیا ہے یا اسے سمندر میں پھینک دیا گیا ہے اور تمام وہ لوگ جنہیں اس بات کا علم تھا خاموش ہوگئے اور ایسے خاموش ہوگئے جیسے انہیں اس کا علم ہی نہیں ہے اور اگر کوئی پوشیدہ طور پہ اس کا ذکر بھی کر بیٹھتا تو لوگ اس کو جھوٹا قرار دیتے اور اللہ نے قبیلہ کو اور اس فعل کے کرنے والوں کو شیخ کی برکت سے بچالیا۔

دوسری کرامت

جب دوسری بار آپ کی خدمت میں آیا اور میں نے آپ کے مکاشفات دیکھے اور مشورہ کرنے والوں کو اچھی طرح جواب دیتے ہوئے سنا تو عرض کیا جو لوگ آپ کے قریب ہیں وہ کامیاب اور سعادت مند ہیں۔ کیونکہ جب کوئی معاملہ پیش آیا، آپ ان کے پاس موجود ہیں۔ لہٰذا وہ آپ سے مشورہ کرلیتے ہیں۔ میں آپ سے چار دن کی مسافت پر ہوں، میں کیا کروں؟ اور کس سے مشورہ کروں؟ حضرت نے فرمایا جب کوئی معاملہ درپیش ہو اور تجھے سمجھ نہ آئے کہ تو کیا کرے تو جنگل میں چلے جاؤ اور وہاں دو رکعت نماز ادا کرو۔ ہر رکعت میں گیارہ مرتبہ سورۃ

Marfat.com

اخلاص پڑھو اور سلام پھیرنے کے بعد تین بار مجھے پکارو اور یہ اعتقاد رکھو کہ میں تمہارے پاس ہوں اور مجھ سے اس معاملہ میں مشورہ کرو۔ تجھے جواب مل جائے گا۔

اس کے بعد ایک مہم پیش آگئی اور مجھے اس کی سخت فکر ہوئی چنانچہ میں نے جنگل میں جاکر اسی طرح کیا جس طرح حضرت نے فرمایا تھا۔ تو آپ کی برکت سے معاملہ حل ہوگیا۔ اُس وقت برادرانِ طریقت شیخ کے پاس تھے اور میں آپ سے چار دن کی مسافت پر تھا۔ اس کے بعد جب میں ان برادرانِ طریقت سے ملا تو انہوں نے کہا فلاں فلاں دن تم نے ایسا کیا؟ میں نے کہا ہاں۔ کہنے لگے ہم شیخ کے پاس تھے کہ آپ ہنسے اور فرمایا" مسکین علی بن عبداللہ کی یہ نیت ہے اور جنگل میں مجھے پکار رہا ہے۔ اور میں کہاں اور وہ کہاں"۔ جب آپ سے ملاقات ہوئی تو فرمایا آئندہ کبھی بھی کسی بات کا غم نہ کرنا خواہ ضرورت کس قدر بھی سخت کیوں نہ ہو۔ ان کے ان کلمات سے میرا تمام غم جاتا رہا چنانچہ جب کبھی کسی معاملہ میں مجھے غم لاحق ہونے لگتا تو غم سے پہلے ہی خدا اُسے آپ کی برکت سے آسان کر دیتا۔

میں نے عرض کیا دو رکعتوں کا مسئلہ خاص میرے لیے ہے یا ہر کسی کے لیے۔ فرمایا جو کوئی بھی ایسا کرنا چاہے، اسے اجازت ہے۔ اس پر میں نے اللہ کا شکریہ ادا کیا۔

تیسری کرامت: جب پہلی بار آیا اور آپ سے روانہ ہونے لگا اور اُس وقت رمضان کا آخر تھا۔ فرمایا بقرعید کے لیے ہمارے واسطے ایک مینڈھا لانا۔ میں نے عرض کیا اچھا۔ جب عید قریب آئی تو میں نے دو مینڈھے خریدے۔ اس وقت آپ کے پاس میرا ایک پیر بھائی موجود تھا۔ اور میرے اور اس بھائی کے درمیان دو دن کی مسافت تھی، یعنی شیخ کی مسافت سے نصف۔ حضرت نے اسے کہا کہ فلاں شخص دو مینڈھے لے کر تمہارے پاس آئے گا۔ ایک کو تم قربانی کے لیے رکھ لینا اور دوسرا میرے پاس لے آنا۔ جب میں اس کے پاس آیا تو شیخ کا فرمان مجھے دیا۔ مجھے اس میں شک بھی نہ گذرا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ حضرت اس کی بڑی قدر کرتے تھے۔ میں نے اُسے کہا ان میں سے جو چاہیں آپ لے لیں۔ کہا ہم ادنیٰ لیں گے اور عمدہ کو شیخ کی خدمت میں لے جائیں گے۔ ہم نے ادنیٰ کو وہیں چھوڑا اور جو بظاہر عمدہ تھا اُسے لے کر حضرت کے پاس آئے۔ جب حضرت نے مینڈھے کو دیکھا، فرمایا فلاں نے تم سے دھوکا کیا اُس نے عمدہ تو لے لیا اور تو ادنیٰ کو میرے لیے لایا ہے۔ میں نے عرض کیا ہمیں تو یہی عمدہ اور موٹا دکھائی دیا تھا۔ ارشاد فرمایا اس کی تو صرف ادجھ میں چربی ہے۔ حالانکہ آپ نے مینڈھے کو ابھی دیکھا بھی نہ تھا۔ عید میں قربانی ہونے پر دونوں مینڈھے ایسے ہی نکلے جیسے حضرت نے فرمایا تھا۔

اور جب ہم ایک مینڈھے کو چھوڑ کر دوسرے کو لے کر روانہ ہونے لگے تو فکر ہوئی کہ

Marfat.com

دوسرے کو لے کر کیسے چلیں اور یہ ہمارے ساتھ کیسے چل سکے گا حالانکہ ہم سوار ہیں۔ اللہ نے یہ بات بھی آسان کر دی کہ بکریوں کا ایک گلہ فاس کو جانے والا مل گیا۔ ہم میں سے صرف میرا علاتی بھائی پیادہ چل رہا تھا۔ لہٰذا اسی کو مینڈھے کے ساتھ چھوڑا تا کہ گلہ کے ساتھ مینڈھے کو لے کر آئے۔ اور وہ ہم سے دو دن بعد پہنچا۔ شیخ نے اُسے دیکھ کر فرمایا تو ہمارے لیے مینڈھا لیکر آیا ہے، ہم نے تم کو لڑکا دیا۔ میں نے عرض کیا حضرت یہی تو اس کی خواہش تھی۔ میرے بھائی کو اولاد کی بڑی خواہش تھی۔ اس کی بیوی ابھی چھوٹی عمر کی تھی اور پندرہ برس شادی ہوئے کو گذر چکے تھے لیکن کوئی اولاد نہ ہوئی تھی اور وہ اولاد سے مایوس ہو چکی تھی اور وہ خاوند کو بانجھ ہونے کا الزام دیتی تھی۔ جب ہم نے مینڈھے کو ایک جگہ پر باندھ دیا اور شیخ ہمیں لے کر گھر کی طرف روانہ ہوئے اور یہ رات کا وقت تھا۔ جب چراغ کی روشنی میں میرے بھائی کو دیکھا۔ فرمایا میرے قریب آؤ۔ وہ قریب گیا اور اس کی پیشانی کھول کر تین مرتبہ کچھ کلمات پڑھے اور کہا: ارے فلاں یہ کوئی ہیجڑہ تو نہیں ہے۔ یہ الفاظ تین بار فرمائے اور پھر اُسے کہا لڑکے کا کیا نام رکھو گے ہم عرض کیا آپ ہی رکھ دیں۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر فرمایا اُس کا نام رَحّال رکھنا۔ یہ نام نہ ہمارے قبیلہ میں تھا اور نہ ہمارے اجداد میں سے کسی کا یہ نام تھا۔ جو برادرانِ طریقت حاضر تھے ان میں سے ایک نے عرض کیا یہ انوکھا نام آپ کو کہاں سے مل گیا؟ آپ نے مسکرا کر فرمایا مجھے تو یہی دکھائی دیا ہے۔ جب واپس آئے تو دیکھا کہ بھائی کی بیوی کو حمل قرار پا چکا تھا اور اس سے پہلے اس کا کسی کو علم نہ تھا۔ چنانچہ بچہ ہوا اور اس کا نام شیخ کے فرمانے کے مطابق رَحّال رکھا گیا۔ لوگ اس نام سے تعجب کرتے۔ آپ نے تو اس کا نام رحّال اس بات کی طرف اشارہ کرنے کی غرض سے رکھا تھا کہ یہ جلدی کوچ کر جائیگا۔ اور ایسا ہی ہوا کیونکہ وہ صرف تین سال زندہ رہنے کے بعد مر گیا۔ اس نام میں بھی آپ کی ایک اور کرامت پائی جاتی ہے۔

میں نے شیخ کو اُس شخص سے فرماتے ہوئے سنا کہ پہلی بار تو ہم نے تجھے رحّال دیا تھا اور اب ہم تمہیں ایسا لڑکا دیں گے جو تمہارے پاس رہے گا اور کوچ نہیں کرے گا۔

چوتھی کرامت ایک روز ایک دوست کے ساتھ شکار کو گیا۔ اور مجھے شکار کا بہت شوق تھا۔ ہم نے اپنے گھر میں علی الصبح ناشتا کر لیا اور کھانا ساتھ لیے بغیر نکل گئے۔ کیونکہ ہمیں خیال تھا کہ دیر نہ لگے گی۔ ہمیں پہاڑ کے دامن میں ہی کچھ ٹڈیاں دکھائی دیے جنہیں ہمارے ملک میں جلیذ کہتے ہیں اور اس علاقہ میں بہت سے ہرن تھے لیکن شکار کرتے کرتے دیر ہو گئی اور شام ہوتے تک ہمیں خوب بھوک لگ گئی۔ ہمیں کھانا ساتھ نہ لینے پر ندامت ہوئی۔ اس کے بعد جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمایا بدھ کے روز شکار کے لیے بغیر کھانا ساتھ لیے کیوں گئے تھے؟ تمہیں ایک آدمی بلا

Marfat.com

اس نے تمہیں ٹٹولا مگر تمہارے پاس کھانے کو کچھ نہ پایا۔ پھر تمہیں پہاڑ کے دامن میں ایک ہرن مل گیا۔ اور اُس تمام شہر کا حال بیان کر دیا اور پہاڑ کا حال بھی بیان کیا اور فرمایا اس پہاڑ کی چوٹی پر پیالے جتنا پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ ہے۔ نہ تو وہ خشک ہوتا ہے اور نہ اپنی جگہ سے باہر نکل کر بہتا ہے۔ نہ کم ہوتا ہے اور نہ زیادہ۔ اور مجھے اس چشمہ کا علم ہی نہ تھا اور شکاری بھی بہت کم ہی پہاڑ کی چوٹی پر جاتے ہیں۔ جب حضرت کے پاس سے واپس آیا تو اس چشمہ کے متعلق لوگوں سے دریافت کیا۔ جو لوگ اس سے واقف تھے، انہوں نے ویسا ہی بیان کیا جیسا کہ حضرت نے فرمایا تھا۔

(مولف کتاب کہتا ہے) کہ جو شخص اُسے ملا تھا اور اس نے ان کا سامان ٹٹولا تھا وہ شیخ خود تھے۔ میں نے حضرت سے اس شخص کی نسبت سوال کیا تھا اور حضرت نے مجھے اس کی تشریح کر دی تھی۔ میں نے حضرت کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کئی بار میں نے اور سیدی منصور نے اس چشمہ کے پاس نماز پڑھی ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر ہے اور یہ جگہ اپنی بلندی کی وجہ سے ہمیں بہت پسند تھی۔

علی کہتے ہیں ایک بار انہوں نے میرے تمام علاقہ کی اور ہمارے گھر کی ہو بہو صفت بیان کی اور حالانکہ آپ نے اسے کبھی دیکھا نہ تھا اور آپ بھی چار دن کی مسافت پر اور حقیقت بعینہ اسی طرح تھی جس طرح آپ نے بیان کی۔

پانچویں کرامت ایک بار پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نے ہمارے گھر کا حال بیان کرنا شروع کر دیا اور کہا تم فلاں جگہ پر گھوڑے کیوں باندھتے ہو؟ وہاں تمہارے گھوڑوں کے پاؤں کے پاس ایک ولی مدفون ہیں اور ہم نے کبھی قبر کا کوئی نشان نہ دیکھا تھا اور وہاں سے قبرستان بھی نصف میل دُور تھا۔ پھر فرمایا تمہارے جانور باندھنے کی جگہ میں سات قبریں ہیں۔ اور وہاں جانور باندھنے سے کوئی حرج نہیں سوائے اس قبر کے جو تمہارے گھوڑوں کے پاؤں کے پاس ہے۔ لہذا تم گھوڑوں کو وہاں سے ہٹا لو اور اس قبر کی تعظیم و توقیر کرو۔ وہاں کوئی جنگلہ بنا دو۔ جس سے گھوڑے اسے ایذا نہ پہنچا سکیں۔ برادرانِ طریقت میں سے ایک نے سوال کیا حضرت وہ صاحبِ قبر کن میں سے ہے۔ فرمایا وجدہ اور تلمسان کے درمیان رہنے والے عربوں میں سے ہے۔ جو صباغات میں رہا کرتا تھا اور وہ اسے ایک طالب علم سمجھتے تھے اور کسی کو ان کے ولی ہونے کی خبر نہ تھی اور جب مرا تو وہیں دفن ہو گیا۔ پھر ہم نے وجدہ اور تلمسان کے درمیان جو عرب قومیں رہتی ہیں اُن کے نام لینے شروع کئے اور آپ نہ نہ فرماتے گئے یہاں تک کہ جب آل رباح کا نام لیا تو فرمایا ہاں انہی میں سے ہے۔ حالانکہ نہ کبھی آپ وہاں گئے اور نہ انہیں کبھی دیکھا۔ پھر فرمایا اگر تحقیق کرنا چاہتے ہو تو کدال لے کر کھود کر دیکھ لو۔ تحقیق ہو جائے گی۔

Marfat.com

میں نے عرض کیا کہ جانوروں کے باندھنے کی جگہ میں وہ قبر کہاں پر ہے؟ فرمایا تمہارے بیٹے کے گھر کے غربی جانب اس تہ خانہ کے بالمقابل جو جانوروں کی جگہ کے دروازہ کی طرف سامنے آتا ہے۔ ہمارے وہاں تین تہ خانے تھے۔ جب گھر واپس آیا تو گھر والوں سے اس بات کا ذکر کیا اور کدال لے کر اس جگہ کو کھودا جو آپ نے بتلائی تھی تو بالکل حضرت کے ارشاد کے مطابق پایا اور لوگوں کو تعجب ہوا۔

میں نے حضرت سے عرض کیا کہ باقی قبروں کو چھوڑ کر صرف اسی ولی کی قبر میں کیا خصوصیت ہے کہ اس کا تو احترام کیا جائے اور ان کا نہ کیا جائے۔ فرمایا کہ اس ولی کی روح آزاد ہے اور باقیوں کی روحیں برزخ میں مقیّد ہیں۔ اور ان پر زمانہ بھی تقریباً تین سو سال کا گذر چکا ہے۔ میرا شبہ رفع ہو گیا۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔

چھٹی کرامت | ایک مرتبہ حضرت کی زیارت کے لیے میرا چچازاد بھائی غُلال میرے ساتھ آیا جو کہ میرا نسبتی بھائی بھی ہوتا تھا۔ ہم آپ کے پاس آئے اور میرے چچازاد بھائی کی بیوی حاملہ تھی۔ اس کی نیت یہ تھی کہ حضرت سے تنگ دستی کی شکایت کرے اور یہ اس کی پہلی ملاقات تھی۔ حضرت نے دیکھتے ہی فرمایا کیا تمہاری بیوی حاملہ ہے؟ عرض کیا: جی۔ حضرت نے فرمایا کیا تم پسند کرتے ہو کہ تم کو لڑکی عطا ہو اور وہ رزق لے کر آوے۔ اس نے عرض کیا حضرت بڑی خوشی سے۔ ہم یہی تو چاہتے ہیں اور آپ نے اس میں دو باتیں جمع کر دیں۔ لڑکی کی پیدائش کی خبر اور رزق کی فراخی کی جو اس کی خواہش تھی۔ گھر پہنچے تو دیکھا کہ بیوی نے لڑکی جنی ہے اور وضع حمل کو سات دن گذر چکے تھے اور گھر والے سوچ رہے تھے کہ اس کا کیا نام رکھیں۔ حضرت شیخ نے اسے فرمایا تھا جب لڑکی پیدا ہوگی تو اس کا کیا نام رکھو گے؛ عرض کیا جیسے آپ کی مرضی ہو۔ حضرت نے اس کا نام خدیجہ رکھا تھا۔ اور ہمارے ہاں اس نام کا قطعاً رواج نہ تھا۔ لوگوں کو اس نام سے تعجب ہونے لگا۔ میں نے حضرت سے سوال کیا آپ نے اس کا نام خدیجہ کیسے رکھا؛ فرمایا کہ جس خوش نصیب کو بھی حق تعالیٰ نے فتح کبیر عطا فرمائی اور اس نے نکاح کرنے کا قصد کیا تو ایسی عورت کی جستجو کی جس کا نام خدیجہ ہو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّ المومنین سیدہ خدیجہ سے بڑی راحت حاصل ہوئی اور ان ہی کے پاس ہر قسم کی دنیوی اور دینی خوبیاں آپ کو عطا ہوئیں۔ اگر میرے ہاں ایک اور لڑکی پیدا ہو تو میں اس کا نام خدیجہ ہی رکھوں گا۔

ساتواں کشف | ایک مرتبہ آپ نے میری بیوی کے سر سے پاؤں تک کے ایک ایک عضو کر کے خواہ ظاہری عضو ہوں خواہ پوشیدہ بیان کر دیے اور وہ بیان بالکل درست تھا، یہاں تک کہ اگر میں بھی بیان کرنا چاہتا تو حضرت کی طرح بیان نہ کر سکتا اور اگر وہ خود بھی حضرت کے سامنے آتی تو آپ کے علم میں کوئی اضافہ نہ ہوتا۔ وہ آپ سے چار دن کی مسافت پر تھی اور آپ نے اُسے

Marfat.com

کبھی دیکھا بھی نہ تھا۔

آٹھواں کشف و کرامت مجھے نیند بہت آیا کرتی تھی۔ کبھی طلوع فجر کے وقت آنکھ کھل جاتی تو اس وقت بیوی سے مجامعت کرتا اور کبھی سوتے سوتے ہی فجر ہو جاتی۔ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے حاضرین سے فرمایا "فلاں شخص کے پاس جب بھی ہم گئے تو یا اس کو سوتا ہوا پایا یا وہ اس وقت بیوی سے مجامعت کر رہا ہوتا۔ کسی نے عرض کیا حضرت اُس وقت میں سونا بہتر ہے یا مجامعت۔ فرمایا اس وقت مجامعت سونے سے افضل ہے۔ لیکن اوقاتِ صلوٰۃ میں مجامعت سے اگر حمل قرار پا جائے تو جو اولاد ہوگی وہ ماں باپ کی نافرمان ہوگی۔ میں نے اسی دن سے توبہ کی اور پھر ایسا نہیں کیا اور نہ ہی پھر اُس وقت کبھی سویا۔

(مؤلف کتاب کہتا ہے) کہ حضرت کا یہ فرمانا کہ اُس وقت جو بچہ پیدا ہوگا عاق ہوگا، اس میں بھی حضرت کی ایک اور کرامت پائی جاتی ہے کیونکہ علی بن عبداللہ ہمیشہ اپنی اولاد کے نافرمان ہونے کی شکایت کرتے رہتے تھے اور ہم نے خود دیکھا ہے کہ اُن کی اولاد ان سے بڑی بُری حرکتیں کرتی رہتی۔

نواں کشف میں اپنی بیوی سے بہت چہل بازی کیا کرتا تھا اور لسے کئی طرح ۔ کرتا۔ میں نے اس کا کچھ ذکر اپنے ایک پیر بھائی سے کر دیا اور اس نے شکایت کے طور پر اس کا ذکر حضرت سے کر دیا۔ آپ سُن کر مسکرائے اور فرمایا اس نے تو تھوڑا سا ذکر کیا ہے وہ تو اور کچھ بھی کرتا ہے، وہ تو ایسا ایسا بھی کرتا ہے اور جو کچھ میں کیا کرتا تھا سب ذکر کر دیا اور میں سُن رہا تھا اور یہ ایسی باتیں تھیں جن کا ذکر کوئی شخص کسی سے نہیں کر سکتا اور ان کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہ تھا۔ پھر فرمایا یہی سنّت ہے اور ایسا کرنے والے کو نیکیاں ملیں گی۔ مجھے یہ سُن کر خوشی ہوئی۔ والحمد للہ رب العٰلمین

تحریر کے وقت ہمیں اتنی ہی یاد تھیں۔ حضرت کی کرامات تو بیشمار ہیں۔ خدا ہمیں حضرت کے وجود سے نفع پہنچائے اور آپ کی محبّت میں ہماری موت ہو اور انہی کی جماعت میں ہمارا حشر ہو بوسیلہ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

(مؤلف کہتا ہے) خدا نے اس کی دعا قبول کی کیونکہ جب اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو دل میں خیال پیدا ہوا کہ اب مرنے کا وقت قریب آیا ہے وہ بیوی سے کہہ کر کہ میں حضرت کی خدمت میں فاس جاتا ہوں تاکہ وہیں وفات پاؤں صبا غات چھوڑ کر اور اہلِ وطن سے رخصت ہو کر آستانۂ شیخ پر آ پڑے اور بیمار پڑ گئے۔ شیخ نے وصیّت کرنے کا اور اللہ کی ملاقات کی تیاری کا حکم دیا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ حضرت نے اپنے گھر رکھ کر اس کی تیمار داری کی۔

لہ نازمان

Marfat.com

آپ کی زوجہ محترمہ اور ان کے متعلقین مریض کی ضروریات تیار کر دیتے۔ آخر جب وقت اخیر آگیا حضرت نیچے اپنے گھر میں تشریف فرما تھے اور علی بن عبداللہ بالاخانہ میں تھے حضرت نے فرمایا ابھی علی کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکرؓ کی زیارت ہوئی ہے۔ یہ سُن کر وہ لوگ بالاخانہ میں علی کے پاس آئے تاکہ یہ دریافت کریں۔ دیکھا تو اس کی زبان بند ہو چکی تھی۔ پھر بھی لوگوں نے حضرت کا مقولہ ذکر کیا۔ وہ سمجھ گئے اور سر ہلا کر کہا کہ ہاں سچ ہے اور منہ کھولا جیسے کوئی ہنس رہا ہوتا ہے۔ اس کے بعد متواتر مسکراتے رہے یہاں تک کہ روح پرواز کر گئی۔ اس کے بعد میں نے حضرت کو فرماتے سنا۔ اللہ نے اپنے فضل وکرم سے اس پر رحم کیا اور اگر صباغات میں نوے سال بھی اور زندہ رہتا تو بھی جس حال میں وہ مرا ہے، حاصل نہ کرسکتا۔

حضرت کی اُن کرامات کا ذکر جو الفقیہ عبداللہ بن علی التازی نے بیان کیں

مندرجہ ذیل کرامات عبداللہ بن علی التازی نے لکھ کر بھیجیں۔ یہ ایک صاحب کا عینی مشاہدہ تھا۔ حضرت کے سامنے ان کا ذکر کیا تو آپ نے ان کی تصدیق کی۔

عبداللہ بن علی کی بیان کردہ پہلی کرامت

عبدالرحمٰن مخوخی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں شیخ کے ساتھ مولائی ادریس کے مزار پر گیا اور وہاں علامہ احمد بن مبارک بھی تھے۔ شیخ نے کسی کام کے لیے مجھے اپنے گھر بھیجا۔ میں بڑی تیزی سے وہاں پہنچا اور شیخ کو وہیں چھوڑا۔ گھر پہنچا تو ایک آدمی دیکھا جو دھونے کی غرض سے کپڑے لینے کے لیے حضرت کی تلاش میں دروازہ پر کھڑا ہے۔ ابھی ہم مولائی ادریس کے مزار سے شیخ کی تشریف آوری کے منتظر تھے کہ دیکھتے کیا ہیں کہ آپ اپنے گھر سے ہاتھ میں کپڑے لیے نکلے اور دھوبی کو دے دیے۔ حالانکہ جب میں نے آپ کو مولائی ادریس کے مزار پر چھوڑا تھا تو آپ راستہ میں کیچڑ اور دلدل کی وجہ سے کھڑاؤں پہن کر آ رہے تھے۔ اگر آپ جوتا پہن کر بھی آتے ہوتے اور معمول کے طور پر چلتے تب بھی مجھ سے آگے نہیں نکل سکتے تھے کیونکہ میں نہایت تیز چل کر آیا تھا۔

دوسری کرامت

عبدالرحمٰن نے یہ بھی بیان کیا حضرت کی ایک عینک تھی جو گم ہوگئی۔ میں ایک اور عینک الحاج محمد کوّاش کی دوکان سے لے آیا لیکن وہ ٹھیک نہ لگی۔ فرمایا پہلی ہی تلاش کرو وہ صاف تھی شاید مل جائے ہم نے جس کتاب میں وہ رکھا کرتے تھے اسے ایک ایک ورق کرکے کئی بار تلاش کیا لیکن عینک نہ ملی۔ اس پر حضرت کا رنگ بدل گیا۔ میں نے دریافت کیا حضرت کیا بات ہے؟ فرمایا مجھے اس عینک پر غصہ آگیا ہے۔ پھر جس کتاب کا ورق ورق چھان مارا

Marfat.com

تھا اسے اُٹھایا اور جو ناقص عینک انہوں نے لگا رکھی تھی، وہ ناک سے گر پڑی اور آپ نے کتاب نیچے رکھ دی۔ دیکھا تو پرانی عینک کتاب کے اوپر پڑی ہے۔ پھر اپنے بیٹے عمر سے فرمایا: جاؤ اپنی والدہ سے کہدو اللہ نے میری عینک مجھے واپس دے دی ہے۔

تیسری کرامت | یہی عبدالرحمٰن فرماتے ہیں: سخت جاڑے کے موسم میں ہم شیخ کے پاس بیٹھتے تو آپ کے ماتھے سے بکثرت پسینہ ٹپکتا ہوا دیکھتے۔ مگر پھر یہ حالت نہ رہی۔ ہم نے اس کا سبب دریافت کیا۔ فرمایا یہ پسینہ مجھے ابتدا میں آتا تھا۔ جب مشاہدہ سامنے آتا اور پھر غائب ہو جاتا جب غایب ہو جاتا تو میں عام لوگوں کی طرح ہو جاتا۔ لیکن جب پھر مشاہدہ ہوتا تو مجھے انسانی حالت سے باہر نکال دیتا اور جب پھر غائب ہو جاتا تو میں عام انسانوں کی طرح بن جاتا۔ اس سے مجھے سخت تکلیف ہوتی جب یہ مشاہدہ دائم رہنے لگا اور کسی وقت بھی غایب نہ ہوتا اور میری ذات اس سے مانوس ہو گئی اس لیے اب مجھ پر اس کا اثر نہیں ہوتا۔

چوتھی کرامت | ایک مرتبہ میں اور میرا بھائی عبدالرحمٰن مذکور مدرسۂ عطارین کی چھت پر چڑھ گئے۔ اور ہمیں گھروں کی چھتوں پر عورتیں نظر آئیں۔ کہیں اکٹھی اور کہیں الگ الگ۔ ہم نے اُن کو دیکھنا شروع کیا اور اُن کا ذکر کر کے آپس میں ہنسنے۔ حتیٰ کہ ہم میں سے ایک خوش طبعی کے زور میں ہوا میں بڑے زور سے اُچھلا بھی۔ جب ہم شیخ کے مکان پر آئے اور بالاخانہ میں بیٹھے تو آپ خوب ہنسے اور فرمایا وہ شخص بہت ہی اچھا ہے جسے کشف نہ ہوتا ہو۔ اس کے بعد فرمایا سچ بتاؤ۔ جھوٹ نہ بولنا۔ تم دونوں کہاں گئے تھے۔ ہم نے واقعہ عرض کر دیا۔ اس پر حضرت نے عورتوں کا قصہ اور جس جس چھت پر وہ تھیں اس طرح بیان کرنا شروع کر دیا گویا وہ ہمارے ساتھ تھے۔ یہاں تک کہ اُچھلنے کا واقعہ جو ہم نے ان سے چھپایا تھا وہ بھی ذکر کر دیا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ اس وقت ملنے والوں کے پاس بیٹھے تھے۔ جب آپ نے عبداللہ اور عبدالرحمٰن کو اُچھلتے دیکھا تو آپ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ حاضرین نے سمجھا کہ اُن میں سے کسی پر ہنسے ہیں۔

پانچویں کرامت | ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوا اور میری بیوی حاملہ تھی۔ آپ سے حمل کا تذکرہ کیا۔ حاضرین میں سے ایک نے بطریق تمسخر کہا لڑکی ہو گی۔ لیکن شیخ نے مجھے فرمایا قریب آؤ۔ جب قریب گیا تو کان میں فرمایا۔ لڑکا ہو گا اور ایسا ہی ہوا۔

چھٹی کرامت | عبدالرحمٰن کہتا ہے ایک بار پھر حاضر ہوا اور میرا لڑکا بیمار تھا۔ میں نے عرض کی کہ بچے کی صحت کے لیے دعا فرمادیں۔ فرمایا پھر کبھی کہنا تو دعا کروں گا۔ میں سمجھ گیا کہ بچے کی موت کا وقت قریب ہے اور ایسا ہی ہوا۔

ساتویں کرامت | ایک بار پھر حاضر ہوا اور بیوی حاملہ تھی۔ فرمایا تمہارے ہاں ایک بیٹی کا اضافہ ہوا

Marfat.com

ہے اور ایسا ہی ہوا۔

آٹھویں کرامت | عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں آپ کی زیارت کے لیے فاس روانہ ہوا اور شیخ کے لیے تیس اوقیہ[ع] ساتھ لے چلا۔ جب شہر کے قریب پہنچا تو اس میں سے ایک اُوقیہ نکال لیا۔ جب باقی رقم حضرت کے پیش کی تو فرمایا اپنی کاروائی تم چھوڑتے نہیں ہو جاؤ ایک موزونہ کی کھجور اور تین موزونہ کا پنیر لے کر آؤ اس اُوقیہ کے عوض جو تم نے نکال لیا ہے۔ میں نے کہا حضرت کی عقل و دانش کس قدر خالص ہے۔

نویں کرامت | عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ حضرت کی زیارت کے لیے گیا۔ جب آپ کے سامنے بیٹھ گیا تو فرمایا اتوار کی رات کیا کر رہے تھے؟ میں نے عرض کیا حضور کونسی بات؟ فرمایا جب تو اپنی بیوی سے مجامعت کر رہا تھا اور تم نے اپنے بیٹے کو تکیے پر بٹھلایا ہوا تھا کیونکہ وہ سوتا نہ تھا۔ اور لالٹین بھی صندوق پر پڑی تھی۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں اس وقت تمہارے پاس موجود تھا؟

القصہ شیخ کی کرامات لاتعداد ہیں۔

مؤلف کتاب کہتا ہے کہ اس وقت سے اب تک بے شمار کرامات آپ سے صادر ہوئیں اور ان بزرگوں نے جو کرامات لکھ کر بھیجی تھیں وہ ۱۱۲۸ھ کے اختتام تک کی تھیں۔ انہیں میں نے عاشورہ کے دن دس محرم ۱۱۲۹ھ کو حضرت کے پیش کیا تھا۔

الارضی سیدی العربی الزیادی کی تحریر کردہ کرامات

اکثر کرامات جو انہوں نے ذکر کی ہیں میں بھی اس وقت حاضر تھا اور میں نے خود دیکھی ہیں اور جن میں میں حاضر نہ تھا ان کی نسبت میں نے حضرت سے دریافت کر لیا تھا اور آپ نے ان کی تصدیق کی تھی۔

پہلی کرامت | میں حکومت کے کسی ایک سیکرٹری کے لیے کتابیں خریدا کرتا تھا۔ میں نے بہت سی کتابیں خرید کر اس کے پاس بھیج دیں۔ اس نے بھی کتابیں پہنچنے سے پہلے ہی مجھے رقم ادا کر دی لیکن جب کتابیں اس کے پاس پہنچیں تو اسے پسند نہ آئیں اس لیے وہ بہت گرجا اور چمکا۔ پھر کتابیں مجھے واپس بھیج دیں اور کہا کہ انہیں مالک پر واپس کر کے قیمت داخل کر دو۔ ورنہ جو ہم سے ہو سکے گا وہ ہم کریں گے۔ یہ سن کر میں گھبرایا اور مغموم و پریشان ہوا اور سیکرٹری سے ڈرا کیونکہ اس کا

ع اوقیہ = ایک اونس۔

Marfat.com

بڑا دبدبہ تھا۔ چنانچہ میں نے شیخ کے پاس جا کر قصہ کہہ سنایا اور عرض کیا کہ مالکوں نے کتابیں واپس لینے سے انکار کر دیا ہے اور میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ ادا کر سکوں اور سیکریٹری کا بڑا اقتدار ہے ۔ اسی قسم کی اور مشکلات کا ذکر کیا۔ اس پر شیخ نے فرمایا "بیٹا کوئی ڈر کی بات نہیں۔ انشاء اللہ جلدی کوئی سبیل نکل آئے گی۔" ابھی چند ہی دن گذرے تھے کہ سلطان نے اُسے قتل کرا دیا اور شیخ کے فرمانے کے مطابق میری مشکل حل ہو گئی۔

دوسری کرامت ایک مرتبہ ہمارے وطن نامسنا میں سخت فساد ہوا اور قاضی شہر میرا دینی بھائی بنا ہوا تھا۔ مجھے اُس کی نسبت ڈر ہوا کہ کہیں اس پر کوئی عتاب نہ آئے۔ میں شیخ سے اس کے لیے دعا کرانے آیا۔ فرمایا سید طاہر کو تو خطرہ نہیں لیکن میں میر منشی کا ضامن نہیں ہوں۔ یہ میر منشی بھی میرا اور قاضی دونوں کا دوست تھا لیکن میں نے اس کا ذکر نہ کیا تھا۔ یہ وہی کتابوں والے صاحب ہیں جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ چنانچہ جیسا شیخ نے فرمایا تھا، وہی ہوا۔ قاضی صاحب تو بال بال بچ گئے اور میر منشی قتل کر دیے گئے۔

تیسری کرامت نیز جب ہمیں میر منشی کے قتل کی خبر پہنچی اور اُس کا ابھی صرف چند لوگوں کو علم تھا۔ کہ میں نے شیخ کے گھر جا کر دستک دی۔ آپ نکلے لیکن ہم نے میر منشی کی موت کا ذکر نہ کیا۔ خود ہی فرمایا۔ میر منشی مر گیا۔ میں نے کہا۔ جی ہاں۔ فرمایا میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ پھر فرمایا اس کی کتابوں میں سے کوئی کتاب تمہارے پاس ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا اللہ انجام بخیر کرے۔ آپ کے ان الفاظ سے مجھے ڈر لگا اور گھبراتے ہوئے میں نے حضرت کے ہاتھوں کو جھک کر بوسہ دیا اور عرض کیا مجھے اس میر منشی کی طرف سے بڑا ڈر ہے۔ حاضرین نے میری مدد کی اور شیخ سے دعاءِ خیر کی درخواست کی۔ فرمایا طلبی تو ضرور ہو گی لیکن سلامتی سے گذر جائے گی۔ میں اس کا منتظر رہا۔ پھر ان تمام لوگوں کی طلبی و تحقیق و تفتیش ہونے لگی جن کا میر منشی سے میل جول تھا اور جو گرفتار ہوئے انہیں طرح طرح کی سزائیں دی گئیں۔ کسی کی گردن اُڑا دی گئی۔ کسی کا مال ضبط کر لیا گیا اور کسی کی ذلت و خواری کی گئی اور مجھے خوف پہ خوف طاری ہوا۔ میں شیخ کی خدمت میں جاتا تو فرماتے موت تو نہیں ہے البتہ تکلیف ضرور ہو گی۔ آپ یہی فرماتے رہے حتیٰ کہ مکناسہ (دارالسلطنت) لے جانے کے لیے میرے پاس بھی قاصد آ گیا۔ میں اُسے لے کر شیخ کی خدمت میں آیا۔ آپ اُسے بڑی مسرت و انبساط سے ملے۔ اس کے لیے دعاءِ خیر کی اور میرے متعلق بہت کچھ نصیحت کی۔ اس نے عرض کیا بسر و چشم۔ شیخ نے مجھے فرمایا کہ تو صحیح و سلامت واپس آ جائے گا اور اس آدمی کے ہاتھ اس حاکم کو جو میر منشی کے معاملہ کی تفتیش کر رہا تھا، سلام بھی کہلا بھیجا۔ میں مکناسہ گیا اور میر منشی کی جو کتابیں میرے پاس تھیں، دے دیں اور انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور میں فاس واپس چلا

Marfat.com

آیا۔ والحمدللہ۔

اس کے بعد چند لوگوں نے جو ظلم پسند حکام میں مقرب بننا چاہتے ہیں، افسرِ تفتیش کو مجھ پر بھڑکایا اور افترا باندھ کر اس کو سنایا کہ فلاں شخص کے پاس ابھی بہت کچھ مال باقی ہے۔ چنانچہ مجھے گھر آئے ابھی ایک جمعہ ہی گذرا تھا کہ قاصد پھر آموجود ہوا اور مجھ سے دوستی و محبت کا اظہار کیا اور کہا کہ جب تامسنا کے قاضی کو معلوم ہوا کہ تمہارا معاملہ بخیر و خوبی طے پا چکا ہے تو اس نے افسرِ تفتیش کو لکھا کہ سید عربی کو ہمارے پاس بھیج دو کہ موضع سلا میں ہم سے آکر ملاقات کرے۔ اب آپ کی مرضی ہے خواہ چلیں یا نہ چلیں۔ میں اُسے لے کر حضرت کے پاس آیا۔ اس نے وہاں بھی اسی طرح کہا۔ شیخ خاموشی سے سُن رہے تھے۔ پھر مجھے فرمایا کہ میری رائے ہے کہ اس کے ساتھ چلے جاؤ لیکن تیس اوقیہ ساتھ ضرور لے لو تاکہ افسرِ تفتیش کو دے سکو۔ قاصد نے کہا حضور میری بھی یہی رائے ہے۔ میں نے عرض کیا اگر وہ مجھے قاضی السید الطاہر کی وجہ سے لے جانا چاہتا ہے تو میں اسی کے ساتھ کیوں جاؤں اور اگر جانا ہی ضروری ہے تو تیس اوقیہ لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت نے فرمایا میری بات مانو میں ہنسی نہیں کر رہا۔ مجھے اس شخص کے خبثِ باطن کا علم نہ تھا اور نہ ہی یہ خبر تھی کہ وہ مجھے دھوکا اور فریب دے رہا ہے اور میں اپنی نادانی پر جما رہا۔ اس پر شیخ نے وضاحت سے فرما دیا اور وہ شخص سُن رہا تھا مگر ہنسی میں ٹال گیا۔ پھر جب ہم شیخ کے پاس سے اُٹھ کر آنے لگے تو فرمایا موت کا خطرہ نہیں البتہ قید کیے جاؤ گے۔ چنانچہ میں اُس شخص کے ساتھ مکناسہ روانہ ہو گیا مگر تیس اوقیہ جس کا شیخ نے حکم فرمایا تھا، ساتھ نہ لیے۔ جب مکناسہ پہنچے تو افسرِ مذکور نے میری طرف سے مُنہ پھیر لیا اور اپنے گھر میں مجھے قید کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب تک میں سلطان سے تمہارے بارے میں مشورہ نہ کر آؤں تم یہاں سے نہ نکلنا۔ مجھ سے پہلے میرے شہر کے چند لوگوں کے متعلق اس نے سلطان سے مشورہ کیا تھا اور انہیں قتل کر ڈالا تھا۔ میں اس قدر ڈرا کہ اللہ ہی جانتا ہے۔ میں نے کہا اب تو قتل ہی باقی رہ گیا ہے۔ یہ افسر مشورہ کے لیے روانہ ہوا۔ جب وہاں پہنچا تو اتفاق ایسا ہوا کہ اس وقت میر منشی مذکور کا ایک بھائی ابو العباس سبتی کا غلاف لے کر آیا تھا۔ سلطان نے اس غلاف لانے والے کو اور ان لوگوں کو جن کا تعلق میر منشی سے تھا، سب کو شیخ کی برکت سے معاف کر دیا۔ لیکن مجھے سنخرہ ؎ کے بارے میں گرفتار کر لیا اور سنخرہ کی قیمت تیس اوقیہ تھی۔ اس وقت مجھے شیخ کی بات سمجھ آئی کہ تیس اوقیہ ساتھ لے جانا۔ میں بہت

؎ سنخرہ کے معنی معلوم نہ ہو سکے۔ (مترجم)

Marfat.com

بے قرار و پریشان پھرتا رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے معاملہ آسان کر دیا اور مجھے رہائی نصیب ہوئی۔ والحمدللہ۔ اور یہ سب شیخ کی برکت سے ہوا۔

چوتھی کرامت ایک مرتبہ میں مغرب کی نماز کے بعد حضرت کے گھر گیا اور دیر تک دروازہ پر بیٹھا رہا۔ مگر دروازہ نہ کھٹکھٹایا۔ آپ بالاخانہ سے اُترے اور میں نے سیڑھیوں سے آپکے اترنے کی آواز سنی۔ آپ نے میرا نام لے کر پکارا۔ میں نے عرض کیا جی حضور۔ فرمایا کیا تو ایک گھنٹہ سے دروازہ پر نہیں بیٹھا رہا۔ میں نے کہا: جی ہاں۔ اور اس وقت تاریکی بھی تھی۔ میں نے دستک بھی نہ کیا تھا اور نہ ہی جب تک آپ نے مجھے پکارا تھا، کسی کو بتلایا تھا کہ میں دروازہ پر ہوں۔ پھر آپ نکلے اور میں نے آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا۔

پانچویں کرامت ایک رات میں نے گھر سے باہر مدرسہ میں گذاری اور صبح کو آپ کے پاس گیا۔ آپ نکلے اور فرمایا: کل رات کہاں گذاری اور گھر میں رات کیوں نہ گذاری۔ میں نے عرض کیا نہیں حضرت میں تو رات گھر میں ہی رہا اور اس طرح آپ کو دھوکا دینا چاہا۔ فرمایا: کیا فلاں جگہ رات نہیں گزاری؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ حضرت فرمانے لگے اگر سچ نہ کہو گے تو جو کچھ تو نے کل رات وہاں کیا ہے سب کچھ بتا دوں گا۔ میں رُسوائی سے ڈرا اور آپ کے ہاتھ پر بوسہ دے کر کہا حضور سچ فرماتے ہیں۔

چھٹی کرامت ایک بار میں مدرسہ میں ایک جاہل شخص سے جو حضرت کا مرتبہ نہ سمجھتا تھا، جھگڑ پڑا۔ اس کے بعد جب آپ کی خدمت میں جانا ہوا تو فرمایا وہ کون شخص تھا جس سے کل رات تو جھگڑ رہا تھا۔ اور تو نے اسے کیا کہا اور اس نے کیا کہا۔ میں چپ رہا۔ لیکن آپ نے تمام قصہ کہہ سنایا۔

آپ کی کرامات لاتعداد ہیں۔
مؤلف کتاب کہتا ہے کہ

ساتویں کرامت ایک بار آپ سے ایک شخص کے بارے میں باتیں ہو رہی تھیں تو میں نے عرض کیا اسے آپ سے بڑی محبت ہے۔ آپ نے فرمایا اُسے مجھ سے محبت نہیں ہے۔ اگر تو اسے آزمانا چاہے تو اُسے یوں ظاہر کرنا کہ تو نے مجھ سے محبت کرنا چھوڑ دیا ہے۔ پھر دیکھنا وہ کیا کہتا ہے۔ وہ شخص میرے پاس آیا تو میں نے کہا مجھے تو کچھ اور ہی پتہ چلا ہے اور میں نے اس طرح باتیں کیں جن سے یہ ظاہر ہو کہ میرا خیال بدل گیا ہے۔ یہ سن کر کہنے لگا میں نے تو تجھے پہلے ہی کہدیا تھا اور اپنا خبثِ باطن ظاہر کر دیا۔ تب میں نے کہا کہ جناب والا میں تو آپ کو آزما رہا تھا۔ سو آپ کی حقیقت کھل گئی۔ اس پر وہ بہت شرمندہ ہوا۔ پھر میں نے حضرت سے اس کا ذکر

Marfat.com

کیا۔ آپ نے فرمایا میں نے تو تمہیں پہلے کہہ دیا تھا۔

آٹھویں کرامت ایک بار بالاخانہ میں آپ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور کچھ باتیں ہو رہی تھیں کہ یکایک پیرانی صاحبہ کے رونے کی آواز آئی اور شدتِ غم کی وجہ سے گھر میں گھومنے لگی کیونکہ انہیں بھائی کے مرنے کی خبر ملی تھی جو پردیس میں تھا۔ حضرت نے اُوپر سے جھانکا اور فرمایا اس کا انتقال نہیں ہوا۔ اس کی موت کی خبر دینے والے نے جھوٹ کہا ہے اور اس پر قسم بھی کھائی، مگر پھر بھی وہ رونے سے باز نہ آئیں کیونکہ انہیں انتہائی غم ہوا تھا۔ اس کے بعد حضرت کے فرمان کے مطابق خبر آئی۔ پیرانی صاحبہ کا بھائی اب تک زندہ ہے۔

نویں کرامت ایک مرتبہ آپ محلۂ عرصہ کی طرف جا رہے تھے کہ آپ سے ایک شخص ملا جس کا ایک اور رشتہ دار عبدالملک بن السلطان کے ساتھ محلہ (جگہ کا نام) میں تھا۔ شیخ اُسے دیکھ چکے تھے کہ وہ ایک ایسے شخص کے پاس بیٹھا تھا جو مدعیٔ ولایت تو تھا لیکن درحقیقت ولی نہ تھا۔ لیکن جب اس کی نظر شیخ پر پڑی تو اُٹھ کر ان کے پاس آگیا اور عرض کی مجھے پردیس (یعنی محلہ میں) گئے ہوئے بھائی کے متعلق بتلائیں کیا وہ زندہ ہے یا مر گیا۔ کیونکہ فلاں صاحب نے (اُس کی مراد مذکورہ مدعیٔ ولایت سے تھی) مجھے بتلایا ہے کہ وہ زندہ ہے۔ شیخ نے تجاہل برتا لیکن اس شخص نے اصرار کیا۔ شیخ نے فرمایا اگر تم ضرور ہی پوچھنا چاہتے ہو تو لو صحیح خبر یہ ہے۔ خدا غریب الوطن حاجی عبدالکریم السبکی پر رحم کرے۔ اس کے بھائی کا یہی نام تھا۔ اُس کی خبر تمہیں وہ شخص دے گا جس نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی ہے۔ سلطان نے تو اسے قتل کر دیا ہے۔ اس کے بعد شیخ کے فرمانے کے مطابق خبر آگئی۔

دسویں کرامت شیخ کا ایک خادم ماہوار تنخواہ پر عرصہ میں کام کرتا تھا اور وہ حکومت کے ظلم سے روپوش تھا۔ اس کا ایک بھائی اُس کی تلاش میں تھا اور اس کی ایذا کے درپے تھا۔ شیخ نے اُسے کہا کہ اسے چھوڑ دو۔ لیکن وہ نہ مانا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ حاکم ضلع کے پاس پہنچا اور کہا کہ میرا بھائی شیخ عبدالعزیز کے پاس موجود ہے اور انہوں نے مجھے اُسے یہاں لانے نہیں دیا۔ حاکم نے ایک سپاہی بھیجا۔ جب سپاہی آیا، اس وقت میں عرصہ میں آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ کہنے لگا آپ کو حاکم بلاتا ہے۔ حضرت نے کہا "مجھے؟" کہاں۔ حضرت نے فرمایا بسر و چشم۔ میں تو ایک مسکین اور رعیت ہوں۔ مجھے بھی کہا اٹھو۔ ہم دونوں حاکم کی طرف روانہ ہو گئے۔ سپاہی کو ندامت ہوئی تو کہنے لگا۔ حضرت ہمارا مقصد تو صرف اس شکایت کنندہ کے بھائی سے ہے۔ آپ اسے ہمارے حوالے کر دیں اور واپس چلے جائیں۔ فرمایا کیا میں نے تمہیں اس سے روکا ہے؟ چنانچہ وہ اُسے لے کر روانہ ہو گئے۔ اس کے بعد اس شخص کا بھائی صرف ایک ماہ زندہ رہا اور وہ شخص اس عرصہ میں واپس چلا آیا اور اسے کوئی خطرہ نہ رہا۔

Marfat.com

گیارھویں کرامت جب بزتاسن کے مشہور قبیلہ نے سلطان کے خلاف لغاوت کی اور سلطان نے اُن کے کچھ لوگ گرفتار کر لیے تو تازہ کے ایک اہلکار نے گرفتاریوں کی آگ کو اہلِ تازہ کی طرف منتقل کرنا چاہا۔ اُس نے اس غرض سے ایک جعلی دستاویز مرتّب کی جس میں یہ ظاہر کیا کہ یہ خط اُنہوں نے بنی بزتاسن کو لکھا تھا۔ اور اُنہیں یقین دلایا تھا کہ وہ ان کے ساتھ ہیں اور اس تحریر کو سلطان کے سامنے پیش کیا اور پڑھ کر سنایا۔ سلطان یہ سُنکر آگ بگولا ہوگیا اور ارادہ کیا کہ کسی کو اُن سے بدلہ لینے کے لیے روانہ کرے لیکن پھر خیال آیا اور اہلِ کار کو قید کرنے کا حکم دیا۔ اہلِ تازہ کو بھی اس کا پتہ چل گیا۔ اُن میں سے کچھ لوگ شیخ کے پاس سے گزرے اور شیخ سے مشورہ کیا کہ کیا ہم اپنا وطن چھوڑ کر بھاگ جائیں کیونکہ اُنہیں سلطان سے خطرہ تھا۔ شیخ نے فرمایا، اگر جیسا میں کہوں، تم کروگے تو کہوں؟ انہوں نے عرض کیا حضور فرمائیے۔ ہم تو آپ کی نصیحت پر عمل کرنے کے لیے آئے ہیں۔ فرمایا "سیدھے سلطان کا رُخ کرو۔ لیکن پہلے وزیر کے پاس جانا۔" انہوں نے ایسا ہی کیا۔ وزیر انہیں لے کر سلطان کی خدمت میں آیا۔ اُن کی تعریف کی اور جو الزام اس اہلکار نے لگایا تھا اس سے اُنہیں بری قرار دیا۔ اس پر سلطان نے اُسے قتل کرا دیا۔ یہ اس کی بدذاتی کا انجام تھا۔

اسی طرح ایک اور واقعہ پیش آیا جو فاس کے اسی سرکاری عملہ میں سے تھا جن کے کچھ اوپر بیس آدمی شوال ۱۱۳۰ھ میں قتل ہو چکے تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جب اس شخص نے حاکمِ ضلع کی گرفتاری سے پہلے تفتیش کی خبر سُنی تو یہ بھاگ جانے کے متعلق شیخ سے مشورہ کرنے کو آیا۔ آپ نے فرمایا، بھاگنا نہیں اور خود حاکم کے پاس چلے جاؤ اور کہو میں حاضر ہوں، آپ جو چاہیں سزا دیں لیکن میں تو فرمانبردار ہوں۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ حاکم نے کہا اگر تو سچا ہے تو فجیج چلا جا اور تیر اندازوں کے ساتھ فوجی خدمت انجام دو۔ اس نے شیخ کے پاس آکر بتایا کہ مجھے حاکم نے یہ حکم دیا ہے۔ شیخ نے فرمایا فوراً اُدھر چلے جاؤ۔ اس کے چند دن بعد حاکم اور اس کے ساتھی گرفتار ہو گئے اور اُن کے اتنے ہی آدمی مارے گئے جتنے عملہ والوں کے مارے گئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے شیخ کی برکت سے اس شخص کو نجات دلوائی۔

اس قسم کے معاملات میں حضرت کا یہی طریقہ تھا کیونکہ جس کسی نے آپ سے حکومت سے بھاگ جانے کا مشورہ کیا تو آپ نے یہی مشورہ دیا کہ سرکار کے ہاں خود چلے جاؤ اور اُس کا انجام اچھا ہی نکلتا۔ اگر اس قسم کی حکایات ذکر کرنے لگوں تو قصہ طولانی ہو جائے۔

بارھویں کرامت ایک حاکم کو سلطان نے معزول کر دیا۔ اس نے کسی کو شیخ کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ اُن سے دعا کروائے کہ وہ دوبارہ اپنے عہدہ پر مقرر ہو جائے۔ آپ نے وعدہ فرما لیا چند ہی روز گزرے تھے کہ سلطان نے اُسے اپنے عہدہ پر بحال کر دیا۔ حضرت نے چند حافظِ قرآن لوگوں

Marfat.com

کے بارے میں سفارش کی کہ کچھ ٹیکس اُنہیں معاف کر دیے جائیں۔ لیکن اس نے نہ مانا اور انکار کر دیا اب اُس حاکم کا بھائی حضرت کی خدمت میں آیا اور حضرت نے اس سے وعدہ فرما لیا کہ بھائی کا عہدہ تمہیں مل جائے گا۔ اور ایسا ہی ہوا کیونکہ حضرت کا فرمان نہ ماننے کے چند دن ہی بعد وہ آخرت کی طرف سفر کر گیا اور اُس کا بھائی اس عہدہ پر مقرر ہو گیا۔ اور اس نے جن لوگوں کے متعلق حضرت نے سفارش کی تھی، اُن کا کام کر دیا۔

تیرھویں کرامت ابھی میری شیخ سے جان پہچان کی ابتدا ہی تھی اور میری شادی مولانا العلامہ محمد بن عمر السجلماسی جو خانقاہ ادریس میں رہتے تھے اور وہاں مسجد کے امام اور خطیب بھی تھے کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ مجھے ان کے مرتبہ کا بھی علم تھا اور اس لڑکی کے کمالِ عقل، حُسنِ معاشرت اور سلیقہ شعاری کی وجہ سے مجھے اس سے سخت محبت تھی۔ جب شیخ کو اس کا علم ہوا کہ میرے دل میں اُس کی کتنی قدر ہے اور اس سے کس قدر محبت ہے تو کبھی مجھ سے یوں پوچھتے کیا تجھے مجھ سے اُس جتنی محبت ہے یا اُس کی محبت زیادہ ہے۔ میں سچ کہہ دیتا اور عرض کرتا کہ اُس کی محبت زیادہ ہے اور میں معذور تھا کیونکہ مجھے شیخ کے مرتبہ اور اُن کے امامِ وقت ہونے کا علم نہ تھا۔ حضرت پر اس جواب کا اثر ہوتا۔ اور ہونا بھی چاہیئے تھا کیونکہ جب تک مرید کے دل میں شیخ، اللہ اور رسول کے سوا کسی اور چیز کی محبت ہو تو اس کا کچھ کام نہیں بن سکتا۔ آپ اس میں میرا ساتھ دیتے اور مجھے اس حالت سے نکالنا چاہتے۔ لیکن جب میں نہ مانا اور اللہ کی تقدیر میں جو کچھ لکھا ہونا تھا، لکھا جا چکا تھا۔ ۲۷ رمضان ۱۱۲۵ھ کی صبح کو جب میں حاضر ہوا تو آپ نے اثنائے گفتگو میں فرمایا کہ اولیاء کے ساتھ میل جول رکھنا بمنزلہ زہر کھانے کے ہے۔ ہمارے فلاں شیخ نے اپنے مرید کے لیے نہ بیوی چھوڑی نہ بچہ اور اُس کو اپنا بنا لیا۔ لیکن اس اشارہ کو نہ سمجھا۔ اس کلام کے چند دن ہی بعد عورت سے جو واقعہ ہونا تھا، ہوا۔ وہ بیمار ہوئی اور مر گئی۔ حضرت کو بھی اس سے بڑی محبت تھی اس لیے آپ دلاسا دیتے رہتے

ع شیخ کا کام مرید کو واصل باللہ بنانے کا ہوتا ہے اور جب مرید علائقِ دُنیاوی میں پھنسا ہوا ہو اس وقت اس کی توجہ ذات باری کی طرف کیسے ہو سکتی ہے؟ اس لیے شیخ دنیا و مافیہا سے قطع تعلق کرا کے پہلے اسے فنانی الشیخ کے درجہ میں لاتا ہے۔ جب اس میں کمال حاصل کرتا ہے تو پھر فنا فی الرسول کی باری آتی ہے اور پھر فنا فی اللہ میں پہنچ کر کمال حاصل کرتا ہے۔ اس طرح شیخ وَاللّٰہ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (مشکوٰۃ باب الایمان صـ۱۲) اور قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا اَحَبَّ مِنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ کا مفہوم سمجھا کر سعادتِ دارین عطا کرتا ہے۔

Marfat.com

اور اسے دوائیں، شربت اور جن چیزوں کی مریض کو رغبت ہوتی ہے، اس کے لیے بھیجتے اور اسے شفا کا وعدہ کرتے اور آپ کی مراد شفاء آخرت ہوتی جیساکہ اس کا اظہار لبعد میں فرمایا۔ اس کی وفات کے بعد میری گرویدگی بچہ کے ساتھ بڑھی جسے وہ نشانی چھوڑ گئی تھی کہ جب اس کو دیکھتا تو دل اُسی میں لگا رہتا۔ ماں کے بعد وہ بھی چند دن ہی زندہ رہا اور چل بسا۔ اس کے بعد میں نے فقیہ مذکور کی دوسری بیٹی سے شادی کی۔ جب اس کے پاس گیا تو اسے اپنے گمان سے کہیں زیادہ خوبصورت اور عقل و کمال والی پایا اور وہ میرے دل پر قابض ہو گئی۔ تھوڑی مدت بعد وہ بھی چل بسی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے شیخ کی محبت کاملہ نصیب کی جس سے بالا کوئی محبت نہیں۔ اس کی صورت یوں ہوئی کہ ایک مرتبہ میں آپ کے پاس گھر میں بیٹھا ہوا تھا اور آپ محبتِ الٰہی کے متعلق تقریر فرما رہے تھے کہ وہ کیسی ہوتی ہے۔ میں نے اس پر کئی ایک سوالات کیے جن کا حضرت نے جواب دیا۔ میں نے یہ جواب و سوال لکھ دیے ہیں جنہیں آئندہ چل کر انشاء اللہ آپ دیکھ لیں گے۔ پھر آپ مسکرائے اور فرمایا ہم تمہارے ساتھ کیا تدبیر کریں تم تو دنیا میں دو بیویوں سے محبت کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے انہیں اپنی رحمت میں لے لیا اور انہیں برزخ میں باقی تمام ارواح کے ساتھ اتارا اس کے باوجود بھی تم اُن سے کامل محبت کرتے رہے۔ اب بتاؤ کہ اللہ انہیں برزخ سے کہاں لے جاکر رکھے تاکہ وہ تمہارے دل سے غائب ہو جائیں۔ اللہ کی قسم شیخ کے ان الفاظ سے ان کی محبت میرے دل سے جاتی رہی اور اب ساری محبت خالص شیخ کے ساتھ ہو گئی۔ حالانکہ میں نے فقیہ مذکور کی تیسری بیٹی سے بھی شادی کر لی تھی لیکن دل اس کے ساتھ نہ لگا۔ چنانچہ یہ بحمد اللہ بخیر و عافیت ہے۔

چودھویں کرامت | ایک مرتبہ حضرت مخدومہ بیرانی صاحبہ کو حمل قرار پایا کہنے لگیں: اے میرے سردار عبدالعزیز! مجھے خدا نے کافی اولاد دی ہے لہذا مجھے اس حمل کی ضرورت نہیں خاص طور پر جبکہ مجھے خانگی امور میں کافی مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور نہ ہی کوئی باندی ہے جو میری مدد کر سکے۔ لہذا اگر آپ واقعی ولی ہیں جیساکہ لوگ کہتے ہیں تو دعا کرو کہ حمل گر جائے۔ شیخ اسے فرمایا کرتے تھے کہ جب سویا کرو تو سر ڈھانپنے کے بعد چہرہ کھلا نہ چھوڑا کرو مبادا ایسی چیز نظر آ جائے جس کی برداشت نہ کر سکو۔ ایک رات اتفاق سے انہوں نے چہرہ سے کپڑا اٹھایا تو انہوں نے شیخ کے پاس تین مردانِ غیب دیکھے۔ اس سے وہ اتنی ڈریں کہ حمل گر گیا۔

پندرھویں کرامت | تمام گھر والوں نے اور ان لوگوں نے جو حضرت کی زیارت کے لیے آئے ہوئے تھے اس کرامت کا مشاہدہ کیا ہے کہ کبھی آپ کو اپنے جسم سے خفیف غیبوبت حاصل ہوتی تھی یہاں تک کہ جو آپ کے پاس بیٹھے ہوتے وہ یہ خیال کرتے کہ آپ کی روح جسم سے پرواز کر گئی

Marfat.com

ہے اور آپ کی ذات میں کوئی حرکت نہ ہوتی۔ نہ سانس میں نہ ہونٹوں میں نہ رگوں میں۔ چنانچہ ایک دن ایسی حالت طاری ہوئی اور ایک آدمی آیا۔ اس نے دیکھا کہ نور بجلی کی طرح اوپر کو چڑھ رہا ہے اور پھیل رہا ہے لیکن اگرچہ یہ سرعت میں بجلی سے کم تیز ہے مگر صفائی میں اس سے زیادہ صاف ہے۔ اُس نے باہر جاکر لوگوں کو خبر دی۔ لوگوں نے آکر یہ حالت دیکھی۔ دوسرے دن جب حضرت سے ملا اور آپ کے ساتھ عرصہ کی طرف گیا۔ تو آپ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ پڑھا اور فرمایا کل ایسی بات ظاہر ہوگئی جسے میں مخفی رکھا کرتا تھا۔ میں نے عرض کیا حضرت واقعہ تو میں سن چکا ہوں لیکن اس میں کیا راز ہے۔ فرمایا یہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور تھا اور پھر تمام واقعہ بیان کیا۔ خدا ہمیں حضرت کی ذات سے نفع پہنچائے۔

سولھویں کرامت | میرا ایک حافظِ قرآن دوست مشہور قبیلہ حباہیہ میں سے تھا۔ جب ۱۱۲۷ھ میں اس قبیلہ پر ظلم وستم ڈھائے گئے۔ تو جو شخص اُن پر حاکم مقرر تھا میں نے اس کے پاس ایک شخص کو اپنے مذکورہ بالا دوست کی سفارش کرنے کو بھیجا۔ اُس نے میرے دوست کو تمام مطالبات سے رہائی دے دی۔ پھر وہ حاکم دوسال مامور رہنے کے بعد معزول ہوگیا اور اس کی جگہ ایسا شخص حاکم مقرر ہوا جس کے بارے میں پختہ یقین تھا کہ وہ جیسا میں کہوں گا ویسا ہی کرے گا چنانچہ میں نے اسی دوست کے بارے میں کہلا بھیجا لیکن اس نے کسی قسم کا کوئی کام نہ کیا۔ میں نے چاہا کہ حاکمِ اعلیٰ کو کہلا بھیجوں تو شیخ نے فرمایا اگر اللہ کی مرضی اُسے آزاد کرنے کی ہوتی تو حاکم تمہاری بات مان لیتا اور کام کر دیتا لیکن میں نے تغافل برتا اور سفارش پر سفارش بھیجتا گیا۔ جو لوگ میرا سفارشی رقعہ لے کر جاتے اُنہیں دیکھ کر وہ بہت خوش ہوتا اور واضح طور پر کہتا کہ میں کام کر دوں گا لیکن اس کے باوجود نہ کرتا۔ میں نے کئی بار کوشش کی لیکن اس سے اللہ نے کوئی کام نہ ہونے دیا۔ مجھے شیخ کے کشف کی صداقت معلوم ہوگئی۔

سترھویں کرامت | ایک روز میں آپ کے پاس عرصہ میں تھا اور آپ کے پاس عبدالسلام بن مشیش کی اولاد میں سے ایک سیّد بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اس سیّد نے عرض کیا کہ حضرت سادات نے سلطان کے پاس اس پہاڑ کے رہنے والوں میں سے جو شیخ عبدالسلام کی قبر کے پاس ہے ایک شخص کی شکایت کی ہے کہ اس نے سیدانیوں سے شادی کی ہے۔ حالانکہ وہ عوام میں سے ہے اور سلطان اس بات کو سخت بُرا جانتا ہے۔ جب اُس نے یہ سُنا تو اُسے گرفتار کرکے لایا گیا اور قتل کی دھمکی دی گئی۔ شیخ نے فرمایا کیا یہ شخص اللہ سے نہیں ڈرتا۔ اس نے کیسے مولائی عبدالسلام کی بیٹیوں سے شادی کر لی حالانکہ اس میں کئی قسم کے عیب[ع] پائے جاتے ہیں۔ اس سیّد نے عرض کیا حضور آپ کو یہ کیسے معلوم ہوگیا حالانکہ نہ تو آپ اس شخص

ع۵ اصل کتاب میں، تبجر طانیت لکھا ہے جس کے معنی نہ معلوم ہو سکے۔ (مترجم)

Marfat.com

کو جانتے ہیں اور نہ ہی کبھی آپ نے اسے دیکھا ہے اور نہ کبھی پہلے اس کے متعلق کچھ سُنا اور یہ عیب جس کا آپ نے ذکر کیا ہے اس کا تو اس کے قبیلہ کے چند لوگوں کو علم ہے۔ اس کو شیخ کا کشف دیکھ کر تعجب ہوا اور اُس نے شیخ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔

اٹھارویں کرامت یہ کرامت میں نے آپ کے اپنے ہاتھ سے الحاج عبدالقادر التازی کی بیاض میں لکھی ہوئی دیکھی ہے۔

حضرت پہلے محمد بن عمر الدلامی کے حمام میں ملازم تھے۔ وہ حج کی غرض سے چلے گئے تو آپ اسی خدمت پر الحاج عبدالقادر تازی کے پاس ملازم ہو گئے۔ عبدالقادر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت نے کاپی لی اور اس پر لکھا "شکر ہے خدا کا جو ایک ہے، سیدی محمد بن عمر آج فوت ہو گئے اور جوارِ رحمت میں چلے گئے۔ یہ الفاظ ماہ ذوالقعدہ ۱۱۱۸ھ میں عبدالعزیز بن مسعود الدباغ نے کہے اور لکھے۔ خدا اس پر مہربانی کرے آمین۔

عبدالقادر کہتے ہیں، میں نے بلند آواز سے کہا، کیا لکھ رہے ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے پہلے بھی میں کرامات کا مشاہدہ کر چکا تھا۔ اس پر حضرت نے قلم لے کر لکھی ہوئی عبارت کاٹ دی اور فرمایا کچھ نہیں لکھا۔ عبدالقادر کہتے ہیں کہ جب حاجی آئے تو انہوں نے محمد بن عمر مذکور کی وفات کی خبر دی کہ اسی ماہ میں انتقال ہوا جس میں شیخ نے فرمایا تھا۔

میں نے شیخ سے عرض کیا آپ نے یہ کیسے کیا حالانکہ آپ کو فتح (کشف) تو ۱۱۲۵ھ میں حاصل ہوئی تھی۔ فرمایا: جب سے میں نے وہ امانت پہنی تھی جس کی وصیت سیدی عربی فنشتالی نے کی تھی، مجھے فتح حاصل ہو چکی تھی، لیکن وہ تنگ تھی اور جب کسی چیز کی طرف توجہ دیتا تو وہ مجھ سے چھپتی نہ تھی لیکن ساتھ ہی اس کے سوا کچھ اور نظر نہ آتا تھا۔

(مؤلف کتاب کہتا ہے) کہ حضرت نے صحیح فرمایا کیونکہ جو لوگ آپ سے دوسرے دَور میں ملتے رہتے تھے وہ آپ کے کشف و کرامات کا ذکر کرتے رہتے تھے۔

انیسویں کرامت جس زمانہ میں آپ محمد بن عمر مذکور کے پاس ملازم تھے تو ایک دن علی الصبح آپ اس دیگچے کے قریب گئے جس پر وہ کام کیا کرتے تھے۔ اس پر دیگچہ کے منتظم نے آپ کو ڈانٹا۔ شیخ کو غصہ آگیا اور فرمایا جتنی دیر چاہو لکڑیاں جلاتے رہو۔ اللہ کی قسم یہ دیگچہ کبھی گرم نہ ہو گا چنانچہ صبح سے لے کر عصر تک وہ لکڑیاں جلاتے رہے اور بہت سا ایندھن ضائع ہو گیا لیکن پھر بھی پانی ٹھنڈا تھا۔ محمد بن عمر کہیں گئے ہوئے تھے۔ جب آئے تو انہوں نے سارا قصہ سنایا۔ کہنے لگے، سیدی عبدالعزیز کیا مجھے آپ چھوڑنا چاہتے ہیں، مجھے تو آپ سے محبت ہے اور آپ سے نیکی کرتا رہتا ہوں۔ جس نے آپ کو ڈانٹا ہے اُسے تو کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا۔ نقصان تو میرا ہے اور میرا کوئی قصور نہیں۔ الغرض

Marfat.com

وہ شیخ سے مہربانی کی درخواست کرتے رہے اور اُن کو راضی کرنا چاہتے تھے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ مجھے شرم آگئی، کیونکہ اُن کا مجھ پر بڑا احسان تھا کیونکہ خواہ میں کام کرتا یا نہ کرتا وہ مجھے اُجرت دے دیا کرتے اور کہتے کہ میں نے تو آپ کو برکت کے لیے رکھا ہوا ہے، نہ کام کے لیے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے ایندھن لے کر دیگچہ کے نیچے ڈالا اور کہا تمہیں تو آگ جلانا نہیں آتا۔ یہ لو دیگچہ گرم ہونے لگا۔ اُنھوں نے پانی کو چھُوا تو اُسے گرم پایا۔ اس سے سب متعجب ہوئے۔

اس حکایت اور کرامت کو میں نے کئی ایک شخصوں سے سُنا ہے اور خود شیخ سے بھی سُنا ہے۔

بیسویں کرامت | آپ کی ایک کرامت یہ بھی ہے کہ جب میں آپ سے کسی مسئلہ کے متعلق علماء کے اقوال دریافت کرتا (تو باوجود اُمّی ہونے کے) آپ کو پورا علم ہوتا کہ اس مسئلہ میں اتفاق ہے اور اس میں اختلاف ہے اور ہر مسئلہ میں علماءِ ظاہر اور علماءِ باطن کے اقوال سے واقف پاتا۔ پُورے چھ سال تک میں اس کا تجربہ کرتا رہا۔ انہیں گذشتہ زمانہ کے حوادث کا بھی علم تھا۔ ایک روز میں آپ کے ساتھ سُوق الخمیس میں تھا کہ آپ سے گرج بجلی اور کڑک کا سبب دریافت کیا تو آپ نے اس کے متعلق ایسی باتیں بیان کیں جنہیں آپ جیسا شخص ہی بیان کر سکتا ہے پھر دورانِ گفتگو میں اس آگ کا ذکر ہوا جو قُریظہ میں جمادی الاخرہ ۶۵۴ھ میں ظاہر ہوئی تھی۔ اس کا ذکر قرطبی[1] نے تذکرہ میں، حافظ ابن حجر نے کتاب الفتن میں اور ابوشامہ[2] اور نووی[3] نے اپنی تصانیف میں بالتفصیل کیا ہے۔ میرا ارادہ ہوا کہ ان کی روایات آپ کو سناؤں لیکن آپ نے اس کا قصہ اور اس کی کیفیت بیان کرنی شروع کر دی اور علماء رضی اللہ عنہم کے اقوال بھی نقل کر دیے اور اپنی طرف سے اس کا سبب بھی بیان فرما دیا اور اس شخص کا نام جس کو آخرت میں اس آگ کا عذاب دیا جائے گا مع دیگر اسرار کے جن کا اظہار مناسب نہیں ہے۔ اس سے مجھکو بہت تعجب ہوا۔

یاد رکھیں کہ آپ کی کرامات لاتعداد ہیں۔ اگر جتنی کرامات کا مجھے علم ہے اور جن کا علم دوستوں کو ہے،

---

(۱) قرطبی: شمس الدین محمد بن احمد بن فرح انصاری اندلسی متوفی ۶۷۱ھ = ۱۲۷۳ء۔ کتاب کا پورا نام التذکرہ باحوال الموتیٰ وامور الآخرۃ ہے۔ اس کا اختصار امام عبدالوہاب شعرانی نے کیا اور مختصر التذکرہ نام رکھا۔ یہ دونوں چھپ چکے ہیں۔

(۲) ابوشامہ: حافظ علامہ، مجتہد، ذوالفنون شہاب الدین ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن اسمٰعیل المقدسی شافعی تھے۔ ۵۹۹ھ = ۱۲۰۳ء میں پیدا ہوئے اور ۶۶۵ھ = ۱۲۶۶ء میں ان کی وفات ہوئی۔ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین اور کتاب الذیل ان کی تصانیف میں سے ہیں۔

(۳) نووی۔ ابوزکریا محی الدین بن یحیٰی بن شرف مشہور محدّث اور شارح صحیح مسلم ۶۳۱ھ = ۱۲۳۳ء میں پیدا ہوئے اور ۶۷۶ھ = ۱۲۷۷ء میں وفات پائی۔

Marfat.com

سب کا ذکر کرنے لگوں تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ لیکن ہم اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

احادیث کے متعلق استفسار

اکیسویں اور سب سے بڑی کرامت

جس طرح میں نے ایک بڑی کرامت (اسلامتیٔ عقیدہ واستقامت علی الدین) سے ابتدا کی تھی اسی طرح ایک بڑی کرامت پر اس بحث کو ختم کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ شروع میں جب آپ سے تعارف ہوا اور میں نے آپ کے وسعت عرفان اور فیضانِ ایمان کو دیکھا تو میں نے آپ کو آزمانا شروع کر دیا اور آپ سے صحیح اور موضوع احادیث کے متعلق دریافت کیا۔ اُس وقت میرے پاس حافظ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی مشہور کتاب اَلدُّرَرُ الْمُنْتَثِرَۃُ فِی الْاَحَادِیْثِ الْمُشْتَہِرَۃ تھی۔ یہ ایک عجیب تالیف ہے جس میں سیوطیؒ نے مشہور احادیث کو حروف تہجی پر مرتب کیا ہے اور ہر حدیث کے متعلق بیان کیا ہے کہ یہ صحیح ہے یا موضوع۔ چنانچہ صحیح کے متعلق کہتے ہیں کہ صحیح ہے اور جھوٹی کو جھوٹی۔ یہ کتاب ہر طالب علم کے پاس ہونی چاہیئے۔ کیونکہ یہ ایک نفیس کتاب ہے۔

حدیث اُمِرْتُ اَنْ اَحْکُمَ بِالظَّوَاهِرِ

چنانچہ میں نے آپ سے حدیث اُمِرْتُ اَنْ اَحْکُمَ بِالظَّوَاهِرِ کے متعلق دریافت کیا فرمایا یہ آنحضرتؐ کا فرمودہ نہیں۔ چنانچہ حافظ سیوطی نے بھی یہی لکھا ہے۔

حدیث کُنْتُ کَنْزًا لَا اُعْرَفُ

میں نے کُنْتُ کَنْزًا لَا اُعْرَفُ الخ کے متعلق پوچھا۔ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ نہیں ہے۔ اسی طرح حافظ سیوطی نے کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

حدیث اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلَ

پھر حدیث اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلَ کے متعلق دریافت کیا۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا۔ احمد بن حنبل نے بھی یہی کہا ہے۔ ابن الجوزی[۲] نے اس کا ذکر موضوعات میں کیا ہے۔ ابن تیمیہ[۳] نے تصریح کی ہے کہ یہ جھوٹ ہے۔ زرکشی نے بھی کہا ہے کہ بالاتفاق یہ موضوع

---

(۱) حافظ جلال الدین سیوطی: سیوط میں ۸۴۹ھ = ۱۴۴۵ء میں پیدا ہوئے۔ ابھی آٹھ سال کی عمر نہ ہوئی تھی کہ قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ قاہرہ میں عرصہ تک درس دیتے رہے۔ ان کی پانچ سو کے قریب تصانیف ہیں ۹۱۱ھ = ۱۵۰۵ء میں وفات پائی۔ انہیں خاتم الحفاظ بھی کہا جاتا ہے۔

(۲) ابو الفرج عبد الرحمٰن بن الجوزی الحنبلی: پیدائش ۵۰۸ھ میں اور وفات ۵۹۷ھ میں ہوئی مشہور محدث اور مؤرخ گذرے ہیں۔

(۳) ابن تیمیہ: حران میں ۶۶۱ھ = ۱۲۶۳ء میں پیدا ہوئے۔ دمشق میں تعلیم حاصل کی۔ ان کا بلا کا حافظہ تھا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ جس حدیث کو ابن تیمیہ تسلیم نہ کریں وہ حدیث ہی نہیں ہے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ ۷۲۹ھ = ۱۳۲۸ء میں وفات پائی۔

Marfat.com

ہے۔ اسی طرح حافظ سیوطی نے اپنی کتاب اللَّآلِی الْمَصْنُوْعَۃ فِی الْاَحَادِیْثِ الْمَوْضُوْعَۃِ میں لکھا ہے اگرچہ الدُّرَرُ الْمُنْتَثِرَۃ میں اس کی تائید میں ایک اور حدیث نقل کی ہے (اس صورت میں یہ روایت بالمعنی ہوگی جو محتاط محدّثین کے ہاں مقبول نہیں ہے اور روایت بالمعنی میں حدیث کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے الفاظ نہیں ہوتے۔)

(مؤلّف کہتا ہے) کہ یہ مؤیّد حدیث حسن بصری[1] کی مرسل احادیث میں سے ہے جن کے متعلق ابن حجر نے شرح میں کہا ہے کہ حسن بصری کی مرسل احادیث قابل استدلال نہیں ہیں۔

حدیث اِتَّخِذُوْا عِنْدَ الْفُقَرَاءِ یَدًا فَاِنَّ لَھُمْ دَوْلَۃً یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ | پھر میں نے حدیث اِتَّخِذُوْا عِنْدَ الْفُقَرَاءِ یَدًا فَاِنَّ لَھُمْ دَوْلَۃً یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ کے متعلق پوچھا۔ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا۔ حافظ سیوطی نے اَلْحَاوِیْ فِی الْفَتَاوِیٰ میں یہی کہا ہے۔

حدیث اُحِبُّ الْعَرَبَ لِثَلَاثٍ الخ | پھر حدیث اُحِبُّ الْعَرَبَ لِثَلَاثٍ لِاَنِّیْ عَرَبِیٌّ وَالْقُرْاٰنُ عَرَبِیٌّ وَکَلَامُ اَھْلِ الْجَنَّۃِ عَرَبِیٌّ کے متعلق پوچھا۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا۔ ابن الجوزی نے موضوعات میں یہی لکھا ہے۔ حاکم[2] نے جو اسے صحیح لکھا اس میں شک ہے۔

حدیث عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ الخ | پھر حدیث علماء اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل کے متعلق دریافت کیا۔ فرمایا یہ حدیث ہی نہیں ہے۔ سیوطی نے الدّرر میں یہی لکھا ہے۔

حدیث اَکْرِمُوْا عَمَّاتِکُمُ النَّخْل | پھر حدیث اَکْرِمُوْا عَمَّاتِکُمُ النَّخْل کے متعلق پوچھا۔ فرمایا یہ حدیث نہیں ہے۔ ابن حجر نے شرح میں، سیوطی نے اللّآلی المصنوعہ میں اور ابن جوزی نے موضوعات میں یہی لکھا ہے۔

حدیث اَنَا اَفْصَحُ مَنْ نَطَقَ بِالضَّادِ | پھر حدیث اَنَا اَفْصَحُ مَنْ نَطَقَ بِالضَّادِ کے متعلق دریافت کیا۔ فرمایا یہ بھی حدیث نہیں ہے۔ حافظ ابن کثیر[3] اور حافظ ابن الجزری نے النشر اور سیوطی نے الدّرر میں اسی

---

(۱) حسن بصری: مشہور صوفی اور زاہد گزرے ہیں۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو خدا کے بارے میں لومۃ لائم کی پروا نہیں کرتے تھے۔ ١١٠ھ = ٧٢٨ء میں وفات پائی۔

(۲) حاکم: ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ المعروف بالحاکم نیشاپوری متوفی ٤٠٥ھ = ١٠١٤ء انہوں نے مستدرک تالیف کی جس میں صحیحین کی شرط پر احادیث کا اخراج کیا مگر اس کتاب میں بہت سی ضعیف اور موضوع احادیث پائی جاتی ہیں۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ انہوں نے پہلے مستدرک لکھی پھر اس میں کانٹ چھانٹ کرنا چاہا مگر موت نے مہلت نہ دی اس لیے ضعیف احادیث رہ گئیں۔

(۳) ابنِ کثیر: امام حافظ ابو الفداء اسمٰعیل بن عمر القرشی الدمشقی متوفی ٧٧٤ھ = ١٣٧٢ء۔ مشہور محدث ہیں۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ ان میں سے ایک تفسیر قرآن بھی ہے۔

Marfat.com

طرح لکھا ہے۔

اسی طرح میں نے بہت سی احادیث کے متعلق دریافت کیا جو اس وقت مجھے یاد نہیں ہیں اور آپ کا جواب بالکل علماء و محدثین کے موافق پایا۔

عجیب بات تو یہ تھی کہ جب میں آپ سے اس قسم کی گفتگو کرتا تو آپ اُس حدیث کو جسے بخاری نے بیان کیا ہے اور مسلم میں نہیں ہے یا مسلم نے دی ہے اور بخاری نے نہیں دی اُن میں امتیاز کر لیتے۔ بالآخر جب ایک عرصہ تک آپ کا امتحان کرتا رہا اور مجھے تحقیق ہو گئی کہ آپ حدیث اور غیر حدیث میں امتیاز کر سکتے ہیں تو میں نے دریافت کیا کہ آپ کیسے یہ معلوم کرتے ہیں؟ تو ایک بار

کلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم چھپا نہیں رہتا

فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام چھپا نہیں رہ سکتا۔ لیکن ایک بار پھر یہی سوال کیا تو فرمایا جب انسان موسم سرما میں بات کرتا ہے تو اس کے منہ سے بھاپ نکلتی ہے۔ لیکن یہ بھاپ موسم گرما میں نہیں نکلتی۔ یہی حال

اولیا اللہ کلام نبی کو کیسے پہچانتے ہیں

اُس شخص کا ہے جو کلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتا ہے کہ اس کے کلام سے نور نکلتا ہے اور جو کسی اور کا کلام پڑھتا ہے تو کلام بغیر نور کے نکلتا ہے[2]۔

دوسری پہچان

ایک بار پھر پوچھا تو فرمایا: جب چراغ غذا حاصل کرتا ہے تو اس کا نور قوی ہو جاتا ہے لیکن جب غذا کے بغیر چھوڑ دیا جائے تو اپنی حالت پہ رہتا ہے۔ عارفین کا بھی یہی حال ہے کہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنتے ہیں تو ان کے انوار قوی اور ان کے معارف میں بیشی ہو جاتی ہے لیکن جب غیر کا کلام سنتے ہیں تو اپنی حالت پر رہتے ہیں۔

اولیاء اللہ خواہ وہ اُمّی ہی کیوں نہ ہو قرآن اور حدیث میں امتیاز کر سکتے ہیں

جب مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ آپ اس معاملہ میں راسخ ہیں اور آپ ان الفاظ کو پہچاننے میں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

(۱) مسلم: مسلم بن حجاج القشیری ۲۰۴ھ = ۸۱۹ء میں پیدا ہوئے اور ۲۶۱ھ = ۸۷۴ء میں وفات پائی۔ ان کی صحیح مسلم کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے۔

(۲) امام عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ نے اسی قسم کا ایک واقعہ شیخ محمد بن احمد فرغل متوفی ۸۵۳ھ کا نقل کیا ہے۔ حضرت فرغل امی تھے۔ ایک روز ایک فقیہ ان کے پاس آکر بیٹھ گئے اور قرآن پڑھنا شروع کیا۔ فقیہ نے قراءت میں چند آیات چھوڑ دیں اور آگے پڑھنا جاری رکھا۔ حضرت فرغل بول اٹھے آپ نے عبارت چھوڑ دی ہے۔ فقیہ بولا آپ تو قرآن جانتے نہیں۔ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میں نے عبارت چھوڑ دی ہے۔ حضرت فرغل نے فرمایا: جب آپ قرآن پڑھ رہے تھے تو مجھے آسمان تک چڑھتا ہوا ایک نور دکھائی دیتا تھا کہ یکایک درمیان میں منقطع ہو گیا اور بعد کے نور سے اس کا اتصال نہ ہوا۔ اس سے میں سمجھ گیا کہ آپ نے عبارت چھوڑ دی ہے۔ (لواقح الانوار ج ۲: ۹۶)

Marfat.com

دہنِ مبارک سے نکلے ہوں، پہاڑ کی طرح متزلزل نہیں ہوتے، تو میں نے چاہا کہ قرآن اور حدیث میں فرق کے متعلق آپ کو آزماؤں کیونکہ انہیں دوسری سورتوں کا تو ذکر ہی کیا سَبِّحِ کا حزب بھی یاد نہ تھا۔ چنانچہ کبھی میں ایک آیت پڑھتا اور پوچھتا حضور یہ حدیث ہے یا قرآن۔ فرماتے یہ تو قرآن ہے۔ پھر حدیث پڑھتا اور پوچھتا کیا یہ قرآن ہے یا حدیث؟ فرماتے حدیث ہے۔ مدت تک اس کا بھی امتحان کرتا رہا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ یوں پڑھا حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَهِيَ صَلٰوةُ الْعَصْرِ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ اور پوچھا آیا یہ قرآن ہے یا حدیث۔ فرمایا کچھ قرآن ہے کچھ حدیث۔ وَهِيَ صَلٰوةُ الْعَصْرِ کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے نکلے ہیں۔ یہ قرآن کے الفاظ نہیں ہیں۔ اور باقی قرآن کے ہیں۔ جب میں نے یہ سوال کیا تھا تو میرے ساتھ علماء کی ایک جماعت بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ سُن کر واللہ سب حیران رہ گئے۔

قرآن اور حدیثِ قدسی میں فرق

جب مجھے علم ہو گیا کہ آپ قرآن اور حدیث میں امتیاز کر سکتے ہیں تو خیال آیا کہ قرآن اور حدیثِ قدسی کے فرق کے بارے میں آزماؤں۔ اس پر میں نے حدیثِ قدسی ذکر کرنی شروع کی اور پوچھتا گیا یہ قرآن ہے یا حدیث؟ آپ فرماتے یہ نہ تو قرآن ہے نہ ایسی حدیث ہے جیسی تم پہلے پوچھتے رہے ہو۔ یہ تو حدیث کی ایک اور قسم ہے جسے حدیثِ ربانی کہا جاتا ہے۔ میں نے آپ کے دستِ مبارک پر بوسہ دیا اور عرض کیا کہ ہم اللہ سے، پھر آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ ان تینوں میں فرق بیان کر دیں کیونکہ حدیثِ قدسی ایک طرف تو قرآن سے مشابہت رکھتی ہے اور دوسری طرف اس حدیث سے جو قدسی نہیں ہے۔ قرآن سے اِس کی مشابہت تو اس لیے ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے مُنزل ہوتی ہے اور غیر قدسی حدیث سے مشابہت اس لیے ہے کہ اس کی تلاوت کا حکم نہیں دیا گیا۔

آپ نے فرمایا: یہ تینوں کلام اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دہنِ مبارک سے نکلے ہیں اور ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار پائے جاتے ہیں، پھر بھی ان میں یہ فرق ہے کہ قرآن میں جو نور ہے وہ قدیم ہے اور ذاتِ حق سبحانہٗ میں سے نکلا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام بھی قدیم ہے[ع] اور حدیثِ قدسی کا نور آنحضرت صلی اللہ علیہ

ع بندۂ عاجز مترجم کہتا ہے کہ اس میں بھی حضرت دباغؒ کی کرامت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ حضرت کا یہ عقیدہ عین اہل السنّت کے عقیدہ کے مطابق ہے کہ کلام اللہ قدیم ہے احادث نہیں ہے۔ برخلاف معتزلہ کے کہ ان کے عقیدہ کے مطابق کلام اللہ قدیم نہیں بلکہ حادث ہے اور تمام محدثین و فقہاء اہل السنّت کا اجماع ہے کہ معتزلہ کا عقیدہ باطل ہے۔ (مترجم)

Marfat.com

وسلم کی رُوح کا نور ہے اور نورِ قرآن ؑ کی طرح قدیم نہیں ہے اور جو نُور حدیثِ غیر قدسی میں پایا جاتا ہے وہ آپ کی ذات کا نور ہے، رُوح کا نہیں۔ لہذا یہ تین قسم کے نور ہوئے جو اپنی نسبت کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں چنانچہ نور قرآن ذاتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ نورِ حدیثِ قدسی روحِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور غیر قدسی حدیث کا نور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے۔

نورِ ذاتِ نبی اور نورِ روح میں فرق

میں نے عرض کیا: نورِ رُوح اور نورِ ذات میں کیا فرق ہے۔ فرمایا کہ ذات کی پیدائش تو مٹی سے ہوئی اور تمام مخلوقات بھی مٹی سے پیدا ہوئی اور روح ملأ اعلیٰ سے ہے اور ملاءِ اعلیٰ حق سبحانہ وتعالیٰ کی سب سے زیادہ معرفت رکھتے ہیں اور چونکہ ہر شے اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے لہذا نورِ روح کو حق سبحانہ کے ساتھ تعلق ہوگا اور نورِ ذات کو مخلوق سے۔ اسی

حدیثِ قُدسی کی قسمیں

لیے احادیثِ قدسیہ کا تعلق حق سبحانہ کے ساتھ ہے یا تو ان میں حق سبحانہ کی عظمت کا اظہار ہوگا یا اظہار رحمت کا یا اس کی وسعتِ ملک اور کثرتِ عطا کا۔ چنانچہ پہلی قسم کی حدیثِ قدسی کی مثال جس میں عظمتِ خداوندی کا اظہار ہے مسلم کی یہ حدیث ہے جس کی روایت ابوذر[1] نے کی ہے یَا عِبَادِیْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ الخ

دوسری قسم کی حدیث کی مثال جس میں اظہار رحمت ہوتا ہے، یہ حدیث ہے اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصّٰلِحِیْنَ[2]۔

تیسری قسم کی حدیث کی مثال جس میں وسعت ملک اور کثرتِ عطا کا ذکر ہے، یہ حدیث ہے یَدُ اللّٰہِ مَلْاٰی لَا تَغِیْضُھَا نَفَقَۃٌ سَحَّاءُ اللَّیْلَ وَالنَّھَارَ الخ

اور حق سبحانہ تعالیٰ کے بارے میں یہ علوم روح کے علوم ہیں اور جو احادیث غیر قدسیہ ہیں

ع حضرت عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور حادث ہے قدیم نہیں ہے ایک اہم مسئلہ حل ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے آج کل مسلمانوں کے دو مقتدر گروہوں کے درمیان جھگڑا چل رہا ہے۔ یعنی دیوبندی اور بریلوی۔ ایک گروہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر زور دیتا ہے اور دوسرا گروہ توحید باری تعالیٰ کے پیش نظر اس سے انکار کرتا ہے لیکن اگر حضرت دباغ کے بیان کو مدِ نظر رکھا جائے تو کوئی اشکال نہیں رہتا اور درست بھی یہی ہے کہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم حادث ہے اور نورِ خداوندی ازلی و قدیم۔ اور دونوں کے درمیان بیّن فرق ہے۔ (مترجم)

(۱) مشکوٰۃ باب الاستغفار صہ ۲۰۳ نیز صہ ۲۰۵ باب التوبہ)

(۲) مشکوٰۃ باب صفۃ الجنۃ واھلہا صہ ۴۹۵

Marfat.com

اِن میں اُن کا روئے سخن صرف اُن امور کی جانب ہوتا ہے جن کا تعلق عباد و بلاد کی اصلاح کے ساتھ ہے مثلاً یہ کہ اُن میں حلال و حرام بیان ہوتا ہے یا وعدہ وعید کا ذکر کر کے خدا کی اطاعت کی ترغیب دی جاتی ہے۔

میں نے حضرت کی تقریر سے جو کچھ سمجھا یہ اُس کا خلاصہ ہے ورنہ حق بات یہ ہے کہ میں اِسے پورے طور پر بیان نہیں کر سکا اور نہ ہی پورا مفہوم ادا کیا ہے۔

حدیثِ قدسی کلامِ خداوندی نہیں بلکہ کلامِ نبی صلعم ہے

پھر میں نے دریافت کیا کہ حدیثِ قدسی اللہ کا کلام ہے یا نہیں۔ فرمایا یہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔ یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔ میں نے سوال کیا تو پھر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں منسوب کیا جاتا ہے اور اسے حدیثِ قدسی کیوں کہا جاتا ہے اور پھر اس حدیث کے متعلق یہ الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں کہ اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے روایت فرمایا ہے اور جب یہ حدیث کلامِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرار پائی تو پھر رب سے روایت کہاں ہوئی۔ مزید برآں ان احادیث میں جو ضمیرِ متکلم کی آتی ہے ان کا کیا کریں؟ مثلاً اس حدیث میں یَا عِبَادِیْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ الخ اور اس حدیث میں اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ اور اس حدیث میں اَصْبَحَ مِنْ عِبَادِیْ مُؤْمِنٌ بِیْ وَکَافِرٌ کیونکہ اس طرح خطاب کرنا تو اللہ ہی کو مناسب ہے۔ لہٰذا احادیثِ قدسیہ کو اللہ کا کلام ہونا چاہیئے۔ اگرچہ ان کے الفاظ معجزہ نہیں ہیں اور نہ ہی ہمیں ان کی تلاوت کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت نے ایک بار تو اس کا یوں جواب دیا کہ حق سبحانہٗ کی طرف سے ذاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر انوار اس کثرت سے برستے کہ آپؐ کو ایک خاص قسم کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے اگرچہ عام مشاہدہ تو آپ کو ہر وقت حاصل ہوتا، چنانچہ ایسی حالت میں اگر انوار کے ساتھ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا کلام بھی سنائی دیتا یا کوئی فرشتہ نازل ہوتا تو یہ قرآن تھا لیکن اگر کلام سنائی نہ دیتا اور نہ ہی کوئی فرشتہ اترتا تو یہ وقت حدیثِ قدسی کا ہوتا چنانچہ اس حالت میں جب آپ کلام فرماتے تو شانِ ربوبیت میں کلام فرماتے۔ اس کی عظمت کی وجہ سے اور اس کے حقوق کے ذکر کی وجہ سے۔ اب اس کلام کو رب کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلام اس مشاہدہ کے ساتھ ہوتا جس میں امور مُختلط ہو جاتے یہاں تک کہ غیب بمنزلہ شہادت ہو جاتا اور باطن بمنزلہ ظاہر کے۔ اسی سبب اسے رب کی طرف منسوب کیا گیا اور کہا گیا کہ یہ حدیثِ ربانی ہے اور یہ کہ یہ وہ حدیث ہے جسے آنحضرت نے اپنے رب سے روایت کیا۔ اور ضمیرِ متکلم لانے کی وجہ یہ ہے کہ اپنے رب کی شان مشاہدہ کر کے بزبانِ حال (حق تعالیٰ کی طرف سے) نقل فرمایا اور جو حدیثِ قدسی نہیں ہوتی اس کے ساتھ وہ نور نکلتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں دائم رہتا ہے اور

نورِ نبی کی تشریح

اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات کو انوارِ حق

عہ علماءِ حدیث نے حدیثِ قدسی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کا مفہوم اللہ کی طرف سے ہوتا ہے مگر الفاظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہیں۔

Marfat.com

سے مستفیض کیا ہے بعینہ اسی طرح جس طرح اللہ تعالیٰ نے جرمِ آفتاب کو انوارِ محسوسہ سے نوازا ہے لہٰذا جس طرح سورج کے لیے نور ہونا ضروری ہے اسی طرح آپ کی ذاتِ شریفہ کے لیے بھی نور کا ہونا لازم ہے۔

دوسری تشریح

دوسری مرتبہ فرمایا: ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ایک شخص کو دائمی بخار ہے اور ہے بھی ایک معیّن درجہ کا۔ اور پھر فرض کر لیں کہ یہ بخار اُسے زیادہ زور کا ہو گیا یہاں تک کہ اُس کے حواس جاتے رہتے ہیں اور وہ ایسی باتیں کرنے لگتا ہے کہ وہ خود بھی نہیں سمجھتا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ پھر یہ فرض کر لیں کہ یہ بخار اس قدر زور پکڑ جائے کہ وہ اپنے حواس نہ کھوئے اور اپنی عقل پر قائم رہے اور جو کچھ بولے اُسے سمجھتا بھی ہو، اور اس بخار کی تین حالتیں ہوئیں۔

۱۔ بخار کی معلوم مقدار۔

۲۔ بخار کی اس قدر شدت کہ مریض حواس کھو بیٹھے۔

۳۔ بخار کی اس قدر شدت کہ مریض حواس نہ کھوئے۔

نورِ نبی کی تین حالتیں

آنحضرت کی ذاتِ مطہرہ کے انوار کا بھی یہی حال ہے (۱) معیّن مقدار کے نور کے وقت جو کلام فرمائیں گے وہ حدیثِ غیر قدسی ہو گی (۲) اگر انوار پھیل جائیں اور ذاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مشتعل کر دیں یہاں تک کہ آپ اپنی معتاد حالت سے باہر ہو جائیں تو اس وقت جو کلام ہو گا وہ کلام اللہ ہو گا۔ نزولِ قرآن کے وقت آپ کی یہی حالت ہوتی تھی۔ (۳) اگر انوار پھیل جائیں لیکن آپ کو اپنی حالت سے نہ نکالیں تو اس وقت جو کلام آپ فرمائیں گے وہ حدیثِ قدسی کہلائے گی۔

تیسری تشریح

ایک اور مرتبہ یوں فرمایا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرمائیں تو اگر یہ کلام آپ کے اختیار سے باہر ہو تو یہ قرآن ہے۔ اگر آپ کے اختیار میں ہے اور پھر اس میں عارضی انوار پھیل جائیں تو یہ حدیثِ قدسی ہے اور اگر انوار دائمی ہوں تو یہ حدیثِ غیر قدسی ہے اور چوں کہ آپ کے کلام کے ساتھ حق سبحانہٗ کے انوار کا ہونا ضروری ہے اس لیے جو بات بھی آپ فرماتے ہیں وہ سب وحیِ الٰہی ہے البتہ ان میں انوار کے اختلاف کی وجہ سے تین قسمیں بن گئیں ہیں۔ واللہ اعلم۔

میں نے عرض کیا یہ تو نہایت عمدہ کلام ہے لیکن اس بات کی کیا دلیل ہے کہ حدیثِ قدسی اللہ کا کلام نہیں ہے۔ فرمایا بھلا اللہ کا کلام بھی چھپ سکتا ہے؟ میں نے عرض کیا: کیا کشف کے ذریعہ سے؟ فرمایا کشف کے ذریعہ سے بھی اور بغیر کشف کے بھی۔ جس کسی میں عقل ہو اور وہ خاموشی سے قرآن سُنے، پھر خاموشی سے کسی اور کا کلام سنے تو دونوں میں بالضرور فرق پائے گا۔ صحابہ سب سے عقلمند لوگ تھے اور انہوں نے اپنے آباء کے دین کو صرف اس لیے چھوڑا کہ ان پر یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف احادیث قدسیہ کا

Marfat.com

سا کلام ہوتا تو ایک شخص بھی آپ پر ایمان نہ لاتا۔ وہ چیز جس کے سامنے اُن کی گردنیں جھک گئیں، وہ قرآنِ عزیز ہی ہے جو رب سبحانہ وتعالیٰ کا کلام ہے۔

میں نے عرض کیا کہ انہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ رب کا کلام ہے، حالانکہ عرب لوگ تو بت پرست تھے اور اُنہیں اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی پہچان نہ تھی کہ وہ معلوم کر سکتے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ زیادہ سے زیادہ اُنہیں یہ سمجھ آتا تھا کہ ایسا کلام کہنا بشری طاقت سے باہر ہے۔ سو ہو سکتا ہے کہ مثال کے طور پر یہ فرشتوں کا کلام ہو۔

کلام اللہ کی ہیبت اور دبدبہ شاہی فرمان کا سا ہے

حضرت نے جواب دیا جو شخص بھی قرآن کو سُنے گا اور اس کے معانی کو دل پر جاری کرے گا تو اسے لازمی طور پر یہ محسوس ہو جائے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کیوں کہ جو عظمت اس میں پائی جاتی ہے اور جو ہیبت اس سے طاری ہوتی ہے وہ عظمتِ ربوبیت اور سطوۃِ الوہیت کے سوا کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ جب ایک عقل مند اور ذی فہم انسان کسی دنیاوی بادشاہ کا کلام سن لے، پھر اس کے بعد اس کی رعیت کا کلام سنے تو بادشاہ کے کلام میں ایک خاص بات پائے گا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر ہم فرض کر لیں کہ وہ شخص نابینا ہے اور ایک جگہ نیچے لوگ بیٹھے باتیں کر رہے ہوں اور بادشاہ بھی اُن میں چھپ کر بیٹھا ہو اور باری باری تقریر کریں تو یہ اندھا بادشاہ کے کلام کو دوسروں کے کلام سے پہچان لے گا اور اس میں قطعاً شک وشبہ نہ ہوگا۔ جب فانی کا فانی کے ساتھ یہ رنگ ہے تو کلام قدیم کا کیا رنگ ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن ہی سے اپنے پروردگار کو پہچانا۔ اس کی صفات کو پہچانا اور جس ربوبیت کا وہ مستحق ہے اس کو پہچانا۔ قرآن کا محض سن لینا ہی ان کے لیے اللہ کا علم الیقین حاصل کرنے میں معاینہ اور مشاہدہ کا قائم مقام ہو گیا۔ یہاں تک حق سبحانہٗ ان کے نزدیک ایسا بن گیا جیسا ہمنشین اور کسی سے اس کا ہمنشین چھپا نہیں ہوتا۔

کلام اللہ کی پہچان پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی پہچان ان امور سے ہوتی ہے:۔

۱۔ پہلی پہچان: طاقتِ بشری سے خارج ہونا: یہ کلام انسانوں بلکہ تمام مخلوقات کی قدرت سے باہر ہوتا ہے کیونکہ اللہ کا کلام اللہ کے علم محیط، فیصلے اور حکم کے مطابق ہے اور فانی کا علم نہ تو محیط ہوتا ہے اور نہ اس کے فیصلے نافذ ہوتے ہیں۔ لہٰذا فانی اپنے فانی علم اور عاجز حکم کے مطابق بات کرے گا کیونکہ اس کے اختیار میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔

ع۵ اللہ کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ وہ عالم غیب ہے۔ اس کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور نہ اس کے فیصلہ کی خلاف ورزی ہو سکتی ہے لہٰذا اللہ کے کلام میں ان باتوں کے پائے جانے سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ غیر کا کلام نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے۔

Marfat.com

۲- دوسری پہچان: اس میں دبدبہ پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں وہ عظمت پائی جاتی ہے جو اوروں کے کلام میں نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ کلام جس ذات سے نکلتا ہے، اسی کے احوال کے تابع ہوتا ہے لہٰذا جب اللہ کا کلام نکلے گا تو اس کے ساتھ الوہیت کی سطوت اور ربوبیت کی شان ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں انعام کے وعدہ کے ساتھ ساتھ سزا کی دھمکی اور اجر کی بشارت کے ساتھ ساتھ عذاب کا خوف دلایا گیا ہے۔ اگر بالفرض اللہ میں صرف اتنی عظمت ہوتی کہ وہ کلام کر رہا ہے اور سارا ملک اس کی ملکیت ہے اور تمام شہروں پر اس کی حکومت ہے اور سارے بندے اس کے غلام ہیں۔ زمین اس کی ملکیت ہے اور آسمان اُس کا ہے، مخلوقات اسی کی ہے جس میں کسی اور کا دخل نہیں ہے۔ تب بھی اس کا کلام پہچاننے کے لیے یہ کافی تھا اور دوسرے کے کلام میں بالضرور خوف کی علامت پائی جائے گی کیونکہ متکلّم خواہ کتنا مقرب کیوں نہ ہو اس کے دل میں اللہ کا خوف بھرا ہوگا اور اللہ تعالیٰ تو کسی سے ڈرتا نہیں ہے کیونکہ وہ غالب ہے اور اس کا کلام بھی غالب ہے۔

تیسری پہچان: جب کلام قدیم سے ان فانی حروف کو علیحدہ کر دیا جائے اور خالص معانی قدیمہ رہ جائیں تو تُو دیکھیگا کہ ان کا مخاطب تمام مخلوقات سے (یعنی ابتدائے آفرینش سے انتہائے آفرینش تک) ہے اور اس کلام میں ماضی، حال اور مستقبل(۱) میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معنیٔ(۲) قدیم میں نہ ترتیب ہے نہ تجزیہ۔ اللہ جس شخص کی بصیرت کی آنکھ کھول دے اور وہ معنیٔ قدیم کو دیکھے تو اسے لا انتہا پائے گا۔ اس کے بعد جب وہ حروف پر نظر ڈالے گا تو اسے یوں معلوم ہوگا کہ یہ ایک قسم کی صورت ہے جس میں معنیٔ قدیم چھپے ہوئے ہیں لہٰذا جب اس صورت کو الگ کر دیتا ہے تو اسے ایک غیر متناہی شئی دکھائی دیتی ہے اور یہی باطن قرآن ہے اور جب صورت کو دیکھتا ہے تو اس کو دو پٹھوں میں محدود دیکھتا ہے اور یہ ظاہر قرآن ہے اور جب قرآن کو کان لگا کر سنتا ہے تو معانیٔ قدیمہ کو الفاظ کے سایہ میں اس طرح

---

(۱) ماضی حال اور مستقبل نام ہے زمانہ کا لیکن زمانہ ہی اٹھ گیا تو نہ ماضی رہا نہ حال وغیرہ کیونکہ احکام تو مخلوقات کے لیے ہیں اور جب اس میں تخلیق عالم سے قیامت تک کی تمام مخلوقات کو مخاطب کر لیا گیا تو پھر ماضی یا حال یا مستقبل کی ضرورت ہی اٹھ جاتی ہے۔ اور اس قسم کا تخاطب اسی کو زیب دیتا ہے جو ازلی و ابدی ہو اور وہ ذات باری ہے لہذا اس کے کلام میں بھی یہ وصف ہے۔

(۲) اللہ کے ہاں زمانہ کا امتیاز نہیں۔ ماضی اس کے سامنے حال اور مستقبل اس کے سامنے لہذا یہ سب کچھ اس کے لیے حال ہے اور ترتیب انہی زمانوں کے مطابق ہوتی ہے لہذا جب زمانہ نہ رہا تو ترتیب بھی نہ رہی۔ نسخ کے فرمان سے ایک اور اشکال بھی حل ہوگیا کہ کلام اللہ کسی خاص ترتیب سے مرتب نہیں۔ نہ زمانۂ نزول کے لحاظ سے اور نہ بیان کردہ واقعات کے لحاظ سے۔ پھر اگر ماضی کو ایک لمحہ کے لیے نظر انداز کر دیا جائے تو قرآن زمانِ نزول سے لے کر قیامت تک کے تمام زمانوں کے لیے ہے کیونکہ یہ آخری الہامی کتاب ہے اس لیے بھی اس میں حال و مستقبل برابر ہوئے۔

Marfat.com

پڑا ہوا پاتا ہے کہ وہ نہیں صاف دیکھ لیتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح کہ وہ محسوسات کو بینائی کے ذریعہ سے دیکھ لیتا ہے۔

۴۔ چوتھی پہچان: وہ امتیاز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کلام اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں قائم رکھا کیونکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے کلام کے لکھنے کا حکم دیا اور اس کے علاوہ کسی اور کلام کے لکھنے سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ جو کچھ کلام اللہ[1] کے علاوہ لکھا ہے اسے مٹا دیا جائے اور یہ جو کہیں ثبوت ملتا ہے کہ صحابہ نے احادیثِ قدسیہ کو بھی لکھ لیا تھا تو یہ منجملہ اُن تحریروں کے ہوگا جس میں انہوں نے آنحضرت کے کلام کو لکھ لیا تھا نہ ان تحریروں میں جن میں کلامِ الٰہی لکھا تھا۔ مزید برآں مذکورہ بالا تین خصلتیں احادیثِ قدسیہ میں نہیں پائی جاتیں یعنی طاقتِ بشری سے خارج ہونا وغیرہ۔

یہ خلاصہ ہے جو ہم نے ان تینوں (عام احادیث، حدیثِ قدسی اور قرآن) میں فرق کے متعلق حضرت کے اشارات سے سمجھا ہے اور آپ کا آخری جواب یعنی آپ کا یہ فرمانا کہ جو شخص بھی قرآن کو محمد سے سنے گا اور بھی اور کلام سنے گا تو وہ یقیناً دونوں میں فرق پائے گا الخ اس کے قریب قریب امام ابوبکر باقلانی[2] نے کتاب الانتصار میں اشارہ کیا ہے اور اس پر بہت زور دیا ہے حتیٰ کہ اسی سے روافض کے بہتیرے دعوے جن میں غیر قرآن کو انہوں نے قرآن کی طرف منسوب کیا ہے، رد کیا ہے۔ اگر طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو ان کا کلام بھی یہاں نقل کر دیتا تاکہ تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔

الحاصل جب حضرت نے جواب دینا شروع ہی کیا تھا تو میں حیران ہو گیا تھا کہ آپ نے فوراً وہ بات کہی جس کا ذکر امام مذکور (امام باقلانی) نے کیا ہے۔ پھر یہ کہ آپ نے آخری جواب میں ایک پانچواں فرق بھی بیان فرما دیا جس کی بنیاد محض کشف پر ہے لیکن ہم نے یہ جواب درج نہیں کیا کیونکہ یہ عوام کی عقلوں سے بالا ہے۔ اس مقدمہ میں ہم جو کچھ لکھنا چاہتے تھے اسے اِسی پر ختم کرتے ہیں۔

اب ہم اصل مقصد کی طرف آتے ہیں اور وہ ان علوم کا جمع کرنا ہے جو ہم نے شیخ سے سنے اس کا ذکر کئی ابواب میں آئے گا۔

---

[1] تاکہ کہیں آپ کا کلام اللہ کے کلام سے نہ مل جائے۔

[2] ابوبکر باقلانی: قاضی ابوبکر محمد بن الطیب اشعری باقلانی متوفی سنہ ۴۰۳ھ۔

Marfat.com

پہلا باب

وُہ احادیث جن کا مطلب ہم نے شیخ سے دریافت کیا

پہلی حدیث ترمذی میں عبداللہ[1] بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں۔ ایک کتاب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ کتاب ربُّ العالمین کی طرف سے ہے اور اس میں اہلِ جنّت کے نام، ان کی ولدیت اور قومیت درج ہے۔ ان میں کبھی بھی کوئی کمی یا بیشی نہ ہوگی۔ پھر بائیں ہاتھ کی کتاب کی طرف اشارہ کر کے اسی قسم کے الفاظ دوزخیوں کے متعلق فرمائے۔ اس کے بعد آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرما کر ان کو پھینک دیا اور فرمایا: پروردگار بندوں سے فارغ ہو چکا۔ ایک فریق جنت میں جائے گا اور ایک فریق دوزخ میں[2]۔ ابنِ حجر کہتے ہیں کہ اس حدیث کے اسناد حَسَن ہیں۔ ایک شخص کو اس میں اِشکال پیدا ہوا اور اس نے خیال کیا کہ اس حدیث میں قدرت کا تعلق ناممکن چیز سے کیا ہے کیونکہ تمام اہلِ جنت کے نام ایک ایسی کتاب میں جمع کر دیے گئے ہیں جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دایاں ہاتھ اُٹھا سکے اور اسی طرح اہلِ دوزخ کے نام ایک ایسی کتاب میں جمع کر دیے گئے ہیں کہ جسے آپ بائیں ہاتھ میں اٹھا سکیں۔ اس شخص نے سوال وضاحت سے کیا اور اس نے کئی ایک باتیں پوچھیں۔

اس حدیث پر اعتراض اور اس کا جواب علماء الکلام کہتے ہیں کہ قدرتِ الٰہیہ کا تعلق ممکنات سے ہوتا ہے، محال سے نہیں۔ اس کے باوجود اس حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت اپنے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں لیے باہر نکل کر آئے اور فرمایا کہ اہلِ جنت کے نام مع ولدیت، قومیت اور قبیلہ کے ایک میں، اور اہلِ دوزخ کے نام مع ان کی قوم اور قبیلہ کے، دوسری کتاب میں ہیں

---

[1] عبداللہ بن عمرو بن العاص مشہور صحابی ہیں۔ یہ اپنے باپ عمرو سے پہلے ایمان لائے۔ ان کا باپ ان سے صرف تیرہ سال بڑا تھا۔ ان کی تاریخ وفات میں بہت اختلاف ہے چنانچہ یہ تاریخیں بیان کی جاتی ہیں: ۶۳ھ، ۷۳ھ، ۵۵ھ، ۶۸ھ اور ۶۵ھ۔

[2] ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر ص۲۱، طبع مجتبائی۔

Marfat.com

حالانکہ دونوں کتابیں چھوٹی سی تھیں اور ناموں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس میں صغیر شئ کو کبیر پر وارد کیا گیا ہے، بدون اس کے کہ بڑی کو چھوٹا اور چھوٹی کو بڑا کیا جائے ورنہ کونسا دفتر ان کے ناموں کو ضبط کر سکتا ہے۔ یہ محالِ عقلی کی بڑی مضبوط دلیل ہے کہ وسیع چیز کو تنگ چیز پر داخل کیا گیا ہے باوجود اس کے کہ چھوٹی چھوٹی رہی اور بڑی بڑی حالانکہ اس کی خبر دینے والا نبیِ معصوم ہے جو اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ بذریعہ وحی بولتا ہے۔

حضرت نے جواب دیا کہ جو کچھ علماء کلام نے اور اہل السنت والجماعت نے کہا ہے، عقیدہ وہی ہے۔ ولی کی کرامت اور نبی کے معجزات میں ایسی چیز نہیں ہو سکتی جسے عقل ناممکن قرار دے۔ لیکن ان میں ایسی باتیں ہوتی ہیں جن کے سمجھنے سے عقل قاصر ہوتی ہے، مگر جب معنی مراد کی طرف ہدایت کی جاتی ہے تو پھر عقل اس کو قبول کر لیتی ہے۔

مذکورہ کتابوں میں کتابت سے مراد کتابتِ قلم نہیں بلکہ کتابتِ نظر ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ صاحبِ بصیرت بالخصوص سیّد الاوّلین والآخرین سیّدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلّم جب کسی چیز کو دیکھنے کا ارادہ کریں تو ان کی بصیرت اُن کے اور اس شئ کے درمیان ہر قسم کے پردوں کو پھاڑ کر نکل جاتی ہے حتیٰ کہ اس کی روشنی اس چیز تک پہنچ کر اس کا احاطہ کر لیتی ہے لہٰذا جب اس چیز کی صورت بصیرت میں حاصل ہو جاتی ہے اور ہم نے بصیرت کا ملہ فرض کیا ہے، تو اس کا اثر بصر تک جا پہنچتا ہے لہٰذا جو قدرت بصیرت کو حاصل ہوتی ہے وہی بصر کو حاصل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ بصر اپنے سامنے کی چیز میں اس شئ کو منقوش دیکھ لیتی ہے۔ لہٰذا اگر بصر کے بالمقابل دیوار ہو گی تو اس چیز کو دیوار میں دیکھے گا، اگر اس کا ہاتھ ہو گا تو اسے ہاتھ میں دیکھے گا اور اگر اس کے بالمقابل کاغذ ہو گا تو اس چیز کو کاغذ میں دیکھ لے گا۔ یہی مراد ہے حضور کے اس فرمان کی کہ مُثِّلَتْ لِیَ الْجَنَّۃُ وَالنَّارُ فِیْ عَرْضِ ھٰذَا الْحَائِطِ (مجھے اس دیوار کی پہنائی میں جنت و دوزخ دکھائی گئی ہے۔) کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بصیرت کی توجہ ان کی طرف کی، جبکہ آپ صلوٰۃ الکسوف پڑھ رہے تھے تو تمام پردوں کو پھاڑ کر آپ کی بینائی میں یہ دونوں آ گئیں۔ اور آپ کے سامنے دیوار کا عرض تھا۔ لہٰذا آپ نے ان دونوں کی صورت دیوار میں دیکھ لی۔

دو کتابوں کی حدیث سے یہی مراد ہے۔ کیونکہ آپ نے اپنی بصیرت سے جنت کی طرف توجہ کی تو اس کی صورت آپ کی بصر میں آ گئی۔ اس وقت آپ کے سامنے وہ کتاب تھی جو آپ کے دائیں

عہ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ، طبع مجتبائی صفحہ ۵۰۵

Marfat.com

ہاتھ میں تھی تو آپ جنت اور اہل جنت کی صورت اس جسم میں دیکھنے لگ گئے جو آپ کے داہنے ہاتھ میں تھا اور فرمایا کہ یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے اس میں اہل جنت کے نام مع ولدیت اور قومیت کے درج ہیں۔ پھر آپ نے اپنی بصیرت کو دوزخ کی طرف متوجہ کیا تو اس کی صورت آپ کی بصر میں آگئی اور آپ کے بالمقابل وہ جسم تھا جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھا چنانچہ آپ اس کی صورت اور اس کی تمام چیزوں کی صورت دیکھنے لگ گئے اور فرمایا: یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے اس میں دوزخیوں کے نام مع ولدیت اور قومیت کے درج ہیں اگر مُثِّلَتْ لِیَ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ والی حدیث میں کوئی اشکال ہو سکتا ہے تو اس میں بھی ہو سکتا ہے اور اگر اس میں کوئی اشکال نہیں ہے تو اس میں بھی نہیں ہے۔ اشکال اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب ہم قلم کی لکھت مراد لیں۔ اگر اس حدیث میں قلم کی لکھت مراد لی گئی ہوتی تو حدیث کے آخری حصہ میں اور اس میں تناقض پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس حدیث کے آخر میں ہے" پھر آپ نے ان دونوں کتابوں کو پھینک دیا۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کتاب کو جو رب العالمین کی طرف سے آئی ہو اور اس میں اللہ کے رسولوں، اصفیا اور برگزیدہ لوگوں کے نام ہوں، پھینک دیں حالانکہ آپ اللہ اور اس کے رسولوں اور فرشتوں کی سب سے زیادہ تعظیم کرنے والے تھے۔ آپ نے تو اسی صورت کو جو اس جسم میں حاصل ہوئی تھی کتاب کا نام اس لیے دیا کہ وہ خارجی چیز پر دلالت کرنے میں کتابت سے مشابہ تھی۔ علاوہ بریں جو خارج میں چیز ہو اس پر بھی کتابت کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے کیونکہ کتابت کا لفظ "جمع" سے لیا گیا ہے لہذا ہر مجموعہ کو مکتوب کہہ سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے فوجی دستوں کو کتائب کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مجتمع ہوتے ہیں اور کتائب کا مفرد کَتِیْبَة ہے یعنی مجموعہ اور دوسرے دستوں سے ملی ہوئی۔

کتابت کو رب العالمین کی طرف اس لیے منسوب کیا گیا کہ وہ نور جو اس صورت کے حاصل ہونے کا سبب ہے جسے کتابت سے تعبیر کیا گیا ہے، وہ نہ انسانی طاقت میں ہے نہ اس کے اکتساب میں، وہ صرف نور ربانی ہے اور اللہ سبحانہ کا نور ہے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ کتابت سے

؏ حیرت کا مقام ہے کہ حضرت سید عبد العزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ باوجود امی ہونے کے علوم سے کس قدر واقف تھے۔ یہاں پر آپ نے ٹھیٹھ لغوی بحث دی ہے جس کا علم بڑے بڑے مدعیان علم کو بھی نہیں۔ چنانچہ اہل لغت کتاب کی تشریح میں یہی کہتے ہیں کہ اسے کتاب اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں حروف کو اکٹھا کیا جاتا ہے اور ایک دوسرے سے ملایا جاتا ہے اور اس کی تائید میں یہ محاورہ پیش کیا جاتا ہے کَتَبَ خَیَاطَةَ النَّاقَةِ اِذَا جَمَعَهَا میرا مقصد اس لفظ پر بحث کرنا نہیں حضرت کے علم لدنی کی تائید کرنا ہے۔ مترجم۔

Marfat.com

مراد صرف وہ صورت ہے جو نظر میں حاصل ہے اور بس۔ اور نظر میں اس صورت کا حاصل ہونا کوئی مشکل نہیں جس طرح تمام مرئی اشیاء نظر میں حاصل ہوتی ہیں کیونکہ باوجود اس کے کہ آنکھ کی پتلی چھوٹی ہے اس میں ایک بڑی صورت مرتسم ہو جاتی ہے۔ مثلاً آسمان کی صورت اور آنکھ کی پتلی ایک مسور کے دانہ سے بھی چھوٹی ہے۔ لہذا یہ حدیث ممکنات میں سے ٹھہری۔ تمام معجزات اور خوارق کا بھی یہی حال ہے۔

دوسری حدیث میں نے کئی بار آپ سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا: اِنَّ[ع۱] هٰذَا الْقُرْآنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ ط (قرآن سات حرفوں پر اتارا گیا۔ آپ نے اس کے کئی ایک جواب دئے مگر پھر بھی طبیعت مطمئن نہ ہوئی اور جواب شافی کی منتظر رہی۔ اشکال اس طرح پیدا ہوا کہ "حرف" کا لفظ لغت کے اعتبار سے ظاہر ہے جس میں اس قسم کا کوئی اشکال نہیں، جس قسم کا سورتوں کے ابتدائی حروف[ع۲] میں ہے اور علماء نے اس کی تشریح میں بہت اختلاف کیا ہے، جس کے مطالعہ سے پریشانی اور اشکال بڑھتا ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد تو ایک ہی ہوگی اور اختلافی اقوال کی تعداد چالیس تک پہنچ جاتی ہے۔ جو اس کے مبہم اور دقیق ہونے کے موجب ہیں۔ کیونکہ کسی بات میں اقوال کی کثرت اس شئ کے متعلق عدم واقفیت کی سبب بنتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ممکن ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کچھ اور ہی ہو جس کا ذکر ان تمام اقوال میں سے کسی ایک میں بھی نہیں کیا گیا اور اس حدیث کی روایت متعدد صحابہ نے کی ہے۔ مثلاً عمر بن الخطاب۔ هشام[ع۳] بن حکیم، اُبَی بن کعب۔ عبد الرحمٰن بن

ع۱ مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن ص۱۹۲ اُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ حافظ حدیث امام جلال الدین سیوطی تنویر الحوالک شرح مؤطا مالک (ج ۱ : ۱۵۹ مطبعہ مصطفیٰ البابی ۱۹۵۰ء) میں لکھتے ہیں کہ اس بارے میں کہ "سبعہ احرف" سے کیا مراد ہے۔ علماء میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے یہاں تک کہ اس میں چالیس کے قریب مختلف اقوال نقل کئے گئے ہیں جن کا ذکر میں نے اپنی کتاب الاتقان میں کر دیا ہے۔ ان میں سے میرے نزدیک سب سے بہتر قول یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت کا فرمان متشابہات میں سے ہے جس کی تاویل کا ہمیں علم نہیں کیونکہ جس طرح قرآنِ مجید میں متشابہات پائے جاتے ہیں اسی طرح حدیث میں بھی متشابہات ہیں۔ ۱۲

راقم کہتا ہے کہ ابو عبداللہ محمد بن احمد المعروف بابن اللبان المصری متوفی ۷۴۹ھ نے اس پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام اِزَالَةُ الشُّبُهَاتِ عَنِ الْآيَاتِ وَالْاَحَادِيْثِ الْمُتَشَابِهَاتِ رکھا ہے۔ (کشف الظنون: ۱:۷۴)

ع۲ ان سے مراد حروف مقطعات ہیں مثلاً الٓمٓ وغیرہ ۱۲۔

ع۳ هشام بن حکیم: هشام بن حکیم بن حزام قرشی فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔ ان کا شمار فضلاء صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کے والد حکیم کی وفات ۵۴ھ = ۶۷۳ء میں ہوئی اور یہ اپنے والد کی حیات میں ہی وفات پا گئے تھے۔

Marfat.com

عوف[6]، عثمان بن عفان، عمر[1] بن ابی سلمہ۔ ابی جہیم، سمرہ بن جندب۔ عمرو بن العاص[2]، ام ایوب[3] انصاریہ اور ان کے علاوہ اور صحابہ نے بھی۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہاں تک کہ ابو یعلی[4] نے اپنی مسند کبیر میں لکھا کہ ایک دن حضرت عثمان بن عفان منبر پر خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا میں تمہیں خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ تم میں سے جس جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ الفاظ سنے ہیں کہ "قرآن سات حرفوں پر اتارا گیا اور ہر حرف ایک شان بیان کرتا ہے" وہ کھڑا ہو جائے۔ اس پر ہر جانب سے صحابہ جن کی تعداد مجھے یاد نہیں، اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہر ایک یہی کہتا تھا کہ میں نے آنحضرت سے یہ الفاظ سنے تھے۔ حضرت عثمان نے کہا میں نے بھی حضور کو یہی کہتے ہوئے سنا تھا۔ اسی لیے ابو عبیدہ[5] اور دیگر حفاظ حدیث نے کہا ہے کہ یہ حدیث متواتر حدیثوں میں سے ہے۔ قدیم زمانہ سے لے کر آج تک علماء نے اس پر خوب بحث کی ہے اور بعض نے تو اس پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً ابو شامہ نے۔ اس پر بہترین بحثیں تو میں نے چار بڑے بڑے عالموں کی دیکھی ہیں۔

(۱) لسان المتکلمین قاضی ابو بکر باقلانی کی کتاب الانتصار میں۔ انہوں نے مسئلہ کو اچھی طرح سے واضح کیا ہے۔

(۲) حافظ کبیر ابن الجزری کی النشر میں۔ اس نے دس فصلوں میں کئی طرح سے بحث کی ہے اور ان صحابہ کے نام ذکر کئے ہیں جنہوں نے اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

(۳) حافظ امیر المومنین فی الحدیث امام ابن حجر شرح بخاری میں فضائل قرآن کے باب میں۔

(۴) امام جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن میں۔ انہوں نے چالیس مختلف اقوال

---

[1] عمر بن ابی سلمہ: ان کے باپ ابو سلمہ کا اصل نام عبداللہ ہے۔ ان کی پرورش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی اور ام المومنین ام سلمہ کے بیٹے تھے۔ ان کی پیدائش حبشہ میں ۲ھ = ۶۲۳ء ہوئی۔ حضرت علی نے اپنے عہد خلافت میں انہیں بحرین اور فارس کا گورنر بنایا تھا۔ ان کی وفات مدینہ میں ۸۳ھ = ۷۰۲ء میں ہوئی۔

[2] عمرو بن العاص: مشہور صحابی ہیں ۸ھ = ۶۲۹ء میں فتح مکہ سے چند ماہ قبل ایمان لائے۔ انہوں نے مصر میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں ستر برس کی عمر میں ۴۳ھ = ۶۶۲ء میں وفات پائی۔

[3] ام ایوب انصاریہ: حضرت ابو ایوب انصاری کی بیوی تھیں۔ یہ قیس بن سعید خزرجی کی بیٹی اور ابو ایوب انصاری کی بیوی تھیں۔ صحابیہ تھیں۔

[4] ابو یعلی احمد بن علی موصلی: مسند کبیر حافظ حدیث اور ثقہ تھے۔ ان کی وفات ۳۰۷ھ = ۹۱۹ء میں ہوئی۔

[5] ابو عبیدہ معمر بن مثنی حافظ حدیث اور لغت دان تھے۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ ۲۱۰ھ = ۸۲۵ء میں وفات پائی۔

[6] عبدالرحمن بن عوف: مشہور صحابی کا نام قرشی ... تھے۔ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں سابقین اولین کہا جاتا ہے اور یہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر مدینہ کی۔ انہوں نے تمام جنگوں میں شرکت کی۔ ۷۵ برس کی عمر میں ۳۲ھ = ۶۵۲ء میں وفات پائی۔

Marfat.com

نقل کیے ہیں۔

باوجود اس کے کہ مجھے ان بزرگ علماء کے اقوال کا علم تھا اور ان کو خوب اچھی طرح سمجھتا تھا، پھر بھی مجھے سمجھ نہ آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کیا ہے اور تعیین[1] مراد میں مجھے شک ہی رہا۔ لہٰذا میں نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ میں تو آپ سے صرف یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کیا مراد لی ہے۔ فرمایا انشاء اللہ کل جواب دیں گے۔ دوسرا دن ہوا تو فرمایا اور سچ فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ہے کہ اُن کی اس حدیث سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے اپنی مراد کی تشریح کر دی ہے۔ میں نے اس مسئلہ میں حضرت سے تین دن بحث کی اور آپ تشریح فرماتے رہے کہ اس سے یہ معنی مراد لیے گئے ہیں، جس سے مجھے معلوم ہو گیا کہ اس حدیث کی بڑی شان ہے اور اس کے متعلق میں نے وہ اسرار سنے جن کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی اور نہ کسی کو سمجھنے کی طاقت ہے۔ مختصر بات جو ہم تحریر کر سکتے ہیں وہ یہ ہے:-

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ شریف میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی قوت ودیعت[2] کر رکھی ہے جس کے انوار سات قسم کے ہیں۔ ان ساتوں نوروں کے دو دو رُخ ہیں۔ ایک حق تعالیٰ کی طرف اور دوسرا مخلوقات کی طرف۔ یہ انوار پہلے رُخ میں متواتر فیضان کرتے رہتے ہیں اور کبھی نہیں تھمتے اور نہ ہی سست پڑتے ہیں پس جب اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کرنا چاہتے ہیں تو جو آیت نازل ہوتی ہے اس کے ساتھ پہلے رُخ کے نوروں سے تھوڑا سا نور بھی ہوتا ہے۔ سارا تو نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو خدا کی طرف توجّہ ہونے کی وجہ سے نہ تھمتا ہے اور نہ سست پڑتا ہے، اس لیے مخلوقات کی طرف توجہ کے وقت صرف تھوڑا سا نور ظاہر ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ دوسری آیت اتارتا تو اس میں دوسرے رُخ کا کچھ نور ہوتا ہے۔ پھر تیسری آیت اترتی ہے اور اس میں تیسرے نوروں سے کسی قدر نور ہوتا ہے، اسی طرح ساتویں نور تک۔

سات حروف کیا ہیں؟

اس پر میں نے عرض کیا یہ ساتوں نور جن کی طرف سات حروف کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے، کیا چیزیں ہیں؟ حضرت نے فرمایا: وہ سات حروف یہ ہیں (۱) حرفِ نبوت (۲) حرفِ رسالت (۳) حرفِ آدمیت (۴) حرفِ روح (۵) حرفِ علم۔ (۶) حرفِ قبض (۷) حرفِ بسط

۱- حرفِ نبوت: حرفِ نبوت کی شناخت یہ ہے کہ آیت صبر کا حکم دے رہی ہو، حق راہ بتا رہی ہو اور دنیا و شہواتِ دنیا سے نفرت دلا رہی ہو کیونکہ نبوت کا طبعی خاصہ حق کی طرف جھکنا، حق بات کہنا، حق راہ بتانا اور حق بات میں خیر خواہی کرنا ہے۔

۲- حرفِ رسالت: حرفِ رسالت کی یہ علامت ہے کہ آیت میں آخرت، اس کے درجات مقامات اور ثواب وغیرہ کا ذکر ہو۔

(۱) مخصوص کرنا۔ (۲) امانت

۳- حرفِ آدمیت : حرفِ آدمیت کا ماحصل وہ نور ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں ودیعت کر رکھا ہے اور انہیں اس سے انسانی کلام کرنے پر قادر کیا ہے تاکہ ان کا کلام ملائکہ جنوں اور باقی تمام کلام کرنے والی مخلوقات کے کلام سے ممتاز ہو سکے اور باوجودیکہ یہ صفت ہر انسان میں پائی جاتی ہے، اسے ان ساتوں میں اس لیے شامل کیا گیا کہ یہ صفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں طہارت اور صفائی کے لحاظ سے انتہا کو پہنچ چکی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ طہارت اور صفائی میں آپ کی ذات کا کمال اس درجہ تک پہنچ چکا ہے جس سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں ہو سکتا اور آنحضرت کی ذات کے سوا کسی اور کی ذات میں اس کا ہونا بھی ناممکن ہے۔ مختصر یہ کہ جب یہ نور جس سے انسان کلام کرتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں نورِ نبوت ۔ نورِ رسالت ۔ نورِ روح ۔ نورِ علم ۔ نورِ قبض اور نورِ بسط کے ساتھ پایا گیا۔ تو یہ نور انتہائی کمال پر ہوگا کیوں کہ آپ کی ذات، ان چھ نوروں سے مستفیض ہو رہی ہوتی ہے لہٰذا آپ پر آیات کا نزول ہوگا اور کوئی آیت بھی ایسی نہ ہوگی جس میں یہ نور نہ پایا جائے، کیونکہ قرآن اسی بشری لُغت میں نازل ہوا ہے۔

۴- حرفِ روح : حرفِ روح کی نشانی یہ ہے کہ آیت کا تعلق اللہ تعالیٰ اور اس کی بلند صفات سے ہو اور اس میں مخلوق کا کوئی ذکر نہ ہو کیونکہ روح ہمیشہ حق کا مشاہدہ کر رہی ہوتی ہے۔ لہٰذا جب اس صفت پر آیت اُترے گی تو اس کے ساتھ نورِ روح موجود ہوگا۔

۵- حرفِ علم : حرفِ علم کی پہچان یہ ہے کہ آیت میں گذشتہ لوگوں کے حالات بیان کیے گئے ہوں مثلاً عاد ۔ ثمود ۔ قوم نوح ۔ قوم ھود ۔ قوم صالح وغیرہ کے حالات یا اس میں کسی رائے کے مذموم ہونے کی اطلاع دی گئی ہو ۔ مثلاً اللہ کا فرمان: اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ۔ (ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی خرید لی ۔ نہ تو انہیں اس سودے میں فائدہ ہوا اور نہ ہی وہ سیدھی راہ پر چلے)۔ مختصر یہ کہ قصص، مواعظ اور حکم وغیرہ حرفِ علم پر نازل ہوں گی اور اس حرف کا نور جسے عطا ہو جائے اس سے جہالت کی نفی ہو جاتی ہے اور وہ عارفِ مُعرِف بن جاتا ہے، یہاں تک کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ ایک شخص پہاڑ کی چوٹی پر پیدا ہو اور بغیر کسی سے میل جول رکھنے کے وہیں رہا سہا ہو یہاں تک کہ جوان ہو گیا ہو، پھر اسے شہر میں ایسی حالت میں لایا جائے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اس حرف کے نُور سے مدد کی ہو تو اس صورت میں جس شخص نے تمام عمر علم حاصل کرنے میں لگا دی ہو، وہ اس شخص کے ساتھ کسی باب میں بھی بحث نہیں کر سکتا۔

۶- حرفِ قبض : حرفِ قبض کی پہچان یہ ہے کہ آیت کا روئے سخن کفار اور تاریکی کی طرف ہو۔

ع سورہ بقرہ آیت ۱۶-

چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ کبھی تو آپ انہیں بددعا دے رہے ہیں اور کبھی انہیں دھمکی دے رہے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ۔ (ان کے دلوں میں شک وکفر کا مرض ہے خدا نے (ان کی ضد کی وجہ سے) اس مرض کو اور بڑھا دیا اور ان کے جھٹلانے کی وجہ سے انہیں دردناک عذاب دیا جائیگا) اس کی وجہ یہ ہے کہ نور اور تاریکی کی فوجیں متواتر آپس میں لڑتی رہتی ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی توجہ تاریکی کی طرف ہوتی ہے تو آپ میں انقباض پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے مذکورہ قسم کی آیات آپ سے نکلتی ہیں۔

۷۔ **حرف بسط:** حرف بسط کی علامت یہ ہے کہ مخلوقات پر اللہ تعالیٰ نے جو انعامات کیے ہیں ان کا ذکر آیت میں کیا جائے اور مخلوقات کو یہ نعمتیں گنائی جائیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی توجہ ان نعمتوں کی طرف ہوتی جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات پر کی ہیں تو آپ کو انبساط ہوتا جس کی وجہ سے آیت بھی مقام بسط سے نکلتی۔

حضرت نے فرمایا ان ساتوں حرفوں میں سے ہر حرف کی تقریباً یہی پہچان ہے جو ذکر کی گئی ہے۔ ورنہ ہر حرف میں ۳۶۶ (تین سو چھیاسٹھ) وجہیں ہیں۔ اگر میں ہر حرف میں ان وجوہ کی تشریح کردوں اور ان کی تشریح ہر آیت میں ظاہر کردوں تو لوگوں کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن سورج کی طرح روشن ہو جائے۔ مگر یہ ان اسرار میں سے ہے جن کا چھپانا واجب ہے اور جن لوگوں پر اللہ کی فتح کبیر ہوتی ہے وہ اسے جانتے ہیں اور جسے فتح حاصل نہیں اسے اپنی حالت پر ہی چھوڑ دینا چاہیے۔

تشریح کی تقریر پر اعتراض

میں نے عرض کیا حضرت اس بارے میں جتنی احادیث وارد ہوئی ہیں، ان میں حروف سبعہ سے قرآنی الفاظ کے بولنے کی کیفیت مراد لی گئی ہے۔ مثلاً حضرت عمر کا فرمانا کہ میں نے ہشام بن حکیم کو ان حروف پر قرآن مجید پڑھتے ہوئے سنا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے نہیں پڑھائے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ اور حضرت ہشامؓ دونوں کے حروف کو درست قرار دیتے ہوئے فرمایا: اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ (ترجمہ: قرآن مجید سات حرفوں پر اتارا گیا ہے، جسے جو حرف آسان معلوم ہو وہی پڑھ لے) لیکن جناب کی تقریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حروف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں باطنی اوصاف اور انوار ربانیہ ہیں جن میں حضرت عمرؓ اور حضرت ہشامؓ کا باہمی اختلاف کرنا ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم انہیں یہ جواب دیں کہ قرآن ان سات انوار پر

ع۔ سورہ بقرہ آیت ۶

Marfat.com

نازل ہوا ہے۔

شیخ کی طرف سے اعتراض کا جواب

حضرت نے فرمایا کہ تلفظ کے اختلاف کے بارہ میں جو کچھ بھی حدیثوں کے اندر مذکور ہے وہ ان انوارِ باطنیہ کے اختلاف کی فرع[11] ہے چنانچہ حروف کا ساکن ہونا یا ان پر پیش کا ہونا قبض سے پیدا ہوتا ہے۔ زبر حروفِ رسالت سے پیدا ہوتی ہے اور زیر حروفِ آدمیت سے پیدا ہوتی ہے اور ہر آیت کے لیے ایک خاص فتح اور مخصوص ذوق ہوتا ہے۔

جب میں نے حضرت سے یہ نورانی کلام سنا تو ہم نے فوراً سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں پڑھیں۔ چنانچہ حضرت نے جو تشریح مذکورہ بالا بیان کے مطابق کی میں اسے سن کر ششدر رہ گیا۔ میں نے ان آیات کو دوبارہ پڑھا اور میں نے قراءت نافع[ع۱]، ابن کثیر[ع۲]، ابی عمرو بن العلاء البصری[ع۳]، ابنِ عامر[ع۴]، عاصم[ع۵]، حمزہ[ع۶]، کسائی[ع۷] کی ساتوں روایات پڑھیں۔ جس کی تشریح میں ہم نے آپ سے حیرت انگیز باتیں سنیں اور میں نے دیکھ لیا کہ ان ساتوں قراءتوں میں باطنی انوار کے لحاظ سے اختلاف پیدا ہوا ہے چنانچہ الحمدللہ اس حدیث کے مفہوم میں جس چیز کو ہم تیس سال سے زائد عرصہ سے تلاش کر رہا تھا وہ مجھے مل گئی۔ مجھ سے پہلے حافظ ابن الجوزی بھی تیس سال سے اوپر اسے تلاش کرتے رہے، تب جا کر انہیں

ع۱ نافع: نافع بن عبدالرحمٰن بن ابی نعیم المدنی۔ اہل مدینہ کے امام تھے اور مدینہ میں انہی کی قراءت کو پڑھا جاتا تھا صحابہ کے بعد یہ تیسرے طبقہ کے آدمیوں میں سے ہیں۔ یہ سخت سیاہ رنگ کے تھے اور انہوں نے قراءت ام المومنین ام سلمہؓ کے آزاد کردہ غلام ابومیمونہ سے سیکھی تھی۔ ان کی وفات سنہ ۱۶۹ھ میں ہوئی۔

ع۲ ابن کثیر: عبداللہ بن کثیر، ابوبکر ان کی کنیت تھی انہیں دارانی کہا جاتا ہے کیونکہ حجاز میں عطار کو دارانی کہتے ہیں۔ انکی وفات مکہ میں سنہ ۱۲۰ھ = سنہ ۷۳۷ء میں ہوئی، اور وہیں دفن ہوئے۔

ع۳ ابو عمرو بن العلاء البصری: ان کا اصلی نام زبان بن العلاء تھا۔ بصری نحویوں میں بڑے ممتاز نحوی ہوئے ہیں۔ انہوں نے قرآن کی قراءتوں میں خاص مہارت حاصل کی تھی۔ ان کی وفات سنہ ۱۵۳ھ = سنہ ۷۷۰ء میں ہوئی۔

ع۴ ابنِ عامر: عبداللہ بن عامر۔ ابو عمرو کنیت۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے قرآن حضرتِ عثمان سے سیکھا تھا۔ دمشق کے رہنے والے تھے اور وہیں ان کی وفات سنہ ۱۱۸ھ = سنہ ۷۳۶ء میں ہوئی۔

ع۵ عاصم: ابوبکر عاصم بن ابی النجود بہدلۃ الاسدی، ان کی کنیت ابوبکر بن ابی النجود ہے۔ ان کی وفات سنہ ۱۲۸ھ = سنہ ۷۴۵ء میں ہوئی۔ ابنِ خلکان نے ان کی تاریخ وفات سنہ ۱۲۷ھ دی ہے۔ انہوں نے قراءت ابوعبدالرحمٰن سلمی اور زر بن حبیش سے سیکھی۔

ع۶ حمزہ: حمزہ بن حبیب الزیات۔ ان کو زیات اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ زیتون کی تجارت کرتے تھے۔ ان کی وفات سنہ ۱۵۶ھ = سنہ ۷۷۲ء میں ہوئی۔

ع۷ کسائی: علی بن حمزۃ الکسائی۔ یہ کوفیوں کے امام نحو تھے۔ کوفہ ہی میں نشو و نما پائی اور یہیں علم قراءت حمزہ الزیات سے سیکھا لیکن بعد میں اپنی خاص قراءت کے لحاظ سے ممتاز ہو گئے اور ساتوں قراء میں شمار ہونے لگے۔ ان کی وفات سنہ ۱۷۹ھ = سنہ ۷۹۵ء میں ہوئی۔ یہ قرآنِ مجید کے ساتوں قاریوں کے نام ہیں۔

Marfat.com

اس حدیث کے معنی کی وجہ ظاہر ہوئی تھی۔ اس کے بعد ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ اسے اور لوگوں کی کی ہوئی تشریحات کا بھی پتہ چلا ہے۔ اس کا بیان مصنفؒ کتاب الانتصار نے شرح و بسط سے کیا ہے لیکن وہ تشریح صرف ظاہر تلفّظ اور اس کے اختلافات تک محدود ہے اور ان میں انوارِ باطنیہ کا ذکر نہیں ہے جن کی وجہ سے یہ لفظی اختلافات پیدا ہوئے۔ مختصر یہ کہ یہ تشریح اور دوسری تشریحات جو اس حدیث میں کی گئیں اس میں بیان کنندگان نے صرف درخت کے سایہ کو لیا ہے اور یہ تشریح جو ہمارے شیخ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی اس میں تمام درخت کا اس کی جڑوں کا اور اس کی شاخوں کا ذکر ہے۔ اور ان تمام چیزوں کا ذکر ہے جو اس درخت سے پیدا ہوتی ہیں۔ حضرت نے فرمایا: اگر میں اس کے متعلق سات کتابیں بھی لکھنا چاہوں تو لکھ سکتا ہوں، لیکن چونکہ راز کی باتیں ہیں اس لیے نہیں لکھتا۔

جب آپ تشریح فرما رہے تھے تو میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ آیت میں کچھ تو اجزاءِ نبوت کے ہوتے ہیں، کچھ اجزاءِ رسالت کے اور اسی طرح باقی سات حروف کے۔ اس لیے میں نے عرض کیا کہ حضرت ان سات حروف کے اجزاء کی تشریح فرما دیجئے۔ پھر یہ بھی فرما دیں کہ ان حروف کی ان پر تفریع کیسے ہوتی ہے تاکہ اُن کا فائدہ مکمل ہو جائے۔

حروف کی مزید تشریح فرمایا: ان سات حرفوں میں سے ہر ایک کے سات اجزاء ہیں چنانچہ آدمیّت کے سات، نبوت کے سات رسالت کے سات، روح کے سات، قبض کے سات، بسط کے سات اور علم کے سات کل ۴۹ اجزا ہوئے۔

۱۔ آدمیّت

اجزاء آدمیت اور اس کا پہلا جزو آدمیت کا پہلا جزو ظاہری صورت کا کمالِ حُسن ہے، اس طرح کہ چہرہ، ہاتھ پاؤں، انگلیاں اور باقی تمام اجزاء اور ظاہری اوصاف مثلاً حُسن کی سفیدی و رونق نہایت عمدہ اور خوبصورت ہوں۔

دوسرا جزو جسم کے ظاہری منافع کا کمال مثلاً حواسِ خمسہ ظاہرہ کہ ان کی قوتِ سماع بھی پورے کمال کی ہو، بینائی بھی کمال کی ہو۔ اسی طرح قوتِ شامہ[۲]۔ ذوق۔ لمس[۳] ہو۔ اور مثلاً آواز اور اُن حروف کا تلفظ بھی حدِ کمال تک پہنچا ہو کہ یہ حروف نہایت کمال اور فصاحت و بلاغت تک پہنچ چکے ہوں۔

---

[۱] انتصار کے نام سے بہت سی کتابیں لکھی گئیں ہیں مگر یہاں ابو بکر محمد بن الطیب الاشعری الباقلانی المتوفی ۴۰۳ھ کی تصنیف مراد ہے۔

Marfat.com

تیسرا جزو | صورت باطنیہ کا کمالِ حسن۔ تاکہ دل بہترین شکل اور بہترین حالت کا ہو اور جگر بھی کامل شکل کا ہو۔ اسی طرح دماغ، رگیں وغیرہ حتیٰ کہ تمام اجزاء کمال پر ہوں۔

چوتھا جزو | حسنِ باطنی کا کمال۔ تاکہ لذت و حسن کی جو کیفیت اسے حاصل ہو وہ کمال پر ہو۔

پانچواں جزو: نر ہونا | پانچواں جزو ذکوریت (نر ہونا) ہے کیونکہ یہی آدمیت کا کمال ہے اس لیے کہ اس میں فعل (دوسرے پر اثر کرنے کا) کا راز پایا جاتا ہے اور انوثیت (مادہ ہونا) میں انفعال (اثر قبول کرنے) کا راز ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنے لیے پیدا کیا اور باقی تمام چیزوں کو آدم کے لیے پیدا کیا اور ان میں عورتیں بھی شامل ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو آدم کے لیے پیدا کیا تو اسے فعل کا راز بھی عطا کیا اور اسے اپنا خلیفہ بنایا اور خلافت کو قیامت تک آپ کی نرینہ اولاد میں مقرر فرمایا۔

چھٹا جزو: انسانی جسم سے شیطانی حصہ نکال دینا | چھٹا جزو جسم انسانی سے شیطانی حصہ کا نکال لینا ہے کیونکہ اسی سے آدمیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ملائکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ شق کیا اور اس میں سے جو نکالنا تھا نکالا اور پھر جس چیز سے دھونا تھا دھویا اور اسے ایمان و حکمت سے بھر دیا۔

ساتواں جزو کمالِ عقل | ساتواں جزو کمالِ عقل ہے اس طرح کہ عقل انتہا درجہ کی صاف اور معرفت میں کمال تک پہنچی ہو۔ یہ وہ سات جزو ہیں جنہیں قریب قریب آدمیت کے اجزا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور آدمیت کے اجزا اپنے انتہائی کمال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے سوا کسی اور میں نہیں پائے گئے۔

۲۔ قبض

پہلا جزو: حاسہ | اس کا پہلا جزو وہ حاسہ[1] ہے جو ذاتِ انسانی میں رکھا ہوا اور اس کے تمام جواہر میں پھیلا ہوا ہے جس کے ذریعے سے ذاتِ انسانی اپنے تمام جواہر میں خیر سے لذت حاصل کرتی ہے بعینہٖ اسی طرح جس طرح انسان شہد کی مٹھاس سے لذت حاصل کرتا ہے اور اسی کے ذریعہ سے ذاتِ انسانی کو اپنے تمام جواہر میں تکلیف پہنچتی ہے، جس طرح انسان حنظل وغیرہ کی کڑواہٹ سے تکلیف محسوس کرتا ہے۔

۲۔ انصاف | دوسرا جزو انصاف ہے۔ اس کے بغیر قبض کی تکمیل نہیں ہوتی کیونکہ یہاں پر قبضِ نورانی کی بحث ہو رہی ہے چنانچہ اگر اس قبض کے ساتھ انصاف نہ ہوگا تو یہ قبض ظلمانی ہوگی اور قبض

Marfat.com

ظلمانی والا انسان اللہ کے غضب کا مستحق ہوتا ہے۔

۳۔ ضد سے نفرت | تیسرا جزو ضد سے نفرت ہے۔ جس طرح ہر ضد اپنی ضد سے نفرت کرتی ہے اور اس کے ساتھ اکٹھی نہیں ہوتی جیسا کہ سفیدی اور سیاہی اکٹھی نہیں ہوتی اور قیام اور قعود جمع نہیں ہو سکتے (ایک وقت اور ایک مقام میں ایک ہی چیز ہوگی)۔

۴۔ حق بات کہنے سے نہ شرمانا | چوتھا جزو حق بات کہنے سے شرم نہ کرنا ہے۔ چنانچہ انسان خواہ حق بات کڑوی ہی کیوں نہ ہو کہہ دے اور اللہ کے بارے میں وہ کسی طعنہ اور ملامت کی پرواہ نہ کرے

۵۔ تعمیلِ احکام | پانچواں جزو تعمیلِ احکام ہے۔ کیونکہ بحث قبضِ نورانی کی ہو رہی ہے۔ لہذا اگر قبض کے ساتھ شریعت کی مخالفت ہو تو یہ قبض ظلمانی ہوگی جس کی وجہ سے انسان حق تعالیٰ کی ناراضگی کا مستوجب ہوتا ہے۔

۶۔ مَیل اِلیٰ الجنس | چھٹا جزو ہمجنس کی طرف میلِ تامّ ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے اندر ہمجنس کی کیفیت پیدا کرلے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو یہ کہتا سنتے کہ اللہ برحق ہے۔ وہی ہمارا خالق اور رازق ہے اور وہ واحد ہے۔ اس کے ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے یا اسی قسم کا کوئی اور کلام سنتے تو آپ کا قلب اس کی طرف کھنچتا اور آپ اسے اس حد تک محبت کرتے کہ آپ کے اعضاء میں انشراح پیدا ہوتا حتیٰ کہ اس کلام کے راز کی کیفیت آپ[عٰلہ] پر طاری ہوجاتی اور آپ کی ذات اس نور کو بیان کرتی جو اس کلام کے ساتھ نکلا تھا۔ پس جس طرح ضد سے کلی نفرت ہوتی تھی اسی طرح ہمجنس کی طرف کلّی میلان ہوتا تھا۔

۷۔ کمالِ گرفت | ساتواں جزو کمالِ گرفت کی قوت ہے۔ چنانچہ اگر کسی چیز کو جھپٹ کر پکڑنا چاہے تو اس میں ذرہ بھر بھی ہاتھ سے نہ گرے۔ محسوسات میں اس کی مثال یہ ہے کہ جو شخص جھپٹ کر دس چیزوں کو لینا چاہے تو اگر ان میں سے ایک بھی گر جائے تو اس میں قوت کاملہ گرفت نہیں ہے اور اگر ایک بھی نہ گرے تو اس میں گرفت کی قوتِ کاملہ ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی چیز کو جھپٹ کرلے کر اُس پر دائم نہ رہا تو بھی اس میں گرفت کی قوت کاملہ نہیں ہے اور اگر اس پر دائم رہے تو پھر یہ قوت اس میں پائی جائے گی۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قبض کے اجزاء میں سے ایک جزو مَیل الی الجنس اور جنس کی کیفیت اخذ کرنا ہے اور اس اخذِ کیفیت کے ساتھ ساتھ گرفت کی قوتِ کاملہ کا ہونا ضروری ہے۔

عٰلہ محقق دوانی نے شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ کسی شخص نے ایک جانور کو لاٹھی ماری۔ شیخ پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ عین اسی مقام پر جہاں جانور پر لاٹھی لگی تھی شیخ کے جسم پر لاٹھی کے نشان پڑ گئے یہ کمالِ تکلیف کی وجہ سے تھا۔ ۱۲ مترجم۔

Marfat.com

اسی طرح قبض کا ایک جزو ضد سے نفرت ہے۔ اس میں بھی گرفت کی قوتِ کاملہ کا ہونا ضروری ہے تاکہ اپنی نفرت پہ قائم رہے۔

۳۔ بسط

۱۔ فرحِ کامل | بسط کا پہلا جزو فرحِ کامل[۱] ہے اور یہ ایک نورِ باطن ہوتا ہے جس کے اندر بھی یہ پایا جائے تو یہ نور اس شخص کے دل سے کینہ، حسد، تکبر، بخل اور عداوت کو نکال دیتا ہے کیونکہ یہ اوصاف فرحِ کامل کے منافی ہیں۔ لہٰذا جب اس فرح کے ساتھ کسی ذات میں نورِ ایمان پایا جائے تو اس کا نزول اس ذات پہ مجانست[۲] اور موافقت کا نزول ہوگا اور یہ فرح ذات میں مناسب طور متمکن[۳] ہو جائے گی اور اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کہ ایک اچھی زمین پر بارش کا نزول ہو لہٰذا اس سے پاکیزہ اخلاق پیدا ہوں گے۔

۲۔ سکونِ خیر فی الذات | دوسرا جزو ذاتِ انسانی میں برائی کی بجائے نیکی کا ساکن ہونا ہے۔ یہ ایک نور ہے کہ جسے حاصل ہو، بھلائی اس کی طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے اور وہ بھلائی اور بھلائی کرنیوالوں سے محبت کرتا ہے اور اس کے ذہن میں بھی وہی خیالات آتے ہیں جو بھلائی کی طرف لے جائیں اور اگر کوئی شخص اس سے بھلائی کرتا ہے تو وہ کبھی نہیں بھولتا۔ لیکن اگر کوئی ایذا رسانی کرتا ہے تو وقت گزرنے پر وہ اسے بھول جاتا ہے اور وہ ایذا رسانی اس کے ذہن میں نہیں رہتی حتیٰ کہ اگر اس کے بعد اُسے آزماؤ تو اس کا دل اس سے خالی پائیں گے اور وہ خود مطمئن اور خوش ہوتا ہے گویا کوئی ایذا پہنچانے والی بات ہی نہیں ہوئی اور یہی بسط کا کمال ہے۔

۳۔ فتحِ حواسِ ظاہرہ | تیسرا جزو حواس ظاہری کی فتح[۴] ہے۔ یہ ایک لذت ہوتی ہے جو حواسِ ظاہرہ میں حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح کہ یہ لذت ان رگوں کو کھول دیتی ہے جو ان حواس میں پائی جاتی ہیں۔ پھر جو ادراک حواس کو ہوتا ہے اس کی کیفیت ان عُروق[۵] میں آجاتی ہے اور اسی لذت سے بسط کا کمال ہوتا ہے چنانچہ بصر میں ایک لذت ہے جس کے ذریعے سے خوبصورت صورتوں کی طرف میلان حاصل ہوتا ہے اور اسی سے اس چیز سے جسے دیکھا گیا ہو عشق اور انقطاع باطنی پیدا ہوتا ہے۔ اور سمع میں بھی ایک لذت ہے جس کی وجہ سے خوش آوازوں اور نغموں کو سن کر انکساری پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات اس سے ذات میں اضطراب اور وجد پیدا ہو جاتا ہے۔ باقی حواس کا بھی یہی حال ہے چنانچہ ہر حس میں مطلق ادراک[۶] کے علاوہ ایک زائد لذت پائی جاتی ہے۔

فتحِ حواسِ ظاہرہ اور کمالِ حواسِ ظاہرہ میں فرق: حواس ظاہرہ کی فتح جو بسط کا جزو ہے اور حواس

Marfat.com

ظاہر کے کمال جو آدمیت کا جزو ہے، میں فرق یہ ہے کہ حواسِ ظاہرہ کی فتح عروقِ سابقہ کو کھول کر اس کے کمال کو بڑھا دیتی ہے کیونکہ رگوں کا کھلنا اس ادراک سے زائد چیز ہے جو کمالِ حواس میں پایا جاتا ہے۔ عروق کی اسی فتح اور کیفیتِ جاذبہ کی وجہ سے گرویدگی پیدا ہوتی ہے، برخلاف مطلق ادراک کے کیونکہ اس کے ہوتے ہوئے گرویدگی حاصل نہیں ہوتی کیونکہ بہت سے لوگ حسین امور دیکھنے کے باوجود اُن سے متاثر نہیں ہوتے اور کئی دوسرے حضرات ہیں کہ خوش آوازیں سنتے ہیں لیکن ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اسی فتح اور تکیُّف[1] سے کمالِ بسط حاصل ہوتا ہے۔

۴۔ فتحِ حواسِ باطنہ | چوتھا جزو فتحِ حواسِ باطنہ فتحِ عروق اور ان کا مُدرَک بالحواس[2] سے اثر پذیر ہونا اور اس کے ساتھ انسان کا مُدرَک کا گرویدہ ہو جانا ہے جن کا ذکر ہم فتحِ حواسِ ظاہرہ میں کر چکے ہیں، وہی سب امور یہاں بھی جاری ہوں گے اور مذکورہ بالا فرق یہاں بھی فتحِ حواسِ باطنہ اور کمالِ حواسِ باطنہ میں اسی طرح پایا جائے جائیگا۔

۵۔ مقامِ رفعت | پانچواں جزو مقامِ رفعت[3] ہے کیونکہ جب انسان اجزاءِ آدمیت سے آراستہ ہو جاتا ہے، اس کے بعد اجزاءِ قبض اور پھر مذکورہ چار اجزاءِ بسط سے آراستہ ہوتا ہے تو اُسے اس چیز کی قدر معلوم ہو جاتی ہے جو اسے عطا کی گئی اور اسے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ اوصاف کسی بڑی ہستی کو ہی عطا ہوتے ہیں، تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ وہ اپنے رب کے نزدیک بلند قدر والا اور بڑے درجہ والا ہے اور بڑا شخص وہی ہوتا ہے جو بلند مرتبہ کام کرے اور اس میں مکارمِ اخلاق پائے جائیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ (ہم نے بنی آدم کو عزت دی) اور فرمایا وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ[عہ] (ہم نے انسان کو عمدہ صورت عطا کی) چنانچہ جب اسے علم ہوگا کہ وہ کبیر القدر اور رفیع الدرجہ ہے تو اس کا بسط بھی کامل ہوگا۔ اسی وجہ سے مقامِ رفعت اجزاءِ بسط میں سے ہے۔

۶۔ حسنِ تجاوز | چھٹا جزو حسنِ تجاوز ہے جس کی وجہ سے یہ اس شخص کو معاف کر دیگا جس نے اس پر ظلم کیا ہے اور جس نے اس سے بُرا برتاؤ کیا ہے اسے درگزر کر دے گا۔ حُسنِ تجاوز اجزاءِ بسط میں سے اس لیے ہے کہ ہماری بحث بسطِ نورانی سے ہے نہ کہ بسطِ ظلماتی سے اور ہم پہلے اجزاءِ بسط میں مقامِ رفعت کا ذکر کر چکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ مقامِ رفعت سے مراد رفعتِ قدر اور شان کی بزرگی ہے اور اگر اس رفعت کے ساتھ حسنِ تجاوز بھی ہوگا تو یہ بسطِ نورانی ہوگا لیکن اگر اس رفعت کے ساتھ بُرا برتاؤ اور ظلم ہوگا تو یہ مقامِ رفعت ظلمانی ہوگا جس کی وجہ سے انسان غضبِ الٰہی کا مستوجب ہوگا۔ یہاں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ بسطِ نورانی کی حقیقت اور اس کے اجزاء کے لیے

عہ سورہ تین (پارہ ۳۰) آیت ۴

(۱) کیفیت پیدا ہونا۔ خوشی منانا۔ (۲) جن کا ادراک حواس کے ذریعہ ہو۔ (۳) بلندی۔ (۴) جس پیدا جیسا ہے۔

Marfat.com

حُسنِ تجاوُز کا ہونا ضروری ہے۔

۷۔ نرم خوئی و تواضع ساتواں جزو نرم خوئی و تواضع ہے۔ بسط کے اجزاء میں اس کے داخل ہونے کی وہی وجہ ہے جو ہم حسنِ تجاوز میں ذکر کر چکے ہیں کیونکہ بسط والے کا مرتبہ بلند ہوتا ہے لہٰذا اپنے ہم جنسوں کے ساتھ جو اس کے رفیق ہیں تواضع اور نرمی کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر وہ اپنے آپ کو اُن سے بلند ظاہر کرے گا تو اس لطائف میں کبر داخل ہو جائے گا جس کی وجہ سے غضبِ خداوندی کا مستحق ہو گا۔

آدمیت، قبض اور بسط کے اجزاء انبیاء و غیر انبیاء دونوں میں پائے جاتے ہیں لیکن انبیاء میں بدرجۂ اکمل ہوتے ہیں یاد رہے کہ آدمیت اور اس کے اجزاء اسی طرح قبض اور بسط اور ان کے اجزاء جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں پائے جاتے ہیں اسی طرح اوروں میں بھی پائے جاتے ہیں خواہ وہ شخص کافر ہی کیوں نہ ہو لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ مخصوص آدمیت پائی جاتی ہے جس سے بڑھ کر خارج میں کوئی آدمیت نہیں پائی جا سکتی اور یہ جو آدمیت کے اجزاء میں نزع حظ الشیطان (شیطانی حصہ کا نکالنا) کا ذکر کیا گیا ہے اس سے شقِ صدر النبی ہی مراد ہے۔ یہ اوصاف اور انسانوں میں کمال کے درجات میں سے صرف ایک حد تک پائے جاتے ہیں اعلیٰ درجات نہیں پائے جاتے لہٰذا وہاں نزعِ حظ الشیطان سے مراد ذات سے قباحت اور بے حیائی کا نکالنا ہو گا تاکہ وہ شخص نہ شریر ہو نہ بدخلق۔ ان لوگوں سے نزع حظ الشیطان سے مراد اس گوشت کے لتھڑے کا نکالنا نہیں جس کا ذکر شقِ صدر النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا گیا، کیونکہ یہ بات تو درجۂ نبوت کے ساتھ مخصوص ہے۔

ذاتِ نبی اور غیر نبی کے قبض میں فرق اب رہا قبض تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ صرف وہی قبض نورانی مختص ہے جو بلند ترین درجہ کا ہو۔ رہے دوسرے لوگ سو اگر وہ آپ کے طریقہ کے متبع اور آپ کی سیرت پر چل رہے ہیں تو اُن کا قبض اسی قدر نورانی ہو گا جس قدر کہ وہ آپ کی تابعداری کرتے ہیں لیکن پھر بھی وہ قبضِ نورانی انتہائی کمال کا نہ ہو گا بلکہ مراتبِ کمال میں سے ایک مرتبہ پر ہو گا اس لیے کہ انتہائی کمال خصائصِ نبوت میں سے ہے۔

شیاطین کا قبض اور اگر وہ آپ کی شریعت کا مخالف ہو گا تو یہ قبض ظلمانی ہو گا اور قبض کے جزو اوّل میں جو اس کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے یہاں اس کے برعکس ہو گی، جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ شخص شر سے لذت حاصل کرے گا اور خیر سے تکلیف پائے گا اور قبض کا جزو ثانی یعنی انصاف تو بالکل ہی جاتا رہے گا کیونکہ جب اسے بدی سے مزہ آئے گا اور خیر سے تکلیف ہو گی تو اس صورت میں اس سے انصاف کا واقع ہونا محال ہے۔ کیونکہ انصاف تو اسی شخص سے ممکن ہو گا جو خیر سے لذت پائے اور شر سے دل دکھے اور قبض کا تیسرا جزو یعنی ضد سے نفرت بھی اس میں بالکل برعکس

Marfat.com

ہوگی یعنی وہ شخص خیر سے نفرت کرے گا۔ یہی حال باقی اجزاء کا ہوگا کیونکہ قبضِ ظلمانی میں وہ بالکل الٹ ہوجاتے ہیں اور جب تمام اجزاء قبضِ منعکس ہوگئے تو یہ ایسا قبضِ ظلمانی ہے جو سرکش شیاطین اور کفار میں پایا جاتا ہے۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس سے بچائے۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر معجزات دیکھنے کے باوجود ان کی سرکشی اور کفر بڑھتا ہی گیا۔

عامۃ المؤمنین کا قبض اور اگر قبض کے بعض اجزاء منعکس ہوئے اور بعض نہ ہوئے تو یہ عامۃ المؤمنین کا قبض ہے۔

بسط کا بھی یہی حال ہے کہ ذاتِ محمدی میں بسطِ نورانی کا اعلیٰ ترین درجۂ کمال ہے اور دوسروں میں وہی تفصیل جاری ہوگی جو قبض میں بیان ہوئی۔ ہاں بسطِ نورانی حسنِ تجاوز اور تواضع ہوگی کہ دونوں اس کے جزو ہیں اور بسطِ ظلمانی میں یہ دونوں باتیں نہ ہوں گی۔ واللہ اعلم

۴- نبوّت

۱- حق گوئی نبوّت کا پہلا جزو حق گوئی ہے اور یہ صفت اس ذاتی نور سے پیدا ہوتی ہے جو حق گوئی پر مجبور کرتا ہے اور یہ اس کی طبیعت اور خصلت بن جاتی ہے اور وہ شخص حق گوئی سے باز نہیں آتا خواہ دوست واحباب اس کے مخالف ہی کیوں نہ ہوجائیں اور اُسے اپنا وطن ہی کیوں نہ چھوڑنا پڑے۔ بلکہ خواہ اس میں اس کی گردن ہی کیوں نہ کٹ جائے چنانچہ مشرکینِ مکہ نے کتنا ہی چاہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق گوئی چھوڑ دیں اور ہر ممکن طریقہ سے آپ کو پھسلانا چاہا مگر آپ نے انکار کر دیا اور آپ نہ ٹلے۔ اس پر وہ آپ کے مخالف ہوگئے اور سب نے متحد ہو کر آپ سے جنگ کی۔ اس کے باوجود آپ کی ثابت قدمی بڑھتی گئی۔ اس لیے کہ آپ کی ذاتِ مقدّس کی سرشت میں حق گوئی ہے اور اس کے خلاف تصور میں ہی نہیں آسکتا۔ اس کے بعد

عہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں تو ہر بات میں صادق وامین تھے لیکن یہاں قولِ حق سے مراد اعلانِ نبوّت اور شرک کی مذمّت ہے۔ اسی واسطے جب غزوۂ حُنین میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور آپ کے ساتھ صرف چند صحابی رہ گئے اور دوسری طرف کفار تیروں کی بارش برسا رہے تھے تو پھر بھی اس موقعہ پر آپ نے یہی اعلان کیا

انا النبی لا کذب　　　انا ابن عبد المطلب

میں نبی ہوں، جھوٹا نہیں ہوں کہ قولِ حق سے پھر جاؤں۔ عبدالمطلب کا پوتا ہوں میں نے تم میں ساری عمر گذاری ہے۔ ۱۲ مترجم۔

Marfat.com

آپ نے دو حکایتیں بیان کیں۔

حکایت۔۱ | عجم کے کسی شہر میں سدھائے ہوئے پرندے دروازہ پر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی چور گھر میں گھس آئے تو وہ پرندے شور مچانے لگ جاتے ہیں "چور آ گئے" اور یہ پرندے ان الفاظ کو دوہرانے سے باز نہیں آتے خواہ انہیں کتنا ہی دھمکایا جائے اور ڈرایا جائے۔ اسی طرح اگر ان کو کھانے کو بھی کوئی چیز دی جائے تب بھی یہ باز نہیں آتے مختصر یہ کہ یہ پرندہ خواہ اُسے قتل بھی کر دیا جائے تب بھی باز نہیں آتا۔ اس حکایت کے بیان کرنے سے آپ کا مقصد حق گوئی کی تشریح کرنا تھا اور یہ بھی سمجھانا مقصود تھا کہ تعلیم سے بھلائی حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ پرندے نے باوجود دوری کے یہ بات سیکھ لی یہاں تک کہ یہ اس کی طبیعت بن گئی تو انسان کا کیا حال ہوگا اور مؤمن کا تو کیا ہی کہنا۔

حکایت۔۲ | ایک مرید نے اپنے پیر سے کہا مجھے کوئی ایسی بات بتائیں جس سے مجھے اللہ کے ہاں راحت ہو۔ شیخ نے کہا اگر تمہارا ارادہ یہی ہے تو اللہ تعالیٰ کے اوصاف[ع] میں سے کسی ایک کی مشابہت اختیار کر لو کیوں کہ اگر تو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی موصوف ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے دن اپنے اولیاء کے ساتھ رہنے کو جگہ دے گا اور تجھے جہنم میں اپنے دشمنوں کے ساتھ نہیں رکھے گا۔ مرید نے عرض کیا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ کے اوصاف تو بیشمار ہیں، فرمایا کسی ایک میں اس کے شبیہہ بن جاؤ۔ مرید نے عرض کیا وہ کونسا وصف ہے۔ فرمایا: ان لوگوں میں سے ہو جاؤ جو حق بات کہتے ہیں کیونکہ حق گوئی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اگر تو حق گو بن گیا تو اللہ تجھ پر رحم فرمائیگا۔ اُس نے سچ بولنے کا وعدہ کیا اور چلا گیا۔ مرید کے پڑوس میں ایک لڑکی رہتی تھی۔ وہ شیطان کے نرغے میں آگیا اور اُس نے اس سے بدکاری کر کے اس کی بکارت کو زائل کر دیا۔ لڑکی سے نہ رہا گیا حالانکہ اُسی نے ابتدا کی تھی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہ بات چھپنے والی نہیں اور اس نے اپنے باپ کو کہہ دیا اور اس نے عدالت میں دعوٰی دائر کیا۔ حاکم نے مرید سے کہا کہ سنتے ہو یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟ اُس نے کہا ہاں یہ سچ کہہ رہا ہے۔ مجھ سے یہ فعل سرزد ہوا ہے اور اسے اپنے پیر کا عہد یاد تھا۔ اس لیے وہ انکار نہ کر سکا۔ حاکم نے یہ سُن کر کہا یہ شخص دیوانہ ہے۔ اسے پاگل خانہ لے جاؤ کیونکہ کوئی عقلمند انسان ایسی بات کا اقرار نہیں کرتا جس سے اُسے دکھ پہنچے۔ چنانچہ اسے پاگل خانہ میں بھیج دیا گیا۔ کچھ دنوں بعد کسی نے اس کی سفارش کی اور حاکم نے اسے چھوڑ دیا۔

اس قصہ سے حضرت کا یہ بیان کرنا مقصود تھا کہ حق گوئی کا انجام ہمیشہ اچھا ہی ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ع اور یہی معنی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ۔ لیکن سب اوصاف میں تو مشابہت ہو نہیں سکتی اس لیے کسی ایک کی مشابہت کا حکم دیا۔ ۱۲۔

Marfat.com

۲-صبر | وہ ایک نور ہے جو جسم کو ان مصائب و آلام کا احساس نہیں ہونے دیتا جو اسے اللہ کی خاطر پہنچیں۔ یہی حقیقی صبر ہوتا ہے جو بغیر تکلیف کے ہوتا ہے اس لیے کہ اپنے فکر کی وسعت کی وجہ سے صابر کی عقل بھی وسیع ہوتی ہے۔ کیونکہ جسم کو اس کا راز کھل چکا ہوتا ہے تو اس کی عقل اللہ تعالیٰ کے لاتعداد کمالات کی سیر کرتی رہتی ہے۔ لہٰذا جب جسم کو کوئی تکلیف ہونے لگتی ہے تو جسم اس تکلیف کا خیال چھوڑ کر اُن امور میں مشغول ہو جاتا ہے جن میں فکر مشغول ہوتا ہے (اور یہی مشغولیت اسے "تکلیف کا احساس نہیں ہونے دیتی) چنانچہ ایسا واقعہ ایک ولی سے پیش آیا جو اپنے زمانہ کا غوث تھا کہ چار آدمی اسے قتل کرنے کو آئے۔ اس ولی کے کئی ایک بچے بھی تھے۔ یہ آدمی اُسے اپنے گھر اور بیوی بچوں کے درمیان سے گھسیٹ کر لے گئے اور اس کی اولاد چیخ و پکار کرتی رہ گئی اور انہوں نے اسے ذبح کر دیا۔ اس واقعہ کے دوران میں اس ولی کی فکر اپنے دھیان میں لگی ہوئی تھی اور اس نے قطعاً اس بات کی طرف توجہ ہی نہیں کی کہ اس کے ساتھ کیا واقعہ گذر رہا ہے اور نہ ہی اپنی اولاد اور عورتوں کے چلّانے کی طرف توجہ دی۔ یہ عجیب و غریب صبر ہے جو سننے میں آیا۔ جب اولیاءِ امت کی یہ شان ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر[ع] کا کیا حال ہوگا۔

لیکن اگر ذات حجاب میں ہو تو عقل کا نور ذات میں جمع ہو جائے گا اور اسی میں بند ہو کر رہ جائے گا۔ چنانچہ جب جسم پر کوئی تکلیف دہ چیز نازل ہوتی ہے تو جسم بہت زیادہ تکلیف کا احساس کرتا ہے اور اگر تو ایک سلاخ سے اسے داغ دے گا تو اسے اس قدر تکلیف ہوگی جس قدر کہ سو سلاخوں سے داغنے سے ہوتی ہے لیکن اگر تو اسی سلاخ سے صاحبِ فتح (ولی) کو داغ دے تو یا تو وہ بالکل ہی محسوس نہ کرے گا جیسا کہ ولی مذکور سے ہوا یا اگر محسوس کرے گا بھی تو تھوڑا۔

۳-رحمت | تیسرا جزو رحمت ہے اور یہ ذات کے اندر ایک نور ہے جس کا تقاضا ہے کہ تمام مخلوقات پر رحم کھایا جائے اور یہ نور اس رحمت سے پیدا ہوتا ہے جو اللہ کی طرف سے بندے کو پہنچتی ہے اور جس قدر کہ اللہ کی رحمت بندے پر ہوتی ہے اسی قدر اس بندے کی رحمت تمام لوگوں کے لیے ہوتی اور اس بات میں شک نہیں ہو سکتا کہ تمام مخلوقات میں کوئی شخص ایسا نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی اس قدر رحمت ہوئی ہو جس قدر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ خاتمۃ الخلائق پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کُل زندگی صبر کی مثالوں سے پُر ہے۔ جب آپ طائف تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے اور کفار نے پتھر برسائے، کتے پیچھے چھوڑے، خون آپ کے سر سے پاؤں تک بہ رہا تھا، لیکن زبان سے یہی الفاظ نکلے: اَللّٰھُمَّ اِنْ لَّمْ یَکُنْ بِیْ غَضَبٌ مِّنْکَ فَاِنِّیْ لَا اُبَالِیْ (ترجمہ: خدایا! اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے ان تکالیف کی پرواہ نہیں) یہی وجہ تھی کہ اس کے بعد فرمایا: اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (خدایا میری قوم کو راہ راست پر لا۔ کیونکہ وہ نہیں جانتے) ۱۲۔

Marfat.com

کی رحمت کے برابر کسی اور کی رحمت نہیں ہے اور آپ کی رحمتِ عظیم اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ آپ کی رحمت عالم سفلی، عالم علوی۔ اہل دنیا اور اہل آخرت سب پر عام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بالمومنین رؤف رحیم کی آیت میں چار باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے:-

(۱) یہ وہ نور ہے جس سے اس تمام مخلوق کو سیراب کیا جاتا ہے جنہیں خوشنودیٔ حق کا پروانہ حاصل ہو چکا ہے (یعنی مومنین)۔

(۲) اس نور کو خدا کا قرب حاصل ہے اور قرب سے مراد قربِ مرتبہ ہے نہ قربِ مکانی۔

(۳) یہ نور جسے اللہ کا قرب حاصل ہے، تمام کا تمام ذاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا جاتا ہے۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کو اس نور کے برداشت کرنے کی طاقت ہے چنانچہ اس کے اٹھانے میں آپ کو کسی قسم کی کلفت و مشقت نہیں ہوتی اور یہی وہ کمال ہے جس کی وجہ سے آپ کو تمام مخلوقات پر فوقیت حاصل ہوئی ہے۔

اس آیت شریفہ میں ان چار باتوں کی طرف اشارہ کرنے کا جو حقیقی سبب ہے وہ ان اسرار میں سے ہے جن کا چھپانا ضروری ہے۔ اس آیت میں اور اشارات بھی ہیں۔ واللہ اعلم

۴۔ معرفتِ الٰہی | چوتھا جزو معرفتِ الٰہی ہے ایسی کہ جیسی ہونی چاہیئے۔

۵۔ خوفِ تام (۲) | پانچواں جزو کامل خوفِ خدا ہے۔ کامل خوفِ خدا سے ہماری مراد یہ ہے کہ باطنی خوف جو اصلی خوف ہے اور تمام اجسام میں پایا جاتا ہے اس کے ساتھ ظاہری خوف بھی ملا ہوا ہو جس کا سبب عقلِ سلیم اور اللہ تعالیٰ کی ظاہری معرفت ہے۔ باطنی خوف تو تمام جسم میں پایا جاتا ہے اور جسم کے ایک ایک عضو پر حاوی ہوتا ہے کیونکہ ہر جوہر کا خالق خدا ہے اور مخلوق اپنے رب سے ڈرتی ہے جس طرح حادِث(۲) قدیم سے ڈرتا ہے اور یہ خوف ہر مخلوق میں خواہ وہ جاندار ہو یا غیر جاندار موجود ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ۔ (سورہ حم سجدہ آیت ۱۱) ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور یہ ابھی دھوئیں کی شکل میں تھا اور اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں حاضر ہو جاؤ خواہ بخوشی یا بجبر۔ دونوں نے کہا ہم بخوشی حاضر ہیں)۔ ان کی زبان سے ان الفاظ کے نکلنے کا سبب وہی اصلی اور باطنی خوف ہے اور اسی خوف کی وجہ سے وہ تسبیح ظہور پذیر ہوتی ہے جو آیت

ع بندہ عاجز مترجم کہتا ہے کہ یہیں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی کا راز کھل جاتا ہے۔ ۱۲

Marfat.com

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ ؕ سورہ   رکوع   (ہر چیز خدا کی تسبیح بیان کرتی ہے) میں مذکور ہے۔ اس خوف کا حکم دوام و استمرار (۱) ہے تاکہ ایک لمحہ کے لیے بھی جدا نہ ہو لیکن ظاہری خوف کا سبب اللہ کی طرف توجہ ہے۔ جب تک یہ توجہ رہے گی خوف رہے گا لیکن اگر خیالات کسی اور طرف مشغول ہوجائیں تو یہ توجہ اور خوف دونوں زائل ہوجائیں گے، مگر جس پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے تو وہ اس حجاب کو جو خوفِ ظاہری اور خوفِ باطنی حقیقی اصلی دائمی کے درمیان حائل ہوتا ہے زائل کر دیتا ہے اس کے لیے یہ خوف بھی ظاہرا دائمی اور صافی بن جاتا ہے جو تاریکی سے پاک ہوتا ہے۔ پھر اس کے خوف کی یہ کیفیت ہوجاتی ہے کہ یہ اپنے رب کی معرفت سے مدد حاصل کرتا ہے۔ اسی واسطے اس کے خوف کی کوئی انتہا نہیں کیونکہ معرفتِ الٰہی کی کوئی انتہا نہیں لہٰذا جس خوف کو اس معرفت سے مدد حاصل ہو وہ بھی لا انتہا ہوگا۔ مختصر یہ کہ ظاہر باطن سے صفاء اور دوام حاصل کرتا ہے اور باطن ظاہر سے زیادتی اور فیضان حاصل کرتا ہے۔ اسی کا نام خوفِ تام ہے۔ باطن ظاہر سے زیادتی اس لیے حاصل کرتا ہے کہ باطنی خوف کی تمام اجسام کے ساتھ برابر کی نسبت ہے۔ صرف خوفِ ظاہری میں اجرام (۲) کی نسبت مختلف ہوتی ہے کیونکہ خوفِ ظاہری کا سبب معرفتِ الٰہیہ ہے اور معرفتِ الٰہیہ میں اجرام کے درجات مختلف ہیں۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

۶۔ بغضِ باطل | چھٹا جزو بغضِ باطل ہے اور یہ اُس نور سے پیدا ہوتا ہے جو ذات کے اندر ہر وقت موجود ہوتا ہے، جس کا کام یہ ہے کہ وہ تاریکی کی طرف متوجہ ہو سے اور ان کو اس طرح حاضر کرے گویا وہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہیں اور پھر اس کو دفع کرنے کے لیے اس طرح بالمقابل آجائے جس طرح ایک ضد دوسری ضد کے بالمقابل آجاتی ہے اور ضد کا استحضار (۳) اس چیز سے مکمل طور پر بغض رکھنے میں ممد ہوتا ہے لہٰذا جب ضد کا استحضار دائمی ہوگا تو اس چیز سے بغض بھی دائمی ہوگا اور باطل سے ہمیشہ اور ہر لحظہ بغض رکھنا اجزاء نبوت کا ایک جزو ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

۷۔ عفو | ساتواں جزو عفو (۴) ہے۔ یہ اس نور سے پیدا ہوتا ہے جو ذات کے اندر ہمیشہ موجود ہوتا ہے۔ اس نور کی طبیعت ہے کہ جو اسے نقصان پہنچائے یہ اسے نفع پہنچاتا ہے اور جو اس سے تعلقات منقطع کرے یہ اس سے تعلقات جوڑتا ہے جو اس پر ظلم کرے یہ اس سے درگذر کرتا ہے جو اس سے برائی کرے یہ اس سے نیکی کرتا ہے اور جو عفو اس قسم کا ہو وہ نبوت کا ایک جزو ہے۔ اور اس کا دائمی ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کا سبب نورِ سابق (بغضِ باطل) ہوتا ہے اور وہ (بغضِ باطل) ذات کے اندر ہمیشہ موجود ہوتا ہے لہٰذا حالتِ عفو بھی دائمی ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی کیفیت تھی۔

یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور نے خصائلِ نبوت کو اس اکمل طریقہ پر حاصل نہیں کیا جس سے اوپر کوئی کمال نہیں ہوسکتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ آدمیت قبض اور بسط کی خصلتیں

(۱) ہمیشگی (۲) جسم (۳) یاد رکھنا۔ حاضری چاہنا (۴) معافی۔

Marfat.com

کسی ذات میں اس کمال تک نہیں پہنچیں جس حد تک آپ کی ذات میں پہنچی تھیں۔ لہٰذا جب یہ خصلتیں آپ کی ظاہری ذات میں اعلیٰ درجہ کی تھیں اور پھر ان پر نبوت کی خصلتوں کا اضافہ ہوا تو اس کے انوار بڑھ گئے اور اس کے اسرار پھیل گئے۔ لہٰذا خصائل نبوت کی پہلی خصلت آدمیت۔ قبض اور بسط کی خصلتوں پر اُترتی ہے یہاں تک کہ یہ خصلت اس طرح ہو جاتی ہے گویا مذکورہ بالا خصلتوں کے نور اس میں گھل مل گئے ہیں اور نبوت کی دوسری خصلت میں بائیس خصلتیں اُترتی ہیں اور ان خصلتوں کے تمام انوار اس میں جمع ہو جاتے ہیں۔ تیسری خصلت تئیس خصلتوں پر اترتی ہے اور ان کے انوار اس میں جمع ہو جاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ نورِ حق ایسا ہو جاتا ہے جیسا کہ یہ بائیس نوروں سے مرکب ہو۔ اس کے اپنے نور سے اور ماقبل کے انوار سے اور نورِ صبر تیئیس نوروں سے مرکب ہے۔ اپنے نور اور ماقبل کے انوار سے۔ نورِ رحمت چوبیس نوروں سے مرکب ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت مذکورہ بالا صفت سے موصوف ہوئی۔ یہاں تک کہ تمام مخلوقات پر عام ہوئی۔

آپ کی معرفتِ الٰہیہ کی شرح بیان نہیں ہو سکتی۔ مختصر یہ کہ جب تو نبوت کے جلال کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے گا پھر جو کچھ اس کی شرح میں کہا گیا اس پہ غور کرے گا اور اس کی حقیقت تک پہنچے گا، پھر اس کے انوار کو ماقبل کے انوار پر اتارے گا اور ماقبل کے انوار کو اس میں شامل کرے گا تو تجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی عظمت کا پتہ چل جائے گا جیسا کہ علامہ بوصیری رح نے کہا ہے[عہ]:

مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِيكٍ فِي مَحَاسِنِهِ　　　فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيهِ غَيْرُ مُنْقَسِمِ

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن میں آپ کا کوئی شریک نہیں [یعنی آپ جیسے محاسن کسی اور میں نہیں پائے جاتے] لہٰذا آپ کا جوہرِ حسن غیر منقسم ہے) صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

۵۔ روح

پہلا جزو: ذوق الانوار | روح کا پہلا جزو ذوق الانوار ہے اور یہ نور روح کے اندر جاری و ساری ہوتا ہے جس کی وجہ سے روح اللہ تعالیٰ کے افعال کے نور کو کائنات میں اور ان انوار میں چکھتی ہے جو عالم علوی میں موجود ہوتے ہیں اس اندازے سے جو تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور اس کے حصے میں

عہ یہ شعر علامہ بوصیری کے قصیدہ بردہ میں سے ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

آچکا ہے۔ یہ ذوقِ روح ذوقِ ذات سے کئی لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔

ذوقِ روح اور ذوقِ جسم میں فرق

(۱) ذوقِ روح نورانی ہوتا ہے اس لیے اس کا تعلق بھی نور ہی سے ہوتا ہے۔ برخلاف جسمانی ذوق کے کہ اس کا تعلق اجسام سے ہوتا ہے لہٰذا جب شہد کا جسم ہماری زبان سے لگتا ہے تو جسم شہد کی مٹھاس کا ذوق محسوس کرتا ہے۔ لیکن رُوح شہد کی مٹھاس کو شہد کے جسم سے محسوس نہیں کرتا بلکہ اس نورِ عقل سے محسوس کرتا ہے جس کی وجہ سے اس مٹھاس کی حقیقت قائم ہے یہی حال دوسری ذائقہ دار اشیاء کے ذوق کا ہے۔ (۲) ذوقِ روح میں اتّصال[۱] شرط نہیں کیونکہ روح متّصل وغیر متّصل اشیاء کے ذوق کو محسوس کرتی ہے لیکن ذوقِ جسم میں اتّصال ضروری ہے جیسے کہ لوگوں میں عام عادت ہے اور روح کی عام عادت یہ ہے کہ اس کے ذوق میں اتّصال شرط نہیں (۳) روح میں یہ ذوق کسی خاص حِصّہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ ذوق تمام ظاہری اور باطنی جواہر میں سرایت کئے ہوئے ہے برخلاف جسم کے ذوق کے کیونکہ وہ عادتاً صرف زبان کے ساتھ مخصوص ہے (۴) ذوقِ روح تمام حواس میں پایا جاتا ہے اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ یہ ذوق تمام حواس سے پیدا ہوتا ہے لہٰذا جب روح کوئی چکھنے کی چیز دیکھے گی مثلاً شہد، تو رُوح کو اس نورِ عقل سے جو مٹھاس میں پایا جاتا ہے مٹھاس کا ذائقہ حاصل ہو جائے گا یہی حال ہر ذائقہ دار چیز اور تمام انوارِ علویہ کے دیکھنے سے ہوگا۔ اسی طرح الفاظ کے سننے سے بھی اسے ذوق حاصل ہوگا چنانچہ جب روح شہد کا لفظ سُنے گی تو اس نور کا ذوق حاصل کرے گی جو شہد میں ہے اور اسے مٹھاس کا ذائقہ حاصل ہو جائے گا۔ اسی طرح جب یہ جنّت یا رضوان یا رحمت کا لفظ سُنے گی تو یہ ذوق اسے حاصل ہوگا لیکن جب رُوح قرآن مجید کو سُنے گی تو سب سے پہلے اسے کلامِ الٰہی کے نور کا ذوق حاصل ہوگا پھر اس کے بعد اُسے اور مزے آئیں گے جن کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔

الغرض روح اپنے تمام جسم اور جواہر سے مزہ لیتی ہے جو اسے تمام حواس کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

روحِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر ارواح میں فرق

ارواح اگرچہ مذکورہ بالاطریقہ پر ذوق میں مساوی ہیں لیکن وہ قوت اور ضعف کے اعتبار سے متفاوت ہیں۔ سب سے قوی وہ رُوح ہے جس کا نفوذ عرش، فرش اور دیگر عوالم کو چیر کر نکل جائے اور یہ طاقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح کو ہی ہے کیوں کہ آپ کی روح سلطان الارواح ہے اور یہ روح آپ کے جسم مبارک میں رضا، محبّت اور قبول کی طرح ساکن ہو چکی ہے اور دونوں کے درمیان سے حجاب بھی اٹھ چکا ہے۔ چنانچہ

---

[۱] شہد کا ذائقہ جسم کو صرف اسی صورت میں حاصل ہوگا جب شہد زبان کے ساتھ لگے گا لیکن رُوح کے لیے یہ ضروری نہیں۔ ۱۲

آپ کی روحِ مقدس کا ذوق آپ کے کمال کے مطابق ہے اور آپ کے ظاہر ترابی جسم کا عوالم کو چیر کر نکل جانا ثابت ہے اور یہی وہ کمال ہے جس سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں ہو سکتا۔

۲۔ طہارت روح کا دوسرا جزو طہارت ہے۔ طہارت سے مراد روح کی وہ صفائی ہے جس پر یہ پیدا کی گئی ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ حسی اور معنوی حسی طہارت تو اس لیے ہے کہ روح ایک نور ہے اور نور انتہائی درجہ کا صاف اور پاک ہوتا ہے۔ اب رہی معنوی تو اس سے مراد معرفتِ باطنی اور معرفتِ ظاہری کا امتزاج ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ تمام مخلوقات خواہ وہ زباندار ہو یا بے زبان، ذی حیات ہو یا جامد اپنے خالق کو پہچانتی ہے اور کوئی ایسی مخلوق نہیں جس کے تمامی جواہر میں یہ معرفتِ باطنیہ نہ پائی جاتی ہو۔ جیسے خوفِ تام کے تحت ذکر کیا جا چکا ہے۔ پھر جس پر اللہ کی عنایت ہو جائے تو اس کے لیے باطن بھی ظاہر کی طرح ہو جاتا ہے چنانچہ وہ تمام جواہر کی معرفت الٰہیہ کو محسوس کرنے لگ جاتا ہے اور باطن کی طرح ظاہر کے تمام اجزا عارف بن جاتے ہیں اور یہی معرفت کا اعلیٰ درجہ ہے جو حق تعالیٰ نے تمام ارواح کو بخشا ہے اور وہ اپنی ذات کے ساتھ اپنے ظاہر میں اپنے رب کو پہچانتی ہیں۔ لیکن باوجود اس کے کہ یہ صفائی میں برابر ہوتی ہیں اپنی بڑائی اور چھوٹائی کے تفاوت کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں کیونکہ بعض ارواح کا حجم چھوٹا ہوتا ہے بعض کا بڑا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جس کا حجم بڑا ہوگا اس کے جواہر بھی زیادہ ہوں گے۔ اسی وجہ سے اسے معرفتِ الٰہی بھی زیادہ ہوگی۔

آنحضرت کی روح سب سے بڑی روح ہے تمام ارواح سے بڑی قدر والی اور حجم کے لحاظ سے عظیم ترین روح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہے کیونکہ وہ تمام زمینوں اور آسمانوں کو پُر کیے ہوئے ہے۔ مگر بایں وسعت آپ کی ذاتِ مقدس نے اسے اپنے اندر لیا ہے اور وہ اس کے تمام اسرار پر حاوی ہے۔ پاک ہے وہ خدا جس نے آپ کی ذات کو یہ قدرت عطا کی۔

... جب روح ذات میں پیوست تمام بدن میں ہو اور دونوں کے درمیان حجاب زائل ہو چکا ہو تو یہ روح اپنی حسی اور معنوی صفائی سے فیض پہنچائے گی اور ذات میں حسی صفائی حاصل ہوگی جس کی وجہ سے جسم کے خون کی صفائی پیدا ہوگی اور یہ صفائی چار باتوں سے ہوگی۔

خون کی صفائی چار باتوں سے حاصل ہوتی ہے ۱۔ خون کو ہلکا کرنے اور اس کے ثقل[۲] کو زائل کرنے سے کیونکہ جس قدر خون بھاری ہوگا اسی قدر اس میں خباثت ہوگی اور خباثت کے ہوتے ہوئے شہوات کی کثرت ہوگی۔

۲۔ بُو کی صفائی۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ اس کی بُو گندھے ہوئے آٹے کی سی ہو اور اگر خون خبیث ہوگا

Marfat.com

تو اس کی بو سٹری ہوئی کیچڑ کی سی ہوگی۔

۳۔ رنگ کی صفائی۔ اس کی علامت یہ ہے کہ خون زردی مائل ہو کیونکہ خونِ فاسد کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے اور جتنا زیادہ سیاہی مائل ہوگا اسی قدر فسادِ خون بھی زیادہ ہوگا۔

(۴) مزہ کی صفائی۔ اس کی شناخت یہ ہے کہ خون میٹھا ہو۔ کیونکہ خون فاسد کا مزہ جلی ہوئی چیز کا سا ہوتا ہے۔

لہذا جب جوہرِ خون صاف ہوگا تو اس سے تمام شیطانی حصے نکل جائیں گے اور شہوات اور معصیت کی تاریکیاں منقطع ہو جائیں گی۔ اس کے بعد جسم کی رگیں اس صاف خون سے غذا حاصل کریں گی اور وہ بھی خون کی صفائی کے باعث صاف ہو جائیں گے اور ان سے بھی شہوات اور شیطانی علائق منقطع ہو جائیں گے۔ جب جسم کے اندر یہ حسّی صفائی حاصل ہو گئی تو پھر روح معنوی صفائی سے اس کی مدد کرے گی اور اسے تمام جواہر کے ساتھ معرفتِ الٰہی حاصل ہو جائے گی اور چونکہ ذاتِ محمدی روح شریف پر محیط اور اس کے تمام اسرار کو حاصل کر چکی ہے اس لیے اسے حسّی اور معنوی دونوں قسم کی صفائی حاصل ہو چکی ہے۔ فَعَلَیْہِ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ وَاَزْکَی التَّسْلِیْمِ۔

۳۔ **تمیّز** تیسرا جزو تمیز ہے اور یہ روح میں ایک قسم کا نور ہوتا ہے جس کی مدد سے روح اشیاء کی حقیقت کو کامل طور پر پہچان لیتی ہے لیکن اس پہچان کے لیے روح کسی تعلیم کی محتاج نہیں ہوتی بلکہ محض دیکھ کر یا سُن کر ہی پہچان لیتی ہے کہ یہ کیا ہے۔ اس کے حالات کیا ہیں، اس کا مبدا اور منتہیٰ کیا ہے۔ اس کا انجام کیا ہوگا اور اسے کیوں پیدا کیا گیا ہے۔

پھر اپنی اطلاع کے مطابق روحیں اس پرکھنے میں مختلف ہوتی ہیں چنانچہ بعض ارواح کی اطلاع قوی ہوتی ہے اور بعض کی ضعیف۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کی اطلاع قوی ترین

روحِ محمدی سے کوئی چیز محجوب نہیں

ہے کیونکہ دنیا کی کوئی شئ اس سے محجوب نہیں ہے اسی لیے آپ کو عرش و فرش، عُلو و سِفل، دنیا و آخرت اور دوزخ و جنّت سب کی خبر ہے اس لیے کہ یہ سب کچھ تو آپ ہی کی بدولت پیدا ہوا ہے۔ لہذا آپ کی تمیز ان تمام جہانوں کو چیر کر نکل جانے والی ہے چنانچہ آپ کو اجرام سماویہ میں سے ہر جرم کا علم ہے کہ یہ کہاں سے پیدا کیا گیا ہے۔ کب اور کیوں پیدا کیا گیا اور اس کا منتہیٰ کیا ہوگا۔ آپ کو ہر آسمان کے فرشتوں کا پتہ ہے کہ کون فرشتہ کس فلک پر پیدا کیا گیا۔ کب پیدا کیا گیا۔ کیوں پیدا کیا گیا اور ان کا انجام کیا ہوگا۔ اور آپ کو ان کے اختلاف مراتب اور منتہائے درجات کا بھی علم ہے اور اسی طرح آپ کو ستّر حجابوں اور ہر حجاب کے فرشتوں کا بھی علم ہے اسی طرح آپ کو عالمِ علوی کے اجرامِ نیرّہ کا بھی علم ہے، مثلاً ستارے، سورج، چاند، لوح، قلم، برزخ اور وہ روحیں جو برزخ میں ہیں۔ اسی طرح آپ کو ساتوں زمینوں، ہر زمین کی مخلوقات اور برّ و بحر کی تمام اشیاء کا

Marfat.com

علم ہے۔ اسی طرح آپ کو جنت، اس کے درجات، اس کے رہنے والوں کی تعداد اور ان کے مقامات کی پوری واقفیت ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دیگر عوالم کے متعلق بھی آپ کے علم کا یہی حال ہے۔

علم ازلی الٰہی اور علم نبوی میں کیا فرق ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اللہ تعالیٰ کے قدیم ازلی علم سے مزاحم نہیں ہوتا، کیونکہ علم خداوندی کی معلومات لاانتہا ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اس عالم میں نہیں سما سکتا جس کی وجہ یہ ہے کہ اسرارِ ربوبیت اور اوصافِ الوہیت جن کی کوئی انتہا نہیں ہے ان سے اس عالم کو کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔

پھر جب روح کو ذات سے محبت ہوتی ہے تو وہ ذات کی اس تمیز کے ساتھ مدد کرتی ہے۔ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس ان تمام عوالم کو جانتی تھی جن کا ذکر ہو چکا۔ پاک ہے وہ خدا

ع٥ اس مسئلہ نے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کس قدر تھا، مسلمانوں میں عجیب صورت اختیار کر رکھی ہے۔ ایک فرقہ نے اس سے قطعاً انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ آنحضرتؐ کو قطعاً علم مغیبات نہ تھا۔ ان بزرگوں نے ان مغیبات کی طرف قطعاً توجہ نہیں کی جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ پھر احادیثِ صحیحہ میں بے شمار واقعات پائے جاتے ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا ثبوت ملتا ہے مثلاً غزوہ بدر کے خاتمہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس کا یہ کہنا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے جس سے فدیہ ادا کر سکوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے مال کا پتہ بتانا۔ پھر فتح مکہ کے موقعہ پر اس شخص کا پتہ بتانا جو کفارِ مکہ کو مسلمان فوج کی آمد کی خبر دینے جا رہا تھا۔ بہرحال ان دوستوں نے نہ اپنے سے انصاف کیا اور نہ آنحضرت کی ذاتِ مقدس کے ساتھ، کیونکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کو بہت ہی گھٹا دیا۔ ان بزرگوں کی خدمت میں مؤدبانہ گذارش ہے کہ کسی خاص شخصیت یا خاص فرقہ کی عداوت کو ذہن سے خارج کر کے ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی تعظیم کے مستحق ہیں جس کا اظہار انہوں نے کیا ہے؟ راقم الحروف ان سے صرف اس قدر درخواست کرتا ہے کہ بے اعتدالی سے کام نہ لیں۔

ممکن ہے کہ یہ حضرات وہ واقعات پیش کریں جن میں آنحضرت کو اصل واقعہ کی خبر نہ ہو سکی مثلاً رعل اور ڈاکوؤں کا واقعہ۔ غزوۂ تبوک کو روانگی وغیرہ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ذاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فیضِ باری سے یہ علم تو حاصل تھا لیکن یہ اسی وقت حاضر ہوتا جس وقت آپ کو مشغولیت بحق سبحانہٗ نہ ہوتی۔ کیونکہ جس وقت آپ مشاہدۂ حق سبحانہٗ میں مشغول ہوتے اس وقت آپ کو کسی اور چیز کی خبر نہ ہوتی تھی یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُہٗ نَبِیٌّ مُرْسَلٌ وَلَا مَلَکٌ مُقَرَّبٌ (جب مجھے مشاہدۂ حق حاصل ہوتا ہے، اس مشاہدہ کو نہ کوئی نبی مرسل اور نہ مقرب فرشتہ برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہے) اور یہ حالت آپ کو بیشتر اوقات رہتی تھی پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی مصلحت کی بنا پر درمیان سے حجاب کو زائل نہ کرتا جس کی وجہ سے اس امر کا خفا رہتا۔ یہاں پر بحث کرنا مقصد نہیں ہے محض اشارہ کرنا ہی مقصود ہے۔

ایک دوسرا گروہ ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے بارے میں اس قدر غلوّ کیا کہ آپ کو ہر ذرہ

(بقیہ بر حاشیہ صفحہ ٩٥)

Marfat.com

جس نے آپ کی ذات کو شرف بخشا، عزت بخشی اور اس تمیز پر قدرت دی۔

۴۔ بصیرت | چوتھا جزو بصیرت ہے۔ اس سے مراد تمام اجزاءِ روح میں فہم کا اس طرح سرایت کرنا ہے جس طرح تمام حواس یعنی بصارت وسماعت وقوتِ شامّہ و ذوق اور لمس اجزاءِ روح میں سرایت کیے ہوئے ہیں۔ چنانچہ علم تمام اجزاء میں قائم ہے اور بصر بھی تمام اجزا میں موجود ہے یہی حال شم[۱] ذوق اور لمس[۲] کا ہے یہاں تک کہ روح کا کوئی ایسا جزو نہیں جس میں علم وسمع وبصر وشم و ذوق ولمس موجود نہوں۔ چنانچہ روح ہر جہت سے دیکھتی ہے اور یہی حال باقی حواس کا ہے لہٰذا جب روح ذات سے محبت رکھتی ہے اور ان دونوں کے درمیان سے حجاب اٹھ جائے تو وہ اسے اس بصیرت سے مدد دیتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذات کے سامنے اور پیچھے، اوپر اور نیچے دائیں اور بائیں اپنے تمام اجزا کے ذریعہ سے دیکھتی ہے اور اسی طرح سنتی ہے اور سونگھتی ہے وغیرہ الغرض جو شان روح کی ہوتی ہے وہی جسم کی ہو جاتی ہے چنانچہ جب بچپن میں ملائکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سینۂ مبارک چاک کیا تو اُس وقت سے آپ کی ذاتِ طاہر اور روحِ شریف کے درمیان حجاب اٹھ گیا تھا اور اُسی وقت سے آپ کی روح اور ذات کے درمیان اتحاد اور خلا ملا ہو گیا تھا اور آپ کی ذات ان امور پر مُطلع ہو گئی تھی جن پر آپ کی روح مُطلع تھی یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیچھے سے اسی طرح دیکھ سکتے تھے جس طرح سامنے سے چنانچہ آپ نے صحابہ سے فرمایا: اَقِیْمُوْا رُکُوْعَکُمْ وَسُجُوْدَکُمْ فَاِنِّیْ اَرَاکُمْ مِنْ خَلْفِیْ کَمَا اَرَاکُمْ مِنْ اَمَامِیْ[۱] (ترجمہ: اپنے رکوع اور سجود کو ٹھیک ادا کیا کرو کیونکہ میں تم کو اپنے پیچھے سے ایسا ہی دیکھتا ہوں جیسا سامنے سے)۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔

۵۔ عدم غفلت | پانچواں جزو عدم غفلت ہے یعنی جس قدر کہ روح کا مبلغ علم ہے اور جہاں تک روح کی نظر پہنچی ہے اس سے علم کی ضد اور جہل کی تمام کیفیات ایسی منتفی[۳] ہوں کہ اس معلوم

بقیہ حاشیہ: ہر حالت اور ہر جز‌ئی کا عالم بتایا نہ صرف یہ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر بھی جانا۔ اُن بزرگوں نے بھی زیادتی کی۔ اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ الْیَہُوْدُ وَالنَّصَارٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ کو بھلا دیا۔ ان احباب کی خدمت میں بھی گذارش ہے کہ یہ بھی اعتدال پسندی کو نہ چھوڑیں۔ کسی کی مخالفت کی بنا پر حق بات سے گریز نہیں کرنا چاہیئے۔

آخر میں ایک ضروری بات عرض کر دوں کہ جو کچھ حضرت عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے یہ ایک صاحبِ کشف اور قطبِ عالم اور غوثِ زماں کا ذاتی مشاہدہ ہے جو بیان کیا گیا۔ اہلِ باطن اور اولیاء اللہ کو ہی حقیقتِ محمدیہ کا علم ہے دوسرے لوگ اس حقیقت کو دریافت نہیں کر سکتے۔ اس لیے اہلِ ظاہر اور عوام کے لیے صرف یہ عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جتنا چاہا علم دیا ہمیں نہ اس کا علم ہے نہ اس کا اندازہ کر سکتے ہیں اسی واسطے شیخ سعدی نے فرمایا ہے: ؎ تو در علمش چہ دانی باش تا فردا علم گردد۔

(۱) مشکوٰۃ باب الرکوع صہ ۸۲

(۱) سرایت (۲) چھونا (۳) ظاہر (۴) دور ہونے والی

Marfat.com

مقدار میں نہ سہو پیش آئے نہ غفلت نہ نسیان[1]۔ اور روح کے لیے حصولِ معلومات تدریجی[2] نہیں ہے، بلکہ یہ اسے ایک ہی نظر میں حاصل ہو جاتا ہے اور نہ اس کا علم ایسا ہوتا ہے کہ اگر ایک چیز کی طرف متوجہ ہو تو دوسرے سے غافل ہو جائے بلکہ یوں ہوتا ہے کہ جب ایک چیز کی طرف متوجہ ہو تو دوسری چیز بھی اس کے ساتھ حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ روح میں علوم فطری ہوتے ہیں اور اس کی ابتداءِ فطرت میں ہی دفعتہً اسے علوم حاصل ہو چکے ہوتے ہیں پھر یہ علوم اس کے لیے قائم رہتے ہیں جب اس کی ذات قائم ہے۔ عدمِ غفلت سے یہی مراد ہے اور یہ وصف ہر روح میں موجود ہوتا ہے۔ صرف مقدارِ علم میں فرق ہوتا ہے۔ بعض کے علوم قلیل ہوتے ہیں بعض کے کثیر۔ اور سب سے زیادہ علم والی اور سب سے قوی نظر والی روح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہے۔ کیونکہ یہ سلطان الارواح ہے۔ اور جیسے کہ ذکر ہو چکا ہے یہ ایک ہی دفعہ بغیر ترتیب اور بغیر تدریج کے تمام عوالم کی موجودات پر مطلع ہے۔ پھر جب آپ کی ذاتِ شریف اور روح میں خلا ملا پیدا ہو گیا تو روح نے عدمِ غفلت کے ساتھ ذات کی مدد کی، یہاں تک کہ ذات بھی عالم کی تمام اشیاء پر مطلع ہو گئی اور اسے اس علم میں غفلت لاحق نہ ہو گی۔ لیکن ذات کا علم روح کا سا نہیں ہوتا کیونکہ روح کی اطلاع بغیر ترتیب کے دفعتہً ہوتی ہے اور ذات کی اطلاع بتدریج و بترتیب ہوتی ہے، اس طرح کہ جس چیز کی طرف متوجہ ہو گی اسے معلوم کرے گی مگر توجہ کے بغیر یہ علم حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے بعد جب ذات کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہو گی تو اسے بھی معلوم کرے گی۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اور چیزوں کی طرف توجہ دے گی یہاں تک کہ تمام اشیاءِ عالم کا علم حاصل کرے گی اور اسے موجوداتِ عالم پر تسلّط حاصل ہو جائے گا مگر یہ توجہ کا محتاج ہو گا لیکن دفعۃً حصول کی جو طاقت روح میں پائی جاتی ہے وہ ذات میں نہیں۔ عدمِ غفلت کے لحاظ سے بھی دونوں میں یہی فرق ہے کہ توجہ کے وقت ذات میں بھول چوک نہ ہو گی نہ یہ کہ توجہ ہٹ جانے پر بھی سہو و نسیان لاحق نہ ہو۔ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے: اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَنْسٰی کَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِیْتُ فَذَکِّرُوْنِیْ (مشکوٰۃ طبع مجتبائی دہلی صفحہ ۹۲ باب السہو) (میں ایک انسان ہوں۔ تمہاری طرح میں بھی بھول جاتا ہوں۔ لہذا جب بھول جاؤں تو یاد دلا دیا کرو۔) آپ نے یہ الفاظ اُس وقت فرمائے جب آپ سے سہو ہوا اور صحابہ نے آپ کو آگاہ نہ کیا۔

(مؤلفِ کتاب کہتا ہے) خدا حضرت عبد العزیز دباغ کا بھلا کرے آپ نے طریقت اور حقیقت دونوں کا حق ادا کر دیا۔

حدیث اِنِّیْ لَا اَنْسٰی وَلٰکِنِّیْ اُنَسّٰی لِاَسُنَّ

رہی وہ حدیث جس میں حضرت کا یہ ارشاد مروی ہے کہ اِنِّیْ لَا اَنْسٰی وَلٰکِنِّیْ اُنَسّٰی لِاَسُنَّ (میں بھولتا نہیں ہوں بلکہ مجھ پر بھول ڈالی جاتی

Marfat.com

ہے تاکہ بھول کے لیے بھی ایک طریقہ قرار دے دیا جائے[1]، سو حفاظِ حدیث نے مثلاً امام عبدالبر[2] نے تمہید میں، حافظ ابن حجر نے فتح میں اور جلال الدین سیوطیؒ نے مؤطا کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کی سند کسی حدیث کی کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل نہیں ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس کے ردّ میں آپ کا یہی ارشاد کافی ہے اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَنْسیٰ کَمَا تَنْسَوْنَ۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف صرف بشریت کو منسوب کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے نسیان کو صحابہ کے نسیان سے تشبیہہ دی ہے۔ باقی بحث فتح الباری میں دیکھیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ

۶- قوتِ سریان

چھٹا جزو قوتِ سریان[(1)] ہے اور یہ اس طرح کہ حق تعالیٰ نے روح کو طاقت دی ہے کہ وہ اجرام کو پھاڑ کر ان میں داخل ہو جائے چنانچہ یہ پہاڑوں، پتھروں، چٹانوں اور دیواروں کو پھاڑ کر ان میں گھس جاتی ہے اور ان کے اندر جہاں چاہتی ہے چلتی پھرتی ہے اور روح کسی ذات میں سکونت پذیر ہو جائے اور اس سے محبت کرنے لگے اور اسے اپنا ساتھی بنالے تو روح اس قوت سے ذات کی مدد کرتی ہے اور ذات وہی کام کرنے لگ جاتی ہے جو روح کرتی ہے۔

یحییٰ علیہ السلام کا قصہ

یحییٰ علیہ السلام کا قصہ بھی اسی قبیل سے ہے کہ آپ کی قوم نے آپ کو گرفتار کرنا چاہا تو آپ ان سے بھاگ کر ایک درخت کے اندر گھس گئے کیونکہ آپ کی روح نے بدن کو باہمی محبت کے سبب اجرام میں سرایت کرنے کی طاقت دی تھی اسی واسطے آپ کا جسم جرمِ درخت کو پھاڑ کر اس کے اندر گھس گیا۔

اولیاء اللہ میں بھی یہ قوت پائی جاتی ہے

اسی قبیل سے ہیں اولیاء اللہ کے واقعات کہ وہ کسی جگہ بغیر دروازہ کھولے داخل ہو گئے اور مکان کے اندر پائے گئے۔

عـلـہ مؤطا امام مالک (۱: ۹۲ مطبع مصطفی البابی) پر یہ حدیث اس طرح دی ہے عَنْ مَالِكٍ اِنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنِّيْ لَا اَنْسٰى اَوْ اُنَسّٰى لِاَسُنَّ۔ اس کی شرح میں جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ ابن عبدالبر کا قول ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ حدیث اس سند کے علاوہ کسی اور سند سے آنحضرت صلی اللہ علیہ سے مسند یا مقطوع طور پر بھی روایت کی گئی ہو اور یہ حدیث مؤطا کی ان چار حدیثوں میں سے ہے جو حدیث کی دوسری کتابوں میں نہ مسند اور نہ مرسل طور پر پائی جاتی ہیں۔ مگر اصولی طور پر اس حدیث کے معنی درست ہیں۔ مگر سیوطی نے موطا کی شرح کے مقدمہ (چوتھے فائدہ) میں یہ حدیث اس طرح دی ہے جس طرح کتاب میں ہے۔

عـلـہ۲ عبدالبر: یوسف بن عمر بن عبدالبر علماء اندلس کے شیخ اور اپنے زمانہ میں وہاں کے بہت بڑے محدث تھے کتاب الاستذکار بمذاہب علماء الامصار فیما تضمنہ المؤطا من معانی الآثار تصنیف کی جس میں مؤطا کے طرز و ابواب کے موافق اس کی شرح کی اور فقہ میں کتاب الوافی وغیرہ لکھی۔ انہوں نے سنہ ۳۶۸ھ = سنہ ۹۹۸ء میں وفات پائی۔ ان کی کتاب تمہید کا جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے پورا نام تمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید ہے۔

Marfat.com

اور اسی قبیل سے ہیں اولیاء اللہ کے واقعات کہ ایک قدم اٹھایا اور ایک پاؤں مشرق میں رکھا اور دوسرا مغرب میں۔ کیونکہ جسم تو ایک لحظہ میں اس ہوا کو پھاڑ کر نکل جانے کی طاقت نہیں رکھتا جو مشرق و مغرب کے درمیان ہے اس لیے کہ ہوا اس کے جوڑوں کو توڑ ڈالے گی اور اس کے اعضاء کو ریزہ ریزہ کر دے گی اور اس کے خون اور رطوبتوں کو خشک کر دے گی لیکن روح نے قوتِ سریان سے جسم کی مدد کر کے اسے اس فعل کے کرنے کے قابل بنا دیا۔

واقعۂ معراج | معراج کا واقعہ بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی سی مدت کے اندر جہاں پہنچے پہنچے اور پھر واپس بھی آ گئے اور یہ سب کچھ روح کا کام تھا کہ اس نے اپنی سرایت کرنے والی قوت سے جسم کی مدد کی۔ واللہ اعلم۔

۷۔ مؤلمات اجرام کا عدم احساس | ساتواں جزو اجسام کو دکھ دینے والی اشیا کا احساس نہ کرنا مثلاً بھوک، پیاس، گرمی اور سردی وغیرہ کیونکہ روح تو ان میں سے کسی چیز کو محسوس نہیں کرتی چنانچہ اس کے نزدیک بھوک، پیاس، گرمی، سردی کوئی چیز نہیں۔ اسی طرح جب روح کسی تیز چیز میں نفوذ کرتی ہے تو اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔ اسی طرح جب روح گندگی کی جگہ سے گزرتی ہے تو اسے اس سے کوئی تکلیف نہیں محسوس ہوتی، برخلاف فرشتوں کے کہ اس آخری امر میں (یعنی تعفن سے) انہیں تکلیف پہنچتی ہے کیونکہ ان کا میلان خوشبو کی طرف ہوتا ہے اور بدبو سے انہیں نفرت ہوتی ہے اگر روح میں عدم احساس کی قوت نہ پائی جاتی تو جس جسم میں یہ موجود ہوتی ہے، اس میں ایک لمحہ بھی قرار نہ پا سکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ سات امور ہیں جن کا ہونا ہر روح میں ضروری ہے۔ اسی واسطے ہم نے کہا ہے کہ قریب قریب یہی روح کے اجزا ہیں۔ ما سبق کی طرح ان میں بھی روحوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ اعلیٰ ترین روح، روحِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور یہ بھی بیان ہو چکا کہ ان اوصاف میں جو اوصاف آپ کی روح میں پائے جائیں وہی آپ کی ذات میں بھی پائے جائیں گے۔ پھر ان ساتوں کو اٹھائیس کے ساتھ ملایا جائے گا۔ اٹھائیس سے مراد آدمیت، قبض، بسط اور نبوت کے اٹھائیس انوار ہیں کہ پہلا نور یعنی ذوق الانوار جو آپ کی ذات شریفہ میں ہے، اس میں تمام سابقہ انوار شامل ہو جائیں گے اور وہ انتیس انوار کا مرکب بن جائے پھر دوسرا یعنی طہارت آپ کے نور اور نورِ ذوق اور اس سے پہلے کے انوار سے مرکب ہوگا، پھر اسی طرح تیسرا، چوتھا حتیٰ کہ ساتواں نور پینتیس انوار سے مرکب ہوگا۔

Marfat.com

۶- علم

علم سے ہماری مراد علمِ کامل ہے جو پاکیزگی اور طہارت میں انتہائی درجہ کو پہنچا ہو۔ اور اس میں مندرجہ ذیل سات خصلتیں جمع ہوں۔ یاد رکھو کہ علم نورِ عقل ہے اور عقل نورِ روح ہے اور روح نورِ ذات ہے یہ مذکور ہوچکا کہ وہ ذاتِ طاہر جس کے اور روح کے درمیان سے حجاب زائل ہوچکا ہو ان تمام اوصاف سے موصوف ہوتی ہے جو نورِ عقل کے لیے ثابت ہو چکے ہوتے ہیں اور نورِ عقل علم ہی ہے لہٰذا روح ان ساتوں انوار سے متصف ہوتی ہے جو علم میں پائے جاتے ہیں۔

۱۔ معلومات کا بار اٹھانا علم کا پہلا جزو معلومات کا بار اٹھانا ہے۔ یہ علم کے اندر ایک نور ہے جس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ معلومات اس درجہ حاصل کی ہوں کہ آنکھ کو اپنی دیکھی ہوئی اور کان کو اپنی سُنی ہوئی، اسی طرح باقی حواس کی ادراک کی ہوئی چیزوں کا جتنا حصول ہوتا ہے، ان سب پر فوقیت لے جائے لہٰذا نورِ علم میں اشیاء کا حصول بمنزلہ ذات کے ہوتا ہے اور بصر میں اشیاء کا حصول بمنزلہ ظل اور خیال کے ہوتا ہے۔ بالفاظِ دیگر پہلے حصول کے مقابلے میں دوسرا حصول بمنزلہ خیال کے ہوتا چنانچہ نورِ علم میں ادراک حقیقی ہوتا ہے اور بصر میں خیالی۔ لیکن لوگوں میں اس کے برعکس مشہور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں نورِ علم بہت کم بلکہ محض بال برابر یا اس سے بھی کم ہوتا ہے اور جب علم ان میں کم ہوگیا تو انہوں نے حواس پر اعتماد کرنا شروع کردیا۔ لیکن جسے اللہ تعالیٰ نے علم کامل عطا کیا ہو تو بصر اور باقی حواس اس علم کے مقابلہ میں جو اسے حاصل ہے اس کے نزدیک محض ایک خیال ہوگا۔ پھر اس حالت کو واضح کرنے کے لیے شیخ نے ایک مثال بیان کی اور فرمایا

اگر ہم فرض کرلیں کہ ایک شخص نے ایک گھر بنایا اور اس کی تعمیر میں ہر چھوٹا اور بڑا کام اس نے خود اپنے ہاتھوں سے کیا کہ مٹی خود لایا اور اسے پکا کر اینٹیں بنائیں اور پتھر لایا اور انہیں پکا کر چونا بنایا۔ پھر خود ہی لکڑی لایا، خود ہی اسے چیرا اور عمارت تیار کرلی اور اسے چونے کا پلستر کیا۔ ان تمام امور میں کسی نے اس کی مدد نہ کی بلکہ اوّل سے آخر تک تمام کاموں کو اس نے خود ہی کیا ہو اور جو کچھ بھی اس نے کیا ہو، وہ ارادہ، نیت اور سوچ دیچار سے کیا ہو، حتیٰ کہ ہر چیز ایسی ہوگئی ہو گویا اس کی طبعی اور فطری چیز ہے اور یہ تمام چیزیں اس کے ذہن میں موجود ہوں اور کبھی غائب نہ ہوتی ہوں۔ اب اگر وہ اس گھر سے کچھ مدت تک غائب رہے اور پھر واپس آئے اور اس گھر کو دیکھے اور اس کے ساتھ ایک اور شخص بھی اسی گھر کو دیکھے تو ہرچند دونوں اس گھر کو دیکھنے میں تو برابر ہوں گے لیکن بنانے والے کا دیکھنا دوسرے آدمی کے دیکھنے سے بہت بڑھا ہوا ہوگا کیونکہ

Marfat.com

اس کے تمام اجزاء اور اجزاء کے اجزاء اور کام کی تفصیل اور تفصیل کی تفصیل ایسی چیزیں
ہیں جنہیں صانع نے خود اپنے ہاتھ سے کیا ہے چنانچہ وہ گھر کو ظاہر اور باطن اور بیرون اور
اندرون سے اس طرح جانتا ہے جس کا دوسرے کو علم نہیں۔ یہی حال علم کامل کا ہے کہ وہ شئی
کے ظاہر و باطن، اجزاء اور اجزاء کے اجزاء اور تفصیل اور تفصیل کی تفصیل پر محیط ہوتا ہے
اور بصر کا تعلق محض گھر کی سطح سے ہوتا ہے، عام نہیں ہوتا چہ جائیکہ وہ چیر کر باطن تک پہنچ سکے
یہ مثال تقریبی ہے، تحقیقی نہیں ہے کیونکہ علم کامل کا تو صرف انہی لوگوں کا علم ہوتا ہے جن پر اللہ کی
عنایت ہو اور اس کی حقیقت تک پہنچنے کے لیے مثالوں سے ہی کام لیا جاتا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ علم اشیاء کا کیسے ادراک کرتا ہے؟ فرمایا: اگر ہم فرض کرلیں کہ علم
بمنزلہ ایک اونس صاف سفید پانی کے ہے جو اپنی صفائی میں اپنی اصلی حالت پر قائم ہو۔ پھر
ہم ایک اونس اور پانی فرض کریں جو کئی ایک مختلف قسم کے قطرات سے مرکب ہو مثلاً ایک قطرہ
نمکین ہو، ایک قطرہ میٹھا، ایک کڑوا، ایک ترش، ایک ٹھنڈا، ایک گرم وغیرہ وغیرہ، پھر
ہم اس ایک اونس مرکب پانی کو صاف پانی میں ڈال دیں تو یہ دونوں آپس میں مخلوط ہو کر ایک ہی
پانی بن جائیں گے۔ پہلا اونس پانی بمنزلہ علم کے ہے اور دوسرا اونس اپنے اختلاف کی وجہ سے بمنزلہ
معلومات کے ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا یہ قطرے مل جل کر ایک ہی ہو جاتے ہیں، یا ہر قطرہ علیحدہ
متمیز رہتا ہے؟ فرمایا یہ مخلوط ہوتے ہیں، پھر آپ نے ہتھیلی بھر پانی لیا اور فرمایا یہ علم ہے، پھر
ایک اور قطرہ لیا اور اسی پانی میں ملا دیا۔ اور فرمایا کیا یہ اس سے مل جل نہیں گیا؟ میں نے
عرض کیا ہاں۔ فرمایا یہ گویا منجملہ معلومات کے ایک معلوم ہے، پھر ایک اور قطرہ لیا اور اسی پانی
میں ملا دیا اور فرمایا کیا یہ بھی اس سے مل جل نہیں گیا؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا یہ گویا دوسرا
معلوم ہے پھر تیسرا قطرہ لیا اور اس پانی میں ملا دیا اور کہا یہی علم اور معلومات کے حاصل ہونے کی
بھی کیفیت ہے، کیونکہ نورِ علم پہلے قطرہ میں علوم سے خالی ہوتا ہے، پھر معلومات کے آنے سے تدریجاً
بڑھتا ہے۔ معلومات حاصل ہوتے رہتے ہیں اور نورِ علم بڑھتا رہتا ہے اسی لیے نورِ علم کی کوئی انتہا
نہیں ہے جس طرح معلومات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ علم معلومات کے لیے بمنزلہ غلاف کے
ہے۔ اگر غلاف کے اندر تھوڑی چیز ہوگی تو غلاف کا جسم چھوٹا ہوگا، اگر کثیر ہوں گی تو غلاف بڑا ہو جائیگا
عجیب بات یہ ہے کہ ابتدا میں یہ غلاف بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے، اس قدر کہ اس میں ایک ہی
معلوم سما سکتا ہے۔ اگر اس میں ایک اور معلوم کا اضافہ ہو تو غلاف بڑا ہو جاتا ہے اور اسی طرح
بڑھتے بڑھتے بے حد بڑھ جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۔ ضائع نہ کرنا | دوسرا جزو عدم تضیع (ضائع نہ کرنا) ہے اور وہ ایک نور ہے جس کا

Marfat.com

مقتضیٰ یہ ہے کہ اس کے معلومات صرف مستحق کو پہنچیں۔ لہٰذا یہ نور اُسے نااہل لوگوں تک پہنچنے سے محفوظ رکھتا ہے چنانچہ یہ نور براہِ راست نااہل تک نہیں پہنچتا اور اگر بالفرض نااہل تک یہ نور پہنچ بھی جائے تو یہ اسے واپس لے آتا ہے۔ اسے چوس لیتا ہے اور اپنی اصل تک پہنچا دیتا ہے اور نااہل کے پاس قائم رہنے سے بچاتا ہے۔

یہی حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ کہ آپ جب کلام فرماتے تو انوارِ علوم نکلتے اور اسے نیک و بد اور مؤمن و منافق ہر قسم کے لوگ سنتے اور جو بد اور منافق لوگ ہوتے تو یہ نور اُن کے پاس قرار نہ پاتا اور نہ اُن کے دل پر اس کا اثر ہوتا کیونکہ نورِ مذکور ان انوار کو اپنی پاکیزہ اصل اور روشن محل کی طرف واپس لے آتا، یعنی ذاتِ محمدی کی طرف لیکن جو اہلِ محبت اور اہلِ ایمان ہوتے، وہ حکمت کے اہل اور نیکیاں قبول کرنے کے قابل ہوتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَكَانُوٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا تو ان کی طہارت کی وجہ سے انوار اُن کے پاس پہنچکر قائم و برقرار رہتے۔

غرض علم کی دو قسمیں ہیں پاک جس کے نور میں سفیدی ہو اور دوسرا ناپاک جس میں نیلا پن ہو فرض کرو چار آدمی ہیں۔ ایک کا علم طاہر اور کامل ہے۔ دوسرے کا علم طاہر اور قلیل ہے، تیسرے کا علم غیر طاہر مگر کامل ہے اور چوتھے کا علم غیر طاہر اور قلیل ہے۔ پھر فرض کر لیں کہ وہ ایک جگہ اکٹھے ہو کر باتیں کرنے لگیں، تو طاہر ناقص علم والا طاہر کامل علم والے سے استفادہ کرے گا اور تیسرے سے کچھ بھی استفادہ نہ کر سکیگا۔ اس لیے کہ وہ دونوں ہمجنس نہیں ہیں اور ناپاک ناقص علم والا مستفید ہوگا ناپاک کامل والے سے اور پاک علم کا کچھ اثر نہ لے گا کیونکہ ان میں مجالست نہیں ہے۔ علمِ مطلق کا خاصہ عدم تضییع ہے (ضائع نہ جانا) اس لیے طاہر غیر طاہر پر داخل نہ ہوگا اور اس کے پاس نہ ٹھہر سکے گا۔ اسی طرح غیر طاہر طاہر کے ساتھ نہیں ملے گا اور نہ اس کے پاس ٹھہر سکے گا۔ طاہر طاہر کے پاس جائے گا۔ اور خبیث خبیث کے پاس۔

۳- زبانوں اور حیوانات اور جمادات کی آوازوں کی معرفت

تیسرا جزو معرفتِ لغات و اصوات۔ اس کی تشریح اس طرح ہے کہ جب علم کامل میں اشیاء کا حصول ہوتا ہے تو یہ علم مع ان کے حقائق، ذاتیات، لوازمات اور عوارض کے ہوتا ہے اور اصوات (آوازیں) امورِ عرضیہ سے پیدا ہوتی ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ عرضیات کا علم تو حاصل ہو جائے اور ان اشیا کا علم نہ ہو جو ان سے پیدا ہوتی ہیں۔

پھر جن معلومات کے حقائق علم میں حاصل ہو چکے ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں۔ حیوان اور جماد۔ جماد کی بھی آواز ہوتی ہے مثلاً پانی کی سرسراہٹ اور دروازے کی کھڑکھڑاہٹ اور ایک پتھر کی دوسرے پر گرنے کی آواز وغیرہ وغیرہ اور علم والا انسان آوازوں کو سن کر مطلب سمجھ

Marfat.com

جاتا ہے۔

پھر حیوان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ناطق اور غیر ناطق۔ حیوانِ ناطق یعنی انسان کی کوئی نہ کوئی زبان ہوتی ہے جسے عام لوگ جانتے ہوتے ہیں اور حیوانِ غیر ناطق جس کی قسمیں پرندے حیوانات وغیرہ ہیں۔ اور ان تمام کی الگ الگ بولیاں مشہور ہیں اور کامل علم والا انسان ان سب کو جانتا ہوتا ہے۔

(مؤلف کتاب کہتا ہے کہ) میں نے اس کے متعلق حضرت سے بہت سی حکایتیں سنی ہیں جن میں سے بعض کا ذکر دورانِ کتاب ہوگا۔ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی

حضرت نے فرمایا کہ صامت جس کی کوئی آواز نہیں ہوتی مثلاً دیوار، گھر، جنگل، چٹیل میدان، پہاڑ، درخت وغیرہ ان کی آواز کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ آواز ان کے اور ان کے خالق کے درمیان باطنی ہے مگر بعض اوقات ان کی آواز کو بھی اللہ تعالیٰ نبی کے معجزہ کی صورت میں یا ولی کی کرامت کی صورت میں ظاہر کر دیتا ہے۔

۴۔ انجام سے واقفیت چوتھا جزو معرفتِ انجام ہے۔ اجزاءِ روح میں تمیز کی بحث میں مذکور ہو چکا ہے کہ یہ ایک نور ہے کہ جس کے ذریعہ سے اشیاء کی حقیقت نفس الامری مکمل طور پر متمیز ہو جاتی ہے لہٰذا اس نور سے ایک دوسرے سے اشیاء کا امتیاز ہوتا ہے اور یہ انہیں درجہ بدرجہ لے آتا ہے یہاں تک کہ یہ انجام تک پہنچ جاتی ہیں اور جب انجام کو پہنچ گئیں تو تمیز کا کام ختم ہو گیا اور اس علم یعنی معرفتِ عواقب کا کام شروع ہو جاتا ہے اس طرح کہ یہ ہر شئی کا حقیقی انجام تفصیل وار نظر کے سامنے لے آتا ہے۔

پھر انجام کی دو قسمیں ہیں: (۱) دار آخرت میں فنا جیسا کہ جمادات وغیرہ کا حال ہے جنہیں آخرت میں کوئی زندگی نصیب نہ ہوگی (۲) یا بقاء جیسا کہ مکلفین (انسان وجنات) وغیرہ کے لیے ہے۔ جس کا انجام فنا ہو، تو یہ جزو دیکھ لیتا ہے کہ اس کی فناء کب اور کس طرح ہوگی اور یہ شئی کس طرح فنا تک بتدریج پہنچے گی۔ اس کے اجزاء کس طرح کم ہوتے ہوتے بالآخر معدوم ہو جائیں گے یہاں تک کہ آخر کار یہ عدم محض بن جائیں گے۔ اس کی فناء کس جگہ ہوگی اس فنا کے اسباب و مقتضیات کیا ہوں گے۔ حتیٰ کہ اس کا فنا ہونا بالکل امر ظاہر اور معقول بن جائیگا کہ نہ اس میں کوئی بعد اور نہ خرقِ عادت ہوگا۔ اس کے اندر کئی ایک علم شامل ہیں۔

لیکن جس کا انجام بقاء ہے تو نور تمیز اسے درجہ بدرجہ لے جا کر جنت یا دوزخ تک پہنچا دیتا ہے، پھر یہ جزو آتا ہے اور اس کی جزاء میں غور کرتا ہے اور ہر شخص کی جزاء کے مطابق جنت میں ہے تو جنت کی اور دوزخ میں ہے تو دوزخ کی جزا میں بالتفصیل غور کرتا ہے۔ اس کی شرح

Marfat.com

بڑی لمبی ہے اور ممکن ہے کہ حضرت سے سنے ہوئے کچھ واقعات اثناء کتاب میں ذکر کردیں۔ بِحَوْلِ اللّٰہِ وَقُوَّتِہٖ۔

۵۔ ان علوم کی معرفت جن کا تعلق انسانوں اور جنوں سے ہے

پانچواں جزو ان علوم کی معرفت ہے جن کا تعلق جن و انس سے ہے اور یہ بہت سے علوم ہیں۔ خاص انسانوں سے تعلق رکھنے والے علوم کی تعداد تین سو چھیاسٹھ ہے اور جنوں سے متعلق علوم کی تعداد ان سے تین کم یعنی تین سو تریسٹھ ہے۔ انہی میں وہ علوم بھی شامل ہیں جن سے ان اسباب کی معرفت حاصل کی جاتی ہے جن پر ان کی زندگی ظاہری اور باطنی کا بقاء موقوف ہے۔ ظاہری معاش وہ ہے جس پر اُن کی ذات کا انحصار ہے اور جس سے ان کی زندگی قائم رہتی ہے۔ لہذا اس میں کسب کے اسباب مثلاً کھیتی کرنا، ہل چلانا، بڑھئی کا کام وغیرہ یا دستکاری سب شامل ہیں۔ اس لیے ان تمام کا جاننا اور ان اسباب کا جاننا ضروری ہے جن سے فائدہ ہوتا ہو یا نقصان۔ اسی میں علمِ ادب بھی شامل ہے جسے آج کل لوگ علمِ سیاست کہتے ہیں کیونکہ اسبابِ معاشرت کا جاننا بھی ضروری ہے اور اس میں بھی بہت سے علوم شامل ہیں۔

اب رہی باطنی معاش تو یہ ایسی معاش ہے جو بندہ کو رب سے ملا دے۔ انہیں ہانک کر ادھر لے آئے اور اللہ کی راہ بتائے۔ اس میں شریعتوں کا جاننا اور ان کے انوار اور ان اسرار کا جاننا شامل ہے جو اللہ تک پہنچا دیں۔ چنانچہ انسان واقعات میں اللہ کی حکمتوں کو جاننے لگتا ہے اور جانتا ہے کہ شریعت میں اس کے حکم کرنے کا کیا راز ہے اور یہ کہ دنیا اور آخرت میں بندے کو اس سے کیا نفع پہنچتا ہے۔ اگر اس بارے میں ہم تمام امور کا ذکر کردیں جنھیں ہم نے حضرت سے سنا اور ہم جزئیات اور بڑی مصائب کو بیان کریں جن کے متعلق ہم نے شیخ سے سوال کیا تو ہمیں بے شمار عجائب و غرائب کا ذکر کرنا پڑے گا۔ نیز اس نور والا حکم شرعی کو سنتے ہی سمجھ جائے گا کہ یہ یقیناً حق بات ہے کیونکہ میں نے حضرت سے ان اختلافات کے متعلق بحث کی جو شیوخ مذاہب میں واقع ہوئے (مثلاً چشتیہ، سہروردیہ وغیرہ) پھر ان اختلافات میں بحث کی جو اصحاب مذاہب اربعہ (یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام شافعی، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) کے درمیان واقع ہوئے اور پھر ان اختلافات میں جو انبیاء کی شریعت میں واقع ہوئے۔ یہ گفتگو کئی سال تک جاری رہی۔ اس عرصہ میں آپ سے وہ اسرار و معارف سننے میں آئے جن کا شمار نہیں۔ خدا ہمیں اپنے فضل و کرم سے ان سے دنیا و آخرت میں نفع پہنچائے۔

حضرت نے فرمایا کہ انہی علوم میں ان آفات کی معرفت بھی شامل ہے جو اسبابِ معاش ظاہری و باطنی کو لاحق ہوتی ہیں اور یہ کہ ان آفات سے بچنے کا کیا طریقہ ہے تاکہ اس علم کا جاننے والا اپنی معاش کے تمام اسباب میں صاحبِ بصیرت ہو جائے۔ چنانچہ اسے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ دونوں جہانوں میں

Marfat.com

اسے خاص طور پر کونسی چیز نفع رساں ہے اور کونسی ضرر رساں - اسی میں علم طب کی ایسی کامل معرفت بھی شامل ہے جو نفس الامری ہو اور یہ یا تو ظاہری ہے جس کا تعلق ظاہری معاش کی بہتری کے ساتھ ہے یا باطنی جس کا تعلق معاشِ باطنی کے ساتھ ہے۔

۶- ان علوم کی معرفت جن کا تعلق کونین کے احوال کے ساتھ ہے

چھٹا جزو ان علوم کی معرفت ہے جن کا تعلق کونین کے احوال کے ساتھ ہے اور کونین سے مراد عالم علوی اور عالم سفلی ہے - اس کا بیان اس طرح ہے کہ عالم کا انحصار سات امور پر ہے - عناصر اربعہ یعنی پانی، مٹی، ہوا اور آگ پر اور مرکبات ثلثہ پر یعنی نباتات، حیوانات اور معدنیات پر - لہذا علم کامل میں ان اشیاء کی حقیقت کو کامل طور پر جاننا ضروری ہے نیز ان کی امتیازی خاصیتوں کا علم - ان میں نفع رساں اور ضرر رساں اشیاء کا علم، ان کی قوتوں کا علم، اور ان قوتوں میں ان کے تمام افراد کے اختلاف کا علم بھی ہو - کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آگ کا جسم تو بہت وسیع ہوتا ہے لیکن اس کی قوتیں کمزور ہوتی ہیں اور اس کے برعکس بھی یعنی جرم چھوٹا لیکن حرارت قوی - اس کی بحث لمبی ہے - واللہ اعلم

۷- جہات کا ایک جہت میں محصور ہو جانا۔

ساتواں جزو جہات کا ایک جہت میں محصور ہونا ہے اور وہ ایک جہت سامنے کی جہت ہے اور یہ علم کامل کے اجزاء میں سے ہے - اس کی تشریح یہ ہے کہ علم چونکہ ایک نور ہے جو تمام جہات میں اشیاء کا ادراک کرتا ہے لیکن اگر کسی کو اللہ کی طرف سے زائد نور عطا ہو کہ جو کچھ وہ سامنے کی جہت کے علاوہ اور جہات میں دیکھتا ہے وہ اس کے لیے ایسے ہی ہو جائیں جس طرح کہ بدون کم و کاست کے سامنے کی اشیاء کو دیکھتا ہے اور اس وقت اس کی نگاہ میں صرف ایک جہت رہ جاتی ہے اور باقی تمام جہات معدوم ہو جاتی ہیں اس لیے کہ اس کا علم کامل ہوتا ہے اور یہ کیفیت صاحب فتح (کشف) کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں ہوتی - یہی مفہوم ہے اس حدیث کا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اِنِّیْ لَاَ رَاکُمْ مِنْ خَلْفِیْ کَمَا اَرَاکُمْ مِنْ اَمَامِیْ (ترجمہ: میں اپنے پیچھے سے تمہیں اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح سامنے سے) لہذا باوجود اس کے کہ صحابہ آپ کے پیچھے ہوتے آپ انہیں اپنے سامنے دیکھتے بعینہ اسی طرح جس طرح آپ سامنے کے رُخ کی چیزوں کو دیکھتے لیکن اگر صاحبِ علم الگ الگ جہات کو محسوس کرے تو اس کا علم کامل نہیں ہے - واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

۵۰ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ - طبع مجتبائی صفحہ ۹۸ اور ۱۱۱ - باب ما علی الماموم من المتابعۃ اور مؤطا امام مالک ج ۱ صفحہ ۱۳۹-۱۴۰۔

Marfat.com

۷۔ رسالت

۱۔ روح کا جسم میں برضا و رغبت قیام

رسالت کا پہلا جزو روح کا جسم میں برضا و رغبت قیام پذیر ہونا ہے اس لیے کہ پاکیزہ اجسام کے اندر وہ نور ہوتے ہیں جو ایمان باللہ سے فیضیاب ہوتے ہیں انہی انوار کی قلت و کثرت کے مطابق جسم میں نور کا قیام قوی ہوتا ہے یا ضعیف کیونکہ نور بنسبت روح کے زیادہ مائل ہوتا ہے اور ارواح بھی نور ہی میں سے ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ نورِ ایمان کو کسی ذات میں دیکھتی ہے تو وہ اس کی طرف مائل ہوتی ہے اور اس سے لذت پاتی ہے۔ پھر جس ذات میں نورِ ایمان مثلاً ایک ہاتھ برابر ہو، اس میں روح کی سکونت اس قدر رضا و رغبت کی نہ ہوگی جس قدر کہ اس ذات میں ہوگی جس میں نورِ ایمان دو ہاتھ برابر ہے وعلیٰ ہذالقیاس۔

مزید برآں نورِ ایمان نیک اعمال کے اجر کی زیادتی سے بڑھتا رہتا ہے اس لیے کہ اعمال کے اجر ہیں اور ان اجور کا خاص نور ہوتا ہے جن کا عکس ذات پر پڑتا ہے اور جن کی بدولت اجسام کو دنیا میں نیک نفع حاصل ہوتا ہے اس طرح کہ ان کی وجہ سے ان کا نورِ ایمان بھی بڑھ جاتا ہے اور آخرت میں ظاہری نفع ہوتا ہے کہ یہی اجور جنت میں نعمتیں بن جائیں گے جن سے عمل کنندگان حظ حاصل کریں گے۔

حضرت نے فرمایا: اگر ہم فرض کرلیں کہ دو آدمی نورِ ایمان میں برابر ہیں اور ان میں سے ایک دن بھر نیک اعمال کرتا رہے اور دوسرا نہ کرے۔ پھر دونوں رات کو سو جائیں، تو نیک اعمال والے کا نور رات بھر روشن اور زیادہ پھیلا ہوا ہوگا برخلاف اس شخص کے نور کے جس نے کوئی نیک کام نہیں کیا۔ پھر فرمایا کہ تمام اعمال میں رسالت کے اعمال سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں ہوسکتا اسی لیے مُرسلین کے ایمان کے برابر پہنچنا ناممکن ہے۔ پھر خود مُرسلین میں بھی ان کے متبعین کی قلت و کثرت کے اعتبار سے فرقِ مراتب ہے اور کوئی مرسل کثرتِ متبعین کے اعتبار سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے برابر نہیں ہوسکتا اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا اجر دیگر مرسلین کے اجر سے بڑھ کر ہوگا۔ اس لیے کہ آپ کا نورِ ایمان اس عظمت تک پہنچ چکا ہے کہ کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اس سے یہ لازم آیا کہ جس طرح مرسلین کی ارواح ذوات میں سکونت پذیر ہیں، اس طرح دوسروں کی ارواح نہیں۔ اسی خاص رہائش کو ہم نے جزو رسالت قرار دیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوچکا کہ ذات محمدیؐ میں روح محمدیؐ کی سکونت دیگر مرسلین سے بڑھ کر ہے لہذا آپؐ کی ذات میں یہ جزو بھی انتہاء کمال پر ہوگا۔ نیز روح کی رہائش میں اس اعتبار سے بھی فرقِ مراتب ہوتا ہے کہ کسی کا نورِ ایمان بجرم روح کے مساوی ہوتا ہے اور

Marfat.com

کسی کا چھوٹا اور کسی کا بڑا۔ لہٰذا جس کا نورِ ایمان جرمِ روح سے بڑا ہوگا تو اس کی روح کا قیام بھی زیادہ ہوگا۔ پھر فرمایا کہ جن کی ذات میں نورِ ایمان قطعاً ہوتا ہی نہیں، وہ کافروں کی ذات ہے۔ ان میں روح کا قیام صرف بحکمِ تقدیرِ قہری اور جبری ہوتا ہے ورنہ حقیقت میں روح ان کی ذات کو سخت ناپسند کرتی ہے۔

۲۔ علمِ کامل | دوسرا جزو علمِ کامل ہے خواہ غیب کا ہو، خواہ سامنے موجود اشیاء کا (غیباً وشہادۃً) اس جگہ علمِ غیب سے ہماری مراد وہ علوم ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی معرفت سے ہے اور علمِ شہادت سے مراد وہ علوم ہیں جن کا تعلق مخلوقات سے ہے لہٰذا اس میں وہ علوم جن کا تعلق جن وانس کے احوال سے ہے اور وہ علوم جن کا تعلق احوالِ کونین سے ہے اور وہ علوم جن کا تعلق احوالِ عاقبت سے ہے سب شامل ہونگے۔ اس کے متعلق پہلے بھی کچھ اشارہ کیا جاچکا ہے لیکن یہاں جسے جزءِ رسالت شمار کیا گیا ہے وہ ان امور کی معرفت میں کمال حاصل کرنا ہے لہٰذا ان امور میں کمال اور پھر کمال کا انتہائی درجہ حاصل کرنا رسالت کا ایک جزو ہے جس کا ہر رسول میں ہونا ضروری ہے۔ اور یہ کمال ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں انتہائی غایت کو پہنچ چکا تھا۔ واللہ اعلم۔

۳۔ صدق | تیسرا جزو ہر ایک کے ساتھ قول وفعل میں سچائی ہے، اسی طرح کہ افعال واقوال اللہ کی خوشنودی اور محبت کے مطابق ہوں کیونکہ مخلوقات کو پیغمبروں علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا رسولوں کا مذکورہ حالت پر ہونا ضروری ہے لہٰذا رسول حق وسچائی کے سوا کوئی بات دل سے نہیں نکالتے۔ ان کا مزاح بھی سنجیدہ ہوتا ہے لہٰذا جب وہ کسی بات کی خبر دے دیں تو وہ ہوکر رہے گی اور اگر کوئی بات بظاہر اس کے خلاف نظر آتی ہو تو اس کی صحیح تاویل کی جائے گی اور انشاء اللہ اس کتاب میں اس کا کچھ ذکر کریں گے۔

غرض رسولوں کے کلام اور اہلِ جنت کی خواہشات ایک ہی قسم کی ہیں چنانچہ جس طرح اہلِ جنت جب کسی چیز کی خواہش کریں گے تو یہ یقیناً پوری ہوگی۔ اسی طرح جب رسول کوئی بات کریں تو وہ پوری ہوکر رہے گی۔ واللہ اعلم۔ لہٰذا جو کچھ ہم قولِ حق (جو کہ نبوت کا جزو ہے) کے تحت میں پہلے کہہ آئے ہیں، اس کے مقابلہ میں "صدق" میں صرف اسی قدر مفہوم کا اضافہ ہے کیونکہ یہاں صدق بمنزلہ اس شخص کے ہے جو ان امور کی حکایت کر رہا ہو جو تقدیر میں لکھی جاچکی ہیں۔ گویا کہ اس کا قائل مسلوب الاختیار ہے، برخلاف قولِ حق کے کیونکہ وہ اس درجہ تک نہیں پہنچا ہوتا لہٰذا صدق میں قولِ حق کے مقابلہ میں زائد نور ہوتا ہے۔

۴۔ سکینہ ووقار | جزوِ چہارم سکینہ اور وقار ہے اور وہ دل میں ایک نور ہے جو صاحبِ نور کے لیے

Marfat.com

ضروری کر دینا ہے کہ اس کا اللہ پر اطمینان اور اعتماد ہو اور یہ کہ وہ ہر قسم کی قوت اور طاقت اللہ کی طرف پھیرے اور اللہ کے سوا کسی اور کی پرواہ نہ کرے۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ صاحبِ سکینہ اور وقار کو کسی امر کا لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیتا ہے اور تمام دنیا کے لوگ اس معاملہ میں اس کی مخالفت اور دشمنی کا ارادہ کرلیں تو وہ ان کی قطعاً پرواہ نہ کرے بلکہ اُن کو کالعدم سمجھے اور اس کے نزدیک ان کا دوستی کرنا، محبت کرنا اور مدد کرنا سب یکساں ہو کیونکہ اس کے نزدیک تو انہیں مخالفت یا موافقت کرنے کی طاقت ہی نہیں۔

لیکن جسے سکینہ حاصل نہ ہو تو جب اسے معلوم ہوگا کہ فلاں شخص اسے نقصان پہنچانے کا قصد کرتا ہے تو جس طرح وہ اپنے اندر قوت و طاقت محسوس کرتا ہے اسی طرح وہ دشمن میں بھی قوت و طاقت دیکھتا ہے لہٰذا وہ دشمن کی مدافعت کی تدبیریں سوچے گا کہ وہ کیسے بھاگ جائے اور کبھی سوچے گا کہ جب مقابلہ آن پڑا تو نجات کی کیا صورت ہوگی۔ وہ ابھی اسی ششش و پنج میں ہوتا ہے کہ دشمن سے مقابلہ آن پڑتا ہے اس لیے وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ سکینہ کو اجزاءِ رسالت میں سے شمار کیا گیا ہے۔ کیونکہ صاحبِ رسالت کو دنیا والوں سے عداوت کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کفر و باطل سے باز آجائیں۔ اسی لیے اسے ان کی توجہ یا عدم توجہ، ان کی محبت یا ان کی روگردانی کی پرواہ نہیں ہوتی چنانچہ حضراتِ مُرسلین کی یہی حالت تھی کیونکہ دنیا والوں نے ان سے عداوت کی اور مُتحد ہو کر ان سے لڑے لیکن ان کے دل پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا پھر حضرت نے فرمایا کہ قرآنِ مجید کی کئی آیات میں اسی سکینہ کا ذکر ہے مثلاً ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ (سورہ توبہ آیت: ۲۶) (پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنین پر سکینہ اتاری) رسول پر سکینہ اتارنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے آثار کا مشاہدہ کرا دیا کہ آپ کثیر التعداد دشمن کے مقابلہ پر بھی ڈٹے رہے اور مومنین پر انزال سکینہ سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان کے دلوں میں سکون و اطمینان پیدا کر دیا۔

پھر سلسلۂ کلام میں اس سکینہ کا تذکرہ ہوا جو بنی اسرائیل کے تابوت میں تھی جس کا ذکر قرآنِ مجید کی اس آیت میں ہے[۱] اَنْ یَّاْتِیَکُمُ التَّابُوْتُ فِیْہِ سَکِیْنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ (کہ تمہارے پاس ایک تابوت آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ ہوگی) اور پھر اس سکینہ کا ذکر ہوا جس کا ذکر اُسید[۲] بن حُضَیر کی حدیث میں ہے اور اس سکینہ کا ذکر ہوا جن کا ذکر دیگر احادیث میں کیا گیا

---

[۱] قرآن سورہ بقرہ (پارہ ۲) آیت ۲۴۸۔

[۲] اسید بن حُضَیر: یہ ان صحابہ میں سے ہیں جو عقبہ ثانیہ کے وقت موجود تھے۔ بدر اور بعد کی تمام جنگوں میں انہوں نے شرکت کی ان کی وفات مدینہ میں ۲۰ھ = ۶۴۱ء میں خلافت عمر میں ہوئی۔

Marfat.com

ہے جو کچھ آئمہ تفسیر نے ان کے بارے میں لکھا ہے مجھے اس کا علم تھا لیکن حضرت نے ان مقامات کی اس طرح تشریح کی جس طرح کوئی معاملہ کا مشاہدہ کر رہا ہو۔ حتیٰ کہ حضرت جبرئیل کا وحیہ کلبی[1] کی صورت میں آنے کا ذکر ہوا۔ اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ کہیں پڑھنے والے اکتا نہ جائیں تو میں یہ سب کچھ لکھ دیتا۔ واللہ اعلم

۵۔ مشاہدۂ کاملہ پانچواں جزو مشاہدۂ کاملہ ہے اس کی تشریح نہیں کی جا سکتی کیونکہ یہ عقول کی دسترس سے باہر ہے جیسے کہ معرفت باری تعالیٰ کی جو جزو نبوت ہے، تشریح نہیں کی جا سکتی۔

۶۔ زندگی میں موت چھٹا جزو زندگی ہی میں موت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے احوال کا مشاہدہ اسی طرح کریں جس طرح مردے اپنی موت کے بعد کریں گے۔ اسے جزء رسالت اس لیے شمار کیا گیا ہے کیونکہ مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کو رغبت اور خوف دلانے (ترغیب وترہیب) کی غرض سے بھیجا گیا اور ترغیب وترہیب وہی شخص کر سکتا ہے جو آخرت کے احوال کا مشاہدہ کر رہا ہو۔ لہٰذا وہ جنت کے حاصل کرنے کی ترغیب لوگوں کو دے سکے گا اور دوزخ سے بچنے کے لیے لوگوں کو ڈرا سکے گا اور تشریح کر سکے گا کہ عذاب قبر کیسے ہوگا اور برزخ میں ارواح کس طرح چڑھ جاتی ہیں اور اسی قسم اور باتوں کی تشریح کر سکے گا جنہیں لوگوں کی عقلیں برداشت کر سکیں۔

میں نے عرض کیا کہ انبیاء کو ان کے متعلق وحی کا آجانا کافی ہے، مشاہدہ کی کیا ضرورت ہے حضرت نے فرمایا کہ وحی ایک خطاب کلام ہے اور خطاب کلام انہی سے ہوتی ہے جو معنی کو سمجھتے ہوں۔ پس مشاہدہ پیغمبر کے لیے آخرت کے احوال کو واضح کر دیتا ہے جس سے ان سے عینی واقفیت حاصل کر لیتا ہے لیکن وحی جو ہوتی ہے اس سے پیغمبر کو اللہ کی طرف سے اجازت حاصل ہو جاتی ہے کہ جن باتوں کا تبلیغ کرنا مقصود ہے ان کی تبلیغ کرے ایسی باتیں جن کو لوگوں کی عقول برداشت کر سکیں اور ان کی ذوات ان کے سننے کی قدرت رکھیں۔ لیکن جن باتوں کو عقلیں برداشت نہ کر سکتی ہوں اور ان کے سننے سے جگر پھٹ جانے کا خطرہ ہو، پیغمبر اپنے سابق مشاہدہ پر ہی رہتا ہے۔ اس کے متعلق کوئی وحی نازل نہیں ہوتی اور اگر کلام کسی لپیٹ کے ساتھ ہو، جو معانی کو نہیں سمجھتا تو اس شخص کے لیے تو سمجھنا اور سمجھانا ہی ناممکن ہے۔ واللہ اعلم

۷۔ جنتیوں کی سی زندگی بسر کرنا ساتواں جزو جنتیوں کی سی زندگی بسر کرنا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ذات رسول علیہ السلام انہی انوار سے سیراب ہو جن سے اہل جنت جنت میں داخل ہونے کے بعد سیراب ہوں گے۔ لہٰذا مرسلین علیہم السلام کی ذات ایسی ہی ہوتی ہے جیسے جنتی کی جنت میں اس کی شرح یہ ہے کہ عالم دو ہیں۔ دار فنا اور دار بقاء پھر ہر ایک کی دو قسمیں ہیں ظلمانی اور نورانی۔ دار البقاء کی نورانی قسم جنت اور ظلمانی دوزخ ہے۔ جب حجاب زائل ہو جاتے تو دار البقاء

[1] دحیہ کلبی یہ کبار صحابہ میں سے ہیں۔ احد اور بعد کی جنگوں میں شریک ہوئے۔ انہی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶۲۷ء = ۵ھ میں قیصر کی طرف روانہ کیا تھا اور انہی کی شکل میں جبرئیل آیا کرتے تھے۔ امیر معاویہ کے عہد تک زندہ رہے۔

Marfat.com

کی ہر قسم اپنی موافق نوع کو مدد پہنچاتی ہے چنانچہ نورانی نورانی کو اور ظلمانی ظلمانی کو مدد پہنچاتی ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ حجاب کے زائل ہونے کا عمل مختلف ہوتا ہے۔ چنانچہ مرسلین علیہم السلام میں یہ حجاب اسی دنیا میں پہلے ہی سے زائل ہو چکا ہوتا ہے جیسا کہ چھٹے جزو میں مذکور ہو چکا اور مرسلین اسی دنیا میں ہر نورانی سے بڑھ کر نورانی ہوتے ہیں اور ان کی ذاتِ شریف دار البقا کے نورانی حصے یعنی جنت سے مدد لیتی رہتی ہے لیکن عامۃ الخلائق کے لیے حجاب صرف قیامت کے دن زائل ہوگا اور اسی دن انہیں مدد بھی حاصل ہوگی چنانچہ جو ایمان والا ہوگا وہ انوارِ جنت سے مدد حاصل کرے گا اور سرکش نارِ جہنم سے مدد حاصل کرے گا۔ خدا ہمیں اپنے فضل و کرم سے دوزخ سے پناہ دے۔
مختصر یہ کہ استمداد کا انحصار زوالِ حجاب پر ہے اور یہ حجاب مرسلین حضرات علیہم السلام سے زائل ہو چکا ہوتا ہے اس لیے ان کی زندگی اہلِ[عـہ] جنت کی زندگی کی طرح ہوتی ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ آدمیت، قبض، بسط، نبوت، روح، علم، رسالت کے ہر حرف کے سات اجزا کی یہ تشریح ہے جو بیان ہو چکی۔ (مؤلف کتاب کہتا ہے) کہ ہم انہیں دوبارہ بیان کر دیتے ہیں کیونکہ یہ اختلافات کی تفریع کے لیے جن کے متعلق سوال کیا گیا تھا، بہت مفید ہے چنانچہ یہ اس طرح ہیں:-

آدمیت کے اجزاء: کمالِ حسنِ ظاہری، کمالِ حواسِ ظاہری، کمالِ حسنِ باطنی، کمالِ حواسِ باطنی، ذکوریت (یعنی نر ہونا)، نزعِ حظِ شیطان اور کمالِ عقل۔

قبض کے اجزاء: وہ حس جس سے خیر میں لذت ہو اور باطل سے کلفت۔ انصاف، ضد سے نفرت، امتثالِ امر، جنس کی طرف میلان اس طرح کہ اس کی کیفیت اختیار کرے، انقباض کی قوتِ کاملہ اور حق گوئی سے شرم نہ کرنا۔

بسط کے اجزاء: فرحِ کامل، ذات میں خیر کا قیام، فتحِ حواسِ ظاہری، فتحِ حواسِ باطنی، رفعت، حسنِ تجاوز، انکساری۔

نبوت کے اجزاء: قولِ حق، صبر، رحمت، معرفتِ الٰہیہ، خوفِ تام، بغضِ باطل، عفو۔

روح کے اجزاء: ذوقِ انوار، طہارت، تمیز، بصیرت، عدمِ غفلت، قوتِ سریان اور

عـہ چنانچہ مشکوٰۃ باب صلوٰۃ الکسوف صفحہ ۹ میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ کسوف پڑھی اور فارغ ہونے پر صحابہ نے عرض کیا کہ ہم نے دیکھا کہ آپ نماز میں پہلے آگے بڑھے پھر پیچھے ہٹ گئے فرمایا میں جنت میں تھا اور چاہا کہ انگور کا ایک خوشہ تمہارے لیے توڑ لوں۔ پھر دوزخ دیکھی اور باقی حدیث بیان کی۔ یہاں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کی زندگی اہلِ جنت کی سی ہوتی ہے۔ ۱۲

Marfat.com

تکلیف والے اجرام سے بے حسی۔

علم کے اجزاء: حملِ علوم، عدمِ اضاعت، معرفتِ لغات، انجام سے واقفیت، احوالِ کونین سے تعلق رکھنے والے علوم سے آگاہی، احوال ثقلین سے تعلق رکھنے والے علوم کی واقفیت، اور جہات کا صرف سامنے کی جہت میں محصور ہو جانا۔

رسالت کے اجزاء: برضا و رغبت روح کا ذات میں قیام، علم کامل، ہر ایک سے سچائی، سکینہ و وقار، مشاہدۂ کاملہ، موت بحالتِ حیات، اہلِ جنت کی سی زندگی۔

حضرت نے فرمایا: اب رہا صحابہ و تابعین میں قراء کے لفظی اختلافات کا سات باطنی انوار پر متفرع ہونے کی تشریح یوں ہے کہ تجھے علم ہو چکا ہے کہ باطنی حروف کے اجزاء انچاس ہیں اور تجھے یہ بھی معلوم ہے کہ عربی کلام کے حروف تہجی انتیس ہیں اور ہر حرف کے لئے مذکورہ اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔

چنانچہ ہمزہ (ء) کے لیے امتثال ہے جو قبض کا ایک جزو ہے۔ ب کے لیے سکینت ہے جو رسالت کا ایک جزو ہے۔ ت کے لیے کمالِ حواس ظاہری ہے کہ اجزاء آدمیت میں سے ہے ث کے لیے انصاف جو قبض کا جزو ہے۔ ج کے لیے صبر ہے جو جزوِ نبوت ہے۔ ح کے لیے رحمتِ کاملہ ہے اور یہ اجزاءِ نبوت میں سے ہے۔ خ کے لیے ذوقِ انوار ہے اور وہ روح کا جزو ہے۔ د کے لیے طہارت کہ اجزاءِ روح میں سے ہے۔ ذ کے لیے معرفتِ لغات کہ اجزاءِ علم میں سے ہے۔ ر کے لیے حسنِ تجاوز جو اجزاءِ بسط میں سے ہے اور ز کے لیے ہر شخص کے ساتھ سچائی ہے اور وہ اجزاءِ رسالت میں سے ہے۔ [س کے لیے انکسار ہے کہ اجزاءِ بسط میں سے ہے ش کے لیے حق گوئی ہے کہ اجزاء قبض میں سے ہے۔ ص کے لیے عقل کامل ہے کہ اجزاء آدمیت میں سے ہے۔ ض کے حق گوئی ہے کہ اجزاءِ نبوت میں سے ہے] ط کے کے لیے تمیز کہ اجزاءِ روح میں سے ہے۔ ظ کے لیے نزع حظ الشیطان ہے کہ اجزاء آدمیت میں سے ہے۔ ع کے لیے عفو ہے اور اور وہ اجزاءِ نبوت میں سے ہے غ کے لیے کمالِ صورت ظاہری ہے جو اجزاء آدمیت میں سے ہے۔ ف کے لیے حملِ علوم ہے کہ جزوِ علم ہے۔ ق کے لیے بصیرت ہے اور وہ اجزاء روح میں سے ہے۔ ک کے لیے معرفتِ الٰہی ہے جو اجزاء نبوت میں سے ہے۔

عہ یہ عبارت مطبوعہ کتاب جو ہمارے پاس ہے اس میں نہ تھی لیکن چونکہ اس کے بغیر مفہوم مکمل نہیں ہوتا۔ اور یہ طباعت کے اغلاط میں سے تھا۔ اس لیے میں نے اتنی عبارت کو مکمل کر دیا ہے۔ ۱۲ مترجم۔

Marfat.com

ل[۲۳] کے لیے علمِ کامل ہے جو اجزاءِ بسط میں سے ہے۔ م[۲۴] کے لیے ذکوریت جو اجزاءِ آدمیت میں سے ہے ن[۲۵] کے لیے فرحِ کامل کہ اجزاء بسط میں سے ہے د[۲۶] کے لیے موت بحالتِ حیات کہ اجزاء رسالت میں سے ہے۔ ھ[۲۷] کے لیے ضد سے نفرت ہے کہ اجزاء قبض میں سے ہے ہ[۲۸] کے لیے عدمِ غفلت کہ اجزاء روح میں سے ہے اور ی[۲۹] کے لیے خوف تام کہ اجزاء نبوت میں سے ہے۔

یہ انتیس حروف ہوئے۔ ان میں سے آدمیت کے پانچ ہیں۔ ت۔ ظ۔ م۔ ص۔ غ۔ تؔ کے لیے کمالِ حسنِ ظاہری۔ ظؔ کے لیے نزع خط شیطان۔ م کے لیے ذکوریت۔ ص کے لیے کمالِ عقل اور غ کے لیے کمالِ صورتِ ظاہری اور آدمیت کے دو جزو باقی رہ گئے۔

ان حروف میں سے قبض کے لیے چار ہیں۔ ء۔ ث۔ ش۔ ھ ہمزہ کے لیے امتثال۔ ثؔ کے لیے انصاف۔ شؔ کے لیے قوتِ انکماش اور ھؔ کے لیے نفرت عن الضد۔ قبض کے اجزا میں سے تین باقی رہ گئے۔

بسط کے لیے تین حروف ر۔ ن۔ س۔ رؔ کے لیے حسنِ تجاوز، نؔ کے لیے فرحِ کامل اور سؔ کے خفضِ جناح الذل (انکساری) بسط کے چار جزو باقی رہ گئے۔

نبوت کے لیے چھ حروف ہیں۔ ج، ح، ک، ض، ع، ی چنانچہ ج کے لیے صبر، ح کے لیے رحمتِ کاملہ، کؔ کے لیے معرفتِ الٰہی۔ ضؔ کے لیے حق گوئی، ع کے لیے عفو اور ی کے لیے خوفِ خدا تام اور نبوت کا ایک جزو باقی رہ گیا۔

روح کے پانچ حروف ہیں۔ د۔ خ۔ ط۔ ق۔ ہ۔ چنانچہ دؔ کے لیے طہارت۔ خؔ کے لیے ذوقِ انوار طؔ کے لیے تمیز۔ ق کے لیے بصیرت ہؔ کے لیے عدم غفلت۔ اور روح کے دو جزو باقی رہ گئے۔

علم کے دو حرف ہیں۔ ذ اور ف۔ چنانچہ ذؔ کے لیے معرفتِ لغات اور ف کے لیے حملِ علم۔ اور اجزاء علم میں سے پانچ جزو باقی رہ گئے۔

رسالت کے چار حرف ہیں۔ ب۔ ن۔ ل۔ د۔ چنانچہ بؔ کیلئے سکینہ۔ ن کے لیے ہر ایک سے سچائی۔ لؔ کے لیے علم کامل اور د کے لیے موت در حیات۔ اس طرح رسالت کے تین جزو باقی رہ گئے۔

یہ انتیس حروف اس طرح انتیس اجزاء پر منقسم ہیں۔ اور بیس جزو باقی رہ گئے۔ اب ہم ان باقی ماندہ بیس جزوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان کی تقسیم کریں گے اور وہ یہ ہیں:۔

کمالِ[۱] صورت باطنی، کمالِ[۲] حواس باطنی، قوتِ[۳] ساریہ، میل[۴] الی الجنس، عدم الحیا[۵] از قولِ حق، سکونِ[۶] خیر در ذات، فتحِ[۷] حواس ظاہرہ، فتحِ حواسِ[۸] باطنہ، مقامِ[۹] رفعت، بغضِ[۱۰] باطل، قوتِ[۱۱] سریان، تکلیف[۱۲]

Marfat.com

دو اشیاء سے درد مند نہ ہونا۔ عدم تفصیع، جہات[ٌ] کا سامنے کی جہت میں محصور ہونا۔ انجام کی معرفت، جن و انس سے متعلق علوم کی معرفت، احوال کونین سے متعلق علوم کی معرفت، سکون روح در ذات۔ اہلِ جنت کی سی زندگی بسر کرنا۔ اور مشاہدہ کاملہ۔

ان میں سے پہلا جزو آدمیت کا ہے اس کے بعد کے تین قبض کے اور پھر بعد کے چار بسط کے پھر ایک نبوت کا اس کے بعد کے دو روح کے اور پھر بعد کے پانچ علم کے اور آخری تین رسالت کے۔

اس کے بعد یاد رکھو کہ ان میں سے اٹھارہ حروف مد ولین پر منقسم ہوتے ہیں۔ حروف مد ولین یہ ہیں: ا، و، ی چنانچہ الف کے چھ، و کے چھ اور ی کے چھ، ان میں سے ہر ایک کے لیے چھ چھ حروف اس لیے ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چھ مراتب تک لمبا کیا۔ چنانچہ آپ نے کبھی ایک الف کی مقدار لمبا کیا کبھی دو الف جتنا، کبھی تین الف جتنا اور کبھی چار، کبھی پانچ اور کبھی چھ الف جتنا لمبا کیا۔ اور یہ اندازہ بھی تقریبی ہے تحقیقی نہیں ہے۔

(مولف کتاب کہتا ہے کہ شیخ المقرئین حافظ ابن الجزری[۱] رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب النشر میں میں اسی طرح ذکر کیا ہے کیونکہ انہوں نے مد کے مراتب پر بحث کرتے ہوئے یوں لکھا ہے:۔

"پہلا مرتبہ قصر ہے اور اس کی لمبائی کی مقدار ایک الف جتنی ہوتی ہے اور اس نے اس قراءت کو ابن کثیر اور ابو جعفر کی طرف منسوب کیا ہے۔ دوسرا مرتبہ قصر سے ذرا بڑھ کر ہے اور اس کی مقدار دو الف جتنی ہوتی ہے اور بعض ڈیڑھ الف جتنی بتاتے ہیں اور اسے زیادتی کے بعد زیادتی یا تمکین بغیر اشباع کے یا زیادت متوسط کہتے ہیں اور بعض نے اس قراءت کو دوری[۲] اور قالون[۳] کی طرف منسوب کیا ہے تیسرا مرتبہ دوسرے مرتبہ سے تھوڑا زیادہ ہے اور یہ متوسط لمبائی ہے اور اسے اندازاً تین الف تک کہا گیا ہے۔ بعض ڈیڑھ الف اور بعض نے دو الف کہا ہے۔ جنہوں نے تیسرا درجہ دو الف کا بتایا ہے ان کے نزدیک دوسرا مرتبہ ڈیڑھ الف کا ہے اور اس قراءت کو الکسائی کی طرف منسوب کیا ہے چوتھا مرتبہ تیسرے سے تھوڑا زیادہ ہے اور اندازاً اسے چار الف تک کہا گیا ہے۔ بعض نے ساڑھے تین الف

---

[۱] شیخ شمس الدین ابوالخیر محمد بن محمد الجزری۔ ان کی کتاب النشر فی القراآت العشر ہے۔ اس کے بعد انہوں نے خود اس کا اختصار کیا اور اس کا نام "التقریب" رکھا (کشف: ۲: ۳۹۱)

[۲] دوری: عباس بن محمد بن حاتم دوری حافظ حدیث تھے اور یحییٰ بن معین کے شاگرد تھے۔ ان کی پیدائش ۱۸۵ھ میں ہوئی اور وفات ۲۷۱ھ میں ہوئی۔

[۳] عیسیٰ بن مینا قالون: انہوں نے نافع کی قراءت کی روایت کی ہے۔

Marfat.com

بتایا ہے اور بعض نے تین الف اور اس قراءت کو عاصم اور ابنِ عامر کی طرف منسوب کیا ہے۔ پانچواں مرتبہ چوتھے سے تھوڑا اوپر ہے اور اس کا اندازہ پانچ الف تک کیا گیا ہے۔ بعض نے ساڑھے چار الف تک کہا ہے اور بعض نے چار اور اس قراءت کو حمزہ اور ورش کی طرف منسوب کیا ہے۔ چھٹا مرتبہ پانچویں سے ذرا زیادہ ہے اور اسے تمطیط کہا جاتا ہے اور اندازاً اسے چھ الف تک بتایا جاتا ہے۔ ابوالقاسم[1] نے اس کا ذکر کیا ہے اور قاریوں کی ایک جماعت سے اسے روایت کیا ہے اور اس قراءت کو ورش[2] کی طرف منسوب کیا ہے اور پانچویں مرتبہ کو صرف حمزہ کی طرف منسوب کیا ہے۔"

لیکن ابن الجزری نے اس میں اس سے اختلاف کیا ہے۔

اس کے بعد ابن الجزری نے دو مرتبے بیان کیے ہیں۔ ایک قصر سے بھی پہلے کا جسے بتر کہتے ہیں اور اس سے مراد حرف مد کو حذف کر دینا اور کلام سے اسے منقطع کر دینا ہے پھر اس نے نقل کیا ہے کہ ابو عمرو الدانی نے بتر کے قائلوں کی تردید کی ہے لیکن اس کے بعد اس کی ایک عمدہ تاویل کی ہے اور یہ فیصلہ دیا ہے کہ قصر کے مرتبہ کا ہونا ضروری ہے اور حروف مد کا حذف کرنا درست نہیں۔ اور دوسرے مرتبہ کو پانچویں اور چھٹے مرتبے کے درمیان بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ زیادہ صحیح یہی ہے کہ اس مرتبہ کو شمار نہ کیا جائے۔ لہٰذا ان کے کلام کا ماحصل بھی یہی ہوا۔ شیخ کے فرمان کے مطابق ان کے نزدیک بھی مراتب چھ ہی ہیں۔ اس کے بعد ابن الجزری نے شرح و بسط سے بیان کیا ہے کہ ان کا القول سے اندازہ لگانا کوئی تحقیقی امر نہیں ہے۔

(مولف کتاب کہتا ہے کہ) اگر میں اس کی تفصیل اور دلیل دینے لگ جاؤں تو اصل غرض سے دور ہٹ جاؤں گا۔

اور اس مسئلہ کو کتبِ اصول سے مدد ملتی ہے۔ چنانچہ ابنِ حاجب[3] نے کہا ہے کہ مد وغیرہ متواتر نہیں ہے جو شخص تواتر اور اس کے شرائط کو جانتا ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ کیا یہ تواتر مراتبِ مد

---

[1] ابوالقاسم: ابوالقاسم سے یہاں مراد ابو محمد القاسم بن فیرہ الشاطبی ہے جنہوں نے قصیدہ شاطبیہ لکھا تھا۔ ان کا ذکر آگے آئے گا۔ (ملاحظہ ہو صفحہ)

[2] ورش: انہوں نے نافع کی قراءت کی روایت کی ہے۔ یعنی نافع کے شاگرد تھے۔

[3] ابنِ حاجب: ابو عمرو عثمان بن عمر المعروف بابن الحاجب مصر کے شہر اسنا میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عزالدین موسک الصلاحی کے حاجب تھے اسی لیے انہیں ابن الحاجب کہا گیا۔ ان کی بہت سی تصانیف میں جن میں سے کافیہ اور شافیہ زیادہ مشہور ہیں ۶۴۶ھ = ۱۲۴۸ء میں ان کی وفات ہوئی۔

Marfat.com

ہیں موجود ہے یا نہیں تو وہ اس مسئلہ کی گہرائی کو سمجھ جائے گا۔

اب ہم اصل مقصد کی طرف لوٹتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جو چھ جزو الف کے لیے ہیں، وہ یہ ہیں: کمالِ صورتِ باطنی، سکونِ روح در ذات، سرایتِ حس در ذات، کمالِ حواسِ باطنہ، بغضِ باطل، سکونِ خیر در ذات۔

پھر الف ممدودہ کی دو قسمیں ہیں۔ کبھی تو مد ایک ایسے کلمہ میں ہوتی ہے جسے نفسِ متکلم کہتے ہیں مثلاً اِنَّآ اٰمَنَّا کیونکہ الف ممدودہ ضمیر متکلم میں واقع ہوا ہے دوسرے یہ کہ الف ممدودہ ایسے کلمہ میں واقع ہو جس میں ضمیر متکلم نہ پائی جاتی ہو مثلاً مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لہذا اگر مد ضمیر متکلم میں ہو تو پہلے مرتبہ یعنی قصر کے لیے کمالِ حسنِ باطنی ہو گی اور دوسرے مرتبہ کے لیے جو دو الفوں کے برابر ہے تو کمالِ حسنِ باطنی کے علاوہ سکونِ روح بھی ہو گا۔ اور تیسرے مرتبہ کے لیے پہلے اور دوسرے مرتبہ کے مقابلہ میں سرایتِ حس کا اور اضافہ ہو گا اور چوتھے مرتبہ کے لیے پہلے تین مرتبوں کے اجزاء کے علاوہ کمالِ حواسِ باطنی ہو گا۔ اسی طرح پانچویں مرتبہ میں بغضِ باطل کا اضافہ ہو گا اور چھٹے مرتبہ میں سکونِ خیر در ذات کا اضافہ ہو گا۔ لہذا پہلے مرتبہ میں ایک جزو ہو گا، دوسرے میں دو تیسرے میں تین، چوتھے میں چار، پانچویں میں پانچ اور چھٹے میں چھ جزو ہونگے اور اگر الف ضمیر متکلم کے علاوہ کسی اور حرف میں پایا جائے تو پہلے مرتبہ کے لیے کمالِ صورتِ باطنہ، دوسرے کے لیے بغضِ باطل کا اضافہ ہو گا اور علیٰ ہذا القیاس تیسرے میں سکونِ خیر در ذات کا، چوتھے میں قوتِ ساریہ کا، پانچویں میں کمالِ باطنی حس کا اور چھٹے میں سکونِ روح در ذات کا اضافہ ہو گا۔

پہلے مرتبہ میں کمالِ حسنِ باطنی اور دوسرے میں کمالِ صورتِ باطنی سے ابتدا کرنے کا راز یہ ہے کہ جب الف ضمیر متکلم کا جزو ٹھہرا تو کمالِ حسنِ باطنی باطن کی طرف اشارہ کرے گی اور آدمیت کمال کا بچھونا ہے اور اسی پر کمال کی ترتیب ہوتی ہے لہذا جب کلام نفسِ متکلم سے ہو گی تو اس کا بچھونا بھی ذاتی آدمیت ہو گی اور جب کلام نفسِ متکلم کے سوا کسی اور میں ہو مثلاً سَمَآءٌ اور مَآءٌ تو آدمیت غیر ذاتِ متکلم ہو گی اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ صورتِ باطنی کے کمال کا مرجع خلقتِ باطنی کو خوبصورت بنانا ہے کیونکہ خلقتِ باطنی سے ہی خوبصورت آواز پیدا ہوتی ہے مثلاً اَلسَّمَآءُ اور اَلسَّمَآءَ میں برخلاف کمالِ حسن باطنی کے کیونکہ اس کا تعلق قوائے نفس کو خوبصورت بنانے سے ہے واللہ اعلم۔

اب رہے وہ چھ مراتب جو واؤ کے ہیں تو وہ یہ ہیں: عدمِ حیاء، میلِ تجنس، فتحِ حواسِ ظاہرہ، فتحِ حواسِ باطنہ، جسم کا تکلیف دہ اشیاء کا احساس نہ کرنا۔ اور قوتِ سریان۔

اگر واؤ ممدودہ ضمیرِ متکلم کے سوا کہیں اور آ جائے مثلاً لِیَسُوْٓءُا وُجُوْهَكُمْ تو پہلے مرتبہ

Marfat.com

ہیں مقدار ایک واؤ تک ہوتی ہے اس کے لیے عدم حیاء ہے۔ دوسرے مرتبہ کے لیے جس کی مقدار دو واؤ کی ہوتی ہے۔ عدم حیاء اور میل الی الجنس۔ تیسرے کے لیے عدم حیاء، میل الی الجنس اور فتح حواسِ ظاہرہ ہے۔ چوتھے میں عدم حیاء، میل الی الجنس، فتح حواسِ ظاہرہ اور فتح حواسِ باطنہ پانچویں کے لیے عدم حیاء، میل الی الجنس، فتح حواسِ ظاہرہ، فتح حواسِ باطنہ اور دکھ دینے والی اشیاء کا محسوس نہ کرنا اور چھٹے کے لیے پانچویں مرتبہ کے تمام اجزاء کے علاوہ قوتِ سرایت بھی ہے چنانچہ ہر بعد کے مرتبہ میں پہلے مرتبہ کے تمام اجزاء بمع اضافے کے پائے جاتے ہیں۔

اور اگر واؤ ضمیر متکلم میں ہو مثلاً قَالُوْا آمَنَّا تو پہلے مرتبہ کے لیے فتح حواسِ باطنی، دوسرے کے لئے یہ اور فتح حواسِ ظاہری۔ تیسرے کے لیے یہ دونوں اور میل بجنس۔ چوتھے کے لیے یہ تینوں اور عدمِ حیاء، پانچویں کے لیے یہ چاروں اور جسم کا دکھ دینے والی اشیاء کا محسوس نہ کرنا اور چھٹے کے لیے یہ پانچوں اور قوتِ سرایت، چنانچہ یہاں بھی ہر مرتبہ میں پہلے مرتبہ پر ایک جزو کا اضافہ ہوگا اور اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ دو واؤں میں ایک واؤ شامل ہے۔ اسی طرح تین واؤں میں دو واویں شامل ہیں۔ یہی حال الفوں اور یاؤں کا ہے۔

تی کے یہ چھ جزو ہیں: عدم تضیع، تمام جہات کا سامنے کی جہت میں محصور ہونا، انجام کی معرفت، انس و جن کے احوال کے متعلق علوم کی معرفت۔ احوالِ کونین کے متعلق علوم کی معرفت۔ اہلِ جنت کی سی زندگی۔

پھر اگر ی ضمیرِ متکلم میں ہوگی مثلاً اِنِّیْ اُلْقِیَ اِلَیَّ تو پہلے مرتبہ کے لیے احوالِ کونین کے متعلق امور کی معرفت۔ دوسرے کے لیے یہ اور عدم تضیع، تیسرے کے لیے یہ دونوں اور انجام کی معرفت، چوتھے کے لیے یہ تینوں اور انحصار جہات، پانچویں کے لیے یہ چاروں اور احوالِ ثقلین سے متعلق علوم کی معرفت اور چھٹے کے یہ پانچوں اور اہلِ جنت کی سی زندگی۔

اور اگر ی ضمیر متکلم کے سوا کہیں اور ہو مثلاً وَ فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ تو پہلے مرتبہ کے لیے انحصار جہات دوسرے کے لیے یہ اور ثقلین کے متعلق علوم کی معرفت، تیسرے کے لیے یہ اور اہلِ جنت کی سی زندگی، چوتھے کے لیے یہ اور انجام کی معرفت پانچویں کے لیے یہ تمام اور عدم تضیع اور چھٹے کے لیے یہ تمام اور احوالِ کونین کے متعلق علوم کی معرفت۔

یہ اٹھارہ اجزاء کی اور ان مراتب کی تشریح ہے جو ان سے متفرع ہوتے ہیں۔

اب رہے باقی دو جزو جن سے بیس مکمل ہوتے ہیں تو وہ مشاہدۂ حق اور کمالِ رفعت ہیں اور قرآن مجید کا رسم الخط انہی دونوں کے انوار اور عجیب و غریب اسرار کے مطابق آیا ہے چنانچہ وہ حروف جنہیں لکھا تو جاتا ہے، پڑھا نہیں جاتا مثلاً اَلصَّلٰوۃ، اَلزَّکٰوۃ۔ اَلرِّبٰوا، مِشْکٰوۃ، عِیْسٰی، مَلَائِکَہ

Marfat.com

باَئِنیدٍ میں ہی یہ تمام کے تمام واؤ یا ی ان دونوں اسرار میں سے کسی نہ کسی سر کے لیے آئے ہیں لیکن اگر کلمہ کا مدلول امر محسوس اور بظاہر دکھائی دیتا ہوگا جیسے مُوسیٰ عیسیٰ ۔ مَلاَئِہ ، منوۃ ۔ مشکوٰۃ تو ان میں مشاہدہ کا راز پایا جائے گا لیکن اگر ان کا مدلول غیر محسوس یا امر معنوی ہوگا مثلاً ھُدٰیھم سَاوٗرِیکُمْ ۔ باییدٍ تو ان میں مقام رفعت کا راز ہوگا۔

اس پر میں نے عرض کیا کہ اس طرح کا رسم الخط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے استعمال کیا گیا یا صحابہ رضی اللہ عنہم نے خود ہی اختیار کر لیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوا تھا۔ آپ ہی نے صحابہ کو اس طرح لکھنے کا حکم دیا تھا چنانچہ جو کچھ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اس پر نہ اضافہ کیا اور نہ اس سے کم کیا۔

میں نے عرض کیا کہ علماء کی ایک جماعت نے رسم خط کے معاملہ میں کھلی اجازت دے رکھی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی اصطلاح تھی اور اسی رسم الخط میں لکھتے رہے جس میں قریش جاہلیت کے زمانہ میں لکھتے تھے یہاں تک کہ قراء نے ربٰو کو واؤ سے لکھنے کے متعلق کہا ہے کہ قریش نے اسے واؤ سے اس لیے لکھا کہ قریش نے اہل حیرہ سے لکھنا سیکھا تھا اور اہل حیرہ ربٰو کو واو سے بولتے ہیں لہذا انہوں نے اسی طرح لکھ دیا جس طرح وہ اسے بولتے ہیں لیکن قریش ربٰو کو الف سے بولتے ہیں لہذا ربٰو کو واؤ سے لکھنا اپنی زبان کے مطابق نہ تھا بلکہ دوسروں کی بولی کے مطابق تھا اور اس میں انہی کی تقلید کی گئی تھی یہاں تک کہ قاضی ابوبکر باقلانی نے کتاب الانتصار میں کہا ہے کہ خطوط تو صرف علامات و نشانات ہیں جو اشاروں، عقود[ع] اور رموز کے قائم مقام ہوتے ہیں لہذا ہر نشان جو کسی کلمہ پر دلالت کرتا ہو اور اس کی قراءت کے وجہ کے لیے مفید ہو اسے صحیح طور پر لکھنا چاہیئے خواہ وہ کسی صورت میں ہو اب ابوبکر باقلانی کا کلام اگرچہ لمبا ہے۔ اسی کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں :-

قرآن مجید میں لحن کے بارے میں ابوبکر باقلانی کی رائے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس قول پر کہ اِنَّ فِی الْمُصْحَفِ لَحْنًا سَتُقِیْمُہُ الْعَرَبُ بِاَلْسِنَتِہَا (قرآن میں لحن (غلط اعراب) پایا جاتا ہے جسے عرب لوگ اپنی زبانوں سے ٹھیک کر لیں گے) پر بحث کرتے ہوئے ابوبکر باقلانی لکھتے ہیں: کہ حضرت عثمانؓ کے اس قول کی تاویل کہ اِنَّ الْقُرْآنَ اَرٰی فِیْہِ لَحْنًا سَتُقِیْمُہُ الْعَرَبُ بِاَلْسِنَتِہَا

ع عقود سے یہاں مراد اعقود انامل ہے۔ عقود انامل یا عقد انامل عربوں میں حساب کا ایک طریقہ تھا جو انگلیوں اور ان کی گرہوں کے اعتبار سے کیا جاتا جیسا کہ کسی زمانہ میں ہندوستان میں بھی کیا جاتا تھا اور بیوپاری بغیر زبانی بات کیے انگلیوں کے ذریعہ سے ہی سودا کر لیتے تھے۔ چنانچہ تشہد میں جب شہادت کی انگلی کھڑی کی جاتی ہے تو اس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ ترپن[۵۳] کا عقد بنایا جائے یعنی انگلیوں کو اس طرح بند اور کھولا جائے کہ عقد انامل کے حساب سے ترپن کا عدد مراد لیا جا سکے۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب تشہد۔

Marfat.com

کی جائز تاویل یہی ہو سکتی ہے کہ اس قول سے مراد وہ حذف یا اختصار یا کسی حرف کا اضافہ ہے جسے کاتب نے دورانِ کتابت میں کر دیا ہو اور یہ کہ اگر کاتب نے اسے مخارجِ لفظ اور اس کی ظاہری صورت کے مطابق لکھا ہوتا تو زیادہ مناسب اور بہتر ہوتا۔ نیز ان لوگوں کے لیے جنہیں زبان سے بولنے کی عادت نہیں ان سے شبہ نہ پڑ سکتا۔ اور سَتُقِيمُهُ الْعَرَبُ بِاَلْسِنَتِهَا سے یہ مراد ہے کہ عرب لوگ کتابت کے ظاہری نقش کی پرواہ نہیں کرتے وہ تو اسے مخرجِ لفظ اور اس کی صورت کے مطابق پڑھ جاتے ہیں چنانچہ وہ اَلصَّلٰوة - اَلزَّكٰوة الحيٰوة کو واؤ سے لکھتے ہیں حالانکہ وہ مخرج کے مطابق نہیں ہے اور اسی طرح اِسمٰعیل، اسحٰق، ابرٰهيم، الرَّحمٰن اور مٰلك ایسے حروف ہیں جن میں مخرج کے خلاف الف حذف کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح قَالُوا، خَرَجُوا اور كَفَرُوا وغیرہ الفاظ میں الف زیادہ کر دیا گیا ہے حالانکہ اسے بولا نہیں جاتا۔ لہٰذا حضرت عثمانؓ کی یہ رائے تھی کہ ان کلمات کو مخرج کے مطابق لکھنا بہتر اور زیادہ مناسب تھا چنانچہ اگر کوئی ان الفاظ کو کتابت کے مطابق پڑھے گا تو غلطی کرے گا مگر ساتھ ہی حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہ کو معلوم تھا کہ عرب ان الفاظ کو اس طرح نہیں پڑھتے جس طرح کہ انہیں لکھا گیا ہے اسی واسطے فرمایا سَتُقِيمُهُ الْعَرَبُ (عرب انہیں ٹھیک کر لیں گے)۔ اس تاویل کے درست ہونے کی دلیل وہ روایت ہے جسے ابو عبید نے حجاج سے اس نے ہارون بن موسیٰ سے اس نے زبیر بن خُرَیت سے اس نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ عکرمہ نے کہا کہ جب قرآن مجید لکھے جا چکا اور انہیں حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے اس میں لحن (غلطی) دیکھ کر فرمایا اسے اسی طرح رہنے دو کیونکہ عرب انہیں ٹھیک کر لیں گے اور اگر کاتب قبیلہ ثقیف سے اور لکھانے والا بنی ھُذَیل سے ہوتا تو یہ حروف قرآن میں نہ پائے جاتے۔ ان کی مراد اللہ بہتر جانتا ہے یہ ہے کہ ثقیف کے لوگ حروفِ تہجی کو خوب سمجھتے تھے اور الفاظ کو مخارج کے مطابق لکھنے پر بہت زور دیتے تھے اور انہیں دوسرے قبائل کے مقابلہ میں اس کا زیادہ علم تھا۔ لیکن قبیلۂ ھذیل اپنے کلام میں ہمزہ کا استعمال بکثرت کرتے ہیں اور ہمزہ کو واضح طور پر بولتے ہیں اور جب ہمزہ کو لکھانے والا واضح طور پر بولے گا تو کاتب بھی اسے سن کر مخرج کے مطابق لکھ دے گا۔ اس کے بعد قاری کو اختیار ہوگا خواہ وہ اسے لغتِ قریش کے مطابق تلیین ہمزہ کر کے اسے گرا دے یا ھذیل کی بولی کے مطابق ہمزہ کو برقرار رکھے۔ اگر حضرت عثمانؓ کے اس قول کی یہی تاویل نہ ہوتی تو ثقیف اور ھذیل کا ذکر کرنا بے معنی ہوتا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت عثمانؓ کی لحن سے مراد یہی ہے کہ کاتب نے ظاہری الفاظ کا لحاظ نہیں رکھا۔ اب رہی یہ بات کہ آپ نے اسے نہ صرف یہ کہ خود تبدیل نہیں کیا بلکہ اوروں کو بھی تبدیل کرنے سے منع کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے دیکھا کہ یہ رسم الخط عام پھیل چکا ہے اور قرآن مجید کے نسخوں میں اس قدر کثرت سے لکھا جا چکا ہے کہ ان کا تلاش کرنا بڑا مشکل

Marfat.com

ہے۔ مزید برآں اس صورت میں انہیں ان تمام نسخوں کو باطل قرار دینا پڑتا جو آپ کے پیش کئے گئے تھے اور نئے نسخے لکھوانے پڑتے جس میں بڑی مشقت کا سامنا کرنا پڑتا اور جنہیں لکھنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا انہیں بھی مشکل پڑتی کیونکہ وہ ان الفاظ کو اسی صورت میں لکھنے کے عادی تھے یا یہ کہ حضرت عثمان اس بات سے ڈرے کہ اس طرح ان پر نقطہ چینی کرنے سے ان کے دلوں میں نفرت پیدا ہو جائے گی لہذا انہوں نے انہیں اسی طرح رہنے دیا کیونکہ انہیں علم تھا کہ عرب الفاظ کو کتابت کے مطابق کبھی نہیں بولتے۔

اگر اس جواب پر یہ اعتراض کیا جائے کہ تم نے تو یہ مان لیا ہے کہ قرآنِ مجید کے لکھنے میں خطا واقع ہوئی ہے اور اس میں وہ حروف داخل ہو گئے ہیں جن کا داخل ہونا صحیح نہ تھا بلکہ بہتر طریقہ کوئی اور تھا اور یہ بھی تم نے مان لیا ہے کہ تمام قوم نے اسے جائز قرار دیا ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ ان کا اجماع ایک غلط بات پر ہوا ہے۔

اس کے جواب میں میں یہ کہتا ہوں کہ ہمارے بیان پر آپ کا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ کو قرآن اور اس کے الفاظ کی حفاظت کا حکم دیا ہے کہ وہ اس میں کسی قسم کی کمی یا بیشی نہ کریں اور نہ ہی الفاظ کو آگے پیچھے کریں اور قرآن مجید اسی طرح پڑھیں جس طرح کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر سنایا ہے لیکن کتابت کے متعلق اللہ کا کوئی حکم صادر نہیں ہوا کیونکہ قرآنِ مجید کے لکھنے والوں اور خطاط کے لیے کوئی ایک قسم کا رسم الخط مقرر نہیں کیا گیا جس سے یہ ظاہر ہو کہ اس قسم کا رسم الخط ضروری ہے اور دوسرے کا ترک واجب ہے۔ کیونکہ اگر ایک معین رسم الخط میں قرآن مجید کا لکھنا واجب ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور مروی ہوتا۔ لیکن نہ تو نص قرآن اور نہ مفہوم قرآن میں کہیں اس کا ذکر ہے کہ قرآنِ مجید کو ایک مخصوص طرز میں لکھا جائے یا یہ کہ ایک خاص حد میں لکھا جائے جس سے تجاوز کرنے کی اجازت نہ دی گئی ہو نیز نص سنت میں بھی کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی جس سے قرآنِ مجید کا ایک خاص رسم الخط میں لکھنا واجب قرار دیا جا سکے یا اس پر دلالت ہی کر سکے اور نہ ہی اجماع میں کوئی بات پائی جاتی ہے جس سے اسے واجب قرار دے سکیں اور نہ قیاسات شرعیہ میں اس کا کہیں پتہ چلتا ہے

بلکہ سنت میں تو قرآن مجید کا جس طرح بھی آسان ہو سکے، لکھنے کا پتہ چلتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلعم قرآن مجید کے لکھنے کا حکم فرماتے ہیں لیکن آپ نے اس کے لکھنے کا کوئی معین طریقہ بیان نہیں فرمایا اور نہ ہی کسی کو لکھنے سے منع فرمایا۔ یہی وجہ تھی کہ قرآن مجید کے رسم الخط میں اختلاف پیدا ہو گیا چنانچہ کوئی کاتب مخرج لفظ کے مطابق لکھتا اور کوئی ایک حرف زائد یا کم کر دیتا، اس لیے کہ وہ جانتا تھا کہ یہ ایک اصطلاح ہے جس کا لوگوں کو علم ہے۔ اسی وجہ سے خط کوئی

Marfat.com

اور خطِ اول میں قرآن مجید کا لکھنا جائز تھا اور یہ بھی جائز تھا کہ ل کو لٹ کی طرح اور الف کو ٹیڑھا لکھا جائے یا کسی اور طرز میں لکھا جائے اور کاتب کو اس کی بھی اجازت تھی کہ وہ قرآن مجید کو قدیم خط یا ہجا میں لکھے یا جدید میں۔ اور ان دونوں طرزوں کے بین بین لکھنے کی بھی اجازت تھی۔ لہٰذا جب قرآن مجید کے خطوط اور اس کے اکثر حروف میں اختلاف ہے اور لوگوں نے ان کے لکھنے کو جائز قرار دیا ہے اور اس بات کی بھی اجازت دی ہے کہ ہر شخص اپنی عادت کے مطابق جس طرح اسے آسان یا بہتر معلوم ہو لکھے، بغیر اس کے کہ کوئی اسے گناہ قرار دے یا اس سے انکار کرے، تو اس سے معلوم ہو گیا کہ اس بارے میں جس طرح کہ قرآن کے پڑھنے میں حد مقرر کی گئی تھی لوگوں کے لیے کوئی مخصوص حد مقرر نہیں کی گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خطوط تو محض علامات و نقوش ہیں جو اشارات، عقود اور رموز کا کام دیتے ہیں لہٰذا ہر نقش جو کلمہ پر دلالت کرتا ہو اور اس طرزِ قراءت کے لیے مفید بھی ہو اسے درست سمجھنا چاہیئے اور جس طرح بھی کاتب نے لکھا ہو اس پر صاد کرنا چاہیئے۔ مختصر یہ کہ جس کا یہ دعویٰ ہو کہ ایک خاص رسم الخط میں قرآن مجید کا لکھنا واجب ہے، اسے اپنے دعوے کی دلیل پیش کرنا چاہیئے۔ مگر یہ ناممکن ہے۔ یہ قاضی ابوبکر باقلانی کے کلام کا ماحصل ہے۔

حضرت شیخ عبدالعزیز دباغ نے فرمایا کہ رسم قرآن میں صحابہ نے ایک بال بھر بھی تغیر و تبدل نہیں کیا۔ یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے توقیفی تھا۔ آپ ہی نے انہیں ایک خاص طرز میں کہیں حروف کو زیادہ کر کے کہیں کم کر کے لکھنے کا حکم خاص اسرار کی وجہ سے دیا تھا، جن تک عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ جاہلیت میں نہ عرب اس رسم الخط کو جانتے تھے اور نہ دیگر امتیں اپنے مذاہب میں اس قسم کی بات کو جانتی تھیں اور نہ ہی ان کی عقل یہاں تک پہنچ سکتی تھی۔ یہ بھی ایک خداوندی راز ہے جو صرف قرآن مجید کے ساتھ مخصوص ہے چنانچہ یہ طرزِ کتابت نہ تورات میں پایا جاتا ہے نہ انجیل میں اور نہ کسی اور آسمانی کتاب میں۔ جیسا کہ نظمِ قرآن معجزہ ہے اسی طرح رسمِ قرآن بھی معجزہ ہے۔ عقل کیا جانے کہ مائۃ میں الف کیوں زائد ہے اور فِئَۃٌ میں کیوں نہیں یا یہ کہ اسے اس راز کا کیا پتہ کہ قرآن مجید کی اس آیت وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ میں بِاَيْىدٍ میں ی کیوں زائد لکھی گئی ہے یا یہ کہ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِىْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ (حج ۲۲: ۵۱) میں سورۂ حج میں سَعَوْا میں الف بڑھانے کا کیا راز ہے اور سبا (آیت ۵) میں وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِىْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ میں کیوں نہیں بڑھایا گیا۔ اسی طرح فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ میں الف بڑھانے کا کیا راز ہے اور عَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا میں کیوں حذف کر دیا گیا اور اَوْ يَعْفُوَا الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ میں يَعْفُوَا میں الف بڑھانے کا کیا راز ہے اور فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ میں حذف کرنے کا کیا اور آمَنُوا۔ کَفَرُوا۔ خَرَجُوا میں الف کیوں زیادہ کیا گیا اور بَاءُوْ۔ جَاءُوْ۔ تَبَوَّءُوْ

Marfat.com

وَاِنۡ نَاؤُ میں کیوں گرا دیا گیا یا بیچاری عقل کی رسائی اس راز تک کیسے ہو سکتی ہے کہ ایک جیسے کلمات میں کہیں الف حذف کر دیا گیا اور کہیں لکھا گیا ہے مثلاً سورۂ یوسف اور الزخرف میں قُرۡءٰنًا الف گرا کر لکھا ہے اور باقی تمام مقامات میں الف سے لکھا گیا ہے اسی طرح سورۂ فصلت میں سمٰوات میں واؤ کے بعد الف لکھا گیا ہے اور باقی مقامات پر اسے حذف کر دیا گیا ہے اور لفظ میعاد میں ہر جگہ الف قائم رکھا گیا ہے مگر سورۂ انفال میں اسے حذف کیا گیا۔ سراجًا میں ہر جگہ الف برقرار رکھا گیا لیکن سورۂ الفرقان میں حذف کر دیا گیا۔ اسی طرح بعض جگہ ت کو لمبا لکھا گیا اور کہیں ہ لکھا گیا جیسے رَحۡمَتَ نِعۡمَتَ، قُرَّتُ، شَجَرَتُ کیونکہ ان میں ۃ کو بعض جگہ تو ت لکھا گیا اور بعض جگہ ہ اسی طرح الصّلوٰۃ اور الحیٰوۃ کو کہیں تو واؤ سے لکھا گیا مثلاً اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ، وَالۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا، وَعَلٰی حَیٰوۃٍ اور بعض جگہ الف سے لکھا گیا مثلاً قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُکِیۡ۔ کُلٌّ قَدۡ عَلِمَ صَلَاتَہٗ وَتَسۡبِیۡحَہٗ۔ وَلَا تَجۡهَرۡ بِصَلَاتِکَ۔ وَاَذۡهَبۡتُمۡ طَیِّبٰتِکُمۡ فِیۡ حَیَاتِکُمُ الدُّنۡیَا وغیرہ اور یہ سب کسی نہ کسی خداوندی راز اور بڑی غرض کے لیے اس طرح آتے ہیں۔ لوگوں سے یہ راز اس لیے پوشیدہ ہیں کہ یہ تمام باطنی اسرار میں سے ہے جن کا ادراک فتح ربانی (خدا کی طرف سے شرح صدر) کے بغیر نہیں ہو سکتا چنانچہ ان کی حیثیت سورتوں کے شروع میں حروف مقطعہ کی سی ہے اور ان کے بڑے اسرار اور بہت سے معانی ہیں یہاں تک کہ جن سورتوں کی ابتدا میں یہ حروف آتے ہیں ان کے تمام معانی اور اسرار ان حروف میں پائے جاتے ہیں چنانچہ جو کچھ بھی معانی و اسرار سورۂ ص میں ہیں وہ سب حرف ص میں پائے جاتے ہیں اسی طرح جو کچھ سورۂ ق، سورہ ن، سورۂ یٰس، سورہ طٰہٰ وغیرہ میں ہے وہ ان رموز میں مشتمل ہے۔ اکثر لوگ ان کے اسرار کو نہیں سمجھ سکتے اور نہ ہی جن معانی کی طرف اشارہ کیا گیا انہیں دریافت کر سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض نے خیال کر لیا کہ یہ سورتوں کے نام ہیں۔ اوروں نے یہ خیال کیا کہ ان کا اشارہ معلوم تعداد کی طرف ہے۔ ایک اور جماعت نے خیال کیا کہ یہ مہمل حروف ہیں جن کے کوئی معنی نہیں حالانکہ ان سب کو ان کے عجیب و غریب اور واضح معانی کی خبر ہی نہیں ہے یہی حال قرآن مجید کے ایک ایک حرف کی کتابت کا ہے۔

یہ کہنا کہ صحابہؓ نے اس طرز پر لکھنے کی اصطلاح بنائی تھی تو اس سے کئی قباحتیں پیدا ہوں گی۔ اس لیے کہ قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور ان کے سامنے ایک طرز میں لکھا گیا لہٰذا صحابہ کا طرز تحریر یا تو وہی ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بتلایا ہوا تھا یا کوئی اور تھا۔ اگر وہی طرز تھا تو اسے صحابہ کی اصطلاح کہنا درست نہیں کیونکہ اصطلاح ایجاد و اختراع کی جاتی ہے اور اس کا توقیفی ہونا اختراع کے منافی ہے اور اس کی اتباع کرنا ضروری ہے اگر اس کے باوجود بھی یہ کہا جائے کہ وہ اصطلاح کے پیچھے چلتے تھے تو اس کی مثال یہ ہوگی جیسے کوئی کہے کہ صحابہ نے پانچ نمازوں کی اصطلاح گھڑ لی ہے

Marfat.com

یا یہ کہ مثلاً رکعات کی تعداد چار ہے اور اگر صحابہ کا طرزِ تحریر آنحضرت کے لکھائے ہوئے طرز سے مختلف تھا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت نے تو قرآن کو ایک طرز پر لکھوایا ہو اور صحابہ نے اس کی مخالفت کر کے کسی اور ہیئت پر لکھ لیا ہو اور یہ دو وجہ سے درست نہیں ہو سکتا۔ (۱) اس میں صحابہ کی طرف جو امت کے لیے مشعلِ ہدایت ہیں آنحضرت کی مخالفت منسوب کی گئی ہے اور یہ ناممکن ہے۔

(۲) صحابہ وغیرھم تمام اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآنِ مجید میں ایک حرف کی بھی کمی یا بیشی کرنا جائز نہیں اور کتابت بھی چار وجودوں میں سے ایک وجود ہے اور ابتدا سے انتہا تک تمام کا تمام اللہ کا کلام ہے۔

لہٰذا اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہیئت پر لکھا ہو مثلاً اَلرَّحْمٰن اور اَلْعٰلَمِیْنَ میں الف لکھا ہو اور مائۃ، کَفَرُوْا، خَرَجُوْا میں الف زیادہ نہ کیا ہو اور نہ بِاَیْیدٍ اور اَفَاْئِن مِتَّ میں ی وغیرہ جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے نیز وہ مقامات جن میں زیادتی تو پائی جاتی ہے لیکن ہم نے اوپر ذکر نہیں کیا اور پھر بعد میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے برخلاف کیا ہو اور آنحضرت کی ہیئتِ کتابت کی مخالفت کی ہو تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ صحابہ نے قرآن مجید میں کمی یا بیشی کر کے اس میں تصرف کیا ہے اور وہ ایسے فعل کے مرتکب ہوئے ہیں کہ جس کے عدم جواز پر سب کا اتفاق ہے اور تمام قرآنِ مجید میں اس طرح لازمی طور پر شک پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ جب ہم نے قرآن میں ان حروف کے اضافہ کی اجازت دے دی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ معلوم تھے اور نہ ہی اس قرآن میں پائے جاتے تھے جو آپ کے پاس تھا اور وہ حروف نہ وحی میں سے تھے، نہ اللہ کی طرف سے، تو اس سے تمام قرآن کے متعلق شک و شبہ پیدا ہو جاتا ہے اور اگر ہم ایک صحابی کے لیے اس بات کو جائز قرار دیتے ہیں کہ وہ قرآن مجید کی کتابت میں ایک ایسا حرف زائد کر دے جو وحی میں سے نہیں ہے تو پھر ایک دوسرے صحابی کو بھی اجازت دینی پڑے گی کیونکہ وحی میں کمی یا بیشی دونوں ایک سی باتیں ہیں (یعنی دونوں ناجائز ہیں) اور اس طرح تو اسلام کا تمام شیرازہ ہی بکھر جائے گا۔ ہاں اگر صحابہ نے قرآن مجید کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لکھا ہوتا تو اسے ہم صحابہ کی اصطلاح کہہ سکتے تھے لیکن جب حقیقت امر یہ نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ قرآنِ مجید کا رسم الخط توقیفی ہے، اصطلاحی نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی خود قرآنِ مجید کو اس طرح لکھنے کا حکم دیا تھا۔

میں نے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو لکھنا نہیں جانتے تھے اور آپ کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ (سورہ عنکبوت: آیت ۴۸) اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نزولِ قرآن سے پہلے نہ تو آپ کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ ہاتھ سے لکھ سکتے تھے (اگر ایسا ہوتا) تو اہلِ باطل کو قرآنِ مجید کے منزل من

Marfat.com

اللہ ہونے پر شک ہو سکتا تھا۔

نزولِ وحی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معجزہ کے طور پر لکھنا پڑھنا جانتے تھے

حضرت نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصطلاحی معنوں میں کتابت نہ جانتے تھے اور نہ ہی آپ نے لوگوں سے لکھنا یا پڑھنا سیکھا تھا لیکن فتح ربانی کے طور پر آپ لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ جانتے تھے۔ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ آپ کی اُمت کے اولیاء جنہیں اللہ تعالیٰ نے فتح (شرح صدر) عطا کی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کی تمام امتوں اور قوموں کے خطوط اور ان کے رسم الخط جانتے ہیں، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا علم نہ ہو۔

حضرت نے فرمایا جسے اللہ تعالیٰ نے فتح (شرح صدر) عطا فرمائی ہو اور وہ قرآن مجید کی تختیوں کے حروف کی شکلیں دیکھے اور اس کے بعد لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے الفاظ کی شکل دیکھے تو اسے دونوں کے درمیان مشابہت دکھائی دے گی اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ لوحِ محفوظ میں کَفَرُوْا، آمَنُوْا وغیرہ الفاظ میں جن کا ذکر ہو چکا ہے الف زائد موجود ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ان میں خاص راز پایا جاتا ہے جو لوگوں کی عقلوں سے بالا ہے۔

(مؤلف کتاب احمد بن مبارک کہتا ہے کہ) میں نے حضرت سے باوجود اُن کے اُمّی ہونے کے کَفَرُوا مائۃ وغیرہ تمام الفاظ کے اسرار سنے اور میں نے ان کا مقابلہ ان تحریروں سے کیا جو ائمۂ رسم نے اپنی تصانیف میں کی ہیں، تو حضرت کے فرمان کو صحیح پایا۔ شاید اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے مجھے توفیق دے کہ میں اس کے متعلق ایک مستقل کتاب تصنیف کر دوں تاکہ ہماری عقلیں ائمۂ رسم کے اقوال پر ہی قانع نہ ہو جائیں تاہم ائمۂ رسم نے جو کچھ لکھا ہے اس میں بہت ہی تھوڑے الفاظ کی توجیہ بیان کی گئی ہے۔ ہمیں رسمِ قرآن اور اسے صحابہ کی طرف منسوب کرنے میں کئی اشکال پیش آئے۔ مگر حضرت نے تشریح کر کے اس اشکال کو دور کر دیا۔ خدا آپ کو ہماری طرف سے بہترین جزا دے۔

ع کچھ محدثین اس طرف گئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّی ہونے کے بعد معجزہ کے طور پر لکھنا اور پڑھنا آ گیا تھا چنانچہ ابوالولید باجی نے اس پر ایک رسالہ لکھا ہے (خفاجی نسیم الریاض: ۱: ۱۱۷ نیز ملاحظہ ہو خفاجی ۲: ۲۴۴) حافظ شمس الدین ابوعبداللہ الذہبی متوفی ۷۴۸ھ ابن مندہ کی سند سے عبداللہ بن عتبہ کا یہ اثر نقل کرتے ہیں مَامَاتَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی قَرَأَ وَکَتَبَ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے پہلے پڑھنا اور لکھنا آ گیا تھا۔ پھر کہتے ہیں کہ یہ عبداللہ بن عتبہ وہی صحابی ہیں جن کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی (تذکرۃ الحفاظ: ۲: ۲۷۷) خفاجی کہتے ہیں کہ ابوذر، ابوالفتح نیساپوری اور ابوالولید باجی کی یہی رائے ہے چنانچہ انہوں نے اس بارے میں ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ ان سے پہلے ابن ابی شیبہ بھی یہی کہہ چکے ہیں۔ ابومحمد بن معوذ نے باجی کے رد میں کتاب لکھی ہے (خفاجی: ۱: ۱۱۷)

Marfat.com

اس کے بعد باوجود اس کے کہ مجھے معلوم تھا کہ آپ جواب دینے سے قاصر نہیں ہیں اور باوجود اس کے کہ آپ کو قرآن مجید کا ایک حزب بھی یاد نہیں میں نے بطور امتحان کے آپ سے سوال کیا کہ بِأَيْيدٍ میں کونسی ی زائد ہے پہلی یا دوسری - فرمایا - دوسری - میں نے آپ کو شک میں ڈالا مگر آپ نے یقین سے فرمایا کہ دوسری ی زائد ہے - ابوعبداللہ الخراز[ع] نے یہی لکھا ہے کہ بِأَيْيدٍ کی دوسری ی ایید اور الایدی میں فرق کرنے کے لیے زائد لکھی گئی ہے۔

پھر میں نے مَلَإِيْهِم کے الف زائد کے متعلق سوال کیا کہ یہ کونسا ہے کیا وہ الف جو لام سے ملا ہوا ہے یا ہمزہ جو بصورت ی مکتوب ہے - فرمایا الف زائد ہے - اسی قسم کے اور سوالات میں نے کئے اور ان کے اسرار دریافت کئے - آپ نے اس طرح صحیح جواب دیئے جس طرح کہ ایک ماہر حافظِ قرآن دیتا ہے -

پھر میں نے عرض کیا کہ یہ جو آپ نے فرمایا ہے کہ رسم قرآن توقیفی ہے اس پر مخالف کہہ سکتا ہے کہ مان لیا کہ یہ رسم توقیفی ہے لیکن قرآن مجید کو قیاسی رسم کے مطابق لکھنا کیوں کر ناجائز ہوا تاکہ جہاں قیاس الف کو لکھنے کا مقتضی ہے وہاں الف لکھا جائے اور جہاں زوائد کو حذف کرنا ہے وہاں انہیں حذف کیا جائے اور اس طرح کرنے میں حرج ہی کیا ہے ؟

حضرت نے فرمایا اللہ کے کلام میں اسرار پائے جاتے ہیں اور ان اسرار میں کتابت کا بھی دخل ہے لہٰذا جو شخص قرآن مجید کو اسی توقیفی (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے) طرز پر لکھے گا وہی اسے ٹھیک بمع تمام اسرار کے ادا کر سکے گا مگر جو قیاسی طرز پر لکھے گا تو وہ اس کے اسرار کو کم کر دے گا اور جو کچھ وہ لکھے گا وہ خدا کے اتارے ہوئے کلمات نہ ہوں گے - پھر آپ نے مثال دے کر سمجھایا کہ فرض کر لیا جائے کہ ایک شخص لفظ کَانَ کہ جو افعال ناقصہ میں سے ہے الف کو الٹا کر دلو کے ساتھ کوٰن کی شکل میں لکھتا ہے اور اس میں اس نے کوئی راز رکھا ہو جس کی کسی کو خبر ہو اور کسی کو نہ ہو - اس کے بعد ایک ایسا شخص آتا ہے جسے اس راز کا علم نہیں ہے اور وہ کہتا ہے کہ کان کو کوٰن لکھنے سے معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا اس لیے میں تو اسے الف کے ساتھ کَانَ ہی لکھوں گا کیونکہ معنی تو دونوں کے ایک ہی ہیں اور اصل کتابت بھی الف ہی کے ساتھ ہے لیکن جو اس راز سے واقف ہو گا وہ کہے گا کہ تو نے اس کا راز ناقص کر دیا کیونکہ تو نے کوئی اور کَانَ لکھا ہے وہ کَانَ نہیں لکھا جو اصل لکھنے والے کا مقصود تھا کیونکہ اس نے تو واو کے ساتھ کوٰن کی شکل میں لکھا تھا اور واؤ کے اوپر الف لکھا تھا تاکہ یہ لفظ وجود و ایجاد دونوں مفہوم ادا کرے - یوں سمجھو کہ کوٰن لکھنے میں اس نے کَانَ وَكَوَّنَ دونوں لفظ لکھ دیئے ہیں جس کے معنی كَانَ زَيْدٌ وَكَوَّنَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ (زید کا وجود تھا اور

ع۵ ابوعبداللہ الخراز: ابو محمد عبداللہ الخراز - ری کے بڑے مشائخ میں سے تھے - بڑے متقی اور پرہیزگار تھے ان کی وفات ۳۱۰ھ = ۹۲۲ء سے پہلے ہوئی -

Marfat.com

بے وجود اسے اللہ نے بخشا ہے) یہی حال اس شخص کا ہے جو اَلصَّلٰوۃ ، الزَّکٰوۃ اور الحیٰوۃ کو بغیر واؤ کے اَلصَّلَاۃ ، الزَّکَاۃ اور الحیاۃ کی شکل میں لکھے کیونکہ اس طرح لکھنے سے وہ شخص ان کے اسرار کو ناقص کر رہا ہے۔

قرآن کا رسم الخط توقیفی ہے

میں نے عرض کیا کہ اگر یہ رسم الخط توقیفی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بطور وحی کے نازل ہوا ہے اور اس کی حیثیت الفاظِ قرآن کی سی ہے تو پھر قرآن کی طرح اسے بھی بطریقِ تواتر منقول ہونا چاہیئے تھا تاکہ الفاظِ قرآن کی طرح اس میں بھی کوئی شک وشبہ باقی نہ رہتا اور دلوں کو اطمینان ہوتا۔ کیونکہ قرآن مجید کا ایک ایک حرف بطریقِ تواتر منقول ہے اور اس میں کسی قسم کا اختلاف وغیرہ نہیں ہے برعکس اس کے رسمِ قرآن جیساکہ اس موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں سے پتہ چلتا ہے خبرِ واحد کے ذریعہ سے منقول ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے نقل کرنے والوں میں کئی ایک جگہ اختلاف پیدا ہوگیا ہے، ورنہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امتِ محمدیہ وحیِ الٰہی کا ذرا سا حصہ بھی ضائع کر دے؟

حضرت نے فرمایا کہ اُمت نے وحی کو بال برابر بھی ضائع نہیں کیا اور قرآن بحمد اللہ بلحاظ الفاظ اور بلحاظ رسم الخط ہر طرح سے محفوظ ہے کیونکہ اہلِ عرفان نے جنہیں مشاہدۂ حق حاصل ہے، قرآن مجید کے الفاظ اور رسم الخط دونوں کو محفوظ رکھا اور اس میں بال برابر بھی فرق نہیں آنے دیا۔ یہ بات انہیں معاینہ ومشاہدہ سے حاصل ہوئی ہے جو تواتر سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ اور دوسروں نے ان الفاظ کو محفوظ رکھا جو بطریقِ تواتر ان کے پاس پہنچے۔ رہا بعض الفاظ میں رسم الخط کا اختلاف تو اس سے کوئی خلل پیدا نہیں ہوتا اور نہ اُمت کو ضائع کنندہ کہا جا سکتا ہے بعینہ اسی طرح جس طرح عوام کی الفاظِ قرآن سے جہالت اور ان کا یاد نہ ہونا وحی و قرآن کے لیے مضر نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ شیخ نے جو کچھ فرمایا ہے نہایت عمدہ اور معرفت کا کلام ہے۔ آپ کے کلام میں سے بہت سے اسرار و انوار باقی رہ گئے ہیں۔ جنہیں ہم نے طوالت کے خوف سے درج نہیں کیا۔

حدیث اِنَّ فِی الْقُرْاٰنِ لَحْنًا سَتُقِیْمُہُ الْعَرَبُ بِاَلْسِنَتِہَا

یہ حدیث حضرت عثمان سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا اِنَّ فِی الْقُرْاٰنِ لَحْنًا سَتُقِیْمُہُ الْعَرَبُ بِاَلْسِنَتِہَا سو یہ تو حدیثِ مُرسَل ہے۔ اور مُرسَل ہونے کے علاوہ اس کے اسناد میں اضطراب پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے بعض رجالِ اسناد کا پتہ نہیں چلتا۔ اور قاضی ابوبکر باقلانی نے خود مذکورہ بالا کتاب میں اس کا رد کیا ہے اور اسی طرح اہلِ علم کی ایک جماعت نے بھی اس کا رد کیا ہے مثلاً ابوعمرو الدانی[1] رحمۃ اللہ نے اَلْمُقْنِعْ میں جس کا موضوع قرآنِ مجید کا

---

[1] ابوعمرو الدانی: شیخ الاسلام حافظ ابوعمرو عثمان بن سعید قرطبی۔ دانی کے نام سے اس لئے مشہور ہوگئے کہ انہوں نے دانیہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ۳۷۱ھ = ۹۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ علم قراءت تفسیر وغیرہ کے اماموں میں سے تھے۔ ان کی ایک سو بیس تصانیف ہیں ۴۴۴ھ = ۱۰۵۲ء میں ان کی وفات ہوئی۔

Marfat.com

رسم الخط ہے چنانچہ وہ المقنع کے آخر میں لکھتے ہیں۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ تمہارے پاس اس حدیث کا جواب ہے تم نے یحییٰ بن یعمر[1] اور ابن عباس[2] کے غلام عکرمہ[3] کی سند سے حضرت عثمانؓ سے روایت کیا کہ جب قرآنِ مجید لکھے جا چکے اور انہیں حضرت عثمانؓ کے پیش کیا گیا تو آپ نے ان میں غلط تحریر شدہ الفاظ پائے اس پر حضرت عثمان نے فرمایا انہیں اسی طرح رہنے دو کیونکہ عرب انہیں ٹھیک کر لیں گے یا یہ فرمایا کہ عرب اپنی زبان کے ذریعہ سے معلوم کر لیں گے۔ اس روایت کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسم خط میں اغلاط رہ گئے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت بھی ہمارے نزدیک قابلِ حجت نہیں اور اس سے استدلال کرنا بھی دو طرح سے درست نہیں ہے۔

۱۔ اس کے اسناد میں تخلیط اور الفاظ میں اضطراب پائے جانے کے علاوہ یہ حدیث مُرسَل ہے کیونکہ ابن یعمر اور عکرمہ دونوں نے نہ تو حضرت عثمان کو دیکھا اور نہ ان سے کوئی حدیث سُنی (لہٰذا حضرت عثمان سے روایت کیسی ؟) مزید برآں اس روایت کے الفاظ خود اس بات کی نفی کرتے ہیں کہ یہ الفاظ حضرت عثمان کی زبان سے نہیں نکلے ہوں گے کیونکہ اس میں حضرت عثمان پر طعن پایا جاتا ہے باوجود اس کے کہ ان کا دینِ اسلام میں بڑا مرتبہ ہے اور باوجود اس کے کہ وہ امّت کی خیر خواہی میں سخت کوشاں رہتے اور اُمّت کی اصلاح کے لیے بڑا اہتمام کرتے لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ وہ نیک اور پرہیزگار صحابہ کے ساتھ مل کر قرآن کو جمع کرنے کا کام تو اپنے ذمہ لیں تاکہ اُمت میں بھی قرآنِ مجید کے بارے میں اختلاف نہ ہو اور پھر اس میں لحن اور اغلاط چھوڑ دیں تاکہ بعد میں آنے والے لوگ جو بلا شک وشبہ حضرت عثمان کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ ان اغلاط کو درست کریں۔ اور یہ بات کہنا یا یہ اعتقاد رکھنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ اس کے بعد اس نے اپنی سند سے یحییٰ بن یعمر اور عکرمہ کا طریقِ سند نقل کیا ہے۔ جو انہیں دیکھنا چاہے اس کی کتاب میں دیکھ لے۔ نیز ملاحظہ ہو وہ بحث جو الانتصار میں کی گئی ہے کیوں کہ اس میں زیادہ بسط سے رد کیا گیا ہے۔

---

[1] یحییٰ بن یعمر: قاضی یحییٰ بن یعمر ابو سلیمان، مرو کے قاضی تھے۔ انہوں نے ابو ہریرہ و ابن عباس وغیرہ ہما سے روایت کی ہے کہا جاتا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن مجید پر نقطے لگائے۔ عربی زبان کے فصیح و بلیغ فقہاء میں سے تھے وفات ۹۰ھ سے پہلے ہوئی۔

[2] ابن عباس: حضرت عبداللہ بن عباس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔ ان کی پیدائش ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی انہیں حبر الامت کہا جاتا ہے۔ بلا کا حافظہ تھا حضرت عمر ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ آخر عمر میں ان کی بینائی جاتی رہی تھی اکہتر برس کی عمر میں ابنِ زُبیر کے عہد میں ۶۸ھ = ۶۸۷ء میں وفات پائی

[3] عکرمہ: یہ حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام تھے۔ دراصل بربر میں سے تھے۔ تابعی اور مکہ کے فقیہ تھے۔ اسی برس کی عمر میں ۱۰۷ھ = ۷۲۵ء میں انہوں نے وفات پائی۔

Marfat.com

نیز ابو القاسم الشاطبی[1] نے العقیلہ میں کہا ہے :

وَمَنْ رَوَیٰ سَتُقِیْمُ الْعَرَبُ اَلْسُنَهَا　　لَحْنًا بِهٖ قَوْلَ عُثْمَانَ فَمَا شَهَرَا

(حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ستقیم العرب الخ کی روایت ایک غیر معروف روایت ہے) الجعبری[2] نے اس شعر کی شرح میں حدیث نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ مصنف نے اس کا وہی جواب دیا ہے جو جواب المقنع میں دیا گیا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے ، اس لیے کہ اس کی سند مضطرب اور منقطع ہے ۔ میں کہتا ہوں کہ اس روایت کے تو الفاظ بھی مضطرب ہیں کیونکہ آپ کا کہنا اَحْسَنْتُمْ وَاَجْمَلْتُمْ اَرٰی فِیْهِ شَیْئًا مِنْ لَحْنٍ الخ (تم نے بہت اچھا کیا مجھے اس میں کچھ لحن دکھائی دیتی ہے) مدح ہے اور حضرت عثمان بُرے کام پر کیسے ان کی تعریف کر سکتے ہیں ؟ نیز یہ کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ صحابہ آپ کی طرف رجوع کریں اور اگر حضرت عثمان کی صحت کا دارو مدار صحابہ پر ہوتا اور ان کی صحت کا اُن پر تو اس سے دور لازم آتا ہے جو محال ہے ۔ نیز اگر مُصحف سے مراد جنس مصحف ہے تو پھر سارا معاملہ ہی بگڑ جاتا ہے اور اگر مراد ایک خاص مُصحف ہے تو اس میں ہمیں کوئی بھی لحن کا اختلاف دکھائی نہیں دیتا ۔ لہٰذا معلوم ہو گیا کہ قرآن کے کسی ایک نسخے میں بھی کسی قسم کا لحن نہ تھا ۔ کتابت اور فصاحت نے قریش میں نشو و نما پائی ۔ دیگر قبائل تو ان کی فرع شمار ہوتے ہیں ۔ پس ہم فرع کو اصل کیسے قرار دے سکتے ہیں ؛ لہٰذا دیگر قبائل کو اصل قرار دینا خلافِ حقیقت ہے ۔ یہاں پر الجعبری رحمہ اللہ کا قول ختم ہوتا ہے ۔ اور اگر یہ حدیث بھی درحقیقت مردود ہو تو پھر معاملہ آسان ہے ۔

خدا ابو الحسن القابسی[3] رحمہ اللہ تعالےٰ کو جزائے خیر دے کیوں کہ انہوں نے استاذ

---

[1] ابو القاسم شاطبی: صحیح نام ابو محمد قاسم بن فیرۃ بن ابو القاسم خلف بن احمد الشاطبی متوفی ۵۹۰ھ ۔ انہوں نے ابو عمرو الدانی کی کتاب المقنع کو نظم کر دیا تھا جس کا نام عقیلۃ اتراب القصائد فی اسنی المقاصد رکھا تھا پھر اس قصیدہ کی شرح جعبری نے کی ۔ شاطبی نے علم قراءت میں ایک قصیدہ ایک ہزار ایک سو تہتر شعروں میں لکھا جس کا نام حرز الامانی و وجہ التہانی ہے ۔ ابن خلکان (ج ۳ : ۲۳۴) نے اس قصیدہ کی بہت تعریف کی ہے ۔ شاطبی نابینا تھے ۔ انہوں نے ایک اور دالیہ قصیدہ لکھا جس میں ابن عبدالبر کی کتاب التمہید کو نظم کر دیا ۔ ان کی ولادت ۵۳۸ھ میں ہوئی (مزید حالات کے لیے ملاحظہ ہو ابن خلکان ج ۳ صفحہ ۲۳۴)

[2] الجعبری: برہان الدین ابراہیم بن عمر الجعبری ۔ متوفی ۷۳۲ھ = ۱۳۳۲ء جنہوں نے شاطبی کے عقیلہ کی شرح کی اور اس کا نام جمیلۃ ارباب المراصد رکھا ۔ عقیلہ کی ایک اور شرح الوسیلہ الی کشف العقیلہ ہے جسے علم الدین علی بن محمد بن عبد الصمد السخاوی المتوفی ۶۴۳ھ = ۱۲۴۵ء نے لکھا ۔

[3] ابو الحسن قابسی : ابو الحسن علی بن محمد بن خلف ۳۲۴ھ = ۹۳۵ء میں پیدا ہوئے ۔ حدیث اور علل حدیث کے واقف و حافظ تھے ۔ نابینا ہونے کے باوجود ان کی کتابیں نہایت صحیح ہوتی تھیں ۔ ان کی ایک صحیح کتاب ہے ۔ انہوں نے بہت سی تصانیف کیں مثلاً الممہد ، المنقذ ، المنبہ وغیرہ ۔ ان کی وفات ۴۰۳ھ = ۱۰۱۲ء میں ہوئی ۔

Marfat.com

ابوبکر بن فورک[1] رحمہ اللہ پر اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے مشکل احادیث کا جواب دینے کا ذمہ لیا حالانکہ یہ احادیث ہی باطل تھیں۔ قابسی فرماتے ہیں کہ کسی حدیث کے اشکال کا جواب دینے کی ضرورت صرف اس وقت پڑتی ہے جب کہ حدیث صحیح ہو۔ باطل حدیث کے جواب میں اس کا باطل ہونا ہی کافی ہوتا ہے۔

قاضی ابوبکر بن فورک رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ نہ کتاب اللہ نہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ اجماع نہ قیاس میں کوئی بات ایسی پائی جاتی ہے جس سے رسم قرآن کا اتباع واجب قرار دیا جا سکے تو اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔ کیونکہ انہوں نے رسم قرآن کو اصطلاحِ صحابہ سمجھ کر یہ بات کہی ہے لیکن ہم نے جب رسم قرآن کو توفیقی قرار دیا تو اس کا اتباع بھی واجب ہوا۔ اس کے اتباع کی قرآنی دلیل تو یہ آیت ہے وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (سورۃ حشر آیت ۷) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کام کے کرنے کا حکم دیں اس پر عمل کرو۔ (یا جو کچھ بھی وہ دیں، لے لو) اور جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روکیں، اس سے رُک جاؤ۔) جب کوئی دوسرا رسم الخط پورے طور پر شارع کے مفہوم کو ادا نہیں کر سکتا اس لیے ضروری ہوگیا کہ قرآنِ مجید کو اسی ہیئت میں لکھا جائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی اور اسی ہیئت کا اتباع واجب ہوگیا اور مذکورہ بالا آیت میں فَخُذُوهُ کا فعل امر اس مسئلہ میں وجوب کے لیے ہوگا کیونکہ توقیفی رسم الخط کی طرح کوئی اور رسم الخط پورے معنی ادا نہیں کرتا۔ سنت میں سے اس کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے اور آپ کا فرمان ہے جو صحابہ کے لیے امر کے معنی رکھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو انہیں ایک خاص ہیئت میں لکھنے کا حکم دیا تھا۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس طرز میں لکھنے کا حکم نہیں دیا تو ہم کہیں گے چلیے اگر آپ یہ نہیں مانتے کہ آنحضرت نے اس طرز میں لکھنے کا حکم دیا تھا تو اس میں تو آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے کہ آپ کے سامنے اس طرح لکھا گیا اور آپ نے اسے برقرار رکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی ایسی بات کو برقرار رکھنا جس کی جگہ کسی اور کو نہ رکھ سکیں۔ اس کے واجب ہونے کی دلیل ہے اور وہ بات لازم ہو جاتی ہے۔ مزید برآں امام مالک اور احمد بن حنبل اور دیگر ائمہ اجتہاد کے صریح فرمان اسی بات کی تائید کرتے ہیں کہ قرآن مجید کے رسم الخط میں تغیر جائز نہیں۔

حافظ ابوعمرو الدانی نے المقنع میں لکھا ہے حَدَّثَنَا ابو مُحَمَّدٍ عَبْدُ الملك بن المُحَسِّن ان عبد العزيز بن علي حَدَّثَهُمْ قالَ حَدَّثَنَا المقدامُ بن تليد قال حَدَّثَنا عبد الله بن عبد الحكيم قالَ قالَ اَشْهَبُ سُئِلَ مَالِكٌ رحمه الله تعالى فَقِيلَ لَهُ أَرَأَيْتَ مَنِ اسْتَكْتَبَ مُصْحَفاً اَلْيَوْمَ أَتَرَى اَنْ يَكْتُبَ عَلَىٰ مَا اَحْدَثَ النَّاسُ مِنَ الهِجَاءِ اليوم فقال لا أرى ذلك ولكن يُكْتَبُ على الكتابة الاُولىٰ (امام مالک سے پوچھا گیا کہ قرآنِ مجید کی کتابت اگر جدید حروف تہجی کے مطابق کی جائے تو آپ کی رائے میں کیسا ہے فرمایا: میں اس کو جائز نہیں سمجھتا لیکن اسے قدیم طرز پر ہی لکھا جانا چاہیئے۔ ابوعمر فرماتے ہیں کہ علماء امت

---

[1] : استاد ابوبکر بن فورک: امام ابوبکر محمد بن الحسن نیشاپوری شافعی متوفی ۴۰۶ھ = ۱۰۱۵ء ثعلبی کہتے ہیں کہ انہوں نے قرآن مجید کی تفسیر حافظہ سے [illegible]

Marfat.com

میں سے کسی کو بھی امام مالک سے اس بارے میں اختلاف نہیں ہے۔ ابوعمرو نے ایک اور جگہ مذکورہ بالا سند سے روایت کی ہے۔ کہ امام مالک سے سوال کیا گیا کہ واؤ اور الف جو قرآن مجید میں لکھنے میں زائد ہوتی ہیں۔ کیا ان کو تبدیل کر کے واؤ یا الف کے بغیر لکھنا جائز ہے؟ فرمایا کہ جائز نہیں ہے۔ ابوعمرو[1] کہتے ہیں کہ سائل کی مراد اس واؤ اور الف زائدہ سے تھی جو لکھنے میں کسی معنی کے لیے زائد لکھے جاتے ہیں مثلاً اُولٰئِكَ - اُولِي اور اُولَاتِ وغیرہ میں واو اور لَنْ نَدْعُوَا، قَتَلُوْا، وَلَا اَوْضَعُوْا، لَا اَذْبَحَنَّهٗ، مِائَةً، مِائَتَيْنِ، لَا تَيْاَسُوْا، يَبْدَؤُا، تَفْتَؤُا يَعْبَؤُا وغیرہ میں الف اسی طرح نَبَإِ الْمُرْسَلِيْنَ، مَلَائِه، وغیرہ میں ی

الجعبری[2] نے عقیلہ کی شرح میں لکھا ہے ابوعمرو نے امام مالک کا جو قول نقل کیا ہے وہی چاروں اماموں کا مذہب ہے۔ اس نے خصوصیت سے امام مالک کا قول اس لیے نقل کیا ہے کہ ابوعمرو خود مالکی ہے اور امام مالک اس کا امام ہے۔ اور چاروں اماموں کی سند خلفاء اربعہ ہیں۔

یہ بحث تو بہت لمبی ہے اور اگر ہم اسے بالتفصیل بیان کرنا چاہیں تو اس کے لیے ایک یا دو جلدیں بھی کافی نہ ہوں گی اور اس تفصیل میں پڑنے سے ہم اپنی غرضِ اصلی سے کہ حضرت کا کلام جمع کرنا ہے دور نکل جائیں گے۔

حرکاتِ ثلثہ اور جزم کے انوار

حضرت نے فرمایا کہ انچاس انوار پر انتیس حروفِ ہجاء، مدّہ کے مراتب اور رسم الخط میں حروفِ زوائد کی تفریع کا بیان تو ہو چکا اور یہ بھی بیان ہو چکا کہ ہر حرف کے لیے کون کون سے اجزاء ہیں۔ رہیں حرکاتِ ثلثہ (زیر۔ زبر۔ پیش) اور جزم سو ان کے الگ الگ انوار ہیں۔ چنانچہ پیش اور جزم منجملہ قبض کے ہے۔ زبر منجملہ رسالت کے اور زیر منجملہ آدمیت کے۔ پس اگر کوئی حرف جو منجملہ قبض کے ہو، پیش یا جزم والا ہو تو اس میں قبض کے دو جزو ہوں گے۔ اور اگر قبض کے حروف میں سے نہ ہوگا تو حرف کو تو اپنے نور کی طرف منسوب کیا جائے گا اور اس حرف کی پیش اور جزم قبض کی طرف منسوب ہوں گی۔ مثال کے طور پر ث، ش، ہ قبض کے حروف ہیں اور ان کی پیش یا جزم بھی قبض میں سے ہے اور ی، ب ت قبض کے حرف نہیں ہیں اور ان کی پیش اور جزم قبض میں سے ہے۔ اسی طرح اگر حرفِ رسالت زبر والا ہوگا

---

[1] ابوعمر دانی۔ ابوعمرو عثمان بن سعید الدانی متوفی ۴۴۴ھ انہوں نے قرآنِ مجید کے رسم الخط کے متعلق کتاب لکھی جس کا نام المقنع فی رسم المصحف ہے۔

[2] برہان الدین ابراہیم بن عمر الجعبری متوفی ۷۳۲ھ۔ انہوں عقیلۃ أتراب القصائد فی أسنی المقاصد کی جو قرآن مجید کے رسم الخط کے متعلق ہے شرح کی۔ عقیلہ میں ابوعمرو الدانی کی المقنع کو نظم کر دیا گیا ہے۔ جعبری کی شرح کا نام جمیلۃ ارباب المراصد ہے۔ ان کی تقریباً تمام تصانیف نظم میں ہیں اور وہ بھی زیادہ تر علم قراءت میں۔ چنانچہ ان کی ایک اور نظم نزھۃ البررۃ فی قراءۃ الائمۃ العشرۃ ہے (کشف الظنون: ۲: ۳۸۶) اور نھج الدماثۃ فی القرآءات الثلاثۃ۔ اس کے بعد خود ہی اس کی شرح کی اور اس کا نام خلاصۃ الابحاث فی شرح نھج القراءات الثلاث رکھا۔

Marfat.com

اسی طرح اگر حرف رسالت زبر والا ہوگا تو اس میں رسالت کے دو جزو پائے جائیں گے۔ ایک جزو حرف کا اور ایک زبر کا۔ یہی حال حروفِ آدمیت کا ہے کہ اگر زیر والے ہوں گے تو ان میں آدمیت کے دو جزو پائے جائیں گے۔ ایک جزو حرف کا اور دوسرا زیر کا لیکن حروفِ نبوت، حروفِ بسط، حروفِ روح اور حروفِ علم کی حرکات کا ان حروف میں کوئی حصّہ نہیں۔ کیونکہ ان کی رفع (پیش) قبض کے لیے ہے۔ نصب (زبر) رسالت کے لیے اور خفض (زیر) آدمیت کے لیے اور جزم قبض کے لیے۔ یہاں سے واضح ہوگیا کہ قبض رسالت اور آدمیت باقی چاروں پر داخل ہوں گے۔

رفع کی سات قسمیں ہیں

رفع (پیش) جو قبض کے لیے ہے اس کی اجزاءِ قبض کے لحاظ سے سات قسمیں ہیں۔ چنانچہ جو پیش هُدًى۔ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ يُؤْمِنُوْنَ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ نَعْبُدُ اور نَسْتَعِيْنُ میں ہے وہ اس حس کے لیے ہے جو خیر سے لذت حاصل کرتی ہے اور شر سے درد محسوس کرتی ہے اور كَفَرُوْا، اَلْكَافِرُوْنَ اور هُمُ الْكَافِرُوْنَ اور هُمُ الظَّالِمُوْنَ کی پیش نفرت از ضد کے لیے ہے۔ اُنْزِلَ وغیرہ کی رفع امتثال کے لیے اور اُولٰئِكَ جہاں بھی آئے اس کی رفع میل بسوئے جنس کے لیے۔ خَرَجُوْا، اَخْرَجُوْهُمْ اور تُنْذِرْهُمْ کی پیش ت پر آتی ہے قوتِ انقباض کے لیے ہے اور اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ اور اسی طرح کی اور حق باتیں جن میں کوئی نزاع نہیں ہے، ان کی پیش انصاف کے لیے ہے اور قَالَ اللّٰهُ وغیرہ کی پیش حق گوئی سے شرم نہ کرنے کے لیے۔

جزم کے اقسام

جزم کی بھی سات قسمیں ہیں:۔ اَلْحَمْدُ کا جزم حاسہ ساریہ کے لیے ہے اَلْعٰلَمِيْنَ کا جزم انصاف کے لیے الرَّحْمٰنِ کا امتثالِ امر کے لیے، نَعْبُدُ کا انقباض کے لیے اور اِهْدِنَا کا نفرت از ضد کے لیے اور غَيْرِ کا حق گوئی سے شرم نہ کرنے کے لیے اور رَبِّهِمْ وغیرہ کا جزم میل بسوئے جنس کیلئے۔

زبر کے اقسام

زبر کی بھی اجزاءِ رسالت کے اعتبار سے سات قسمیں ہیں چنانچہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں ہمزہ کا زبر مشاہدہ کے لیے ہے اور ح کا زبر سکینت کے لیے اور اَلْعَالَمِيْنَ کے نون کا زبر حیاتِ اہلِ جنت کے لیے اور مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے م کا زبر اور يَوْمِ الدِّيْنِ کی ی کا زبر صدق کے لیے اِيَّاكَ کے ك کا زبر اور ع کا زبر اور عَلَيْهِمْ کے ل کا زبر علم کا ہل کے لیے اور نَسْتَعِيْنُ کی ت کا الصراط کی ط کا زبر جسم میں روح کی برضا و رغبت رہائش کے لیے اور اُولٰئِكَ، عَبْدِكَ، عِبَادِكَ کے کاف کا زبر موت بحالتِ حیات کے لیے۔

زیر کے اقسام

زیر کی بھی آدمیت کے اجزاء کے لحاظ سے سات قسمیں ہیں۔ لِلّٰهِ کی زیر اور ہر اس ل کی زیر جو پہلے یا بیچ میں آئے کمالِ حسِ باطنی کے لیے اور لِلّٰهِ کی ھ کی زیر ذکوریت کے لیے اور رَبِّ کے ب کی زیر عقل کامل کے لیے اور اَلْعَالَمِيْنَ کے میم کی زیر کمال حواس ظاہری کے لیے اور الرَّحْمٰنِ کے ن کی زیر کمالِ صورتِ باطنی کے لیے مٰلِكِ کے ک کی زیر کمال صورت ظاہری کے لیے اور الدِّيْنِ کے ن کی زیر نزع حظِ شیطان کے لیے۔

Marfat.com

جب تو نے یہ سمجھ لیا اور تجھے معلوم ہو گیا کہ تمام حروف، حرکات اور مراتب مدّ میں سے کوئی بھی انوارِ سبعہ باطنیہ سے باہر نہیں ہیں تو تجھے حدیث کا مفہوم سمجھ میں آجائیگا۔ اور آنحضرتؐ کے اس فرمان کہ اِنَّ ھٰذَا القرآنَ اُنزِلَ عَلیٰ سَبعَۃِ اَحرُفٍ (یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے) کے معنی سمجھ میں

عہ چونکہ اس بحث میں قراءتوں کا ذکر ہے اس لیے میں یہاں قراءت کے متعلق ابن خلدون کا بیان نقل کرتا ہوں:

"قرآن اللہ کی وہ کتاب مقدس ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری اور اب وہ کتابی صورت میں مسلمانوں کے پاس موجود ہے۔ اس کی نقل تواتر سے ہوئی ہے مگر اس کے الفاظ کی ادائیگی اور حروف کی کیفیات کے لحاظ سے صحابہ کرام مختلف الروایت ہیں۔ روایات کے اختلاف سے مختلف قراءتیں بن گئیں۔ اب ان میں صرف سات قراءتیں بہت مشہور ہیں جن کی نقل تواتر کی حد تک پہنچ گئی ہے اور ہر قراءت ایک خاص قاری کی طرف منسوب ہے۔ یہ سات قراءتیں گویا قراءت کے لیے اصول مانی گئی ہیں بعض نے ان پر چند اور قراءتوں کی بھی زیادتی کی ہے۔ لیکن ائمہ قراء کے نزدیک ان کی قراءت سبع کی نقل کی طرح باوثوق نہیں۔"

"قراءتوں کے تواتر اور عدم تواتر میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بعض تواتر سے انکار کرتے ہیں کیونکہ قراءت کیفیات ادا سے عبارت ہے اور وہ ناقابلِ ضبط ہے۔ البتہ قرآن متواتر ہے۔ بعض تواتر کے قائل ہیں اور کچھ کہتے ہیں کہ تواتر بغیر ادا کے ہے یعنی روایت قراءت تو ان کو تسلیم ہے لیکن ادائیگی مثلاً مدّ و تسہیل کا تواتر تسلیم نہیں۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ خالی سُن لینے سے کیفیت ادا سے واقفیت نہیں ہوتی۔ ہمارے نزدیک یہی قول صحیح ہے۔

"جب تک علوم و فنون کتابی و تدوینی شکل میں نہیں آئے قراءت کی تعلیم بھی دیگر علوم کی طرح زبانی جاری رہی اور جب تمام علوم ضبطِ تحریر ہوئے تو علم قراءت کی تالیف و تصنیف بھی عمل میں آئی اور اس نے ایک مستقل فن کی شکل اختیار کر لی۔ پھر اس کی نقل ملک در ملک چلتی رہی۔ یہاں تک کہ مشرقی اندلس میں مجاہد مولائی عامریین بادشاہ ہوا۔ یہ اس علم کی بہت زبردست معلومات رکھتا تھا۔ کیونکہ اس کے آقا منصور بن ابی عامر نے بہت شوق و ذوق اور کوشش سے اس کو اس کی تعلیم دلائی تھی اور اس کے کے لیے چیدہ قاری جمع کر کے اس علم میں ماہر بنایا تھا۔ چنانچہ جب دانیہ اور جزائر شرقیہ کا مجاہد امیر قرار پایا تھا تو اس کے اثر سے وہاں علم قراءت کا بہت فروغ ہوا۔ یوں تو مجاہد کو دیگر علوم سے بھی کافی دلچسپی تھی لیکن علم قراءت کا تو وہ خاص طور سے دلدادہ تھا۔ ابوعمرو الدانی اسی کے عہد میں قراءت کا ماہر بن کر چمکا اور یکتائے روزگار ہوا۔ اس نے اس علم میں کئی کتابیں لکھیں جو لوگوں کی مرکز توجہ بن گئیں۔ ان میں کتاب تیسیر نے خاص شہرت حاصل کی اور مرجع خلائق ہوئی۔ پھر اس کے چند روز بعد ابوالقاسم بن فیرہ شاطبی اس فن میں چمکا۔ اس نے ابوعمر کی کتابوں کا خلاصہ نظم میں کیا اور یوں کہنا چاہیئے کہ سارے علم کو سمیٹ کر گویا سمندر کو کوزہ میں بند کر دیا۔ قراء سبعہ کے نام و، ب، ج، د کی شکل میں لکھے۔ لوگوں نے اس کو بہت ہی پسند کیا اور ہر طالب قراءت کے ہاتھ میں وہ دکھنے لگی۔ مغرب اور اندلس میں وہ داخل نصاب ہوئی اور لوگ اسی کو پڑھنے لگے۔"

"قراءت ہی کے ساتھ فن رسم الخط بھی شامل کر لیا گیا۔ اس میں قرآن کریم کے حروف کے رسم الخط سے بحث ہوئی اور ان کی صحیح رسم الخط متعین کی گئی۔ چونکہ بعض حروف قرآنیہ کی رسم الخط مروجہ رسم الخط سے بہت کچھ مختلف پائی گئی اس لیے اس علم کی تدوین کی ضرورت پیش آئی۔ مثلاً بِاَیۡیدٍ میں "یا" کی زیادتی اور لَا اَذۡبَحَنَّہٗ میں الف کا اضافہ اور جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیۡنَ میں "واؤ" کی کتابت کھٹکی غرض اسی طرح بہت سے اختلافات دیکھے گئے۔ لامحالہ رسم الخط کے اصول و قواعد ضبط ہوئے اور کتابی شکل میں

Marfat.com

آجائیں گے۔ اور تجھے بدونِ شک وشبہ یہ بات واضح طور پر معلوم ہو جائے گی کہ ائمہ قراء کے درمیان جو لفظی اختلافات پائے جاتے ہیں، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اور حدیث شریف سے جو لطیف راز مقصود ہے، اس سے خارج نہیں ہے۔ اب ہم سورۂ فاتحہ کو لے کر اس کی تشریح کرتے ہیں تاکہ تم خود اس کا مشاہدہ کر لو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں آدمیت کے تین جزو ہیں۔ ایک میم میں کہ ذکوریت کے لیے ہے، دوسرا ھ کا زیر کہ وہ بھی ذکوریت کے لیے ہے تیسرا ل کا زیر کہ کمالِ حسِ باطنی کے لیے ہے اور اس کی ح میں نبوت کا جزو ہے کہ وہ رحمت کے لیے ہے اور ایک جزو روح کا ہے د میں جو طہارت کے لیے ہے اور اس کے حروف اور حرکات میں قبض کے پانچ جزو ہیں چنانچہ أ امتثال کے لیے، ل اور م کا جزم اور د کا پیش تینوں حاسہ ساریہ کے لیے ہیں۔ سورۂ فاتحہ میں ہر پیش حاسہ ساریہ کے لیے ہے ہ ضد سے نفرت کے لیے۔ اس میں رسالت کے چھ جزو ہیں۔ أ کا زبر مشاہدہ کے لیے۔ ل علم کامل کے لیے، ل کا شدّ اور زبر مشاہدہ کے لیے سورۂ فاتحہ میں جہاں بھی شد زبر کے ساتھ آئے وہ مشاہدہ کے لیے ہے لہذا یہ واضح ہو گیا کہ اس میں آدمیت کے تین جزو ہیں۔ ایک جزو نبوت کا، ایک جزو روح کا، پانچ جزو قبض کے اور چھ جزو رسالت کے ہیں۔ چنانچہ أ میں حرف کے لحاظ سے قبض ہے اور حرکت کے اعتبار سے رسالت، ل میں اس کے برعکس ہے کہ حرف کی جہت سے نور رسالت ہے اور جزم کے لحاظ سے قبض اور ح میں حرف کے اعتبار سے نبوت اور حرکت کے اعتبار سے رسالت اور م میں حرف کے لحاظ سے آدمیت اور جزم کے لحاظ سے قبض۔ د میں حرف کے اعتبار سے روح اور حرکت کے اعتبار سے قبض۔ پہلے لام میں بروئے حرف رسالت اور بروئے حرکت آدمیت دوسرے تشدید والے ل میں حرف اور حرکت دونوں اعتبار سے رسالت ہے اور ہ میں حرف کے اعتبار سے قبض اور حرکت کے اعتبار سے آدمیت۔

رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ اس میں آدمیت کے چار اجزاء ہیں۔ ب کا زیر عقل کامل کے لیے۔ ع کے بعد کا الف کمال

(بقیہ صفحہ ۱۳۰) ان کو یکجا ترتیب دیا گیا۔ لوگوں نے اس میں بہت سی کتابیں لکھیں اور مغرب میں ابو عمرو الدانی نے بھی اس پر قلم اٹھایا اور مقنع نامی ایک کتاب لکھ ڈالی اور دیگر تصانیف بھی اس بارے میں اس کے قلم سے نکلیں مقنع نے بہت شہرت پکڑی اور اس کو قبولیت عامہ ہوئی پھر اسی کتاب کے مطالعہ کو ابو القاسم شاطبی نے ایک قصیدہ کی شکل میں نظم کیا جس کو لوگوں نے بہت شوق و ذوق سے یاد کیا۔ اس کے بعد چند دیگر کلمات و حروف کی رسم الخط میں پھر اختلاف پڑا اور ابو داؤد سلیمان بن نجاح نے اپنی کتاب میں اس کی وضاحت کی۔ یہ ابو داؤد مجاہد کے غلاموں میں سے تھا۔ اور ابو عمرو الدانی کا شاگرد رشید بھی تھا۔ مشہور ہے کہ یہی صحیح معنوں میں اپنے استاد کے علوم کا حامل اور اس کی کتابوں کا راوی تھا۔ اختلاف کا دروازہ اب بھی بند نہ ہوا اور چند اور اختلافات رونما ہوئے تو مغرب میں علماء متاخرین میں سے خراز نے ایک نظم لکھی اور مقنع کے بیان کردہ اختلافات میں چند اور اختلافات کی زیادتی کی۔ مغرب میں اس نظم کو اس قدر شہرت نصیب ہوئی کہ اس کے مقابلہ میں ابو داؤد، ابی عمرو، اور شاطبی کی تصانیف کو پسِ پشت ڈال دیا گیا اور لوگوں نے اسی کو اپنے حافظہ میں جگہ دی۔ (اردو ترجمہ مقدمہ ابن خلدون از مولانا سعد حسن خاں صفحہ ۴۵۹ تا ص ۴۶۱)

Marfat.com

حسِ ظاہری کے لیے ۔ م ذکوریت کے لیے اور اس کی زیر کمال حواس ظاہری کے لیے ۔

اس میں قبض کے دو جزو ہیں ۔ ہمزۂ وصل امتثال کے لیے اور اَل کے ل کا جزم انصاف کے لیے ۔ بسط کے بھی دو جزو ہیں ۔ ر حسنِ تجاوز کے لیے اور ن فرح کامل کے لیے اور اس میں نبوت کا ایک جزو ہے کیونکہ ع عفو کے لیے ہے ۔

اس میں رسالت کے آٹھ اجزاء ہیں ۔ ر کا زبر سکینت کے لیے اور ب بھی سکینت کے لیے ہمزہ کا زیر مشاہدہ کے لیے ۔ ل علم کامل کے لیے ۔ ع کا زبر سکینت کے لیے ۔ ل علم کامل کے لیے ل کا زبر مشاہدہ کے لیے اور ن کا زبر اہل جنت کی سی زندگی کے لیے اور یہ سب اجزاء رسالت ہیں ۔

اس میں علم کا ایک ہی جزو ہے اور وہ م کے لبعد کا ی ہے جو جہات کو سامنے کی جہت میں محصور کرنے کے لیے ہے ۔

لہذا اس میں حرف کے لحاظ سے ر میں بسط ہے اور حرکت کے لحاظ سے رسالت ۔ ل ساکن میں حرف کے لحاظ سے رسالت اور جزم کے اعتبار سے قبض ۔ ع میں حرف کی نبوت اور حرکت کی رسالت ۔ الف میں آدمیت اور ل میں حرف اور حرکت دونوں اعتبار سے رسالت اور میم میں بھی حرف اور حرکت دونوں لحاظ سے آدمیت ہے ی میں علم ۔ ن میں حرف کے لیے بسط اور حرکت کی رسالت ۔

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ اس میں آدمیت کے پانچ جزو ہیں ۔ م ذکوریت کے لیے ۔ ن کا زیر کمال صورت باطنی کے لیے ۔ ح کا زیر کمال حسِ ظاہری کے لیے ۔ پھر م ذکوریت کے لیے اور اس کا زیر کمالِ عقل کے لیے

اس میں قبض کے بھی پانچ جزو ہیں ۔ اَ امتثال کے لیے ۔ ل کا جزم حاسہ ساریہ کے لیے ۔ ح کا جزم امتثال کے لیے اور اَ بھی امتثال کے لیے اور ل کا جزم حاسہ ساریہ کے لیے ۔

اس میں بسط کے تین جزو ہیں ۔ ر حسنِ تجاوز کے لیے ۔ نَ فرح کامل کے لیے اور دوسرا ر بھی حسنِ تجاوز کے لیے ۔ اس میں نبوت کے دو جزو ہیں ۔ پہلا ح اور دوسرا ح دونوں رحمتِ کاملہ کے لیے ۔

اس میں رسالت کے سات جزو ہیں ۔ اَ کا زبر مشاہدہ کے لیے ۔ ل علم کامل کے لیے ۔ ر مشدد کا زبر مشاہدہ کے لیے اور م کا زبر حق گوئی کے لیے اَ کا زبر مشاہدہ کے لیے ۔ ل علم کامل کے لیے اور ر مشدد کا زبر مشاہدہ کے لیے ۔ اگر ما لبعد میں مدغم ہونے کی وجہ سے دونوں لام ساقط کر دیے جائیں ۔ تو پھر پانچ رہ جاتے ہیں ۔ اس طرح رسالت اور قبض میں سے دو جزو ساقط ہوں گے ۔

اس میں علم کا ایک ہی جزو ہے اور وہی ممدودہ ہے جو سامنے کی جہت میں جہات کے محصور ہونے کے لیے ہے ۔ م کے لبعد کا الف کمال حواس ظاہری کے لیے ہے ۔ اس طرح ایک جزو کا آدمیت کے اجزاء میں اضافہ ہو جائے گا ۔

مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۔ اس میں سات آدمیت کے اجزاء ۔ م ذکوریت کے لیے ۔ ل کا زیر کمالِ حسِ باطنی کے لیے

Marfat.com

ٹ کا زیر کمالِ صورتِ باطنی کے لیے۔ ن کا زیر نزع حفظ شیطان کے لیے۔ یہ اس صورت میں ہے جب مقصور پڑھا جائے لیکن اگر ممدود پڑھا جائے اور م کے بعد الف بڑھایا جائے یعنی مَالِكِ پڑھا جائے تو آدمیت کے آٹھ اجزاء ہو جائیں گے کیونکہ الف ممدودہ جسے ایک الف کے برابر لمبا کیا جائے کمالِ حواسِ باطنی کے لیے ہے جب یہ ضمیر متکلم میں نہ ہو۔

اس میں قبض کا ایک جزو ہے اور وہ واؤ کا جزم ہے جو حاسہ ساریہ کے لیے ہے اور ل جو الدین کی دال میں مدغم ہو چکا ہے اس کے جزم کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

اس میں بسط کا بھی ایک ہی جزو ہے اور وہ ن ہے جو فرح کامل کے لیے ہے۔

اس میں نبوت کے دو جزو ہیں کیونکہ کٹ معرفتِ الٰہی کے لیے اور تی خوفِ تام کے لیے۔

اس میں روح کا ایک جزو ہے اور وہ د ہے جو طہارت کے لیے ہے۔

اس میں رسالت کے تین جزو ہیں۔ ل علم کامل کے لیے ال کا ہمزہ اور ل دونوں ساقط ہیں۔ میم کا زبر صدق کے لیے۔ اسی طرح ی کا زبر بھی صدق کے لیے۔

اس میں علم کے دو جزو ہیں۔ واؤ موت در حیات کے لیے۔ اور ی انحصار جہات در ایام کے لیے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ اس میں آدمیت کے چھ جزو ہیں۔ ہمزہ کا زیر جو کمال عقل کے لیے ہے۔ الف ممدودہ کمال حواس ظاہرہ کے لیے اور اُولٰئِكَ کے ہمزہ کا کسرہ اور الف ممدودہ اور ت کمالِ حواسِ ظاہرہ کے لیے۔ ع کا زبر کمال حسن باطنی کے لیے۔

قبض کے چھ اجزاء ہیں۔ ابتدائی ہمزہ امتثال کے لیے۔ ع کا جزم انقباض کی قوۃ کاملہ کے لیے۔ ب کا پیش حاسہ ساریہ کے لیے۔ اسی طرح د کا پیش حاسہ ساریہ کے لیے ہے۔ س کا جزم امتثال کے لیے آخری ن کا پیش حاسہ ساریہ کے لیے۔

اس میں بسط کے چار اجزاء ہیں۔ تینوں ن فرح کامل کے لیے۔ س انکساری کے لیے۔

اس میں نبوت کے چھ اجزاء ہیں۔ تی خوفِ تام کے لیے۔ کٹ معرفت الٰہی کیلئے۔ ع عفو کے لیے اسی طرح وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی ی۔ ک اور ع خوفِ تام، معرفتِ الٰہی اور عفو کے لیے ہیں۔

اس میں روح کا صرف ایک جزو ہے اور وہ دٔ ہے جو طہارت کے لیے ہے

اس میں رسالت کے دس جزو ہیں۔ تی کا زبر ہر ایک سے حق گوئی کے لیے، ک کا زبر علم کامل کے لیے۔ ن کا فتح حیات اہلِ جنت کے لیے۔ ی سکینت کے لیے۔ واؤ موت در حیات کے لیے۔ واؤ کا زبر مشاہدہ کے لیے۔ اسی طرح ی کا زبر حق گوئی کے لیے۔ کٹ کا زبر علم کامل کے لیے اور ن کا زبر (حیات اہلِ جنت کے لیے) ی کا زیر بر ضا و رغبت سکون روح در ذات کے لیے۔

اس میں علم کا ایک جزو ہے اور وہ ی ممدودہ ہے اور یہاں یہ کونین کے حالات کی معرفت کے لیے

Marfat.com

ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ اس میں آدمیت کے نو اجزا ہیں۔ اِ کا زیر کمالِ عقل کے لیے دِ کا زیر کمالِ صورت باطنی کے لیے صِ کمالِ عقل کے لیے اور صِ کا زیر کمالِ حسِ باطنی کے لیے اور الف ممدودہ بھی کمالِ حسِ باطنی کے لیے۔ م ذکوریت کے لیے

اس میں قبض کے آٹھ اجزاء ہیں۔ ء امتثال کے لیے۔ ھ نفرت از ضد کے لیے۔ ھ کا زیر بھی نفرت از ضد کے لیے۔ الصراط کا ہمزہ وصل امتثال کے لیے۔ اسی طرح الْمُسْتَقِيْمَ کا ہمزہ وصل بھی امتثال کے لیے ہے ل کا جزم حاسہ ساریہ کے لیے۔ م کا پیش بھی حاسہ ساریہ کے لیے۔ س کا جزم انصاف کے لیے۔

اس میں بسط کے تین جزو ہیں۔ ن فرح کامل کے لیے۔ ر حسنِ تجاوز کے لیے اور س انکساری کے لیے۔ یہ اس صورت میں جب الصراط کو ص سے پڑھا جائے لیکن اگر س سے پڑھا جائے جو قنبلؒ اور اس کے موافقین کی قراءت ہے تو اس صورت میں اس میں بسط کے چار جزو ہوں گے کیونکہ الصراط کی س کے اضافہ سے چار جزو بن جائیں گے۔

اس میں نبوت کا کوئی جزو نہیں ہے۔

اس میں روح کے تین جزو پائے جاتے ہیں۔ د طہارت کے لیے۔ ط تمیز کے لیے اور ک بصیرت کاملہ کے لیے۔

اس میں رسالت کے آٹھ جزو ہیں۔ د طہارت کے لیے ط تمیز کے لیے ہے۔ الصِّرَاط کے ہمزہ کا زیر مشاہدہ کے لیے۔ ر کا زیر سکینت کے لیے اور ط کا زبر روح کا برضا و رغبت جسم میں قیام کے لیے۔ المستقیم کا ہمزہ مشاہدہ کے لیے اور ق علم کامل کے لیے ت کا زبر سکینت کے لیے م کا زبر بھی سکینت کے لیے ہے۔

اس میں علم کا ایک ہی جزو ہے اور وہ ی ممدودہ ہے جو یہاں جہات کا سامنے کی جہت میں محصور ہونے کے لیے ہے۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ اس میں آدمیت کے آٹھ جزو ہیں۔ صِ کمالِ عقل کے لیے۔ ص کا زیر کمالِ حس باطنی کے لیے۔ الف ممدودہ کمالِ حس ظاہری کے لیے۔ ذ کا زیر کمالِ حس باطنی کے لیے۔ م ذکوریت کے لیے۔ ت کمالِ حواس ظاہری کے لیے۔ ت کا زیر بھی کمالِ حواس ظاہرہ کے لیے ہے۔ م ذکوریت کے لیے۔

اس میں قبض کے سات اجزاء ہیں۔ اَنْعَمْتَ کا ہمزہ امتثال کے لیے۔ ن کا جزم حاسہ ساریہ کے لیے م کا جزم انصاف کے لیے۔ ی کا جزم بھی انصاف کے لیے۔ ھ نفرت از ضد کے لیے۔ حمزہ اور اس کے

عـہ قنبل: اصل نام محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد خالد بن سعید بن جرجہ المکی المخزومی چھیانوے سال کی عمر میں ۲۹۱ھ میں وفات پائی۔ یہ ابو سعید عبداللہ بن کثیر کے راوی تھے۔

Marfat.com

موافقین کی قراءت کے مطابق ھ کا پیش بھی میل بجنس کے لیے ۔م کا جزم بھی میل بجنس کے لیے اسی طرح ابن کثیر اور اس کے موافقین کی قراءت کے مطابق مَ کا پیش بھی میل بجنس کے لیے۔

اس میں لبسط کے چار اجزاء ہیں۔قنبل اور اس کے موافقین کی قراءت کے مطابق سراط کا س لیکن ص کو منہ سے اشمام کرکے پڑھنے کی قراءت کی صورت میں حمزہ نے الصراط کے لفظ میں اسے اسی طرح پڑھا ہے اور خلف[ع] نے بھی صراط ۔صِرَاطِیْ اور صِرَاطَكَ میں اسی طرح ص کو منہ سے اشمام کرکے پڑھا ہے۔اس صورت میں اس لفظ میں آدمیّت کا جزو ہوگا۔کیونکہ اس میں ص کا ایک جزو ہے اور وہ آدمیّت کے حروف میں سے ہے۔اور ایک جزو رسالت کا ہوگا کیونکہ اس میں ز کا ایک جزو ہے جو حروف رسالت میں سے ہے۔مختصر یہ کہ اشمام کیئے گئے حرف میں کچھ حصّہ آدمیت کا ہے اور کچھ رسالت کا۔لبسط کا دوسرا جزو ر ہے۔جو حسنِ تجاوز کے لیے ہے تیسرا جزو بہلان ہے اور چوتھا جزو ن ثانی جو فرح کامل کے لیے ہے۔

اس میں نبوت کے تین جزو ہیں۔پہلی عَ اور دوسری عَ عفو کے لیے ی ساکن اللہ سے خوف تام کے لیے۔

اس میں رسالت کے بارہ جزو ہیں۔ر کا زبر سکینت کے لیے۔ط کا زبر برضا و رغبت روح کا جسم میں قیام کے لیے۔ہمزہ وصل کا زیر مشاہدہ کے لیے۔ل علم کامل کے لیے ۔لَ کا زیر مشاہدہ کے لیے۔ن کا زبر حیات اہلِ جنت کے لیے۔ہمزہ کا زبر مشاہدہ کے لیے ۔عَ کا زبر سکینت کے لیے ۔تَ کا زبر علم کامل کے لیے اسی طرح عَلَیْھِمْ کے عَ اور لَ کا زیر نیز حرف ل سب علم کامل کے لیے ہے۔

اس میں علم کے دو جزو ہیں ۔ذ معرفتِ لغات کے لیے ۔ی ممدودہ انحصارِ جہات دوام کے لیے۔

اس میں روح کا ایک جزو ہے اور وہ ط ہے جو تمیز کے لیئے ہے۔

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ اس میں غ کمال صورتِ ظاہرہ کے لیے جو آدمیّت کا جزو ہے اور غ کا زبر سکینت کے لیے ہے جو اجزا رسالت میں ہے۔ی ساکن اللہ سے خوفِ تام کے لیے جو اجزاء نبوت میں سے ہے بیٓ کا جزم حق گوئی سے نہ شرمانے کے لیے جو قبض کے اجزاء میں سے ہے۔ر حسنِ تجاوز کے لیے ہے جو لبسط کا جزو ہے ۔ر کا زیر کمال صورت باطنہ کے لیے جو آدمیت کا جزو ہے۔ہمزہ وصل امتثال کے لیے ہے جو قبض کا جزو ہے ۔ہمزہ کا زبر مشاہدہ کے لیے ہے جو رسالت کا جزو ہے۔لَ ساکن علم کامل کے لیے جو رسالت کا جزو ہے ۔ل کا جزم حاسہ ساریہ کے لیے جو قبض کا جزو ہے۔مَ ذکوریت کا ہے اور یہ آدمیّت کا جزو ہے۔م کا زبر سکینت کے لیے اور یہ رسالت کا جزو ہے ۔غ کمال صورت ظاہرہ کے لیے جو آدمیّت کا جزو ہے۔غ کا جزم انقباض کی قوّتِ کاملہ کے لیے جو قبض کا جزو ہے

[ع] خلف : خلف بن ہشام بن ثعلب البزار دراصل فم الصلح کا رہنے والا تھا مگر بغداد میں رہائش اختیار کرلی تھی ۔اسی لیے بغدادی شمار کیے گئے ۔شریک ، ابوعوانہ اور حماد بن زید سے حدیث سنی اور سلیم سے قراءت سیکھی حمزہ کی صحبت میں بھی رہے مگر بہت سی قراءتوں میں حمزہ سے اختلاف کیا۔ ۲۲۹ھ = ۸۴۳ء میں وفات پائی ۔

Marfat.com

ص حق گوئی کے لیے جو اجزاءِ نبوت میں سے ہے۔ ضَ کا پیش حاسہ ساریہ کے لیے جو قبض کا جزو ہے۔
واد ممدودہ حق گوئی سے نہ شرمانے کے لیے جو قبض کا جزو ہے۔ تَ سکینت کے لیے جو رسالت کا جزو
ہے۔ یَ کا زیر عقل کامل کے لیے جو آدمیت کا جزو ہے۔ ع عفو کے لیے جو نبوت کا جزو ہے۔ لَ کا زبر علم کامل
کے لیے جو رسالت کا جزو ہے۔ لَ علم کامل کے لیے جو رسالت کا جزو ہے۔ لَ کا زبر بھی علم کامل کے لیے ہے جو
رسالت کا جزو ہے۔ یِ اللہ سے خوف تام کے لیے اور وہ اجزاءِ نبوت میں سے ہے۔ نَ کا جزم الضاف کے لیے
ہے جو قبض کا جزو ہے۔ ھ نفرت کے لیے جو قبض کا جزو ہے۔ ھِ کا زیر کمال حسن ظاہری کے لیے جو جزو
آدمیت ہے۔ لیکن ھ پر پیش پڑھیں تو اس قراءت کے مطابق ھ کا پیش ضد سے نفرت کے لیے أَنْعَمْتَ
عَلَيْهِمْ میں عَلَيْهُمْ کے پیش کے برعکس کیونکہ وہاں یہ میل بجنس کے لیے ہے۔ اس لیے کہ جن
پر اللہ کا انعام ہو، ان کی طرف طبیعت کا میلان ہوتا ہے۔ اور جن پر اللہ کا غضب ہو، ان سے نفرت ہوتی
ہے۔ مْ ذکوریت کے لیے جو جزوِ آدمیت ہے اور ابنِ کثیر اور اس کے موافقین کی قراءت کے مطابق مُ کا پیش ضد
سے نفرت کے لیے جو قبض کا جزو ہے۔ دوسروں کی قراءت کے مطابق م کا جزم اس نفرت پر زور دینے کے
لیے جس کا مفہوم ابن کثیر کی قراءت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ پیش اصل ہے جزم تو اس پر بعد میں واقع ہوئی
واؤ موت در حیات کے لیے جو جزوِ رسالت ہے۔ واؤ کا زبر مشاہدہ کے لیے جو رسالت کا جزو ہے اور
لَا علم کامل کے لیے جو جزوِ رسالت ہے۔ لا کا زبر بھی علم کامل کے لیے جو جزوِ رسالت ہے۔ الف وصل امتثال کے لیے
جو قبض کا جزو ہے۔ اس کا زبر مشاہدہ کے لیے جو جزوِ رسالت ہے۔ الف ہوائی ممدودہ جو یہاں ضمیر متکلم میں نہیں ہے
لہذا مدہ کے چھ کے چھ مراتب آئیں گے۔ اگر اسے ایک الف جتنا لمبا کریں تو یہ کمالِ صورتِ باطنی کے لیے ہے۔ اگر
دو الف کے برابر لمبا کریں تو یہ کمالِ صورتِ باطنی اور روح کے برضا و رغبت جسم میں قیام کے لیے۔ اگر تین الف
کے برابر لمبا کریں تو یہ کمال صورتِ باطنی سکون روح برضا و رغبت اور قوتِ ساریہ کے لیے ہے۔ اگر چار الف جتنا
لمبا کریں تو کمالِ صورت باطنی سکون روح برضا و رغبت، قوتِ ساریہ اور کمالِ حسِ باطنی کے لیے ہے۔ اگر
پانچ الف جتنا لمبا کریں تو یہ کمال صورت باطنی، سکون روح، قوتِ ساریہ، کمال حسِ باطنی اور بغض باطل کے لیے
ہے اور اگر چھ الف جتنا لمبا کریں تو یہ کمالِ صورت باطنی۔ سکون روح۔ قوتِ ساریہ، کمالِ حسِ باطنی، بغض باطل
اور مع سکونِ خیر در ذات کے لیے ہے۔ اور تو یہ معلوم کر چکا ہے کہ کمال صورت باطنی جزوِ آدمیت ہے۔ سکونِ
رسالت کا۔ قوتِ ساریہ قبض کا۔ کمالِ حسِ باطنی آدمیت کا۔ بغضِ باطل نبوت کا اور سکون خیر در ذات بسط
کا جزو ہے۔ پس جب مد الف کے برابر ہو تو اس میں صرف آدمیت ہوگی۔ بقدر دو الف ہو تو آدمیت اور رسالت۔ بقدر
تین الف ہو تو آدمیت، رسالت اور قبض۔ بقدر چار الف ہو تو آدمیت، رسالت، قبض اور آدمیت۔ بقدر پانچ
الف ہو تو آدمیت، رسالت۔ قبض، آدمیت اور نبوت۔ بقدر چھ الف ہو تو آدمیت۔ رسالت، قبض،
آدمیت، نبوت اور بسط۔ زیر والا لام مشدد علم کامل کے لیے جو رسالت کا جزو ہے۔ لَ کا زیر کمال حسن

Marfat.com

باطنی کے لیے جو آدمیت کا جزو ہے۔ یہ ممدودہ اگرف پر وقف کریں اور اسے ساکن پڑھیں تو یہاں بھی چھ مراتب ہوں گے۔ چنانچہ اگر بقدر ایک ہی کے لمبا کریں تو یہ سامنے کی جہت میں جہات کے انحصار کے لیے۔ اگر دو ہی جتنا لمبا کریں تو یہ انحصار جہات اور ثقلین کے متعلق علوم کی معرفت کے لیے ہے۔ اگر بقدر تین ہی لمبا کریں تو یہ انحصار جہات، ثقلین کے متعلق علوم کی معرفت اور اہلِ جنّت کی سی زندگی کے لیے ہے۔ بقدر چار ہی لمبا کریں تو انحصار جہات، ثقلین کے متعلق علوم کی معرفت، اہلِ جنّت کی سی زندگی اور انجام کی معرفت کے لیے ہے۔ بقدر پانچ ہی لمبا کریں تو انحصار جہات، ثقلین کے متعلق علوم کی معرفت، اہلِ جنت کی سی زندگی۔ انجام کی معرفت اور عدم تضیع کے لیے ہے۔ بقدر چھ ہی لمبا کریں تو انحصار جہات، ثقلین کے متعلق علوم کی معرفت، اہل جنّت کی زندگی۔ انجام کی معرفت، عدم تضیع اور احوالِ کونین کے متعلق علوم کی معرفت کے لیے ہے اور تو یہ معلوم کر چکا ہے کہ انحصار۔ معرفت علوم متعلقہ باحوال ثقلین۔ انجام کی معرفت، معرفت علوم متعلقہ باحوال کونین اور عدم تضیع سب اجزاء علم میں سے ہیں۔ اور ان چھ میں سے صرف اہلِ جنّت کی سی زندگی جزو رسالت ہے لہٰذا اس مد میں جو ایک ہی کے برابر ہو علم کا ایک جزو ہے بقدر دو ہی دو جزو، بقدر تین ہی میں دو جزو علم کے اور ایک جزو رسالت کا۔ بقدر چار ہی میں تین جزو علم کے اور ایک جزو رسالت کا۔ بقدر پانچ ہی میں چار جزو علم کے اور ایک جزو رسالت کا۔ بقدر چھ ہی میں پانچ جزو علم کے اور ایک جزو رسالت کا۔ ن مفتوحہ فرح کامل کے لیے جو بسط کا جزو ہے۔ ن کا زبر اہلِ جنّت کی سی زندگی کے لیے جو رسالت کا جزو ہے۔ عام قراءت کے مطابق سورۂ فاتحہ سے جو متعلقہ باتیں تھیں سب ذکر کر دی گئیں اور تو نے یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ سات حروف میں سے زیادہ آنے والے تین حرف ہیں آدمیّت قبض اور رسالت اور یہ حروف اور حرکات سب ہیں آتے ہیں۔ چنانچہ ہر رفع اور جزم قبض کے لیے ہے۔ ہر زبر رسالت کے لیے۔ ہر زیر آدمیت کے لیے لہٰذا جس کلام میں زبر زیادہ آئے اس میں نورِ رسالت بھی زیادہ ہوگا اور جس میں زیر زیادہ آئے اس میں نور آدمیت زیادہ ہوگا۔ اور جس میں پیش یا جزم زیادہ ہو اس میں قبض زیادہ ہوگا۔

سورۃ فاتحہ کی مختلف قراءتوں کے معانی

جو باتیں سورہ فاتحہ کے متعلق سات قراءتوں کے علاوہ اور قراءتوں کے اعتبار سے ہیں ان کے متعلق جان لینا چاہیئے کہ ان میں بہت سا اختلاف ہے۔ چنانچہ ان میں سے زید بن رُؤبہ بن العجاج اور العُتکی[1] نے اَلْحَمْدَ لِلّٰہِ دال کی زبر سے پڑھا ہے۔ بظاہر اس کی توجیہ یہ ہے کہ یہاں فعل محذوف ہے اور اَلْحَمْدَ اس کا مفعول مطلق ہے یعنی یہ دراصل اَحْمَدُ اللّٰہَ حَمْدًا تھا۔ پھر اسے اس خاص ترکیب میں بدل دیا گیا اور پیش کی قراءت کی توجیہ یہ ہے کہ اَلْحَمْدُ مبتدا ہے

(1) العتکی: عباد بن عباد بن حبیب بن المہلب بن ابی صفرہ الامام الصدوق العتکی۔ ابی جمرۃ ضبعی اور ہشام بن عروہ وغیرہ سے حدیث کی روایت کی اور ان سے احمد بن حنبل وغیرہ نے کی۔ ان کی وفات ۱۸۱ھ = ۷۹۷ء میں ہوئی۔

Marfat.com

باطن کے لحاظ سے اس کی توجیہ پیش اور زبر کی حرکات کے راز کے تابع ہے۔ چنانچہ پیش کی قراءت کے لحاظ سے اس میں اللہ کی تعریف کا ذکر ہوگا اور ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں حمد کی ایک ایسی کیفیت پیدا ہوگی جو آپ کی تمام ذات میں سرایت کر جائے گی کیونکہ اس سے دال کے پیش کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو حاسہ ساریہ کے لیے ہے۔ یوں سمجھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نے اللہ کی حمد بیان کرنے کے بعد اس کے معنی کو بھی محسوس کیا اور وہی کیفیت آپ میں پیدا بھی ہوگئی چنانچہ آپ کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جس نے ایک بات کہی ہو اور پھر اس کے مطابق عمل کر کے بھی دکھا دیا ہو۔ برخلاف دال پہ زبر کی قراءت کے کیونکہ دال کا نصب تو یہ بتاتا ہے کہ آنحضرت کو اللہ کے متعلق علم کامل تھا اور یہ بھی معلوم تھا کہ خدا حمد کا مستحق ہے لیکن اس بات کے بیان کرنے سے آیت بالکل خاموش ہے کہ آیا آنحضرت صلی اللہ کی ذات میں یہ کیفیت بھی پیدا ہوئی یا نہ۔ اسی وجہ سے پیش والی قراءت زیادہ درست، زیادہ مشہور اور زیادہ کثرت سے پائی جاتی ہے۔

اگر آپ اس پر یہ اعتراض کریں کہ ل اور م کا جزم حاسہ ساریہ کے لیے ہے جو تکیف کا فائدہ دیتا ہے لہذا پیش اور جزم کی دونوں قراءتیں ایک جیسی ہوئیں۔ اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ یہ جیسا تم نے کہا کہ حاسہ ساریہ تکیف کا فائدہ دیتا ہے لیکن اگر یہ تکیف لفظ کے پورا ہو جانے سے پہلے ہی پیدا ہو جائے مثلاً ل اور م کا جزم تو اس صورت میں تکیف کا تعلق محض لفظ کے ساتھ ہوگا۔ بالفاظ دیگر یہ کہ ذات اس لفظ سے متکیف ہوئی اور اس نے اس کے حروف کی لذت اٹھائی لیکن اگر تکیف کلمہ کے ختم ہو جانے کے بعد ہو جس طرح دال کا پیش تو تکیف کا تعلق معنی کے ساتھ ہوگا اور یہ بات دال کی زبر والی قراءت میں نہیں پائی جاتی اور پیش والی قراءت میں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیش والی قراءت بہتر و افضل ہے۔

یا قراءت شاذہ میں امام حسن بصری (م ۱۱۰ھ) کی قراءت ہے اَلْحَمْدَ لِلّٰہِ۔ دال اور لام دونوں پر زبر اس کی ظاہری توجیہ تو یہ ہے کہ لام کو دال کے زبر کی اتباع میں زبر دیا گیا ہے (نصب جوار) اور باطنی توجیہ تو یہ ہے کہ زبر تو کمال حس باطنی کے لیے تھی جس سے کمال وجدان حاصل ہوتا ہے لہذا زبر والی قراءت کا مفہوم یہ ہوگا کہ خدا کی طرف حمد کی نسبت کو وجدان نے بھی محسوس کیا ہے اور اس کی کیفیت بھی حاصل کی ہے برخلاف زیر زیر والی قراءت کے کہ وہ علم کامل کے لیے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ذات کو علم کامل حاصل ہے کہ حمد خدا کے لیے ہے۔ لیکن تکیف اور تاثر کا ذکر نہیں اور کسی شئی کا احساس اس کے علم کے مقابلہ زیادہ قوی ہوتا ہے اسی لیے زبر والی قراءت زیادہ صحیح، زیادہ مشہور اور افضل ہے۔

یا مثلاً الکسائی سے روایت کرتے ہوئے قتیبہ[۱] کی قراءت لِلّٰہِ جس میں ل کے اوپر کے الف کو ی کی طرف امالہ کر کے

---

[۱] قتیبہ: قتیبہ بن سعید محدث خراسان ۱۴۹ھ = ۷۶۶ء میں پیدا ہوئے۔ ثقہ اور عالم تھے۔ ان کی وفات ۲۴۰ھ = ۸۵۴ء میں ہوئی۔

Marfat.com

پڑھا گیا ہے ۔ (لِلّٰہِ) اور امالہ میں زیر کا جزو پایا جاتا ہے اور ہر زیر جو درمیانی لام یا ابتدائی لام کے نیچے ہو وہ کمال حس باطنی کے لیے ہوتی ہے ۔ لہٰذا امالہ میں مفہوم کے احساس کا شعور پایا جاتا ہے جو تعظیم اور تبلیغ معنی کے لیے ہے ۔

اسی الکسائی سے روایت کی ہوئی قتیبہ کی دوسری روایت ہے جس میں اَلْعَالَمِیْنَ ۔ اَلرَّحْمٰنِ اور مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تین میں امالہ کیا گیا ہے لیکن یہ احساس چونکہ لفظ کے مکمل ہونے اور معنی کے ظہور سے پہلے پیدا ہوتا ہے اس لئے اس احساس کا تعلق محض لفظ کے ساتھ ہوگا اسی وجہ سے امالہ زیر سے افضل نہیں ہے کیونکہ امالہ سے جو احساس لفظی حاصل ہوتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کبھی ہوتا یعنی صرف اس وقت ہوتا جب آپ کو نشاط ہوتا اور صرف اپنی ذات کے لیے قرآن مجید پڑھتے ۔ لہٰذا آپ باطنی معنوں کو نکال کر اپنی قراءت میں ظاہر کرتے ۔ لیکن جب آپ امت کی تبلیغ اور تعلیم کے لیے قرآن مجید پڑھتے تو اغلب حالات میں آپ الفاظ کو اس کیفیت میں مشغول کرنا نہیں چاہتے تھے جس میں آپ کا باطن مشغول ہوتا ۔ اسی وجہ سے زبر والی قراءت زیادہ مشہور اور افضل ہے کیوں کہ یہ آپ کی عام عادت کے مطابق ہے ۔

اسی طرح رَبُّ الْعَالَمِيْنُ ، الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ کی ابو زید الانصاری[عل] کی پیش والی قراءت ہے ۔ انہیں زبر سے بھی پڑھا گیا ہے ۔ ان قراءتوں کی ظاہری توجیہ یہ ہے کہ زیر تو ان پر اللہ کا تابع ہونے کی وجہ سے آئی ہے اور پیش اور زبر اس لحاظ سے آئے ہیں کہ یہ پہلے جملہ سے منقطع ہیں ۔ اور پیش کی صورت میں مبتدا محذوف ہے اور زبر کی صورت میں فعل ناصب ۔ اور باطن کے اعتبار سے تینوں حرکات کے اسرار کے اختلاف کے مطابق توجیہ ہوگی زیر عقل کے لیے ہے جو جزو آدمیت ہے اور آدمیت ہمہ تن تواضع اور با ادب ہوتا ہے لہٰذا یہاں عقل کامل متکلم میں اپنے رب کے لیے تواضع کا زیادہ شعور پیدا کرتی ہے تاکہ وہ یہ مشاہدہ کرے کہ وہ مفعول اور پروردہ ہے اور یہ زیر کا ایک راز ہے ۔ زبر والی قراءت کا زبر علم کامل کے لیے ہے جس سے یہ لازم آتا ہے کہ متکلم اشیاء کی حقیقت کو جان لے چنانچہ وہ رب کو رب جانتا ہے اور عالمین کو پروردۂ رب ۔ یہ الگ بات ہے کہ آیا اس کی ذات نے اپنے رب کے سامنے تواضع کی یا با ادب رہی یا نہ ۔ پیش والی قراءت میں پیش حاسہ ساریہ کے لیے ہے لیکن یہ حاسہ مفہوم مکمل ہونے سے پہلے ہی حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ مضاف الیہ کے ذکر سے پہلے مضاف کے معنی مکمل نہیں ہوتے ۔ لہٰذا یہاں پر حاسہ نے یہ معلوم تو کر لیا کہ ذات نے لفظ رب سے تاثر حاصل کیا اور اس سے

[عل] ابو زید الانصاری : ابو زید عمرو بن اخطب بن رفاعہ الانصاری ۔ صحابی ہیں ۔ لنگڑے تھے ۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیرہ جنگوں میں شرکت کی ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا کی کہ خدا اسے خوبصورت بنا دے ۔ اس کے بعد ان کا کوئی بال سفید نہیں ہوا ۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بغوی نے ابو زید عمرو بن اخطب اور ابو زید الانصاری کو الگ الگ شخص شمار کیا ہے (تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۲)

Marfat.com

سنا اٹھایا اسی لیے زیر والی قراءت معنی کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہے۔ اسی واسطے یہ زیادہ مشہور بھی ہے۔

یا مثلاً مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی قاریوں نے کئی ایک قراءتیں بیان کی ہیں۔ جمہور نے اسے مَلِكِ بغیر الف کے پڑھا ہے۔ کسائی، عاصم اور ان کے موافقین نے مَالِكِ میم کے بعد الف سے پڑھا ہے۔ اس کی ظاہری وجہ تو یہ ہے کہ مَلِكِ بغیر الف کے پڑھنے کی صورت میں یہ صفت مشبہ ہے جیسے مَلِكِ النَّاسِ میں اور مَالِكِ الف کے ساتھ پڑھنے کی صورت میں مَالِكَ الْمُلْكِ کی طرح اسم فاعل ہے اور باطن کے لحاظ سے اس کی بناء مد والی قراءت میں الف مدہ کے راز پر ہوگی جو کمال صورت باطنی کے لیے اس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ مخبر عنہ نے ایک کام کیا ہے لہذا الف کا اشارہ اس طرف ہوگا کہ اللہ تعالیٰ مَلِك کی صفت سے موصوف ہے جو اس کے افعال میں سے ایک فعل ہے۔ نیز یہ قراءت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اس کلام کے سننے والے حاضرین کو اس امر عظیم سے متنبہ کر دیا جائے۔ چنانچہ الف کی آواز کمالِ صورت باطنی سے نکلی ہے اور اس آواز کے دو مقصد ہیں ایک مقصد مخبر عنہ کے متعلق ہے کہ جو بات اس کی طرف منسوب کی گئی ہے وہ مخبر عنہ کے افعال میں سے ہے اور دوسرا مقصد سامعین کے لیے ہے کہ غفلت کی نیند سے بیدار ہو جائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ معنی بغیر الف والی قراءت (مَلِكِ) میں نہیں پائے جاتے اس قراءت میں ایک اور راز پایا جاتا ہے وہ اضافت کا راز ہے یعنی مَلِكِ کی يَوْمِ الدِّيْنِ کی طرف اضافت اور یہ مفہوم مَالِكِ کی قراءت میں بہت کم پایا جاتا ہے۔

مؤلف کتاب کہتا ہے کہ یہ قواعد نحویہ کے عین مطابق ہے کیونکہ اسم فاعل حدوث اور تجدّد کے لیے آتا ہے۔ الف سابق کا یہی راز ہے اور اس کی اضافت بہ نیت الفصال ہے حضرت کے فرمان کہ یہ مفہوم پیش والی قراءت میں کمزور ہے کا یہی مطلب ہے۔ خدا اس امام کو جزاءِ خیر دے۔

اور یمانی[1] کی قراءت مَلِيْكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے (یا اضافہ ی بعد لام) اور یہاں یہ ی انجام کی معرفت کے لیے ہے کیونکہ اگر ی نہ بھی ہو تب بھی بناءِ حرف میں کوئی فرق نہیں آتا اس لیے یہ انجام کی معرفت کے لیے ہوئی۔ ورنہ یہ مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق ہوگی چنانچہ ی زائد دیں نفسِ متکلم کی طرف اشارہ کا سر پایا جاتا ہے۔ لہذا اگر وہ انجام سے واقف ہوگا تو اپنے نفس کو متنبہ کرے گا اور یہ قراءت اس لیے ضعیف ہے کہ تنبیہ نفس میں جس پر ی دلالت کرتی ہے۔ یہ بات بتاتی ہے کہ کلام کا مفہوم کچھ ایسا ہے جس سے کبھی غفلت بھی برتی جا سکتی ہے اور اس مقام پر اس بات کی کہیں بھی روایت نہیں ملتی کیونکہ ہر ایک اس سے خود بخود آگاہ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے ی کے بغیر (مَلِكِ) کی قراءت بہتر ٹھہری۔

---

[1] یمانی: الیمان بن معاویہ الاسود: حاملین قرآن میں سے تھے۔ ان کی بینائی جاتی رہی تھی مگر جب قرآنِ مجید کو ہاتھ میں لیتے تو دکھائی دینے لگ جاتا مگر ادھر قرآن مجید کو الگ کیا تو بینائی پھر ویسی کی ویسی ہو گئی۔ (شعرانی صـ ۵۳)

Marfat.com

حضرت علی کی قراءت مَلّٰاكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی قراءت مَلّٰاكِ يَوْمِ الدِّيْنِ جس میں مَلّٰاك بصیغۂ مبالغہ ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس قراءت کے معنی پہلی قراءتوں کے معانی کی نسبت بہت مخصوص معنی ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اس کا یہ مفہوم بن جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام مخلوقات کو چھوڑ کر خاص طور پر مکلّف لوگوں کی گردنوں کا مالک ہوگا۔ اس مفہوم کی وجہ یہ ہے کہ ك کے نیچے کا زیر کمالِ صورتِ ظاہری کے لیے ہے اور صورتِ ظاہری انسانوں کی صورت ہے جو ك کے نیچے سے سر نکالے ہوئے دکھائی دیتی ہے اور الف مدہ سے جو آواز پیدا ہوتی ہے اس کی تنبیہ کر رہی ہے۔ ل کا ل میں ادغام اور اس کا مکرر آنا اس کی اور بھی تاکید اور تحقیق معنی کر رہا ہے اور تاکید و تحقیق دوسروں کو خارج کرنے کے متقاضی ہیں۔ برخلاف قراءت مشہورہ کے کہ اس میں تاکید و تحقیق نہیں پائی جاتی لہذا وہ غیر کے اخراج کی بھی متقاضی نہیں۔ مختصر یہ کہ ادغام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ غیر بنی آدم کے لیے دروازہ بند کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر بنی آدم اس قراءت میں داخل نہیں ہیں لہذا یہ قراءت بھی ضعیف ٹھہری۔

مؤلف کتاب کہتا ہے کہ فعّال کے صیغہ پر مَلّاك سے جو اسم مبالغہ بنتا ہے اس کا یہی تقاضا ہے۔ کیونکہ مَلِك وہ ہے جو صاحبِ تصرّف ہو اور عذاب و ثواب کے ساتھ تصرف بنی آدم میں دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ ہوتا ہے کیونکہ مقصود بالذّات تو انسان ہیں اور دوسرے مقصود بالتبع۔ اسی واسطے مَلّاك اسی معنی کا زیادہ تر مفہوم ادا کرے گا۔ لہذا قراءتِ متواتر زیادہ مشہور ہوئی کیونکہ اس قراءت میں بنی آدم اور ان کے علاوہ اور اشیاء بھی شامل ہو جاتی ہیں۔[1]

ابو حیوۃ کی قراءت مَالِكَ يَوْمِ الدِّيْنِ

اور ابو حیوۃ کی قراءت مَالِكَ يَوْمِ الدِّيْنِ ك کی زبر سے، اس خیال سے کہ یہ یا تو منادی مضاف ہے یا اس کا فعل محذوف ہے۔ باطن کے لحاظ سے ك کا زبر علم کامل کے لیے ہے۔ لہذا جس نے ك پر زبر پڑھا اس نے نہ اپنے آپ کو خدا کی غلامی میں داخل کیا نہ اور کو۔ برخلاف اس کے جس نے ك کے نیچے زیر پڑھا کیونکہ زیر آدمیت کے لیے ہے اور آدمیت میں متکلّم کی طرف سے ادب اور عاجزی پائی جاتی ہے۔ مزید برآں آدمیت کا ادب آدمیت کے ساتوں اجزا سے پیدا ہوتا ہے۔ اور یہاں آدمیت کا جزو کمالِ صورتِ ظاہری ہے جس پر زیر دلالت کرتا ہے۔ لہذا زیر میں جو ادب پایا جاتا ہے اس کی وجہ ایک تو آدمیت پر اللہ کا احسان ہے اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی صورت اچھی طرح سے بنائی ہے اور متکلّم اور غیر متکلّم کا خدا کی مالکیّت کا اعتراف کرنے سے یہی مراد لی جاتی ہے لیکن زبر والی قراءت میں یہ معنی نہیں پائے جاتے۔ اسی لیے یہ قراءت مشہور نہیں ہے۔

---

[1] ابو حیوۃ: شریح بن یزید ابو حیوۃ الحمصی، موذن اور قاری تھے۔ ابن حبان نے انہیں ثقہ شمار کیا ہے۔ ان کی وفات ۲۰۳ھ = ۸۱۸ء میں ہوئی۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۳۱)

Marfat.com

عمر بن عبد العزیزؓ کی قراءت مَلَکَ یَوْمِ الدِّیْنِ

یا مثلاً عمر بن عبد العزیزؓ[1] کی قراءت مَلْکِ یَوْمِ الدِّیْنِ جس میں ل کو ساکن پڑھا گیا ہے۔ اس کی ظاہری وجہ تو یہ ہے کہ ل کے زیر کو تخفیف کی غرض سے ساکن کر دیا گیا ہے، جس طرح کَتِفٌ کے ت کو تخفیف کر کے کَتْفٌ پڑھ لیتے ہیں۔ اور اس کی باطنی توجیہہ یہ ہے کہ یوں سمجھو کہ یہ الفاظ حق تعالیٰ کی زبان سے نکلے ہیں، اور متکلم باوجود طاقت نہ رکھنے کے اللہ تعالیٰ کا نائب بن کر ان الفاظ کو لڑکھڑاتے ہوئے ادا کرتا ہے اور اس مفہوم کو ل کا جزم ادا کرتا ہے جو قراءت کے بدلنے کا سبب ہے۔ ان معنوں پر اس کے دلالت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حرفِ رسالت کو مثلاً ل جو علم کامل کے لیے ہے جب ساکن کیا جائے تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے ماقبل کی حرکت بھی علمِ کامل کے لیے ہے اور اگر ماقبل کی حرکت جزم کے ساتھ نہ آئے تو علم کامل کے لیے نہیں۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ جب وہ جزم کے ساتھ آئے تو علم کامل کے لیے ہو جیسا کہ یہاں ہے کیونکہ جب لام پر حرکت تھی۔ تو م کی حرکت صدق کے لیے تھی۔ لیکن جزم کے ساتھ یہ علم کامل کے لیے ہو گئی کیونکہ جزم ماقبل کی تاکید کرنے والے کی تحقیق کے لیے ہے جس کی وجہ سے جزم ماقبل کی حرکت کو اپنے معنی سے خارج کر دیتی ہے اور حرف کو بھی اپنی حرکت سے نکال دیتی ہے کیونکہ اگر ل پر زبر ہو تو وہ علم کامل کے لیے ہے اور اگر زیر ہو تو کمالِ حسِّ باطنی کے لیے۔ لفظ میں تغیّر اور اس میں لرزہ صرف اسی صورت میں پیدا ہوا ہے جب متکلمؒ کی ذات میں اضطراب اور زلزلہ پیدا ہوا۔ اور یہ اضطراب اور زلزلہ اس لیے پیدا ہوا کہ اس نے وہ الفاظ بولے ہیں جن کے بولنے کی اس میں طاقت نہ تھی۔ یعنی یہ کہ اس نے مَلْکِ کی نسبت اپنی ذات سے کر دی جس کی قدرت محض ذاتِ قدیم کو ہے۔ اسی لیے متکلم کی ذات عبودیت کی طرف ہوئی جس طرف ک کا زیر جو آدمیت کے لیے ہے اشارہ کرتا ہے۔ لہٰذا ل کا جزم حاسہ ساریہ کے لیے ہے لیکن جب اس سے لفظ میں اضطراب پیدا ہو گیا تو۔

اس نے یہ بھی بتا دیا کہ متکلمؒ کی ذات میں بھی اسی قسم کا اضطراب پیدا ہو گیا ہے اور متکلمؒ کی ذات میں اضطراب اسی صورت میں پیدا ہو سکتا جب اس کی مثال ایک بچے کی سی ہو۔ جو اپنی طاقت سے بڑھ کر اٹھا لے۔ اسی واسطے جمہور کی قراءت بہتر اور زیادہ مشہور ہے کیونکہ اس قراءت کے مطابق ذاتِ متکلمؒ اس درجہ تک نہیں گری کہ وہ ناقابل برداشت چیز کو اٹھائے۔ واللہ اَعْلَمُ

مذکورہ بالا قراءتوں کے علاوہ اور قراءتیں

کچھ اور قراءتیں رہ گئی ہیں۔ ان میں سے ایک مَلَكَ يَوْمَ الدِّيْنِ کی قراءت ہے۔ اس طرح مَلَكَ فعل ماضی ہے اور يَوْمَ الدِّيْنِ اس کا مفعول اور یہ علی بن ابی طالبؓ کی قراءت ہے۔ اور مَالِكٌ يَوْمَ الدِّيْنِ ک پر تنوین والابیش اور یوم پر زبر اور یہ عاصم جحدریؒ کی قراءت

---

[1] عمر بن عبد العزیز خلفاء بنی امیہ میں سے ایک خلیفہ ہیں۔ انہیں عمر ثانی کہا جاتا ہے۔ نہایت متقی عابد و زاہد تھے۔ ان کی وفات ۳۹ برس کی عمر میں سنہ ۱۰۱ھ = ۷۱۹ء میں زہر دیے جانے کی وجہ سے ہوئی۔ ان کی مدت خلافت دو سال چودہ دن ہے۔ ۱۲

Marfat.com

ہے۔ اور مَالِكُ يَوْمَ الدِّيْنِ ک پر پیش (تنوین کے بغیر) اور یوم کی میم کے نیچے اضافت کی وجہ سے زیر ان قراءتوں کے اسرار ان کے حرکات کے اسرار سے معلوم ہو سکتے ہیں اور ان غیر مشہور قراءتوں میں سے کسی ایک میں بھی وہ اسرار نہیں پائے جاتے جو دونوں متواتر قراءتوں کے معانی و اسرار کو ادا کر سکیں۔

اِیَّاكَ کی مختلف قراءتیں

سورۂ فاتحہ کی قراءتوں کے اختلاف میں ایک اختلاف اِیَّاكَ میں ہے۔ جمہور نے اسے ہمزہ کی زیر پڑھا ہے۔ سفیان ثوریؒ نے اَیَّاكَ ہمزہ کی فتح (زبر) سے پڑھا ہے۔ اس کی ظاہری وجہ تو یہ ہے کہ اَیَّاكَ اور اِیَّاكَ دونوں لغتیں ہیں لیکن باطنی وجہ یہ ہے کہ زیر کا راز اور ہے اور زبر کا راز اور۔ زیر میں اللہ کے سامنے ادب اور انکساری اور اس امرِ مطلوب میں تواضع پائی جاتی ہے اور متکلم کی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں یہی نسبت ہوتی ہے۔ زیر سے یہ معانی یوں مستفاد ہوئے کہ زیر عقلِ کامل کے لیے ہے اور کمالِ عقل تواضع اور انکساری کا متقاضی ہے کیونکہ اسے علم ہوتا ہے کہ بندہ کا مرتبہ کیسا ہونا چاہیئے اور رب کا مرتبہ کیسا۔ زبر کا راز مشاہدۂ کاملہ سے حاصل ہوتا ہے جو رسالت کا جزو ہے اور یہ مشاہدہ خدا سے وصل اور اجتماع کا احساس دلاتا ہے اور ان دونوں میں ایک قسم کا عاجز کرنا پایا جاتا ہے مگر زیرؔ میں عاجزی پائی جاتی ہے اور یہی بات عام مخلوقات کے لیے مناسب بھی ہے۔ اسی وجہ سے زیر والی قراءت زیادہ مشہور اور افضل ہے۔

اسواری کی قراءت اِیَاكَ

اسواری کی قراءت اِیَاكَ ہے جس میں ی پر تشدید نہیں پڑھی گئی بلکہ اسے مخفف کیا گیا ہے۔ قراءت جمہور اور اس قراءت میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ اگر فرق ہے تو صرف اتنا کہ جمہور کی قراءت (اِیَّاكَ) میں اللہ سے ڈرنے کی تاکید اور اس خوف کے اندر حق گوئی کی تاکید ہے اور یہ دونوں امور اللہ سے مضبوط تعلق اور سخت خوف کا تقاضا کرتے ہیں اور یہ بات تخفیف والی قراءت میں نہیں پائی جاتی کیونکہ اگرچہ اس میں بھی خوف اور سچائی پائی جاتی ہے اس لیے کہ ی خوف کے لیے ہے اور اس کا راز صدق کے لیے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ پھر بھی تشدید والی قراءت میں زیادہ تاکید پائی جاتی ہے۔

بعض اہلِ مکہ کی قراءت نَعْبُدْ

قراءت کے اختلافات میں سے ایک قراءت اہلِ مکہ کی ہے کہ انہوں نے دال کو ساکن کر کے نَعْبُدْ پڑھا ہے۔ تخفیف کی وجہ وہی ہے جو ابو عمرو نے یَاْمُرْكُمْ کی را کو ساکن کرنے کی بیان کی ہے۔ باطن کے اعتبار سے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ پیش کا راز اس مقام پر جزم کے راز کے قریب ہے کیونکہ پیش اور جزم دونوں حاسہ سامعہ کے لیے ہیں پھر بھی ان دونوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ اس طرح کہ جزم میں پیش کا راز شامل ہوتا ہے اور اس میں اسی قدر زیادتی بھی ہے۔ کیونکہ پیش تو اصل ہے اور جزم اس پر عارضی طور پر واقع ہوتی ہے اور اصلی راز عارضی چیز کے پیدا ہونے سے زائل نہیں ہو سکتا اس لیے جزم میں پیش کے مقابلہ میں زیادہ تاکید پائی گئی۔ لیکن چونکہ جزم تو ایک عارضی چیز ہے کبھی آئے گی اور کبھی نہیں اسی لیے پیش زیادہ مشہور اور افضل ٹھہری۔ بمزید

(۱) سفیان بن سعید ثوری: انہیں امیر المومنین فی الحدیث کہا جاتا ہے۔ نہایت ہی متقی اور عابد و زاہد تھے۔ ان کی پیدائش ۹۷ھ میں کوفہ میں ہوئی اور وفات بصرہ میں ۱۶۱ھ میں ہوئی۔

Marfat.com

برآں اصلی راز تمام مومنین کے لیے عام ہے اور عارضی راز خاص الخواص ہے ۔ اس لیے پیش کی قراءت میں عوام کے لیے قبض عام ہے اور جزم کی قراءت میں خاص لوگوں کے لیے قبض خاص ہے۔

إِيَّاكَ يُعْبَدُ کی قراءت

ایک اور قراءت إِيَّاكَ يُعْبَدُ کی ہے جس میں يُعْبَدُ کو مجہول پڑھا گیا ہے۔ صیغۂ مخاطب سے صیغۂ غائب کی طرف التفات کی وجہ سے۔ باطن کے اعتبار سے اس کی توجیہ یہ ہے کہ ی کا پیش انقباض کے لیے ہے اور جس چیز سے انقباض پیدا ہوا ہے وہ ی اور ع کے معنی کی ضد ہے۔ ی اللہ تعالیٰ سے خوف کیجئے ہے جس کی ضد عدم خوف یعنی خدا کی نافرمانی ہے۔ ع عفو کے لیے ہے جس کی ضد ظلم اور بُرا برتاؤ ہے۔ لہٰذا یہ متکلم دونوں حروف کے معنوں سے متصف ہونے کے بعد ان دونوں برے معنوں سے منقبض ہوا اور یہ انقباض اس قدر مضبوط ہوا کہ متکلم کی حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ ان عارفین میں سے ہو گیا جو اہلِ جنت کی سی زندگی بسر کرتے ہیں اور یہ حال اُن اہلِ باطن کا ہوتا ہے جو اللہ کی ہر مخلوق کی عبادت اور تسبیح کا مشاہدہ کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ۔ ہم نے جو یہ کہا ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہو جاتا ہے جو اہلِ جنت کی سی زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ اس لئے کہا ہے کہ ع کے بعد کا زبر اہلِ جنت کی سی زندگی کے معنوں کو ادا کرتا ہے۔ لہٰذا یہ قراءت صرف عارف لوگ ہی ادا کر سکتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا سعید بن جبیر[1] اس آیت کو اسی طرح پڑھا کرتے تھے کیونکہ وہ اکابر عارفین میں سے تھے نَفَعَنَا اللّٰهُ بِهِمْ۔ آمین۔ یہی وجہ ہے کہ اس قراءت والے کو اس بات کی ضرورت نہ ہوئی کہ وہ اپنے آپ کو اس عبادت میں شامل کرے کیونکہ وہ تو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہے کہ کوئی شخص بھی اللہ کی عبادت سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ برعکس قراءتِ جمہور کے جو ن اور مضارع معروف سے ہے۔ کیونکہ اس صورت میں متکلم اپنے آپ کو عبادت میں شامل کرتا ہے اور اس قراءت میں عارف و غیر عارف سب شامل ہو سکتے ہیں۔ اگر وہ مشاہدہ ہی کیوں نہ کرے کہ کوئی شخص اللہ کی عبادت سے باہر نہیں رہ سکتا۔ تو اس صورت میں اس کا اپنے آپ کو عبادت میں شامل کرنا لذت حاصل کرنے کے لیے ہوگا اور اگر وہ مشاہدہ نہ کر رہا ہوگا تو قاری غیر عارف ہوگا۔ اس کے باوجود جمہور کی قراءت بہتر ہے کیونکہ جب قاری قراءت میں مشغول ہو جاتے تو حروف کے معانی کے انوار چمک اٹھتے ہیں اور متکلم کی ذات کو اُن انوار سے سیراب کرتے ہیں لہٰذا اگر وہ ن سے پڑھیگا تو اس نے اپنے آپ کو عبادت میں شامل کر لیا اور وہ ن کے معنی سے سیراب ہوگا۔ اور اگر ی سے پڑھے گا اور پڑھنے والا غیر عارف ہے تو وہ نون پر ن دلالت کرتا ہے اس سے چھوٹ جائے

---

[1] سعید بن جُبیر: ۳۸ھ = ۶۵۸ء میں پیدا ہوئے اور ستاون سال کی عمر میں ۹۵ھ = ۷۱۴ء میں ابنِ اشعث کی بغاوت میں حجاج نے انہیں قتل کیا۔ جب اہلِ کوفہ حج کو جاتے اور حضرت عبداللہ بن عباس سے مسئلہ پوچھتے تھے، تو وہ کہتے تھے کہ کیا تم میں سعید بن جُبیر نہیں؟ وہ کسی کو اپنے پاس غیبت کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ قتل ہونے سے پہلے انہوں نے دعا کی کہ اے خدا حجاج کو میرے بعد کسی پر مسلط نہ ہونے دینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حجاج ان کے پندرہ دن بعد مر گیا۔ اس عرصہ میں حجاج کو نیند نہ آتی تھی۔ جب سوتا تو حضرت سعید خواب میں آکر پاؤں کو کھینچتے اور اُٹھا دیتے۔

Marfat.com

گا۔ حالانکہ سورۂ فاتحہ کے پڑھنے سے ہماری غرض اسے تمام انوار کے ساتھ پڑھنے سے ہے۔ عارف سے انوار نہیں چھوٹ سکتے کیونکہ وہ خود دیکھ رہا ہوتا ہے کہ کوئی شخص بھی اللہ کی عبادت سے خارج نہیں ہو سکتا۔ مختصر یہ کہ ن والی قراءت تمام امّت کے مناسب ہے خواہ وہ عارف ہو یا غیر عارف، برخلاف ی کی قراءت کے کیونکہ اسے پڑھنے والا ضروری ہے کہ عارف ہو کیونکہ اس کی قراءت میں وہ معانی پائے جاتے ہیں جو یہ ظاہر کرتے کہ اس نے خدا کا حق بھی ادا کیا ہے یعنی اسے خدا سے خوف تام حاصل ہے اور یہ مفہوم ی سے مستفاد ہوتا ہے اور خلق کا حق بھی ادا کیا ہے یعنی انہیں معاف کرنا، درگذر کرنا اور ان سے برائی نہ کرنا اور یہ مفہوم ع سے حاصل ہوتا ہے۔ پھر عارف جب ان دو بڑے اہم اخلاق سے مزیّن ہو چکتا ہے تو ان کی ضد سے منقبض ہوتا ہے اور یہ مفہوم ی کے پیش اور ع کے جزم سے سمجھ میں آتا ہے اور یہ کیفیت بہت اعلیٰ درجہ کی کیفیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان انوار سے سیراب ہوتا ہے جن سے اہلِ جنت سیرات ہوتے ہیں تاکہ وہ ان کی سی زندگی بسر کر سکے۔

قراءت نَعْبُدُوْ اسی طرح بعض نے نَعْبُدُوْ دال کے بعد وٗ کی زیادتی سے پڑھا ہے۔ یہ نافعؒ کی روایت ہے جسے اصبہانی[ع] نے ورش سے روایت کیا ہے۔ اس کی ظاہری وجہ تو یہ ہے کہ وال کی پیش کو اشباع کر کے واؤ پڑھا گیا لیکن باطن کے لحاظ سے اس قراءت میں جمہور کی روایت پر واؤ زیادہ کی گئی ہے اور یہاں واؤ حق گوئی سے نہ شرمانے کے لیے اور عدم حیاء کے معنی یہ ہیں کہ بندہ نے اپنے الفاظ میں تصریح کر دی تاکہ جب وہ اللہ کے سامنے ہو اس معنی کی تحقیق ہو جائے اور اس کی اس حد تک تاکید کر دی جائے کہ اس میں کوئی شبہ نہ رہے۔ یہ مفہوم اگرچہ ایک اچھا مفہوم ہے مگر اس سے بھی اچھی بات یہ ہے کہ بندہ یہ خیال کرلے کہ اس نے کوئی عمل کیا ہی نہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو۔ خدا ہی اس کا اور اس کے حرکات وسکنات کا خالق ہے۔ یہی وجہ ہے جمہور کی قراءت سے واو گرا دی گئی ہے کیونکہ اس مقام پر حیا کرنا عدم حیا سے بہتر ہے کیونکہ اس میں اپنے عمل کو دیکھنا اور اللہ سے بے ادبی پائی جاتی ہے۔ حضرت نے فرمایا واؤ کی قراءت صحیح ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور جمہور کی قراءت کو ترجیح صرف اس لیے ہے کہ اس کی نسبت ہم سے ہے۔ آنحضرت کے ساتھ نہیں کیوں کہ آنحضرت کی نسبت سے جو قراءتیں آتی ہیں۔ ان کے پیچھے اتنے انوار آتے ہیں، جتنے اللہ چاہتا ہے۔

حضرت نے فرمایا اس قراءت میں واؤ کے بعد الف اس لیے نہیں لکھا جاتا ہے کہ واو تو یہاں صرف کلمہ کے معنی کو ثابت کرنے کے لیے آئی ہے، اس لیے اس کے بعد الف زائد نہیں لکھا گیا۔

ع[1] اصبہانیؒ: اصبہانی پانچ مشہور بزرگ ہوئے ہیں۔ غالباً یہاں مراد ابراہیم بن ادرمہ سے ہے۔ یہ حافظِ حدیث اور عالم تھے۔ معرفت اور حافظہ کے اعتبار سے یہ اپنے زمانہ میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے چھپن برس کی عمر میں ۲۶۶ھ = ۸۷۹ء میں وفات پائی۔

یحیٰ بن وثابؒ کی قراءت نِسْتَعِیْنُ

ان قراءتوں میں سے ایک قراءت یحیٰ بن وثاب[ع۱] کی ہے جنہوں نے نِسْتَعِیْنُ ن کے نیچے زیر سے پڑھا ہے۔ اس کی ظاہری وجہ یہ ہے کہ یہ ایک لغت ہے۔ اگرچہ مشہور لغت نون کی زبر سے ہے۔ باطن کے اعتبار سے اس کی وجہ یہ ہے کہ زبر کا راز الگ ہے اور زیر کا الگ۔ اس لیے کہ زیر کی قراءت میں غیر متکلم کو خارج کر دیا جاتا ہے اور یہ بات زبر میں نہیں پائی جاتی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ زیر حس باطنی کے لیے ہے جو آدمیت کا جزو ہے اور تُو معلوم کر چکا ہے کہ آدمیت میں ادب اور انکساری پائی جاتی ہے لہٰذا زیر کا اشارہ خود اس متکلم کی طرف ہے جس نے عاجزی کی اور با ادب رہا اور چونکہ اس نے اشارہ اپنی طرف ہی کیا ہے اس لیے غیر کو اس سے خارج کرنا لازم ٹھہرا۔ اسی وجہ سے جمہور کی قراءت بہتر ہے کیونکہ وہ زیادہ عام اور زیادہ فائدہ مند ہے۔

حضرت عمرؓ کی قراءت غَیْرُ الْمَغْضُوْبِ

انہی میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قراءت غَیْرُ الْمَغْضُوْبِ ہے۔ بعضوں نے غَیْرَ الْمَغْضُوْبِ زبر کے ساتھ بھی پڑھا ہے اور یہ ابن کثیر کی سند سے خلیل[ع۲] بن احمد کی قراءت ہے۔ خلیل سے جمہور کی زیر والی قراءت بھی مروی ہے۔ نحوی اعتبار سے اس کی توجیہ ظاہر ہے اور باطن کے اعتبار سے ان کی توجیہہ تینوں حرکات کے راز کے مطابق ہوگی۔ چنانچہ زبر آدمیت کے لیے ہے جو بہاں کمال صورتِ باطنی کے لیے ہے اور اس میں بہت ادب پایا جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ زیر کی صورت میں مغضوب علیہم کی تعیین پائی جاتی ہے اور ایک اور اشارہ یہ ہے کہ وہ ہماری ہی جنس میں سے ہیں نہیں بلکہ ہمارے ہی رشتہ دار اور اصل میں عمزاد وں میں سے ہیں۔ یوں سمجھو کہ جس نے غَیْرِ کو زیر سے پڑھا وہ یہ کہہ رہا ہے کہ سوائے ان لوگوں کے جن پر تیرا غضب ہوا مثلاً یہودی اور وہ ہمارے اقارب میں سے ہیں لیکن اس کے باوجود خدایا تو نے ہم کو ان پر فضیلت اور ہدایت دے کر ان سے ممتاز کر دیا لہٰذا ہم تیرا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ لہٰذا اس میں بڑا بھاری ادب پایا جاتا ہے۔ اسی واسطے جمہور نے اسی طرح پڑھا ہے۔ پیش کی قراءت میں بھی مغضوب عَلَیْہِم کی تعیین اور تخصیص ایک معیّن قوم سے کی گئی ہے اور ساتھ ہی اُن سے نفرت، ان سے دُوری اور بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے اور یہ پیش کا راز ہے کیونکہ ضمّہ قبض، ضد سے نفرت اور بیزاری کے لیے ہے۔ لہٰذا اس میں وہ انکساری نہیں پائی جاتی جو زیر میں پائی جاتی ہے۔

زبر کی قراءت (غَیْرَ) میں مغضوب علیہم کی تعیین نہیں اور کلام اپنے عموم پر قائم رہتا ہے اور

ع۱ یحیٰ ابن وثاب: اسدی کوفی تھے۔ یہ مشہور قاری ہیں۔ ابن عمر اور ابن عباس وغیرہ سے روایت کی۔ جب مسجد میں قرآن مجید پڑھتے تو سناٹا چھا جاتا۔ ان کی وفات ۱۰۳ھ = ۷۲۱ء میں ہوئی۔

ع۲ خلیل بن احمد فراہیدی: مشہور نحوی اور لغوی گذرے ہیں۔ ان کی کتاب العین عربی لغت کی پہلی کتاب خیال کی جاتی ہے۔ خلیل علم عروض عربی کے بھی موجد ہیں۔ ان کی وفات ۱۷۵ھ = ۷۹۱ء میں ہوئی۔

Marfat.com

پہلی دو قراءتوں میں عام سے مراد وہ عام ہو گا جس سے خاص مراد لیا جاتا ہے۔

ابوایوب سختیانی کی قراءت وَلَا الضَّأْلِّيْن

ان میں ایک قراءت ابوایوب[1] سختیانی رح کی قراءت وَلَا الضَّأْلِّيْنَ کی قراءت ہے۔ جس میں الف کو ہمزہ ساکن میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ ظاہری یہ ہے کہ یہ ایک نہایت شاذ لغت ہے۔ باطنی وجہ یہ ہے کہ ہمزہ بھی امتثال کے لیے ہے۔ اور اس کا جزم بھی امتثال کے لیے ہے چنانچہ اس میں دو قبض پائے گئے۔ ایک ہمزہ کا اور دوسرا حرکت کا اور یہ قبض امتثال کا قبض ہے۔ اور امتثال سے مراد یہ ہے کہ ہم اس قول کو مان لیں کہ گمراہ لوگ ہمارے دشمن ہیں لہٰذا اس ہمزہ کی مثال ایسی ہوئی جیسے کہ کوئی کہے نہ گمراہ لوگوں کی اور وہ ہمارے دشمن ہیں" ہمزہ ساکن یہاں پر اس جملہ کے قائم مقام ٹھہری۔ اس کے باوجود جمہور کی قراءت اس سے بہتر ہے کیونکہ الف ممدودہ اور اس کے مراتب میں وہ معانی پائے جاتے ہیں جیساکہ ذکر ہو چکا ہے جن کے ایک حصہ کو بھی یہ قراءت ادا نہیں کر سکتی۔

یہ تمام اس کلام کا خلاصہ ہے جو ہم نے شیخ سے ان قراءتوں کی تفسیر اور ان کی توجیہ کے بارے میں سنا۔ ان کے علاوہ اور قراءتیں بھی ہیں جن کا ذکر ائمہ قراء نے کیا ہے اور شیخ نے ان کے علاوہ اور قراءتوں کا بھی ذکر کیا تھا جن کا ذکر میں نے اس خیال سے نہیں کیا کہ کہیں لوگ اکتا نہ جائیں کیوں کہ اگر میں اس مسئلہ کی تفصیلات میں جاتا اور جو معلومات حضرت کے بطن میں تھیں، ان کو تمام کو لکھنا چاہتا تو وہ کئی جلدوں میں بھی سما نہیں سکتی تھیں۔

شیخ کے مذکورہ بالابیان میں کئی ایک نکات پائے جاتے ہیں جن کا ہم ذیل میں ذکر کیے دیتے ہیں۔

۱۔ مقام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

پہلی بات جس سے مطالعہ کنندہ کو آگاہ ہونا چاہیے وہ یہ ہے کہ حضرت کے منور کلام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن کی تشریح اور آپ کے قلب وجسم مبارک کے اسرار کے بلند مقام کے متعلق تنبیہہ پائی جاتی ہے۔ اور اسی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند رتبہ ومقام کا پتہ چلتا ہے کیونکہ انچاس اجزاء کے نور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف میں پائے جاتے ہیں۔ کسی اور میں نہیں پائے جاتے۔ اس لیے آپ کی ذات میں ان کے حقائق و انوار مکمل طور پر پائے جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُسے اور زیادہ محبت ہو جائے تو اسے چاہیئے کہ ان انچاس اجزاء کو ایک ایک کر کے آپ کے پہلو میں رکھے، پھر ان سب انوار کو مرکب کر کے ایک ہی نور بنا دے تو اُسے بہت بڑا نور دکھائی دیگا

---

[1] ابوبکر ایوب بن ابی تمیمۃ کیسان السختیانی رح۔ مگر کتاب میں صرف ابو ایوب دیا ہے۔ تابعی ہیں۔ بہت پایہ کے عالم تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ انہوں نے حدیث کی روایت حسن بصری رح، سعید بن جبیر وغیرہ سے کی اور ان سے شعبہ، سفیان ثوری، سفیان عیینہ، حماد بن زید حماد بن سلمہ وغیرہم نے روایت حدیث کی۔ ۶۶ھ = ۶۸۵ء میں ان کی پیدائش ہوئی اور ۱۳۱ھ = ۷۴۸ء میں ان کی وفات ہوئی۔

Marfat.com

جس کی نہ کیفیت بیان کی جا سکتی ہے۔ اور نہ کوئی دوسرا شخص ان کو برداشت کرنے کی طاقت رکھ سکتا ہے۔ پھر ان انوار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن میں رکھے تو اسے بالضرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت زیادہ ہو جائے گی۔ اور اس طرح اس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری اور باطنی صورت کی تشریح بھی ہو جائے گی۔

۲۔ شرحِ حالِ روح آپ کے بیان میں جو دوسری بات پائی جاتی ہے۔ وہ رُوح کے حال کی تشریح اس کے خصائل حمیدہ اور عجیب وغریب اوصاف کا بیان ہے۔ رُوح کے اوصاف یہ ہیں۔ ذوق، تمیز، بصیرت عدم غفلت۔ قوتِ سریان اور جسم کا آزار رساں اشیاء کو محسوس نہ کرنا۔ لہذا جو شخص ان اوصاف کو جان لے اور ان معانی کو اچھی طرح سمجھ لے تو اسے رُوح کے متعلق بمعہ اس کے لوازمات اور خواص کے بہت سی معلومات حاصل ہو جائیں گی۔ لوگوں میں رُوح کے متعلق سخت اختلاف پایا جاتا ہے۔ کوئی یہ کہتا ہے کہ میں تو اس بحث میں پڑنا ہی نہیں چاہتا لہذا اس نے اس بحث کا دروازہ ہی بند کر دیا۔ اور کچھ لوگ اس کی بحث میں پڑتے ہیں اور اس بات کے مدعی ہیں کہ روح کے متعلق انہیں معلومات حاصل ہیں، اس کے باوجود انہوں نے رُوح کے خواص کا ذکر نہیں کیا، جس کی وجہ سے لوگوں کی عقلیں حیران رہ گئیں مگر حضرت کا کلام رُوح کے خواص اور لوازمات کو نہایت عمدہ طور پر بیان کرتا ہے لہذا جو شخص اس بحث میں پڑنا چاہے تو اسے بھی شیخ کا مسلک اختیار کرنا چاہیئے۔

اب رہی یہ بات کہ روح کیا چیز ہے؟ اس کی ماہیت کیا ہے؟ روحوں کا ہم جنس یا مخالف ہونا کیسے ہوتا ہے اور اجسام میں داخل ہونے سے پہلے ارواح کی کیا کیفیت تھی؟ تو ان کے متعلق ہم نے شیخ سے نہایت عجیب وغریب باتیں سنی ہیں جن میں سے ہم بعض کا ذکر کتاب میں کریں گے، انشاء اللہ تعالےٰ

۳۔ معارفِ اولیا کی شرح آپ کے کلام میں جو تیسری بات پائی جاتی ہے وہ اولیاء اللہ کے معارف کی تشریح ہے۔ جس سے ولایت اور عرفان کا پتہ چلتا ہے کہ یہ کیا ہیں؟ کیونکہ ولی اور غیر ولی میں اس وقت تک فرق معلوم نہیں ہو سکتا جب تک کہ ولی کی ذات اور رُوح کا درمیانی پردہ نہ اٹھ جائے لہذا جس کی ذات پر رُوح کے اسرار کھل جائیں اور اُن کے درمیان کا پردہ زائل ہو جائے وہی ولیِ عارف اور صاحبِ فتح کہلائے گا۔ اور جس کی ذات روح سے حجاب میں رہے تو وہ ایک عامی شخص ہے خواہ وہ ہوا میں ہی کیوں نہ اڑ سکتا ہو یا پانی پر ہی کیوں نہ چل سکتا ہو۔ اگر میں ان تمام باتوں کا ذکر کردوں جو میں نے حضرت سے اس بارے میں سنیں تو کلام طول پکڑ جائے گا۔ شاید ہم آئندہ چل کر کچھ باتیں کتاب میں درج کریں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

۴۔ شرح حدیث اُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ چوتھی بات حدیث شریف کی شرح ہے، جسے حضرت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار باطنی اور اسرارِ قلبی کے مطابق بیان فرمایا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبیٔ کریم اور رسولِ عظیم ہیں۔ آپ کا باطن بھی بہت بڑا باطن ہے اور آپ کا قلبِ مبارک انوار سے مالامال ہے اور قرآنِ مجید آپ کے اس بڑی صفت والے دل پر نازل ہوا ہے چنانچہ حضرت کی بیان کردہ تفسیر ان تمام

Marfat.com

اسرار کو پورا کر رہی ہے اور ان تمام انوار پر شامل ہے۔

اب رہی حدیث کی ظاہری شرح اور اسے ظاہری عبارت اور عربی زبان کے مطابق پیش کرنا، تو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس قسم کی شرح کو مقامِ نبوت اور مقامِ رسالت کے ساتھ کوئی نسبت نہیں کیونکہ اسرارِ باطن کے اختلاف کے بغیر لفظی اختلافات صرف اس باطن میں پیدا ہوتے ہیں جو اسرار سے عاری ہو۔

اس سے بھی زیادہ عجیب تفسیر اس شخص کی تفسیر ہے جس نے سات حرفوں کی تشریح حلال، حرام وعد، وعید، استخبار اور ندا سے کی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا۔ لہٰذا تم جتنا آسانی سے پڑھ سکو، پڑھ لو۔ اور نہ ہی صحابہ کے لیے یہ مناسب تھا کہ وہ ان معانی میں آپس میں جھگڑتے۔ اسی طرح جنہوں نے اس کی تشریح امر۔ نہی وعد، وعید وغیرہ سے کی ہے، وہ بھی درست نہیں۔ الغرض عاقل و ذکی آدمی پر حق بات مخفی نہیں رہ سکتی۔

۵۔ آئمہ قراء اور حضرت کے بیانات میں فرق

اگر آئمہ قراء کی بیان کردہ سات قراءتوں کی توجیہ اور حضرت کے بیان کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو دونوں میں نمایاں فرق ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ جو کچھ آئمہ قراء نے بیان کیا ہے اگرچہ وہ اپنی جگہ پر درست ہے لیکن وہ تو ایک عام بات ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمارے نبی ہونے کی حیثیت میں کوئی خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ مَلْكِ يَوْمِ الدِّين میں لام کی جزم والی قراءت میں جو توجیہ انہوں نے بیان کی ہے کہ لام کی جزم عَضْد اور کَتْف کی طرح تخفیف کے لیے ہے وہ تو تمام عربی کلام میں پائی جاتی ہے چنانچہ یہی بات عَضْد اور کَتْف میں موجود ہے، حالانکہ یہ دونوں لفظ قرآنِ مجید میں نہیں پائے جاتے۔ کجا یہ توجیہ اور کجا حضرت کے بیان کردہ اسرار۔

اسی طرح إِيَّاكَ نَعْبُدُ جہاں يُعْبَدُ مضارع مجہول ہے، کی جو قراء نے توجیہ کی ہے کہ یہاں التفات ہے مخاطب سے غائب کی طرف تو سب جانتے ہیں کہ التفات عام عربوں کے کلام میں پایا جاتا ہے لہٰذا یہ توجیہ حضرت کے بیان کردہ اسرار کا کیسے مقابلہ کر سکتی ہے جہاں انہوں نے ی اور اس کی مخصوص حرکت ع اور اس کی مخصوص جزم کا راز بیان کیا ہے اس کے بعد ب اور اس کے مخصوص زبر اور دال اور اس کی مخصوص حرکت کا راز بیان کیا ہے۔

۶۔ کہیں کوئی یہ خیال نہ کر بیٹھے کہ قرآن مجید کی تفسیر انہی سات باطنی حروف سے ہو سکتی ہے اور بس

کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ قرآن مجید کی تفسیر انہی سات باطنی حروف سے ہو سکتی ہے اور بس۔ کیونکہ یہ سمجھ لینا درست نہیں بلکہ قرآن مجید کے اور معانی بھی ہیں جن میں علومِ اولین و آخرین مندرج ہیں اور یہ سات باطنی حروف، ان معانی کے لیے بمنزلہ لباس کے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ معنی ایک الگ چیز ہے اور اس کا لباس الگ۔ سورۂ فاتحہ کی مذکورہ بالا تشریح میں غور کرنے سے اس کا تھوڑا سا نقشہ ذہن میں آجائے گا۔ اور قرآنِ مجید کی اس کے حقیقی معنوں میں تفسیر کی جائے تو قرآن مجید کے ظاہری اور باطنی دونوں معنی معلوم ہو جائیں گے اور اس کے باطن سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا

Marfat.com

کہ جسم میں داخل ہونے سے پہلے ارواح کی کیا کیفیت تھی، اور جسم سے مفارقت کے بعد اس کی کیا کیفیت ہو جائے گی۔ نیز یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ قرآن مجید سے ان تمام علوم کا استخراج کیسے ہو سکتا ہے جن پر زمین و آسمان کے رہنے والوں کے علوم مشتمل ہیں اور اس سے شریعتِ محمدیہ نہیں بلکہ تمام شرائع کا استخراج کس طرح ہو سکتا ہے اور اسی طرح ان تمام معارف کا اخراج جن کی طرف ہم نے اجزاء علم میں اشارہ کیا ہے مثلاً انجام کی معرفت، علوم متعلقہ باحوالِ کونین کی معرفت، علوم متعلقہ باحوالِ ثقلین کی معرفت اور تمام لغات کا جاننا وغیرہ وغیرہ اور یہ سب کچھ آنحضرت کے باطن کے سمندر کا ایک قطرہ ہے۔ اگر قرآنِ کریم کو اس طریقے پر سمجھا جائے، پھر اس تعبیر کو ان سات حروف کے انوار سے ملا دیا جائے اور معانی کو ان کا لباس پہنا دیا جائے تو ایسی باتیں ظاہر ہوں گی جن کے سننے سے عقلیں حیران ہو جائیں گی۔ تب جا کر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اگر زمینوں اور آسمانوں کے لوگ مل کر قرآن کی سی ایک سطر بھی پیش کرنے کی کوشش کریں تو نہ کر سکیں گے لہٰذا پاک ہے وہ خدا جس نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اسرار کے ساتھ مخصوص کیا جن کی نہ کیفیت بیان کی جا سکتی ہے اور نہ ان کی کوئی شخص طاقت رکھ سکتا ہے۔

حروف ملفوظہ کے اسرار کا علم سوائے اصحاب کشف کے کسی کو نہیں ہو سکتا

قرآن کے حروفِ تلفظیہ کے اسرار کا علم اور ہر حرف کا ایک سر خاص سے مخصوص ہونے کی وجہ مثلاً امتثال کے لیے ہے اور ت سکینت کے لیے اور ت کمالِ حسن ظاہری کے لیے وغیرہ وغیرہ بجز اہلِ فتح اور صاحب عرفان اور اربابِ شہود کے کسی دوسرے کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اعرابی حرکات کا خاص خاص اسرار کے ساتھ متصف ہونا بھی بغیر فتح و عرفان کے ناممکن ہے کیوں کہ اگر ان اسرار و تخصیصات کا کوئی ضابطہ ہوتا تو لوگ ان اسرار کو معلوم کر لیتے لہٰذا اگر کوئی ان سے واقف ہونا چاہے تو وہ اربابِ شہود و عرفان سے بالمشافہ گفتگو کرے اور ان سے ہر حرف اور ہر حرکت کا راز دریافت کرے انشاء اللہ اسے حق تک رسائی ہو گی۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔

۸۔ قرآن مجید کا رسم الخط توقیفی ہے۔ اصطلاحی نہیں

آٹھواں یہ کہ قرآن مجید کا رسم الخط توقیفی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسی طرح لکھا گیا تھا اور اس کے خاص اسرار ہیں جن سے رسم قرآن کے متعلق اشکالات رفع ہو جاتے ہیں۔ جب اکثر لوگوں نے اسے صحابہ کی اصطلاح سمجھ لیا تو وہ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ اصطلاح درست ہے اور اس میں اسرار رکھے ہوئے ہیں جن میں بعض کو ہم سمجھتے ہیں اور بعض کو ہم نہیں سمجھتے۔ پس جن کو ہم سمجھتے ہیں وہ ان آیات و احکام کی طرح ہیں جن کے معانی سمجھ میں آسکتے ہیں اور جن کو ہم نہیں سمجھتے وہ بمنز دونوں درست ہیں لیکن ان کے ذہن سے یہ خیال نکل گیا کہ اتباع تعبدی صرف احکام الٰہیہ میں ہی ہوتا ہے لوگوں کی تجویز کردہ اصطلاح میں اتباع تعبدی[عله] نہیں ہوا کرتا اور اتباعِ تعبدی جس کا ذکر انہوں نے کیا ہے۔ وہ صرف رسم خط کو توقیفی ماننے کی صورت میں ہے۔ نہ کہ اصطلاح ماننے کی صورت میں۔ ایک جماعت نے اسے اصطلاح قرار دینا صحیح نہیں سمجھا اور

عله تعبدی وہ امور ہیں جن کی ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں مگر بلا چون و چرا ان پر عمل کرتے ہیں۔

Marfat.com

وہ کہتے ہیں کہ عرب کتابت سے واقف نہ تھے اس لیے انہوں نے غلطی سے الفاظ کو جس طرح چاہا لکھ لیا اور فراء[2] کے مذکورہ بالا قول کا مطلب بھی یہی ہے۔ ابو اسحٰق[1] ثعلبی مفسر نے اَلَّذِیْنَ یَأْکُلُوْنَ الرِّبٰوا کے تحت فراء کے اس قول کو نقل کیا ہے۔ ولی الدین ابن خلدون[3] نے اپنی تاریخ کبیر کے مقدمہ میں بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔

۹۔ دو اعتراض اور ان کا جواب

نواں نکتہ دو سوالوں میں پایا جاتا ہے جو میں نے حضرت سے کیے۔

پہلا سوال تو یہ تھا کہ میں نے عرض کیا آپ نے فرمایا ہے کہ ہم نے حروف کو انوار باطنیہ پر تقسیم کیا ہے چنانچہ ان میں سے مثلاً ت[1]، ظ[2]، م[3]، ص[4]، ع[5] آدمیت[(1)] کے لیے نکلے۔ ء[6]، ث[7]، ش[8]، ہ[9] قبض[(2)] کے لیے اور ن[10]، ھ[11]، س[12] بسط کے لیے اور ج[13]، ح[14]، ک[15]، ض[16]، غ[17]، ی[18] نبوت کے لیے اور خ[19]، ذ[20]، ط[21]، ق[22]، لا[23] روح کے لیے اور ذ[24]، ف[25] علم[(6)] کے لیے اور ب[26]، ر[27]، ل[28]، و[29] رسالت[(7)] کے لیے۔ مگر یہی حروف عام لوگوں کے کلام میں بھی تو پائے جاتے ہیں۔ قرآن مجید کے ساتھ مخصوص نہیں جس سے یہ لازم آتا ہے کہ جس کلام میں بھی یہ حروف پائے جاتے ہوں اس میں یہ سات انوار بھی پائے جائیں گے، حالانکہ یہ شان تو صرف قرآن مجید کے ساتھ مخصوص ہے، عام کلام کا تو ذکر ہی کیا۔ دیگر آسمانی کتابوں کی بھی یہ شان نہیں ہوسکتی کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود[4] رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ دیگر کتب سماویہ ایک دروازے سے اور ایک حرف پر اترا کرتی تھیں مگر قرآن مجید سات دروازوں سے سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ الخ

حضرت نے اسکے جواب میں فرمایا کہ حروف کی یہ تقسیم صرف قرآن مجید کے حروف کے ساتھ مخصوص ہے۔ کسی اور کلام کے حروف کے لیے ثابت نہ ہوگی۔ لہذا ہر ہمزہ قبض کے لیے نہیں ہے اور نہ ہر ب سکینت کے لیے اور نہ ہر ت کمالِ حواسِ ظاہرہ کے لیے اور نہ ہر ج صبر کے لیے اور نہ ہر ح رحمت کے لیے اور نہ ہر خ ذوقِ انوار کے لیے بلکہ اِن حروف کے لیے ان انوار کے ہونے کی شرط یہ ہے کہ یہ حروف قرآنِ مجید میں

ع۱ ابو اسحٰق ثعلبی مفسر رح: ابو اسحٰق احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی نیشاپوری۔ ان کی وفات ۴۲۷ھ = ۱۰۳۵ء میں ہوئی ان کی تفسیر کا نام الکشف والبیان فی تفسیر القرآن ہے۔

ع۲ فراء رح: الکسائی کا شاگرد اور ہمشہری۔ بہت بڑا نحوی اور لغوی تھا۔ اس نے ۸۲۲ء = ۲۰۷ھ میں وفات پائی۔

ع۳ ولی الدین ابن خلدون مشہور مؤرخ جس کے مقدمہ نے دنیا میں بہت شہرت حاصل کی ہے ۱۳۳۲ء = ۷۳۲ھ میں پیدا ہوا اور ۱۴۰۶ء = ۸۰۹ھ میں وفات پائی۔

ع۴ ابنِ مسعود رض اصل نام عبداللہ، یہ مشہور عبادلہ میں سے ہیں اور صحابی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب راز تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تکیہ، مسواک، نعلین اور وضو کے پانی کا انتظام سفر میں انہیں کے سپرد تھا۔ آنحضرت حجرۂ مبارک میں آنے تو پہلے یہ داخل ہوتے۔ آپ کے پاؤں سے جوتا اتار کر بازو میں ڈال لیتے۔ حضرت عثمان کے عہد خلافت میں ۳۲ھ = ۶۵۲ء میں ان کی وفات ہوئی۔

Marfat.com

پائے جائیں، تب ان کے یہ انوار ہوں گے لیکن اگر یہ حروف قرآنِ مجید کے علاوہ کسی اور کلام میں ہوں گے تو اس صورت میں ان کی تقسیم اور طرح سے ہوگی۔ اس طرح کہ انتیس کے انتیس حروف آدمیت کے سات اجزاء میں محصور ہوں گے چنانچہ کمالِ صورتِ باطنی تو ہر حرف کے لیے۔ اسی پردہ نور نکلیں گے اور اسی کے نور سے ان کی آوازیں پیدا ہوں گی اور ذکوریت پیش کے لیے اور کمالِ صورتِ ظاہری زبر کے لیے اور کمالِ عقل زیر کے لیے اور کمالِ حسِ باطنی جزم کے لیے اور الف ممدودہ کے لیے نزعِ حظِ شیطان اور ی ممدودہ کے لیے کمالِ حواسِ ظاہرہ۔ رہا داد کا مد سووہ کچھ حصّہ نزعِ حظِ شیطان کا لیتا ہے اور کچھ حصّہ کمالِ حواسِ ظاہرہ کا۔ یہ ان حروف کی تقسیم ہے جو قرآنِ مجید کے علاوہ دیگر کتبِ سماویہ، احادیثِ قدسیہ وغیرہ اور دیگر لوگوں کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ باقی چھ حروف یعنی قبض، بسط، نبوت، روح، علم، رسالت کے انوار ان کلاموں میں راکد و ساکن ہوں گے اور وہ چمکتے نہیں ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ یہ چھ انوار تو تمام پیغمبروں کی ذات میں موجود ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب کوئی کتاب ان پر نازل ہوگی تو یہ ضرور ہوگا کہ وہ کتاب ان انوار کے ساتھ نازل ہو۔ اس صورت میں وہ کتاب بھی سات حروف پر نازل ہوئی ہوگی۔

حضرت نے جواب دیا کہ یہ درست ہے کہ یہ چھ انوار دیگر پیغمبروں کی ذات میں بھی اسی طرح موجود ہوتے ہیں جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں جب آپ احادیثِ قدسیہ یا دیگر احادیث بیان فرماتے ہیں مگر ان انوار کے وجود سے ان کا مشتعل ہونا اور اسرار کا پایا جانا لازم نہیں آتا۔ ان کے انوار صرف اس وقت چمکتے ہیں جب یہ قرآنِ مجید میں ہوں کیونکہ ان میں ایک راز اس حکم کا ہوتا ہے جس کے متعلق آیت نازل ہوئی ہوتی ہے اور دوسرا راز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ہوتا ہے۔ مگر دوسری کتبِ سماویہ سرِّ ثانی کا مرتبہ رکھتی ہیں کیونکہ ان میں آنحضرت کی ذات نہیں پائی جاتی اسی لیے احادیثِ نبویہ کا مرتبہ سرِّ اوّل کا مرتبہ ہے اس طرح دو سِرّ ہوئے۔ حضرت نے سرِّ اوّل اور سرِّ ثانی کی ایسی تشریح کی تھی جس کا علم کشف اور علم لدنی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

حضرت نے فرمایا: یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید معجزہ ہے جس کا مقابلہ نہ اس کی نظم میں، نہ ترکیب میں اور نہ معانی میں ہو سکتا ہے، برخلاف دیگر کتبِ سماویہ کے کہ ان کا مقابلہ نظم اور ترکیب میں تو ہو سکتا ہے۔ مگر معانی میں نہیں ہو سکتا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلام قدیم میں سے ہیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ

کلامِ شیخ اور احادیث میں تطبیق

دوسرا سوال حضرت کی بیان کردہ تفسیر اور ان احادیث میں تطبیق دینے کے متعلق تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں مروی ہیں۔ لہٰذا ہم پہلے ان احادیث کو بیان کرتے ہیں، پھر ان میں تطبیق دینے کی طرف رجوع کریں گے۔

ان میں سے ایک حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے جو ہشام بن حکیم[۱] کے ساتھ پیش آئی اور یہ حدیث متفق علیہ ہے اور اس کا قصہ بھی مشہور ہے جو صحیح بخاری وغیرہ میں موجود ہے

---

[۱] ہشام بن حکیم: ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ ۵۲ھ میں اپنے باپ کی زندگی میں وفات پائی۔ صحابی ہیں۔

Marfat.com

ابنِ حجر[1] کہتے ہے کہ طبری[2] کے ہاں اسحٰق[3] بن عبداللہ بن ابی طلحہ عن اُبیہ عن جدّہ کی سند سے مروی ہے: کہ ایک شخص نے قرآن مجید پڑھا اور حضرت عمرؓ نے اس کی اصلاح کی۔ پھر دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فیصلہ کے لیے حاضر ہوئے۔ اس شخص نے عرض کیا: یارسول کیا آپ نے مجھے اس طرح نہیں پڑھایا؟ آپؐ نے فرمایا۔ کیوں نہیں راوی کہتا ہے کہ حضرت عمر کے دل میں پریشانی سی پیدا ہوگئی جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر کے چہرہ سے پہچان گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی چھاتی پر ہاتھ مار کر کہا "شیطان کو نکال دو"۔ یہی الفاظ تین مرتبہ فرمائے۔ اس کے بعد فرمایا: اے عمر قرآن سب ٹھیک ہے۔ جب تک کہ رحمت کے الفاظ کو عذاب اور عذاب کے الفاظ کو رحمت نہ بنا دیا جائے۔

دوسری حدیث اُبی[4] بن کعب کی ہے کہ میں مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گیا ایک اور آدمی آیا اور اس نے سورہ نحل پڑھنی شروع کی مگر اس کی قراءت میری قراءت سے مختلف تھی۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو میں نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کس نے یہ سورت پڑھائی ہے؟ اس نے جواب دیا۔ رسول اللہؐ نے پھر ایک اور آدمی نے آکر نماز پڑھنی شروع کی۔ اس نے بھی سورۂ نحل پڑھنی شروع کی۔ اور اس کی قراءت ہم دونوں کی قراءت سے مختلف تھی۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو میں نے پوچھا تجھے یہ سورت کس نے پڑھائی۔ اس نے بھی یہی جواب دیا کہ رسول اللہ نے۔ اس پر میرے دل میں اس قدر سخت شک وشبہ پیدا ہوگیا کہ جاہلیت میں پیدا نہ ہوا تھا۔ پھر میں ان دونوں کو پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا اور میں نے عرض کیا یارسول اللہ ان سے سورۂ نحل پڑھوا لیجئے۔ آپؐ نے ایک کو پڑھنے کے لیے فرمایا۔ جب اس نے پڑھ کر سنایا، تو آپ نے فرمایا: "بہت خوب! اس پر میرے دل میں اس قدر شک وشبہ پیدا ہوگیا کہ جاہلیت میں پیدا نہ ہوا تھا۔ پھر آپ نے دوسرے کو پڑھنے کے لیے فرمایا۔ جب اس نے پڑھا تو اسے فرمایا "بہت خوب" اس پر میرے دل میں اور شک پیدا ہوگیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک میرے سینہ پر مار کر فرمایا" اے اُبیؓ میں تمہیں اس شک سے

---

[1] ابن حجر العسقلانیؒ مشہور محدث اور شارح بخاری، اُن کی بخاری کی شرح جو فتح الباری کے نام سے مشہور ہے۔ اہلِ علم کے ہاں بہت مقبول ہوئی۔ ان کی دوسری مشہور کتاب اصابہ فی تمیز الصحابہ ہے۔ ان کی وفات ۱۴۴۹ء = ۸۵۳ھ میں ہوئی۔

[2] طبری: ابوجعفر محمد بن جریر الطبری مشہور محدث مفسّر اور مورخ، ان کی پیدائش آمل میں ۸۳۸-۸۳۹ء = ۲۲۴ھ میں ہوئی۔ اور وفات ۹۲۳ء = ۳۱۱ھ میں ہوئی۔

[3] اسحٰق بن عبداللہ انصاریؒ مدینہ کے معتبر تابعین میں سے تھے۔ امام مالکؒ انہیں بہت ہی زیادہ معتبر سمجھتے تھے۔ ان کی وفات ۱۳۲ھ = ۷۴۹ء میں ہوئی۔

[4] اُبیّ بن کعبؓ مشہور صحابی اور قاری ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اللہ کے حکم سے سورہ بیّنہ اول سے آخر تک پڑھ کر سنائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے اور ان چھ صحابہ میں سے تھے۔ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ کے عہد میں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ ان کی وفات ۱۹ھ = ۶۴۰ء میں ہوئی۔

Marfat.com

خدا کی پناہ میں لے جاتا ہوں"۔ پھر فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے آکر کہا کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کو حکم ہے کہ قرآن کو ایک ہی حرف پر پڑھا جائے۔ میں نے کہا: خدایا میری اُمّت سے تخفیف کر دی جائے۔ جبرئیلؑ پھر آئے اور کہا کہ اللہ کا حکم ہے کہ قرآن کو دو حرفوں پر پڑھا جائے۔ میں نے پھر کہا: خدایا میری امّت سے تخفیف کر دی جائے۔ جبرئیل پھر آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ قرآن کو سات حرفوں پر پڑھ لیا جائے اور ہر حرف کے عوض میں آپ کی ایک درخواست منظور کی جائے گی۔ (الحدیث)

اس حدیث کو حارث بن اسامہ[۱] نے ان الفاظ میں اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ اس کا تذکرہ ابن الجزری نے النشر میں کیا ہے۔ ابی بن کعب سے مسلم[۲] کی روایت یوں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی غفار (غلین کے پیچھے زبر اور ف مخفف ہے) کے تالاب کے پاس کھڑے تھے کہ جبرئیل آپ کے پاس آئے اور کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ اپنی اُمّت کو ایک حرف پر قرآن مجید پڑھائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: میں خدا سے عافیت اور مدد کی درخواست کرتا ہوں کیونکہ میری اُمّت یہ برداشت نہ کر سکے گی۔ پھر جبرئیل نے دوبارہ آکر دو حرفوں پر پڑھنے کی اجازت دی۔ آپ نے وہی پہلے الفاظ دہرائے۔ پھر جبرئیل تیسری بار تین حرفوں کی اجازت لے کر آئے آپ نے پھر وہی الفاظ دہرائے۔ جبرئیل چوتھی مرتبہ آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ قرآن کو سات حرفوں پر پڑھا جائے۔ آپ کی اُمّت جس حرف پر بھی پڑھ لے ٹھیک ہے۔

صحیح مسلم میں عبدالرحمن[۳] بن ابی لیلیٰ کے سلسلہ سے اُبَیّ بن کعب کی ایک روایت اس طرح ہے۔

اُبَیّ بن کعب کہتے ہیں کہ میں مسجد میں تھا کہ ایک آدمی نے آکر نماز پڑھنی شروع کی اور اس طرح قرآن مجید کی قراءت کی جسے میں نے ناپسند کیا۔ پھر ایک اور آیا اور اس نے کسی اور طرز میں پڑھنا شروع کیا۔ نماز پڑھنے کے بعد ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص نے قرآن کو اس طرح پڑھا ہے جسے میں نے پسند نہیں کیا۔ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے پہلے سے بھی مختلف قراءت پڑھی۔ آنحضرت نے دونوں کو پڑھنے کے لیے فرمایا اور آپ نے دونوں کی قراءت کو پسند فرمایا۔ اُبَیّ کہتے ہیں کہ میرے دل میں جاہلیت کے زمانہ سے بڑھ کر

---

[۱] حارث بن اسامہ: کتاب میں ان کا نام اسی طرح دیا گیا ہے مگر دراصل ان کا نام حارث بن محمد بن ابی اسامہ ہے۔ کشف الظنون میں بھی یہی نام دیا ہے۔ یہ حافظ حدیث اور مؤلف مسند ہیں۔ ان کی پیدائش ۱۸۶ھ = ۸۰۲ء میں ہوئی اور ستانوے (۹۷) سال کی عمر میں ۲۸۲ھ = ۸۹۵ء میں وفات پائی۔ یہ محتاج تھے اور ان کی بہت بیٹیاں تھیں اس لیے روایت حدیث کی اجرت میں پیسے لیا کرتے تھے جس کی وجہ سے بعض نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ (ذہبی ج ۲: ۱۷۶)

[۲] مسلم: مسلم بن حجاج ۲۰۴ھ = ۸۱۹ء میں پیدا ہوئے اور ۲۶۱ھ = ۸۷۵ء میں وفات پائی۔ ان کی صحیح مسلم کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے

[۳] عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ: ان کا باپ ابو لیلیٰ کا اصلی نام یسار تھا۔ بعض نے بلال کہا ہے۔ ان کی اپنی کنیت ابو عیسیٰ تھی منصور تابعی ہیں۔ ان کی وفات ۸۳ھ = ۷۰۲ء میں ابن الاشعث کے واقعہ میں ہوئی۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ بصرہ کی نہر میں غرق ہو گئے تھے۔

Marfat.com

شکوک پیدا ہوگئے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر دست مبارک مارا جس سے میں پسینہ پسینہ ہوگیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں خوف کے مارے اللہ کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ پھر فرمایا "اے اُبیؓ! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن کو سات حروف پر پڑھوں"۔

اس حدیث میں طبری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: میرے دل میں شیطانی وسوسہ داخل ہوگیا یہاں تک کہ میرا چہرہ سُرخ ہوگیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا: خدایا! شیطان کو اس سے دُور کردے۔

طبری کی ایک اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ اُبیؓ اور ابن مسعودؓ کے درمیان پیش آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم دونوں خوب ہو اور تم دونوں ٹھیک پڑھ رہے ہو"۔ اُبیؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ہم دونوں تو ٹھیک ہو سکتے نہیں اس پر آپ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا۔ الخ۔

اسی طرح عمرو بن العاصؓ (عہ ۱) کی حدیث کہ ایک شخص نے قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی تو عمرو نے کہا یہ آیت تو اس طرح ہے۔ پھر بعد میں اس نے اس کا تذکرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، تو آنحضرت نے فرمایا کہ قرآن مجید سات حرفوں پر نازل ہوا ہے ان میں سے جو بھی پڑھ لو ٹھیک ہے۔ لہٰذا اس میں جھگڑا نہ کیا کرو۔ اس حدیث کو احمدؒ (عہ ۲) نے سندِ حسن سے روایت کیا ہے۔

احمد۔ ابی عُبید (عہ ۳) اور طبری میں ابو جہیمؓ (عہ ۴) کی یہ حدیث ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت میں دو شخصوں کا اختلاف ہوگیا۔ ان میں سے ہر ایک یہی کہتا تھا کہ اس نے یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھی تھی۔ اس کے بعد اسی طرح ذکر کیا جس طرح عمرو بن العاص کی حدیث میں گذر چکا۔

عہ ۱ عمرو بن العاص: مشہور صحابی ہیں۔ قریش میں سے تھے۔ فتح مکہ سے چند ماہ پہلے ۸ھ = ۶۲۹ء میں ایمان لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ذات السلاسل کی فوج پر امیر بنا کر بھیجا تھا۔ ان کی وفات مصر میں ۴۲ھ = ۶۶۲ء میں ستر برس کی عمر میں ہوئی۔

عہ ۲ احمد: احمد بن حنبلؒ اہل سنت کے چوتھے امام تھے۔ ان کا تذکرہ پہلے کیا جاچکا ہے۔ ان کی وفات ۲۴۱ھ = ۸۵۵ء میں اکتر برس کی عمر میں ہوئی۔

عہ ۳ اَبُو عُبَید: ابو عبید بن سلامؒ بغدادی۔ فقیہ اور قاضی تھے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ ان کی وفات ۲۲۴ھ = ۸۳۸ء میں ہوئی یہ ۲۱۳ھ = ۸۲۸ء میں یحیٰی بن معین کے ساتھ مصر آئے۔ ابو قدامہ کا قول ہے کہ یہ لغاتِ عرب کے بہت ماہر تھے۔ حافظ ابن حجر نے ان پر ایک طویل مقالہ لکھا ہے۔ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۱۵ تا ص ۳۱۸۔

عہ ۴ ابو جہیمؓ بن الحارث بن الصمۃ الانصاریؓ صحابی ہیں۔ ان سے ابن الحضرمی کے آزاد کردہ غلام بسر بن سعید نے اور ابن عباس کے آزاد کردہ غلام عُمیرؓ نے روایت کی ہے۔

Marfat.com

طبری اور طبرانی[ع۱] نے زید بن ارقم[ع۲] سے روایت کی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ ابن مسعود نے مجھے ایک سورت پڑھائی جو پہلے زید سے پڑھ چکا تھا اور ابی بن کعب نے بھی وہی سورت پڑھائی ہے مگر ان کی قراءتوں میں اختلاف ہے۔ اب میں کس کی قراءت کو اختیار کروں؟ آنحضرت خاموش رہے۔ حضرت علیؓ آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے فرمایا جس طرح تمہیں پڑھایا گیا ہے۔ اسی طرح پڑھو۔ وہی اچھا ہے۔

ابن حبان[ع۳] اور حاکم[ع۴] نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سورۂ آلِ عمران کی کچھ آیتیں پڑھائیں۔ اس کے بعد میں مسجد میں گیا تو ایک شخص کو پڑھنے کے لیے کہا تو وہ کسی اور طرح پڑھ رہا تھا اور وہ بھی یہی کہتا تھا کہ مجھے رسول اللہ علیہ وسلم نے یہ آئتیں پڑھائی ہیں۔ پھر ہم دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے اس کا ذکر کیا۔ تو آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اور فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں کو اسی اختلاف نے تباہ کیا ہے۔ پھر آپ نے حضرت علیؓ کے کان میں کچھ فرمایا تو حضرت علیؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس طرح تمہیں پڑھایا گیا ہے۔ اسی طرح پڑھا کرو۔ پھر ہم چلے گئے اور ہر ایک وہ قراءت پڑھتا تھا جو دوسرا شخص نہیں پڑھتا تھا۔

ایک اور طریقہ سے ترمذی کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے جبرئیل! مجھے ایک اُمّی قوم کی طرف بھیجا گیا ہے جن میں بڑھیا، بوڑھا، لڑکا، لڑکی اور وہ آدمی بھی ہے جس نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی، تو جبرئیل نے کہا: انہیں کہہ دیں کہ قرآن کو سات حروف پر پڑھ لیا کریں۔

اس حدیث کے کئی اور طریقے ہیں۔ اگر ہم ان سب کا بالتفصیل ذکر کریں تو بات طول پکڑ جائے اور ان تمام احادیث کی ظاہری عبارت اس بات کی گواہ ہے کہ حروف سے لفظی اختلافات مراد ہیں۔ جس کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ "وہ جس حرف پر بھی پڑھ لیں ٹھیک ہے۔ اور یہ قول بھی کہ ہم چلے

ع۱ طبرانی: ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانیؒ حافظ حدیث تھے۔ ۲۶۰ھ = ۸۷۳ء میں ان کی پیدائش ہوئی۔ ذہبی نے ان کی کتابوں کی ایک طویل فہرست دی ہے یہاں پر ان کی معجم کا ذکر ہے۔ انہوں نے تین کتابیں تالیف کی ہیں جن کا نام معجم تھا۔ ایک معجم کبیر، دوسری اوسط اور تیسری صغیر۔ ان کی وفات ۳۶۰ھ = ۹۷۰ء میں ایک سو سال اور دس ماہ کی عمر میں ہوئی۔

ع۲ زید بن ارقمؓ: ابو عمر زید بن ارقم انصاریؓ خزرجی صحابی ہیں۔ ان کا شمار کوفیوں میں ہوتا ہے اور وہیں انہوں نے رہائش اختیار کر لی تھی۔ انہوں نے ہی عبداللہ بن ابی بن سلول کا نفاق ظاہر کیا تھا۔ اور انہی کی تصدیق کے لیے سورۂ منافقون نازل ہوئی تھی۔ مختار کے ایام میں عبدالملک بن مروان کے عہد میں ۶۶ھ = ۶۸۵ء میں وفات پائی۔

ع۳ ابن حبان: ابوحاتم محمد بن حبانؒ یہ ابن خزیمہ کے شاگرد تھے۔ نہایت عقلمند تھے اور علم لغت اور حدیث کے بڑے ماہر تھے۔ انہوں نے حدیث کی کتاب صحیح ابن حبان تالیف کی۔ ان کی وفات ۳۵۴ھ = ۹۶۵ء میں ہوئی۔

ع۴ حاکم: ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نیساپوریؒ۔ انہوں نے حدیث کی کتاب مستدرک لکھی جس میں ان صحیح احادیث کو درج کیا جنہیں مسلم اور بخاری نے چھوڑ دیا تھا۔ ان کی وفات ۴۰۵ھ = ۱۰۱۴ء میں ہوئی۔

Marfat.com

گئے اور ہر کوئی دوسرے سے الگ حروف پڑھتا تھا۔ پھر ہادی کا یہ کہنا کہ جبریلؑ پہلی بار ایک حرف لے کر آئے پھر دوسری بار دو حرف اور تیسری بار تین حرف اور چوتھی بار سات حرف لے کر آئے اور یہ صرف لفظی اختلافات میں ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ باطنی حروف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طبیعت ہیں لہذا یہ کہنا درست نہیں کہ ایک بار تو جبرئیل ایک لے کر آئے ہوں، پھر دوسری بار دو حرف اور اسی طرح سات تک کیونکہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن میں پہلے ہی سے موجود تھے بالخصوص اس لیے بھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے قرآن مجید کو سات حروف میں اتارنے کی درخواست مدینہ میں کی تھی جیسا کہ اُبَیّ بن کعب کی حدیث میں ذکر ہو چکا۔

حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ لفظی اختلافات کی مثال سایہ کی سی ہے۔ اور انوارِ باطنی جسم کی طرح ہیں۔ تو جو شخص سایہ کا قائل ہوا سے جسم کا منکر نہیں کہا جا سکتا بلکہ وہ درحقیقت جسم کا قائل ہے کیونکہ سایہ جسم کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ جبھی تو ایک سایہ ایک جسم کا مقتضی ہوگا اور متعدد سائے متعدد جسموں کے۔ لہذا جب جبرئیل سایہ کا کوئی حرف لے کر آئیں تو درحقیقت وہ جسم کا حرف لے کر آئے ہوں گے یعنی یہ کہ اسے قراءت کے لیے متعین کر دیا اگرچہ وہ پہلے سے موجود تھا اور جب ظل کے دو حرف لے کر آئیں تو دراصل جسم کے دو حرف لے کر آئے ہیں یعنی یہ کہ انہیں قراءت کے لیے متعین کر دیا ہے اگرچہ وہ دونوں پہلے ہی سے آپ کی طبیعت میں موجود تھے اور جب سایہ کے سات حروف لے کر آئے تو آپ کو تمام ساتوں انوار باطنیہ پر پڑھنے کی اجازت دے۔

اس پر میں نے عرض کیا ہم سات باطنی حروف کو تو آپ کی برکت سے سمجھ گئے۔ یہ سات لفظی اختلافات کیا ہیں؟ کیا یہ اختلافات لغات ہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے اور پھر ان اختلافات کی تعیین میں ان کے کئی فرقے بن گئے یا کیا یہ اختلاف اختلافِ احکام ہے جیسا کہ ایک دوسرے گروہ کا خیال ہے اور ان کی دلیل ابن مسعود کی یہ حدیث ہے کہ پہلی کتابیں ایک دروازے سے ایک حرف پر نازل ہوا کرتی تھیں اور قرآن مجید سات دروازوں سے سات حروف نازل ہوا ہے۔ یعنی زَجر، اَمر، حلال، حرام، مُحکَم، متشابہ اور امثال لہذا تم اس کے حلال کو حلال سمجھو اور حرام کو حرام جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان پر عمل کرو اور متشابہات پر ایمان لاؤ۔ اور کہو اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا (ہم اس پر ایمان لے آئے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے)

ان کے مخالفین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ ابو سلمہ[1] بن عبد الرحمٰن اور عبد اللہ بن مسعود کا درمیانی حلقہ منقطع ہے اس لیے کہ ابو سلمہ کی عبد اللہ بن مسعود سے تو ملاقات ہی نہیں ہوئی اور وہ ابن مسعود سے روایت کر رہا ہے۔ یا کیا یہ مختلف قراءتوں کا اختلاف ہے اور اس کی تعیین میں بھی ان کے کئی فرقے ہو گئے ہیں۔ سات قراءتوں سے معین تعداد مراد نہیں ہے۔ سات سے مراد وسعت اور سہولت ہے نہ

---

[1] ابو سلمہ بن عبد الرحمٰنؒ: بعض نے اس کا نام عبد اللہ بتایا ہے اور بعض نے اسمٰعیل اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی کنیت ہی اس کا نام ہے۔ بہت بڑا فقیہہ اور امام تھا۔ ابن سعد نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ مدینہ میں بہتر سال کی عمر میں سنہ ۹۴ھ سنہ ۷۱۲ء میں وفات پائی۔

Marfat.com

کہ تعداد معین۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کہ قرآن سات حرفوں پر اتارا گیا ہے کا یہ مطلب ہے کہ اسے سہولت وسعت اور آسانی کے لیے اتارا گیا ہے لہٰذا جس طرح کسی کو آسان معلوم ہو پڑھ لیا کرے۔ چنانچہ بعض لوگوں کی یہی رائے ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ اختلافِ قراءت ہی مراد ہے مگر ہم انہیں کیا کہیں کیونکہ انہوں نے تو ہمیں بچپن میں قراءت سکھائی ہی نہیں کیونکہ جس حد تک قراءت میں اختلاف ہوا ہے وہ سب میری نظر میں ہے لیکن مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں اسے کس طرح بیان کروں۔ پھر حضرت جو کچھ کہ دیکھ رہے تھے اس کی طرف اشارہ کرتے رہے اور اس کے اخراج اور تعیین کے لیے مثالیں دیتے رہے یہاں تک کہ ہم آپ کی مراد سمجھ گئے۔ والحمدُ للہ۔ ہم نے بار بار یہ مفہوم آپ کے پیش کیا آپ نے یہی فرمایا کہ میری مراد یہ ہے۔

اختلافِ قراءت سات قسم کا ہے | اختلاف قراءت سات قسم کا ہے:۔

(۱) حرکات وسکون در جہ اعراب کے اعتبار سے قراءت کا اختلاف مثلاً لَهُمْ عَذَابٌ مِنْ رِجْزٍ اَلِيْمٍ میم کے نیچے[ع۱] زیر اور پیش کے ساتھ بھی۔

(۲) اختلاف قراءت بلحاظ حرفوں کی کمی اور بیشی کے جیسے وَسَارِعُوْا اور سَارِعُوْا یا جیسے وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا اور قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا

(۳) اختلاف قراءت بلحاظ کلمات کی کمی یا بیشی کے جیسے اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ کہ ایک قراءت میں ھُوَ کا لفظ ہے اور دوسری میں نہیں ہے۔

(۴) اختلاف قراءت بنا بر تقدیم وتاخیر۔ جیسے وَقُتِلُوْا وَقَاتَلُوْا پہلا فعل مجہول اور دوسرا معروف اور اس کا عکس (یعنی[ع۲] وَقَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا) یا جیسے فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا کیونکہ اسے بھی دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ یا جیسے وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ اسے وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ بھی پڑھا گیا ہے اور یہ ابوبکر الصدیق۔ طلحہ[ع۳] ابن مطرف اور زین[ع۴] العابدین کی قراءت ہے۔

(۵) مخارج حروف کے اعتبار سے اختلاف قراءت جیسے اَلصِّرَاطَ کو اشمام کے ساتھ پڑھنا کیونکہ اشمام کا مخرج ص کا مخرج نہیں ہے یا جیسے قِيْلَ میں زیر اور اشمام کے ساتھ ق کا مخرج اسی طرح جِيْلَ، جِيْئَ، سِيْئَ اور سِيْقَ میں۔ اسی طرح اَلصَّلٰوةَ میں لام کو تفخیم یا ترقیق کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اسی طرح مُنْذِرٌ

ع۱ زیر اس لیے کہ رِجْزٍ کی صفت ہے اور پیش اسلئے کہ عَذَابٌ کی صفت ہے۔

ع۲ سورہ آل عمران کا آخری رکوع۔

ع۳ طلحہ بن مطرف: اصل کتاب میں یہ نام اسی طرح دیا ہے مگر ابن حجر (تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۵) نے طلحہ بن مصرف صاد کے ساتھ دیا ہے۔ یہ اہل کوفہ کے سب سے بڑے قاری تھے۔ ان کی وفات سنہ ۱۱۲ھ = سنہ ۷۳۰ء میں ہوئی۔

ع۴ زین العابدینؓ: علی بن الحسینؓ المعروف بزین العابدین۔ مشہور امام اور زاہد دمشقی ہیں۔ انہی کو علی اصغرؓ کہا جاتا ہے۔ ان کے مناقب بے شمار ہیں۔ اٹھاون[۵۸] برس کی عمر میں سنہ ۹۹ھ = سنہ ۷۱۷ء میں ان کی وفات ہوئی۔

Marfat.com

جیسے کلمات میں ر کو مفخم یا مرقق کرکے پڑھتے ہیں۔

(۶) زبر اور امالہ اظہار اور ادغام کے اعتبار سے اختلاف قراءت۔

(۷) تیزی اور آہستگی سے پڑھنے کے اعتبار سے اختلاف قراءت کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ترتیل سے پڑھتے اور کبھی تیزی سے (یعنی رواں جس کو حدر کہتے ہیں)

حضرت نے فرمایا ان مختلف وجوہ کو انوار باطنیہ سے مربوط کیا جاتا ہے اور یہ انوار ان انوار سے علاوہ ہیں جن کا ذکر حروف و حرکات کی تقسیم میں کیا جا چکا ہے چنانچہ ترتیل اور آہستگی روح سے پیدا ہوتی ہے اور روانی بشرطیکہ حروف درست ادا ہوں۔ قبض سے پیدا ہوتی ہے۔ امالہ ثبوت سے پیدا ہوتا ہے۔ زبر رسالت سے اور اشمام ہر قسم کا روح کے لیے ہے۔ اور عدم اشمام نبوت کے لیے ہے۔ حروف کی زیادتی قبض کے لیے ہے اور کمی روح کے لیے۔ اور کلمات کی زیادتی رسالت کے لیے اور کمی علم کے لیے اور تقدیم آدمیت کے لیئے اور تاخیر علم کے لیے اور وہ حرکات جن میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے بسط کے لیے ہیں۔

یہ تمام تشریح حضرت کی بیان کردہ ہے۔

ابن قتیبہ[۱] نے اَلْمُشْکِل میں وجوہ قراءت کو شمار کیا ہے اور ابن الجزری نے النشر میں اور ابن حجر نے شرح البخاری) میں اس کا کلام نقل کیا ہے۔ قاسم بن ثابت[۲] نے الدلائل میں اس پر اعتراض کیا ہے۔۔۔۔ ابو الفضل رازی[۳] نے اور پھر ابن الجزری نے بھی النشر[۴] میں ان قراءتوں کو شمار کیا ہے اور ان کے بیانات میں بہت معمولی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسی طرح قاضی ابوبکر نے بھی کتاب الانتصار میں قراءتوں کا شمار کیا ہے۔ اگر ان کے شمار کردہ اختلافات کا حضرت کے بیان کردہ اختلافات سے مقابلہ کیا جائے تو انشاء اللہ حق بات ظاہر ہو جائے گی۔ بالخصوص اس لیے بھی کہ حضرت کے بیان کا منبع کشفِ صحیح ہے کیوں کہ آپ کو تو انہی قراءت کا علم ہے جن کا آپ نے کشف صریح میں مشاہدہ کیا خاص طور پر اس لیے بھی کہ آپ کی بیان کردہ وجوہ قراءات کا ربط انوارِ باطنیہ کے ساتھ ہے جیساکہ گذر چکا۔ یہاں پر اس مسئلہ کی بحث ختم ہوتی ہے۔ خدا ہمیں اس سے دنیا اور آخرت میں نفع پہنچائے۔ اِنَّہٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ وَحَسْبُنَا اللّٰہُ وَکَفٰی بِہٖ وَکِیْلاً۔

ع۱ ابن قتیبہ: مشہور لغوی اور ادیب جس کی بہت سی تصانیف ہیں۔ یہ اصل میں مرد کا رہنے والا تھا۔ اور کچھ عرصہ دینور میں قاضی بھی رہا۔ اس کی چند تصانیف یہ ہیں: کتاب المعارف، کتاب الشعر والشعراء، ادب الکاتب اور عیون الاخبار ۲۷۶ھ = ۸۸۹ء میں اس کی وفات ہوئی۔

ع۲ قاسم بن ثابت: ابو محمد قاسم بن ثابت سرقسطی۔ ان کی وفات ۳۰۲ھ = ۹۱۴ء میں ہوئی۔ ان کی کتاب دلائل حدیث کی کتاب ہے۔

ع۳ ابو الفضل رازی: ان کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

ع۴ نشر فی القرآت العشر یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اور شمس الدین ابو الخیر محمد بن محمد الجزری کی تالیف ہے۔

Marfat.com

تیسری حدیث

میں نے حضرت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے متعلق دریافت کیا کہ اَلرُّؤْیَا الصَّالِحَۃُ مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّۃٍ وَاَرْبَعِیْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّۃِ۔ نیک آدمی کی نیک خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں کا ایک جزو ہے۔ (مشکوٰۃ کتاب الرویا: ۳۹۴) امام بخاری نے اس حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے۔ مسلم میں ابو ھریرہ[1] کی روایت سے پینتالیس میں سے ایک جزو ہے۔ طبری اور امام احمد، عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت سے انچاس میں سے ایک جزو ہے اور قرطبی[2] کی شرح میں سینتالیس میں سے ایک جزو ہے۔ طبری نے عبادہ[3] کی روایت سے چوبیس میں سے ایک جزو۔ ابن ابی جمرہ[4] کی شرح میں پچیس میں سے ایک جزو۔ اسی میں ستائیس میں سے ایک جزو کی بھی روایت ہے۔
یہ نو روایتیں ہیں۔ پانچ اربعین کی، چار بیس کی۔ ان کے علاوہ اور روایتیں بھی ہیں۔ ستر کی، بہتّر کی، چھہتّر کی، پچاس کی۔ چالیس کی اور بیالیس کی۔ یہ کل پندرہ روایتیں ہیں۔ ان میں صحیح ترین چھیالیس اور پھر پینتالیس کی روایت ہے۔ باقی روایتوں میں کلام ہے ماسوائے ستر کی روایت کے کیونکہ اسے مسلم نے اپنی صحیح میں ابن عمر سے روایت کیا ہے۔

سوال میں نے حضرت سے سوال کیا اجزاء نبوت سے کیا مراد ہے؟ اور ان روایات کے اختلافات میں کیا حکمت ہے؟ اور کیا ان تمام احادیث میں تطبیق ہو سکتی ہے؟ تا کہ ان سب کے مطابق حدیث کی روایت ہو سکے، کیوں کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں بڑے بڑے محدثین کی عقلیں حیران ہیں اور انہوں نے کوئی نتیجہ خیز بات نہیں کہی۔

ع۱ ان کے نام میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ نووی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح ترین عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن صخر ہے۔ انہیں حافظِ صحابہ کہا جاتا ہے۔ یہ اسی سال اسلام لائے جس سال خیبر فتح ہوا۔ ان کی وفات ۵۷ھ = ۶۷۶ء میں ہوئی۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ ابوہریرہ کو اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ احادیث یاد تھیں۔

ع۲ قرطبیؒ: ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبیؒ متوفی ۶۵۶ھ = ۱۲۵۸ء۔ ان کی شرح مسلم مختصر سی ہے (کشف الظنون ۲۸۷/۱) جس کا نام اَلْمُفْہِم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم ہے۔ انہوں نے قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی ہے جس کا نام جامع احکام القرآن ہے (کشف الظنون: ۱: ۲۷۴) ان کی تفسیر بہترین تفسیروں میں سے شمار کی جاتی ہے۔

ع۳ عبادہؓ: عبادہ بن صامت مدنی صحابی ہیں۔ عقبہ اولی و ثانیہ پر یہ موجود تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک ہوئے۔ ان کی وفات امیر معاویہ کی خلافت میں شام میں ہوئی۔

ع۴ ابن ابی جمرہؒ: عارف باللہ عبداللہ بن سعد بن ابی جمرہ الاندلسی۔ یہ مدونہ جو فقہ مالکی کی مشہور کتاب ہے کے حافظ تھے۔ ان کی وفات ۵۹۷ھ = ۱۲۰۰ء میں ہوئی۔ انہوں نے بخاری کی شرح کی جس کا نام بھجۃ النفوس وغایتہا بمعرفتہا مالہا وماعلیہا، رکھا۔

Marfat.com

جواب حضرت نے فرمایا اجزاءِ نبوت سے مراد وہی آدمیت، قبض، بسط اور خود نبوت کے اجزاء ہیں۔ چنانچہ آدمیت کے اجزاء۔ کمالِ صورت[1] ظاہری، کمال حواس[2] ظاہری۔ کمال صورت[3] باطنی۔ کمال حواس[4] باطنی، ذکوریت[5]، نزع حظ[6] شیطان اور کمال عقل[7] اور قبض کے سات اجزاء حاسّہ[1] ساریہ، انصاف[2]، نفرت عن[3] الضد، حق گوئی سے نہ شرمانا، امتثال امر میل[6] الی الجنس، قوتِ انقباض، بسط کے اجزاء، فرحِ کامل، ذات میں خیر کا قیام، فتح حواسِ ظاہرہ، فتح حواس[4] باطنہ مقامِ رفعت[5]، حسنِ تجاوز[6] اور انکساری۔ نبوت کے سات اجزا۔ حق[1] گوئی، صبر[2]، رحمتِ[3] کاملہ، معرفتِ[4] الٰہیہ، خوفِ[5] تام بغض باطل[6] اور عفو[7] کل اٹھائیس ہوئے۔ ان اجزا کی شرح بیان کی جا چکی ہے، اگر چاہو تو اس کو دیکھ لو۔ پھر ذکوریت اس سے خارج ہو جاتی ہے کیوں کہ مرد اور عورت دونوں کو خواب آتی ہے لہذا ستائیس رہ گئے اور ابن ابی جمرہ کی ستائیس والی روایت اسی پر محمول کی جائے گی اور اگر کمالِ صورت ظاہرہ کو بھی خارج کر دیں کیوں کہ اگرچہ یہ اجزاء نبوت میں سے ہے مگر خواب سے اس کا کوئی خاص تعلق نہیں ہے، تو باقی چھبیس رہ جائیں گے، تو ابن[1] عبدالبرؒ کی مذکورہ چھبیس والی روایت کو اسی پر محمول کریں گے اور اگر اسی وجہ سے کمالِ صورتِ باطنہ کو بھی نکال دیں تو پچیس باقی رہ جائیں گے۔ ابن ابی جمرہ کی مذکورہ بالا پچیس والی روایت کو اسی پر محمول کریں گے اور کمالِ حواس ظاہرہ کو بھی اسی سبب سے نکال دیں تو چوبیس باقی رہ جائیں گے اور نووی کی مذکورہ بالا چوبیس والی روایت کو اسی پر محمول کریں گے۔

حضرت نے فرمایا یہ تو اس صورت میں ہے جب بغیر رسالت کے صرف نبوت کے اجزاء لیے جائیں گے۔ ورنہ روح و علم اور رسالت تینوں کے سات سات اجزاء جن کی تفصیل و شرح گذر چکی ہے اس پر اضافہ ہوں گے اور نبوت کے مجموعہ اجزاء انچاس ہو جائیں گے۔ اس پر طبریؒ اور احمدؒ کی عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت محمول ہو گی۔ اور اگر ذکوریت اور کمالِ صورت ظاہرہ کو خارج کر دیا جائے تو سینتالیس باقی بچیں گے اور اس پر قرطبی کی روایت محمول ہو گی اور اگر کمالِ صورتِ باطنی کو بھی خارج کر دیں تو چھیالیس رہ جائیں گے اور یہی بخاری کی صحیح متفق علیہ روایت ہے اور اگر کمالِ حواسِ ظاہرہ کو بھی خارج کر دیا جائے تو باقی پینتالیس رہ جاتے ہیں جس پر مسلم کی روایت محمول ہو گی۔

حضرت نے فرمایا یہ ان سات روایتوں کی توجیہات ہیں اور باقی روایات کی صحت کی مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی لہذا ان کی توجیہ کرنی بیکار ہے۔

میں نے عرض کیا یہ توجیہ جو آپ نے بیان کی ہے اس میں خواب کو اجزاء نبوت میں سے شمار کرنے کا

عہ ابن عبدالبر: یوسف بن عمر بن عبدالبر۔ علماء اندلس کے شیخ اور اپنے زمانہ میں وہاں کے بہت بڑے محدث تھے۔ انہوں نے کتاب الاستذکار تصنیف کی انہوں نے ۳۸۰ھ = ۹۹۰ء میں وفات پائی۔

عہ نووی: ابوزکریا محی الدین بن یحیٰی بن شرف نووی۔ اپنے زمانہ کے امام تھے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں مثلاً روضۃ الریاض، اذکار اور شرح مسلم۔ نوی دمشق میں ایک گاؤں کا نام ہے جس کی طرف نووی کی نسبت ہے۔ انہوں نے پینتالیس برس کی عمر میں ۶۷۶ھ = ۱۲۷۷ء میں وفات پائی۔

Marfat.com

ذکر نہیں ہے اور حدیث اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ خواب نبوّت کے اجزاء میں سے ہے، کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے کہ نیک خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے جس سے لازم آتا ہے کہ خواب ان اجزاء میں سے ایک جزو ہے اور آپ نے تو اسے اجزاء میں سے شمار نہیں کیا۔

حضرت نے فرمایا: نیک خواب آدمیت کے اجزاء میں سے ایک جزو یعنی نزعِ حظّ شیطان سے اور پھر اجزاءِ روح میں سے ایک جزو بصیرت سے مدد لیتی ہے۔ لہٰذا جب بصیرت کا نزول شیطانی حصّہ کے نکل جانے پر ہو تو ان کے مجموعہ سے اچھی خوابیں پیدا ہوں گی۔

میں نے عرض کیا اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ حدیث میں اجزاءِ نبوت میں سے دو جزؤں کا ذکر ہوتا کیونکہ نزعِ حظّ شیطان اور بصیرت دو جزو ہیں۔ ایک نہیں لہٰذا رؤیا بھی دو جزو ہونی چاہیئے تھی نہ کہ ایک جزو

حضرت نے فرمایا کہ درحقیقت خواب کا دار و مدار نزعِ حظّ الشیطان پر ہے۔ رُوح کا جزو صرف تابع اور مددگار ہونے کی حیثیت سے ہے۔ لہٰذا جس سے اللہ تعالیٰ شیطانی حصّہ نکال دے تو اس کے تمام افکار نیک ہوں گے اور وہ جب سوئے گا تو وہی خیالات دیکھے گا جن میں بیداری کی حالت میں سوچا کرتا تھا۔ لہٰذا اس کا خواب بھی نیک ہوگا اور جس سے شیطانی حصہ نکالا نہ گیا ہو، اس کے خیالات اس کے برعکس ہوں گے لہٰذا اس کا خواب بھی بد ہوگا۔

مولف کتاب کہتا ہے کہ جو کچھ شیخ نے فرمایا ہے وہ محض کشف اور صفائی معرفت کی وجہ سے ہے، کیونکہ علماء نے تو ان میں سے ایک جزو کا بھی ذکر نہیں کیا اور انہوں نے ان کے شمار کی ذمہ داری حقائقِ نبوت کے عارفین کے ذمہ ڈال دی۔ امام حلیمی نے بڑے تکلّف سے کام لیتے ہوئے کچھ باتیں بیان کی ہیں جن کا ذکر میں یہاں کر دیتا ہوں تاکہ تو حقیقتِ حال سے واقف ہو جائے۔

شیخ علاء الدین قونوی فرماتے ہیں اس مقام پر حلیمی[۱] نے رؤیائے صالحہ کو چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلہ میں انبیاء کے خصائص علمیہ کی کئی وجوہ بیان کی ہیں جن میں سے بعض میں تکلف سے کام لیا ہے، یہاں تک کہ ان اجزاء کو چھیالیس تک پہنچا دیا ہے تاکہ رؤیا ان اجزا میں سے ایک جزو بن جائے چنانچہ نبوت کا بلند ترین جزو اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ کلام کرنا ہے۔ اس کے بعد

---

[۱] حلیمی: شیخ امام ابو عبداللہ حسین بن الحسن الحلیمی الشافعی الجرجانی متوفی ۴۰۳ھ = ۱۰۱۲ء ان کی کتاب منہاج الدین فی شعب الایمان ہے۔ یہ تین جلدوں میں ضخیم کتاب ہے۔ جس میں اصولِ ایمان پر بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب کا اختصار قاضی علاء الدین ابو الحسن علی بن اسمٰعیل تبریزی قونوی متوفی ۷۲۹ھ = ۱۳۲۸ء نے کیا۔ مصنف کشف الظنون نے ان کے بیٹے محب الدین ابو الثناء محمد بن الشیخ علاء الدین علی القونوی ثم القاہری الشافعی المتوفی ۷۵۸ھ کا ذکر کیا ہے کہ اس نے منتہی السول والامل فی علمی الاصول والجدل کی شرح کی ہے۔ ۱۲ علاؤ الدین قونوی نے التصرف فی التصوف بھی لکھی جو حاجی خلیفہ کے خیال میں التعرف کی شرح ہے۔

Marfat.com

الہام جس میں کلام ہو۔ سوم وحی بزبانِ فرشتہ۔ چہارم فرشتہ کا دل میں القاء، پانچواں کمالِ عقل، چھٹا قوتِ حافظہ کا کمال کہ ایک بار سننے سے پوری سورت یاد ہو جائے۔ ساتواں اجتہاد میں خطا سے معصوم ہونا۔ آٹھواں ذکاءِ فہم تاکہ کئی قسم کے مسائل کا استنباط کر سکے۔ نواں کمالِ بصر تاکہ دنیا کے بعید ترین حصوں میں ان اشیاء کو دیکھ سکے جو دوسروں کو دکھائی نہیں دے سکتیں۔ دسواں کمالِ سماعت تاکہ دنیا کے بعید ترین علاقوں کی وہ باتیں سن سکے جن کو دوسرے نہ سن سکیں۔ گیارھواں کمالِ قوتِ شامہ جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ یوسف علیہ علیہ السلام کی قمیص کا واقعہ پیش آیا۔ (کہ انہوں نے دور سے ہی قمیص کی بو سونگھ لی) بارھواں: جسمانی طاقت کہ ایک ہی رات میں ایک ماہ کی مسافت طے کر سکے۔ تیرھویں آسمانوں پر عروج۔ چودھواں: وحی کا گھنٹی کی سی آواز میں آنا۔ پندرھواں بکری کا کلام کرنا۔ سولھواں نباتات کو گویا کرنا۔ سترھواں کھجور کے تنہ کا گویا کرنا۔ اٹھارواں پتھر کو گویا بنانا۔ انیسواں بھیڑیوں کے چیخنے کو سمجھنا کہ وہ آپ سے کوئی چیز کھانے کو مانگ رہا ہے۔ بیسواں آپ کا اونٹوں کے بلبلانے کی آواز کو سمجھنا۔ اکیسواں ایسی آواز کا سننا جس کا بولنے والا دکھائی نہ دے رہا ہو۔ بائیسواں جنات کے مشاہدہ کی قدرت رکھنا۔ تیئیسواں نظر سے اوجھل چیزوں کا سامنے آجانا جیسے شبِ معراج کی صبح کو بیت المقدس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا رکھا گیا۔ چوبیسواں ایسے واقعہ کا پیش آنا جس سے انجام کا علم حاصل ہو۔ مثلاً جب آپ کی اونٹنی حدیبیہ کے مقام پر بیٹھ گئی تو آپ نے فرمایا کہ ہاتھیوں کو روکنے والے نے اسے بھی آگے جانے سے روک دیا ہے۔ پچیسواں نام سے کسی معاملہ پر استدلال کرنا چنانچہ جب صلح حدیبیہ میں سہیل بن عمرو[عہ۱] آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہارا معاملہ آسان ہو گیا" چھبیسواں کسی آسمانی چیز کو زمین کے کسی واقعہ پر استدلال کرنا، مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بادل کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ بنی کعب کی فتح کی خوشخبری دے رہا ہے۔ ستائیسواں پشت کی طرف سے دیکھنا۔ اٹھائیسواں کسی مرنے والے کے متعلق ایسے معاملہ کی اطلاع پانا جو اس کے مرنے سے پہلے واقع ہوا تھا مثلاً آپ کا حنظلہ الغسیل[عہ۲] کے متعلق

عہ۱ سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ: صلح حدیبیہ کے موقعہ پر یہ قریش مکہ کی طرف سے سفیر بن کر آئے تھے۔ ان کے بیٹے ابو جندل رضی اللہ عنہ اس وقت اسلام لا چکے تھے۔ یہ جنگِ بدر میں مشرکوں کے ساتھ ہو کر لڑے اور قید ہوئے۔ یہ قریش کے بہت بڑے خطیب تھے۔ جب جنگِ بدر میں قید ہو کر آئے تو حضرت عمر نے عرض کیا، اس کے اگلے دانت نکال دیئے جائیں۔ تاکہ آئندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریر نہ کر سکے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسے اسی طرح رہنے دو۔ یہ آئندہ جا کر ایسا کام کرے گا جس سے تو خوش ہو گا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر جب مکہ کے لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا اور کچھ لوگ مرتد بھی ہو گئے تو اس وقت ان کی تقریر نے لوگوں کو منظم کیا تھا۔ ان کی وفات عمواس کی طاعون میں ۱۸ھ = ۶۳۹ء میں ہوئی۔

عہ۲ حضرت حنظلہ بن مالک مشہور صحابی ہیں جن کا لقب غسیل الملائکہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی نئی نئی شادی ہوئی تھی بیوی کے پاس گئے ہی تھے کہ اعلانِ جنگ ہو گیا۔ اسی حالت میں نکل آئے اور لڑتے لڑتے جنگِ احد میں شہید ہو گئے۔ اب چونکہ جنبی تھے اور شہید کو غسل نہیں دیا جاتا اسلئے انہیں فرشتوں نے غسل دیا۔ یہاں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے ایک اور صحابی کا نام بھی حنظلہ رضی اللہ عنہ ہے مگر ان کے والد کا نام رُبَیع اکا سَیّدی ہے۔

Marfat.com

فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ ملائکہ اسے غسل دے رہے ہیں اور حنظلہؓ مرنے سے پہلے جنبی تھے۔ انتیسواں[29] ایسے امور کا ظہور جن سے آئندہ ہونیوالی فتوحات پر استدلال ہو سکے جیسا کہ خندق کے دن کا واقعہ ہوا۔ تیسواں[30] دنیا کے اندر ہی جنت و دوزخ پر اطلاع پانا۔ اکتیسواں[31] فراست، بتیسواں[32] درخت کا آپ کی اطاعت کرنا یہاں تک کہ وہ ٹہنیوں اور جڑوں سمیت ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو گیا۔ تینتیسواں[33] ہرنی کا واقعہ اور اپنے چھوٹے بچے کی ضرورت کا شکایت کرنا۔ چونتیسواں[34] خواب کی تعبیر کو جاننا اور اس میں کبھی بھی غلطی نہ کھانا۔ پینتیسواں[35] کسی چیز کا اندازاً معلوم کر لینا اور اس کا ٹھیک اسی طرح نکلنا۔ چھتیسواں[36] مخلوقات کو اسلام کی طرف ہدایت کرنا۔ سینتیسواں[37] مخلوق کو دینی و دنیاوی سیاست کی راہ دکھانا۔ اڑتیسواں[38] نیکی اور ہدایت کے راستوں کی طرف مخلوق کی ہدایت کرنا۔ انتالیسواں طبی طریقوں سے اصلاحِ جسمانی کی تعلیم۔ چالیسواں[40] قربِ الٰہی حاصل کرنے کی راہ دکھانا۔ اکتالیسواں مفید صنعتوں کی تعلیم۔ بیالیسواں مغیبات کا علم جن کا ذکر پہلے کسی نے نہ کیا ہو تینتالیسواں[43] آئندہ پیش آنے والے واقعات کا علم چوالیسواں[44] لوگوں کے مخفی معاملات اور اسرار سے واقفیت۔ پینتالیسواں[45] استدلال کے طریقوں کی تعلیم چھیالیسواں معاشرہ میں نباہ کے طریقوں کا علم۔

اس طرح عالی نبوی خصائص کی تعداد چھیالیس[46] ہو جاتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک رویائے صالحہ کے بل جانے کے قابل ہے تاکہ وہ چھیالیس اجزاء نبوت میں کا ایک جزو بن جائے اور اگرچہ ان میں سے بہت سے خصائل غیر نبی میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن نبی سے ان میں کوئی غلطی واقع نہیں ہوتی۔ اور دوسروں کو کبھی غلطی لگ جاتی ہے۔ واللہ اعلم

مؤلفِ کتاب کہتا ہے کہ حلیمی کے بیان پر اعتراض ہے کیونکہ اس کا مقصد محض اجزاءِ نبوت کا شمار کرنا تھا اور جن وجوہ کا ذکر ہوا ان میں سے اکثر ایسی خصال ہیں جو صرف ذاتِ محمدی کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً بکری کا کلام کرنا۔ پتھر کا سلام کرنا۔ کھجور کے تنے کا رونا۔ بھیڑیے اونٹ اور ہرنی کی زبان سمجھنا۔ بیت المقدس کا آنکھوں کے سامنے آجانا۔ اور یہ فرمانا کہ ہاتھیوں کو روکنے والے نے اسے بھی روکا ہے اور آپ کا فرمانا "تمہارا کام تمہارے لئے آسان ہو گیا" اور آپ کا فرمانا "یہ بادل بنی کعب کی فتح کی خبر دے رہا ہے۔ حنظلہؓ کی جنابت کا علم اور جو کچھ خندق کے کھودنے میں پیش آیا۔ درخت کا آپ کی اطاعت کرنا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا جانا۔ وغیرہ وغیرہ کیونکہ یہ تو اجزاءِ نبوت میں شامل نہیں کی جا سکتیں کیونکہ یہ تو ایسی جزئیات ہیں جو واقع ہوئیں اور منقطع ہو گئیں۔ مزید برآں ان میں سے پہلے چھ اجزاء تو معرفتِ لغات میں شامل ہیں۔ جس طرح آنحضرت کا فرمانا کہ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ (اسے اسی خدا نے روکا ہے جس نے ہاتھیوں کو روکا تھا) اور اس کے اگلے چار اور اجزاء یہ سب انجام کی معرفت میں شامل ہیں۔ یہ گیارہ خصلتیں تو محض دو خصلتیں رہ گئیں۔ پھر یہ تمام چھیالیس خصلتیں جن کے متعلق اس نے کہا ہے کہ وجودِ علم میں سے ہیں تمام کی اصل رسالت کی خصلتوں میں سے ایک خصلت ہے یعنی غائبانہ حالت میں اور موجودگی میں علم کامل کا وجود ہے جیسا کہ اس کی شرح میں گذر چکا ہے۔ چنانچہ اس طرح بھی رسالت کی خصلتوں اور اجزاء کے لحاظ سے بھی یہ سب لوٹ کر ایک خصلت بن گئیں۔ علامہ حلیمی رحمۃ اللہ نے صرف اتنا کیا ہے کہ اس نے ان معجزات میں سے جو آنحضرت کے ہاتھوں

Marfat.com

ظاہر ہوئے تھے کچھ معجزات لے لیے ہیں جن کو اس نے نبوتِ مُطلقہ کے ان اجزاء ہیں سے شمار کر لیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء میں پائے جاتے تھے۔ پھر ان معجزات میں سے بہت سے معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اولیا کی کرامت ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ایک نبی کا معجزہ ایک ولی کے لیے کرامت بن سکتا ہے، جیسا کہ اہل السنّت والجماعت کا عقیدہ ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا معجزات غیر نبی کے لیے بھی ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ کسی صورت میں بھی اجزاءِ نبوت میں سے نہیں ہو سکتے۔ واللہ اَعْلَم۔

اس حدیث کی وہ شرح جو امام غزالی نے کی ہے

امام غزالیؒ [۱] فرماتے ہیں کہ یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ مقدار آپ کی زبان پر محض اتفاقیہ طور پر آجاتی تھی بلکہ آپ تو صحیح حقیقت بیان کیا کرتے تھے مثلاً آپ کا یہ فرمانا کہ صالح آدمی کا رؤیائے صالحہ نبوت کے چھیالیسؔ اجزاء میں سے ایک جزء ہے کیوں کہ یہ ایک صحیح تخمینہ ہے لیکن دوسرے لوگوں کو طاقت نہیں کہ وہ اسے تخمینہ کے بغیر سمجھ سکیں کیونکہ نبوت اس مرتبہ کا نام ہے جو نبی کے ساتھ مخصوص ہے جس سے نبی و غیر نبی میں امتیاز ہو سکے۔ اور اس کے چند خواص ہیں تاکہ نبی کو اللہ اور اس کی صفات، ملائکہ اور دار آخرت سے متعلق حقیقی معرفت حاصل ہو مگر اس طرح کی معرفت نہیں جس طرح اوروں کو حاصل ہوتی ہے بلکہ نبی کے پاس کثرتِ معلومات اور یقین و تحقیق اس قدر ہو کہ کسی اور کو حاصل نہ ہو۔ نبیؐ میں ایک صفت یہ ہوتی ہے کہ ملائکہ اور عالمِ ملکوت کو اس طرح دیکھتا ہے کہ اس میں اور دوسروں میں وہی فرق ہوتا ہے جو اندھے اور بینا میں۔ اس میں ایک اور قوت ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے وہ آئندہ آنے والے مغیبات کو معلوم کر لیتا ہے اور اسی قوت کے ذریعے سے وہ لوحِ محفوظ کا بھی مطالعہ کر سکتا ہے اور اس قوت کی مثال بعینہٖ اس قوت کی سی ہے جس سے ذکی اور کند ذہن کا امتیاز ہو سکتا ہے۔

نبی میں ایک اور قوت بھی پائی جاتی ہے جس سے وہ خارق عادت افعال کو بعینہٖ اس طرح کر جاتا ہے جس طرح ایک عامی انسان اختیاری افعال کو کرتا ہے۔ یہ تمام صفات تحقیقی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی تھیں جن میں سے ہر ایک کو کئی مزید قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے چنانچہ ہو سکتا ہے کہ ہم ان کی چالیس قسمیں بنا لیں۔ یا پچاس یا اس سے بھی زیادہ۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم انہیں چھیالیس جزوں میں اس طرح تقسیم کر لیں کہ نیک خواب اس کا ایک جزء بن جائے مگر ہماری تقسیم محض اندازہ اور تخمینہ

---

[۱] امام غزالی: ابو حامد محمد الغزالی اپنے زمانہ کے بہت بڑے امام، فلسفی اور صوفی گزرے ہیں۔ مدرسۂ نظامیہ بغداد میں درس دیتے رہے۔ مگر آخر عمر میں درس و تدریس چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گئے۔ ان کی کئی ایک تصانیف ہیں جن میں زیادہ مشہور یہ ہیں: مقاصد الفلاسفہ، تہافت الفلاسفہ، کیمیاءِ سعادت، جواہر القرآن وغیرہ۔ ان کی پیدائش طوس میں ۴۵۰ھ = ۱۰۵۸-۱۰۵۹ء میں ہوئی اور وفات ۵۰۵ھ = ۱۱۱۱ء میں ہوئی۔

Marfat.com

ہوگی نہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد درحقیقت یہی تھی - یہ امام کی تشریح کا خلاصہ ہے - ہم نے اسے اس لیے یہاں نقل کر دیا ہے تاکہ تجھے حضرت کی بزرگی کا پتہ چل جائے اور ان کے علم و عرفان کا اندازہ ہو سکے اور یہ کہ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے -

مازری کی تشریح مازریؒ[1] کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ عالم کو ہر چیز کا پورا اور تفصیلی علم ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عالم کے لیے بھی ایک حد مقرر کر دی ہے جہاں پہنچ کر وہ ٹھہر جاتا ہے اور آگے نہیں چل سکتا - چنانچہ بعض ایسے امور ہوتے ہیں جن کا نہ اجمالی علم ہوتا ہے نہ تفصیلی - بعض ایسے ہوتے ہیں جن کا اجمالی علم تو ہو جاتا ہے مگر تفصیلی علم نہیں ہوتا اور یہ حدیث اسی زمرہ میں سے ہے - اھ - اس سے ان کی مراد چھیالیس جزو والی حدیث ہے -

ابن بطال[2]، ابن العربی[3] اور الخطابی[4] وغیرہ کا بھی یہی بیان ہے -

ابوسعید سفاقسی کی تشریح ابوسعید السفاقسی[5] کی سند سے ابن بطال نے بیان کیا ہے کہ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے چھ ماہ تو خواب میں وحی نازل فرمائی پھر باقی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے بیداری میں آپ پر وحی نازل فرمائی - کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحیح روایت کے مطابق اس کے بعد تیئیس سال زندہ رہے - اس طرح وحی منامی کی بیداری سے جو نسبت ہے وہ ایک اور چھیالیس کی ہے -

اس پر اعتراض اس پر کئی طریقوں سے اعتراض کیا گیا ہے -

ع۱ مازریؒ: ابو عبداللہ محمد بن علی بن عمر التمیمی المازری الصقلی اہل افریقہ اور اس کے علاوہ مغرب کے امام تھے - وہ سب سے آخری شخص تھے جو تحقیق فقہ میں مشغول تھے اور اجتہاد اور دقت نظر رکھتے تھے - مسلم اور قاضی عبدالوہاب کی کتاب التلقین کی شرح کی - نیز امام الحرمین کی برھان کی شرح کی اور اس کا نام محصول من برہان الاصول رکھا - انہوں نے ۵۳۶ھ = ۱۱۴۱ء میں وفات پائی -

ع۲ ابن بطالؒ: ابوالحسن علی بن خلف المعروف بابن بطال مغربی مالکی - انہوں نے بھی بخاری کی شرح کی ہے -

ع۳ ابن العربی: ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المعافری الاشبیلی - اپنے شہر میں ادب حاصل کیا - پھر بلادِ مشرق کا طویل سفر کیا اور بہت سے علماء سے جن میں امام غزالی بھی تھے ملاقات کی - ان کی بہت سی تصانیف ہیں مثلاً احکام القرآن، کتاب المسالک فی شرح مؤطا امام مالک - انہوں نے ۵۵۳ھ = ۱۱۵۸ء میں وفات پائی - یہ وہ ابن العربی نہیں ہیں جو مشہور صوفی ہیں -

ع۴ الخطابی: امام ابو سلیمان حمد بن محمد الخطابی اپنے زمانہ کے امام تھے معالم السنن، اعلام السنن اور غریب الحدیث ان کی تصانیف میں سے ہیں - ان کی وفات ۳۰۸ھ = ۹۲۰ء میں ہوئی - انہوں نے صحیح بخاری کی بھی شرح کی ہے جس کا نام اعلام السنن رکھا ہے -

ع۵ ابوسعید السفاقسیؒ: امام عبدالواحد بن تین سفاقسی شارح بخاری - ان کی تفسیر بھی ہے - ان کے ایک بھائی محمد بن سفاقسی نے منہاج کی شرح کی ہے - انہوں نے بخاری کی بھی شرح کی ہے -

Marfat.com

۱۔ وحی منامی کے بعد جو وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر نازل ہوئی اس کی مدت میں اختلاف ہے۔ تیئیس سال کی مدت پر سب کا اتفاق نہیں ہے۔

۲۔ اگر چھیالیس کی روایت صحیح بھی ہو تو پھر یہ توجیہ کرنے والا باقی روایات کے متعلق کیا کہے گا مثلاً پینتالیس، انچاس، ستّر اور پچاس جن کا اوپر ذکر ہو چکا۔

۳۔ یہ کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ وحی منامی کی مدت چھ ماہ ہے۔ اگر ہے تو اس کی کیا دلیل ہے؟

۴۔ یہ کہ وحی منامی کی مدّت کے بعد جو وحی نازل ہوئی وہ صرف بیداری ہی میں نہیں نازل ہوئی بلکہ بعض اوقات خواب میں بھی وحی نازل ہوئی اور نیک خواب بھی آئے جنہیں چھ ماہ کے ساتھ ملا دینا چاہیے تو اس طرح وحی منامی کی مدت چھ ماہ سے بڑھ جائے گی۔

تیسرے اعتراض کا جواب | تیسرے اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ابن اسحٰق[عــه] وغیرہ کے بیان کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کی ابتدا چالیس سال کی عمر کے شروع میں ربیع الاوّل میں ہوئی۔ پھر غار حرا میں جبرئیل ماہ رمضان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان کا درمیانی عرصہ چھ ماہ کا ہے۔

جواب الجواب | اس جواب کا پہلا جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ اس پر اتفاق نہیں کہ وہ مہینہ رمضان کا ہی مہینہ تھا۔ ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ رجب کا مہینہ ہے۔ ایک اور جماعت کہتی ہے کہ یہ ربیع الاول کا مہینہ تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ہم یہ بات تسلیم بھی کر لیں کہ یہ مدّت چھ ماہ کی مدت تھی پھر بھی اس میں یہ تصریح نہیں پائی جاتی کہ اس عرصہ میں وحی خواب میں ہوئی۔

چوتھے اعتراض کا جواب | چوتھے اعتراض کا یہ جواب ہے کہ خواب سے ہماری مراد متواتر خواب ہیں نہ کہ مطلق خواب۔ لہذا ان میں توفیق پیدا کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

دوسرے اعتراض کا جواب | دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ روایات میں تعداد کا جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ اس وقت کے اعتبار سے ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث بیان فرمائی مثلاً وحی آنے کے بعد تیرہ سال مکمل کر لینے کے بعد جب آپ نے بیان فرمایا ہو کہ نیک خواب نبوت کا چھبیسواں حصہ ہے اور یہ وقت ہجرت کا وقت تھا۔ بیس سال مکمل کر لینے کے بعد فرمایا ہو کہ چالیسواں جزو ہے اسی طرح بائیس سال کے بعد چوالیسواں اور آخر عمر چھیالیسواں جزو فرمایا ہو۔ ان کے سوا دوسری تمام روایات ضعیف ہیں۔ پچاس کی روایت ممکن ہے کہ کسر کو پورا کرنے کے لیے ہو۔ اور ستر کی روایت مبالغہ کے لیے۔ ان کے سوا دوسری روایات صحیح ثابت نہیں ہو سکیں۔ ان روایات میں جو مناسبت پیدا کی گئی ہے ان کا ذکر صرف حافظ ابن حجر نے کیا ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا ہے کہ اس مناسبت میں بھی ایک اعتراض رہ جاتا ہے۔

عــه ابن اسحٰق: محمد بن اسحٰق سب سے پہلا شخص ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانحعمری لکھی۔ یہ منصور کے عہد میں ۱۵۰ھ = ۷۶۷ء میں مرا۔

Marfat.com

ابن حجر کے بیان پر اعتراض اس حدیث سے جو معنی متبادر ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد مؤمنِ صالح کے خواب کی فضیلت بیان کرنا ہے اور مناسبت مذکورہ اس بات کی متقاضی ہے کہ یہ جزء صرف اس خواب کے متعلق ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آئی جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مدت جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں وحی نازل ہوئی اس مدت کا چھیالیسواں حصہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں وحی نازل ہوئی اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر نیک آدمی کی خواب میں بھی یہی نسبت پائی جائے۔ مزید برآں ابن ابی جمرہ نے اس تاویل کو پسند نہیں کیا کیونکہ اس تاویل سے مقصد حل نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں اللہ تعالیٰ نے کمالِ فصاحت وبلاغت عطا کی تھی ان کے ان الفاظ سے اس قسم کے معنی مراد لینا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ شاید اس کے قائل کا یہ مقصد ہو کہ رویائے صالحہ اور نبوت کے درمیان ایک قسم کی مناسبت پیدا ہو جائے اور اجزاء کی تعداد میں جو اختلاف ہے، اسے اسی میں کھپا دیا جائے۔

اس مذکورہ بالا اختلاف میں مناسبت پیدا کرنے کی کئی ایک علماء نے کوشش کی ہے۔

ابوجعفر طبری کا بیان امام ابوجعفر طبری نے لکھا ہے کہ ستّر والی روایت ہر مسلمان کی سچی خواب کے متعلق ہے۔ اور چالیس والی روایت سچے اور دین دار مومن کی خواب کے بارے میں ہے اور ان کے درمیان والی روائتیں عام مومنین کے حالات کے اعتبار سے ہوں گی۔

ابن بطّال کا بیان امام ابن بطال فرماتے ہیں۔ تعداد اجزاء میں کمی یا بیشی کے اعتبار سے جو اختلاف پایا جاتا ہے تو ان میں صحیح ترین روایت چھیالیس اور ستّر والی روائتیں ہیں۔ کیونکہ خواب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک صاف اور واضح خواب مثلاً اگر کوئی خواب میں دیکھے کہ اسے پھل دیا گیا ہے اور پھر بیداری میں وہی واقعہ پیش آئے اور اسے اسی قسم کا پھل دیا جائے، اس قسم کی خواب کی تعبیر میں نہ کوئی دقت پیش آتی ہے اور نہ اس کی تفسیر میں کوئی رمز یا اشارہ ہوتا ہے اور دوسری مخفی جو ظاہر نہ ہو۔ اس قسم کی خواب کی تعبیر ایک ماہر ہی کر سکتا ہے کیونکہ اس میں بہت دور کی مثال دی گئی ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے ہو سکتا ہے کہ خواب کی دوسری قسم ستّر میں سے ایک جزو ہو۔ اور پہلی قسم چھیالیسواں جزو۔ کیونکہ جس قدر اجزاء کم ہوں گے۔ اسی قدر خواب سچائی کے زیادہ قریب ہوگی اور اسی قدر اس کی تعبیر میں غلطی کا کم احتمال ہوگا۔ اس کے برخلاف جس قدر اجزاء زیادہ ہوں گے اس کی تعبیر میں غلطی کا زیادہ احتمال ہوگا۔ ابن بطال کہتے ہیں کہ میں نے یہ جواب کئی ایک لوگوں کو سنایا تو انہوں نے اسے پسند کیا۔

ایک اور بیان کسی اور نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ نبوت اسی قسم کے دو وصفوں پر مشتمل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کے ذریعہ سے انہی دو طریقوں پر نبوت حاصل کی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ کبھی آپ کو وحی آتی تو آپ جبرئیل سے بے تکلفی سے باتیں کرتے اور بعض اوقات جبرئیل آنحضرت صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم کو کچھ جملے اور جوامع کلمات پڑھاتے تو آپ کو شدید معلوم ہوتے یہاں تک کہ آپ کو لرزہ طاری ہو جاتا اور آپ سے پسینہ بہنا شروع ہو جاتا۔

مازری نے اس کا خلاصہ یوں کیا ہے کہ خواب میں اصل واقعہ پر کئی ایک دلالتیں پائی جاتی ہیں چنانچہ بعض دلالتیں واضح ہوتی ہیں اور بعض خفی۔ مگر جلی میں دلالتوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہیں ہے اور خفی میں زیادہ اور ان کے درمیان دیگر درمیانی مدارج ہیں۔

امام ابو محمد ابن ابی جمرہ کا بیان امام ابو محمد ابن ابی جمرہؒ[1] کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ نبوت تو واضح امور لے کر آئی ہے چنانچہ بعض وحیوں میں اجمال ہوتا جسے کسی دوسری جگہ واضح کر دیا گیا ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض خوابیں بھی صریح ہوتی ہیں جن کی تاویل کی ضرورت نہیں ہوتی اور بعض ہیں تاویل کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا اس خواب میں سے جس قدر حق بات کو عارف سمجھ جائے وہ اجزاء نبوت میں سے ایک جزو ہوتا ہے اور یہ جزو عارف کی سمجھ کے مطابق کبھی کم ہوتا ہے کبھی زیادہ۔ چنانچہ بلند ترین عارف وہ ہوگا جس کے فہم اور نبوت کے درجہ کے درمیان کم سے کم اجزاء کی تعداد ہو اور ادنیٰ ترین عارف وہ ہوگا جس میں تعداد زیادہ ہوگی اور ان کے علاوہ کے لیے درمیانی مدارج ہیں۔

مولف کتاب کہتا ہے کہ اس کلام کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس قدر عارف زیادہ فہم والا ہوگا تو اس میں اجزا کی تعداد بھی کم ہوگی اور سب سے زیادہ اجزا کی تعداد ضعیف الفہم عارف کی تعبیر میں ہوگی اور درمیانی فہم والے کے لیے درمیانی حالت ۔ اور اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں تعداد کے اختلاف کو مُعبّر کے فہم سے متعلق کیا گیا ہے حالانکہ خواب تو کسی اور کو آئی ہوتی ہے نہ کہ مُعبّر کو۔ اگر بات اسی طرح ہوتی تو حدیث کے الفاظ یوں ہونے چاہئیں تھے "نیک آدمی کی نیک خواب کا سمجھنا نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ لہذا یہ عارف کے فہم کی خوبی ہوئی نہ کہ خواب کی۔ اور یہ حدیث کے مفہوم کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

رحمانی و شیطانی خوابیں میں نے حضرت سے رحمانی اور شیطانی خواب کے متعلق دریافت کیا تو حضرت نے فرمایا کہ ذات انسانی کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو ہر وقت حق میں مشغول ہوتی ہیں اور ان کا تعلق حق کے ساتھ ہوتا ہے۔ دوم وہ جو ہر وقت باطل میں لگی رہتی ہیں اور ان کا تعلق بھی باطل سے ہوتا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کو وہی چیز مل

---

[1] امام ابو محمد بن ابی جمرہؒ: شیخ ابو محمد بن سعد بن ابی جمرۃ الازدی اُندلسی متوفی ۵۲۵ھ۔ یہ بہت بڑے ولی گذرے ہیں۔ شریعت کی بڑی تعظیم کیا کرتے اور بیداری میں انہیں دیدارِ نبویؐ حاصل ہوتا۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ جن میں سے بخاری کی شرح مسمی بہجۃ النفوس وغایتہا بمعرفتہ مالہا وما علیہا، تفسیر قرآن مجید و جمع النہایۃ فی بدء الخیر وغایتہ حدیث میں ایک مختصر کتاب ہے۔ امام شعرانی نے ان کا حال لکھا ہے۔ (لواقح: ۱: ۱۳۸) کشف الظنون (ج ۱: ۹۳ ۴) میں ان کی ایک اور کتاب شرح حدیث عبادہ بن الصامت بھی دی ہے۔ وہاں ان کی تاریخ وفات ۶۷۵ھ دی ہے۔

Marfat.com

جاتی ہے جو اس کے مناسب ہوتی ہے اور جو ہمیشہ سے اس کی حالت رہی ہوتی ہے۔ پھر آپ نے اس کی تشریح اس طرح کی کہ فرض کرو کہ دو سائل ہیں۔ ہر ایک نے دس دینار مانگے جو انہیں دے دیئے گئے۔ اور وہ بہت ہی خوش ہوئے مگر ایک کی خوشی کا تعلق عطیہ دینے والے کے ساتھ ہے یہاں تک کہ اس خوشی کی شعاعیں اس کے باطن پر پڑیں اور باطن بھی اس سے مسرور ہوا تا آنکہ یہ اس کی دن رات کی عادت بن گئی۔ یہ تو وہ شخص ہے جو حق پر قائم ہے اور حق سے وابستہ ہے۔ دوسرے کی خوشی دیناروں کے ساتھ ہے کہ ان سے حاجت پوری کرے گا۔ چنانچہ دینار ملنے کے بعد اس کا خیال اُن حاجتوں کی طرف جائے گا جنہیں وہ ان سے پورا کرے گا لیکن اپنی حاجتیں پورا کرنے اور مراد حاصل کر لینے کے بعد وہ پھر مانگنا شروع کر دے گا اور کہے گا خدایا مجھے دس دینار اور دے۔ اس شخص کا دل تو حاجتوں میں مبتلا ہے اور اس کی نظر بھی انہی کی طرف لگی رہتی ہے اور اس کا یارب کہنا محض برائے نام ہوتا ہے دل اس سے بالکل خالی ہوتا ہے کیونکہ وہ خدا سے بے تعلق اور حجاب کے پردے میں ہوتا ہے۔ یہی وہ شخص ہے جو باطل میں لگا رہتا ہے اور اسی سے اس کا تعلق ہوتا ہے چنانچہ پہلے کے خواب اللہ سے تعلق ہونے کی وجہ سے اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور دوسرے کے شیطان سے تعلق ہونے کی وجہ سے شیطان کی طرف سے۔ درحقیقت دونوں خواب اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ دوسرے قسم کے خواب کو شیطان کی طرف اس لیے منسوب کیا گیا کہ شیطان اس سے خوش ہوتا ہے اور بنی آدم کے لیے اسے پسند کرتا ہے کیونکہ یہ اُن ظلمتوں سے پیدا ہوتی ہیں جنہیں شیطان پسند کرتا ہے بعینہٖ اس طرح جس طرح ایک فرع اپنی اصل کو پسند کرتی ہے کیونکہ شیطان کی اصل تاریکی ہے۔

(مولف کہتا ہے) ائمہ حدیث مثلاً ابن حجر، ابن العربی، ابن بطال اور ابن ابی جمرہ وغیرہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ خوابیں خواہ کسی قسم کی بھی ہوں اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ شیطان کی طرف انہیں صرف اس لیے منسوب کیا جاتا ہے کہ وہ ان سے خوش ہوتا ہے۔

سچی اور جھوٹی خواب پھر میں نے سچی اور جھوٹی خواب کے متعلق سوال کیا۔

حضرت نے جواب دیا کہ سچی خواب وہ ہے جس کے دیکھنے والے کا دل سوتے ہوئے بھی معاینہ و مشاہدہ حق میں لگا ہوا ہو۔ جیسا کہ اکثر جاگتے میں رہتا ہے۔ اور جھوٹی خواب اس کے برعکس حالت والے کی ہوتی ہے کہ اس کا دل سوتے میں ایسا ہوتا ہے جیسے عام لوگ کہا کرتے ہیں وہم لے کر گیا اور وہم لے کر واپس آیا۔ اسی لیے جس طرح وہ بیداری میں معاینہ حق سے محجوب ہوتا ہے اسی طرح خواب میں بھی محجوب ہوتا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ بعض اہل ظلام کی خوابیں بھی کبھی سچی ہوتی ہیں اور خواب والے کے دل کو محجوب نہیں کرتیں حالانکہ آپ نے فرمایا ہے کہ اہلِ ظلمت کے خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور جو شیطان کی طرف سے ہو اس میں حجاب کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ عزیز مصر نے خواب دیکھا جس کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے: وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّىٓ أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ (الآیہ) (سورہ یوسف)

حضرت نے فرمایا یہ اس لیے ہوا کہ اس میں یوسف علیہ السلام کا راز اور حق شامل تھا اور یہی خواب

Marfat.com

حضرت یوسف علیہ السلام کی شہرت، اُن کے قید خانہ سے نکلنے اور ملک پر تسلّط کا باعث ہوا۔ اس کے علاوہ بھی کبھی کافر کی خواب سچی نکل آتی ہے، جب اس کے ساتھ کسی اور کا تعلق ہو اور اس خواب کا تعلق بادشاہ کے تمام معاصرین کے ساتھ ہے۔ اسی لیے یہ خواب اوروں کے لیے تھا، خواص بادشاہ کے لیے نہ تھا۔

میں نے عرض کیا تو کیا قید خانہ میں حضرت یوسف علیہ السّلام کے دو ساتھیوں کی خواب انہی کے متعلق نہ تھی کیونکہ ہر ایک کی خواب واقعہ کے مطابق نکلی تھی، لہذا غیر کا تعلّق کہاں رہا۔

حضرت نے فرمایا: اس میں بھی یوسف علیہ السّلام کا حق تھا اور یہی اُن کی شہرت، اُن کے قید سے نکلنے اور ملک پر قابض ہونے کا سبب بنا۔ مختصر یہ کہ اہلِ ظلمت کی خواب اُسی وقت سچی نکلتی ہے جب اس میں اور کا حق شامل ہو یا اس میں خواب دیکھنے والے کے لیے اس مذہب حق کے حق ہونے کی شہادت ہو جس مذہب پر خواب دیکھنے والا خود نہیں ہے۔ یا یہ خواب اس کی توبہ کا سبب ہو وغیرہ۔

(مولّف کہتا ہے) فتح الباری میں اسی طرح دیا ہے۔ حافظ ابن حجر بے حیا، مفسدہ پرداز اور مشرکوں کی خواب کے باب میں لکھتے ہیں کہ مُعبّرین کا کہنا ہے کہ اگر کوئی خائن یا فاسق کوئی نیک خواب دیکھے تو یہ خواب بعض اوقات اس کے ایمان لے آنے کی خوشخبری ہوتی ہے۔ یا توبہ کرنے کی یا اس میں اس کے کفر و فسق پر قائم رہنے کی اطلاع پائی جاتی ہے اور بعض اوقات یہ خواب اوروں کے لیے ہوتی ہے مثلاً اُن اہلِ فضل لوگوں کے لیے جن کے ساتھ اسے نسبت ہوتی ہے اور بعض اوقات انہیں ایسی خواب آتی ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ درست ہے حالانکہ یہ ایک قسم کی آزمائش دھوکا اور فریب ہوتا ہے۔ نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ۔

(میں کہتا ہوں) جب وہ ایسی خواب دیکھے جس میں کفر پر رضامندی پائی جائے تو یہ نیک خواب نہیں کیونکہ نیک خواب تو سچی خواب ہوتی ہے یا اس سے بھی خاص جیسا کہ اس سے پہلے مذکور ہو چکا۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت کا ذہن نیک خواب کی بجائے کافر کی مطلق خواب کی طرف چلا گیا ہو۔

ضرر رساں اور غیر ضرر رساں خوابیں

پھر میں نے حضرت سے سوال کیا کہ کون سی پریشان کن خواب ضرر رساں ہوتی ہے اور کونسی غیر ضرر رساں اور اس سے پہلے عورت کا قصہ بھی سنا دیا جس نے خواب میں دیکھا کہ اس کے گھر کا ستون گر گیا ہے اور اس نے ایک کانا بیٹا جنا ہے اور خواب کے وقت اس کا خاوند تجارت کے لیے دُور سفر میں گیا ہوا تھا۔ اس عورت نے آکر یہ خواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں سنایا تو آپ نے فرمایا۔ تمہارا خاوند ان شاء اللہ صحیح و سلامت واپس آجائے گا اور تیرے ہاں ایک صالح بچہ پیدا ہوگا۔ اس کے بعد وہی عورت پھر ایک بار آئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت تشریف فرما نہ تھے۔ اس لیے اس نے اپنی خواب حضرت عائشہ[ع] سے

ع عائشہ: اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ حضرت ابوبکر صدیق کی بیٹی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کی شادی مکہ ہی میں چھ برس کی عمر میں ہوگئی تھی مگر یہ آنحضرت کے گھر مدینہ میں جنگ بدر کے بعد سنہ ۲ھ کیں گئی۔ جب کہ اُن کی عمر نو سال کی تھی۔ آپ سے بے شمار لوگوں نے حدیث کی روایت کی ہے۔ ان کی وفات ۵۷ھ = ۶۷۶ء یا ۵۸ھ = ۶۷۷ء میں ہوئی۔

Marfat.com

بیان کی۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ اگر تمہاری خواب سچی ہے تو تمہارا خاوند سفر میں مرجائے گا اور تیرے ہاں ایک بدکار بچہ پیدا ہوگا۔ جب آنحضرتؐ تشریف لائے اور حضرت عائشہؓ نے ان سے خواب اور تعبیر کا ذکر کیا۔ آنحضرتؐ کو ناگوار گذرا اور فرمایا۔ اے عائشہ جب کسی مسلمان کی خواب کی تعبیر کرو تو اچھی تعبیر کیا کرو کیونکہ خواب اپنی تعبیر کے مطابق واقع ہوتی ہے۔

ابنِ حجر کہتے ہیں کہ دارمیؒ[1] نے اس حدیث کو سلیمانؒ[2] بن یسار کی سند سے حضرت عائشہؓ سے بسندِ حسن روایت کیا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ پریشان کن خواب اللہ کی طرف سے بندہ کے لیے تنبیہ اور آزمائش ہوتی ہے کہ آیا۔ اس خواب کے دیکھنے کے بعد بھی وہ اپنے رب کے ساتھ رہتا ہے یا نہیں۔ لہذا اگر بندہ کا تعلق اللہ کے ساتھ ہو اور وہ پریشان کن خواب دیکھے تو وہ نہ اس کی طرف توجہ دے گا اور نہ پرواہ کرے گا کیونکہ اسے علم ہے کہ یہ خواب اس خدا کی طرف منسوب ہے جس کے قبضہ میں تمام معاملات اور ان کا ردو بدل ہے اور یہ کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اختیار کرلیا ہے وہ تقدیر میں لکھا جاچکا ہے اسلیئے وہ خواب سے نہیں ڈریگا اور نہ اس کی طرف توجہ دے گا اور انشاء اللہ یہ خواب اسے نقصان دہ نہ ہوگی۔ مگر جب بندہ کا تعلق اللہ سے نہ ہوگا اور اُسے پریشان کُن خواب آئے گی تو وہ اُسے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے گا اور اس کا باطن ہمہ تن اسی کی طرف مشغول ہوگا۔ اور وہ اپنے رب سے منقطع ہوجائے گا اور وہ سمجھے گا کہ یہ خواب ضرور پوری ہوکر رہے گی اور وہ اس سے غافل ہوجائے گا کہ اللہ نے اس کی تقدیر میں کیا لکھا ہے اور جو کسی چیز سے ڈرتا ہے وہ اس پر مسلّط ہوجاتی ہے۔ لہذا خواب اس قسم کے آدمیوں کو نقصان پہنچاتی ہے۔

جب خواب نقصان دہ نہیں تو پھر تعوّذ کا کیوں حکم دیا گیا؟ میں نے عرض کیا جب خواب نقصان نہیں دے سکتی تو پھر دیکھنے والے کو کیوں حکم دیا گیا کہ وہ اس خواب اور شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرے اور بائیں جانب تین بار تھوکے۔

حضرت نے فرمایا کہ مومنین کے دل اللہ کے نام پر سوتے ہیں اور اسی کے نام پر بیدار ہوتے ہیں۔ لہذا جب وہ سوتے ہیں تو اللہ ان کے دل میں ہوتا ہے اور جب بیدار ہوتے ہیں تب بھی اللہ تعالےٰ ان کے دلوں میں ہوتا ہے۔ لہذا جب اُن میں سے کوئی شخص پریشان کن خواب دیکھتا ہے اور بیدار ہوتا ہے تو اس کا دل اس حالت سے متزلزل ہوجاتا ہے جس پر سویا تھا۔ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی حالت پر لوٹ

---

[1] دارمیؒ: ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی۔ حافظ سمرقندی۔ انہیں اپنے زمانہ کا امام سمجھا جاتا تھا ۱۸۱ھ = ۷۹۷ء میں پیدا ہوئے اور چوالیس برس کی عمر میں ۲۲۵ھ = ۸۳۸ء میں وفات پائی۔

[2] سلیمان بن یسارؒ: ابوایوب سلیمان بن یسار الھلالی المدنی۔ اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ زہری کہتے ہیں کہ یہ علماء میں سے تھے۔ نسائی کہتے ہیں کہ امام تھے۔ اور ابوزرعہ انہیں ثقہ کہتے ہیں۔ تہتر (۷۳) برس کی عمر میں ۱۰۷ھ = ۷۲۵ء میں وفات پائی۔

Marfat.com

جانے کا حکم دیا۔ اس طرح کہ وہ اللہ کی طرف لوٹے اور اللہ تعالےٰ کو اپنے اور پریشان کن خواب کے درمیان رکھے۔ استعاذہ سے یہی مراد ہے۔ اس طرح اس کا تعلق اللہ سے ہوجائے گا اور پریشان کن خواب سے منقطع ہوجائے گا اور چونکہ شیطان تو یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کرے اس لیے اُسے اللہ کی پناہ لینے کے لیے کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کو اپنے اور اس لعین (یعنی شیطان) کے درمیان کردے اور اس کا تعلق لعین سے منقطع ہوکر اللہ سے ہوجائے۔ اور تھوکنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ جس حالت سے رجوع کررہا ہے اس کو پلید (استقذاراً) سمجھے اس لیے کہ اس حالت میں وہ اللہ سے منقطع ہوچکا ہے اسی لیے اس حالت کو حقیر سمجھتے ہوئے وہ بائیں جانب تین بار تھوکتا ہے۔

بائیں طرف تھوکنے کا حکم کیوں دیا گیا

حضرت نے فرمایا کہ بائیں طرف تھوکنے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ شیطان جب کسی کے پاس آتا ہے تو بائیں جانب سے آتا ہے۔ پھر فرمایا کہ ہر طرح کی بھلائی دائیں جانب سے ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ حافظِ کتاب فرشتہ جس کا نور قوی ہوتا ہے دائیں طرف ہوتا ہے اور جس کا نور کمزور ہوتا ہے وہ بائیں طرف ہوتا ہے۔ جنت دائیں طرف ہے اور جہنم بائیں طرف۔ جبرئیل جب کبھی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو دائیں جانب سے آتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہداء کی ارواح کو دائیں جانب سے ہی دیکھا کرتے تھے کیونکہ بدر اور اُحُد وغیرہ میں ان کی شہادت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کی وجہ سے پریشان ہوتے تو آپ دائیں طرف دیکھتے اور انہیں گھوڑوں پر سوار کفار کے خلاف جہاد کرتے ہوئے دیکھتے۔ عرش دائیں جانب ہے اور فرش (زمین) بائیں جانب زمین کے جس حصہ میں بنی آدم کے مومنین آباد ہیں وہ دائیں جانب ہی ہے اور جس حصہ میں جن آباد ہیں وہ بائیں جانب ہے۔ دائیں جانب کی رگیں کثرت سے اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔ برخلاف اس کے بائیں جانب کی رگیں خاموش ہیں۔ نورِ حق دائیں طرف سے آتا ہے اور باطل بائیں سے۔ مختصر یہ ہے کہ خیر دائیں جانب سے آتی ہے اور شر بائیں جانب سے۔

دائیں جانب سے کیا مراد ہے؟

میں نے عرض کیا کہ دائیں جانب سے کیا مراد ہے؟

حضرت نے فرمایا جسے اللہ کی طرف سے فتح (شرحِ صدر) نصیب ہو، اُسے ہر طرح کی بھلائی دائیں جانب سے ہی حاصل ہوتی ہے اور ہر طرح کی شر بائیں جانب سے۔ پھر جب وہ رُخ بدلتا ہے تو صورتِ حال بھی بدل جاتی ہے۔ چنانچہ اگر فرض کرلیا جائے کہ وہ مشرق کی طرف جارہا ہے تو ہر قسم کی بھلائی مثلاً جنت، عرش، ارواحِ شہدا کو دائیں جانب یعنی جنوب کی طرف دیکھے گا اور اپنی بائیں جانب یعنی شمال کی جانب جہنم، شیاطین اور اشقیاء کی ارواح وغیرہ ظلمانی چیزیں دکھائی دیں گی۔ اسی طرح اگر وہ پلٹ کر مغرب کی جانب رُخ کرے اور اس کا دایاں ہاتھ شمال کی جانب ہو اور بایاں جنوب کی جانب تو اسے مذکورہ بالا خیرات دائیں جانب دکھائی دیں گی اور ہر قسم کی مذکورہ بالا شر وغیرہ بائیں طرف علیٰ ہذا القیاس۔ جب وہ کسی اور جانب رُخ پھیرے تو صورتِ حال بھی اسی کے مطابق پھر جائے گی۔

Marfat.com

حضرت نے فرمایا کہ اس کا راز یہ ہے کہ عارف کے دو آئینے ہوتے ہیں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ ایک نورانی جس سے صرف نور ہی نظر آتا ہے اور دوسرا ظلمانی جس سے صرف تاریکیاں ہی دکھائی دیتی ہیں۔ نورانی اشیاء اس کی دائیں جانب ہوتی ہیں اور یہ دراصل اس کا نورِ ایمان ہوتا ہے اور ظلمانی اس کی بائیں جانب اور یہ دراصل نفسِ خبیثہ کی شہوات اور ان کا خبث ہے جو بمقابلہ نورِ ایمان کے ہے۔ لہٰذا جب وہ دائیں جانب دیکھے گا تو اس کا دیکھنا نورِ ایمان کے ساتھ ہوگا۔ اسی لیے اسے نورِ ایمان کے مشابہ اشیاء جو حق والوں میں دکھائی دیں گی۔ اور جب وہ بائیں جانب دیکھے گا تو شہواتِ نفس کی ظلمتوں کو دیکھے گا۔ اسی لیے اسے اس کی ہم شکل اشیاء دکھائی دیں گی اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا دیکھنا طبیعتِ ذات کی نگاہ سے ہوتا ہے کیونکہ اس میں روح اور ذات دونوں کام کر رہی ہوتی ہیں لہٰذا جب روح ایمان کے ہوتے ہوئے ذات میں محبت رضا اور قبول سے قرار پائے گی تو ان دونوں کے ساتھ نور برقرار رہے گا۔ اور یہ نور اس کا نورِ ایمان ہی ہوتا ہے جو اس کی ذات سے مل کر ایک ہو گیا ہوتا ہے اور دیکھنے والی چیز عقل ہوتی ہے چنانچہ جب یہ عقل نورِ روح کے آئینہ سے دیکھتی ہے تو اُسے پاکیزہ چیزیں دکھائی دیتی ہیں لیکن جب نورِ ذات کے آئینہ سے دیکھتی ہے تو اسے تاریک اور اسی قسم کی دیگر اشیاء نظر آتی ہیں۔

وہ حدیث اسی پر محمول کی جائے جس میں اُن اشکال کا ذکر آتا ہے جو آدم علیہ السّلام کی دائیں جانب تھے اور جنہیں دیکھ کر وہ ہنستے تھے اور اُن اشکال کا جو آدم علیہ السّلام کی بائیں جانب تھیں اور جنہیں دیکھ کر وہ رو پڑتے تھے۔ پہلی قسم کی شکلیں نیک لوگوں کی روحیں تھیں اور دوسری قسم کی شکلیں بدبختوں کی روحیں تھیں۔

تین بار تھتکارنے میں حکمت

حضرت نے فرمایا کہ تین بار تھتکارنے کا حکم اس لیے دیا کہ پہلا ذات کی طرف سے۔ دُوسرا رُوح کی طرف سے اور تیسرا بندہ کا حق تعالیٰ سے مدد چاہنے کے لیے۔ تین بار تھتکارنے میں بھی راز پایا جاتا ہے اور پھر یہ جو حکم ہے کہ آنکھ کھلنے پر کروٹ بدلے تو یہ اس لیے ہے کہ پہلی نیند کا معاملہ ختم ہو جائے اور وہ ایسا ہو گا جیسا کہ اس نے از سرِ نو اللہ کے ذکر سے نیند شروع کی ہو برخلاف اس کے اگر کروٹ نہ بدلے گا تو یوں سمجھا جائے گا کہ وہ ابھی پہلی نیند ہی سو رہا ہے۔

پریشان خواب دیکھنے کے بعد نماز پڑھنے کا حکم

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار تو نماز پڑھنے کو فرمایا (مؤلف کہتا ہے کہ یہ روایت صحیح مسلم کی ہے) اور دوسری مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا ذکر نہیں کیا۔ (مؤلف کہتا ہے کہ یہ بخاری کی روایت ہے) لہٰذا جس کا دل چاہے نماز پڑھ لے اور جس کا دل چاہے اپنی حالت پر رہے۔ اور نہ پڑھے۔ نماز پڑھنے کے حکم میں یہ راز ہے کہ جو ظلمت پریشان خواب کی وجہ سے اس کی ذات میں داخل ہو گئی ہے وہ مٹ جائے اور وہ نماز سے ذات کو اس ظلمت سے نکال کر پاک کر لے۔

مؤلف کتاب کہتا ہے کہ پریشان خواب کے آداب یہ ہیں۔ اس کے شر سے اللہ کی پناہ چاہنا۔ شرِ شیطان سے پناہ مانگنا۔ تین بار بائیں طرف تھتکارنا۔ جس کروٹ خواب آئی ہو اُسے بدلنا۔ اور نماز کے لیے کھڑا ہونا۔ پہلی چار باتیں ضروری ہیں اور پانچویں کے متعلق ایک روایت میں حکم دیا گیا ہے اور دوسری میں نہیں۔ ان کے علاوہ علماء نے

Marfat.com

دو اور آداب کا ذکر کیا ہے ایک یہ کہ آیت الکرسی پڑھے۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے اس کا ذکر کیا ہے لیکن مجھے اس کی کوئی سند معلوم نہیں ہوسکی۔ حضرت نے فرمایا کہ بات اسی طرح ہے جس طرح کہ ابن حجر نے فرمایا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ دوسرے یہ کہ اس خواب کا کسی سے تذکرہ نہ کرے اور یہ بخاری میں مذکور ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ خواب کے شر سے اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق ایک صحیح روایت آئی ہے جس کی روایت سعید[ع۱] بن منصور، ابن ابی[ع۲] شیبہ اور عبد[ع۳]الرزاق نے ابراہیم نخعی[ع۴] سے صحیح سندوں سے کی ہے کہ جب تم سے کوئی شخص بری خواب دیکھے تو بیدار ہونے پر یہ الفاظ پڑھے:۔

اَعُوْذُ بِمَا اَعَاذَتْ بِہٖ مَلٰٓئِکَۃُ اللّٰہِ وَ رُسُلُہٗ مِنْ شَرِّ رُؤْیَایَ ھٰذِہٖ اَنْ یُّصِیْبَنِیْ مِنْھَا مَا اَکْرَہُ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ [ترجمہ: میں اس خواب کے شر سے اسی ہستی کے پاس پناہ لیتا ہوں جس کے پاس اللہ کے فرشتے اور رسول پناہ لیتے رہے ہیں تاکہ مجھے اس خواب سے دین و دنیا کی کوئی تکلیف نہ پہنچے]

ڈراونی خواب دیکھ کر استعاذہ کے بارے میں امام مالک کی ایک اور روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ خالد[ع۵] بن ولید رضی اللہ عنہ خواب میں ڈرا کرتے تھے۔ انہوں نے اس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، تو آپ نے فرمایا جب خواب میں ڈرو تو یہ کلمات پڑھ لیا کرو اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ وَعَذَابِہٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِہٖ وَمِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَعُوْذُ بِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ۔ [ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کے علم تام کے ساتھ اللہ کے غضب، اس کے عذاب، اس کے بندوں کے شر اور شیطانی وساوس سے پناہ لیتا ہوں۔ خدایا میں تیرے پاس پناہ لیتا ہوں۔ تاکہ یہ شیاطین وغیرہ میرے پاس نہ آسکیں]۔

ع۱ سعید بن منصور: سعید بن منصور بن شعبہ خراسانی ؒ ان کی پیدائش جوزجان میں ہوئی۔ بلخ میں نشوونما پائی اور مکہ میں رہائش اختیار کی اور وہیں وفات پائی۔ یہ ائمہ حدیث میں سے تھے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ ان کی وفات ۲۲۷ھ = ۸۴۱ء میں ہوئی۔

ع۲ ابن ابی شیبہؒ: ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ حافظ کوفی ؒ۔ انہوں نے عبداللہ بن ادریس اور ابن مبارک وغیرہ سے روایت کی۔ ان کی وفات ۲۳۵ھ = ۸۴۹ء میں ہوئی۔

ع۳ عبدالرزاق ؒ: عبدالرزاق بن ھمام ابوبکرؒ بڑے پایہ کے عالم تھے۔ انہوں نے پچاسی برس کی عمر میں ۲۱۱ھ = ۸۲۶ء میں وفات پائی۔

ع۴ ابراہیم نخعیؒ: حضرت ابراہیم بن یزید النخعی فقیہہ العراقؒ۔ علقمہ، مسروق اور اسود وغیرہ سے روایت کی اور حماد بن ابی سلیمان فقیہہ کے شیخ ہیں، وہ مخلص علماء میں سے تھے۔ شہرت سے بچتے تھے ۹۵ھ = ۷۱۳ء میں وفات پائی۔

ع۵ خالد بن الولیدؓ: خالد بن ولید بن مغیرہ مخزومی جو سیف اللہ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ مشہور صحابی ہیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے۔ انہوں نے غزوۂ موتہ میں شرکت کی اور ادر انہی کے ہاتھوں فتح ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یہ اہل ردہ سے جنگ کرنے پر مامور ہوئے۔ پھر انہوں نے عراق و شام کی جنگوں میں فتوحات حاصل کیں۔ ۲۱ھ = ۶۴۲ء میں حمص میں وفات پائی۔ ۱۲

Marfat.com

نسائی[1] نے عمرو بن شعیب[2] عن ابیہ عن جدہ کی سند سے اسے یوں روایت کیا ہے کہ خالد بن الولید خواب میں ڈر جایا کرتے تھے۔ پھر باقی روایت اسی طرح ہے لیکن اس کی ابتدا میں یہ الفاظ زائد دیے ہیں کہ جب تو سونے لگے تو یہ الفاظ پڑھ لیا کر۔ اور وہی پہلی دعا ذکر کی ہے۔ اصل حدیث ابو داؤد[3] اور ترمذی[4] میں ہے۔ حاکم نے اسے حسن اور صحیح کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حضرت ابوبکر کی دی ہوئی تعبیر کے متعلق سوال

میں نے حضرت سے اس خواب کے متعلق سوال کیا جس کی تعبیر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ ٹھیک بتائی ہے اور کچھ غلط۔ امام بخاری نے اس قصہ کا مفصل ذکر دیا ہے۔ چنانچہ امام بخاری فرماتے ہیں حَدَّثَنَا یَحْیٰی بْنُ بُکَیْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ عَنْ یُوْنُسَ عَنْ ابْنِ شِہَابٍ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ عُتْبَۃَ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ کَانَ یُحَدِّثُ اَنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ رَأَیْتُ اللَّیْلَۃَ فِی الْمَنَامِ ظُلَّۃً تَنْطُفُ السَّمْنَ وَ الْعَسَلَ فَاَرَی النَّاسَ یَتَکَفَّفُوْنَ مِنْہَا فَالْمُسْتَکْثِرُ وَالْمُسْتَقِلُّ وَاِذَا سَبَبٌ وَاصِلٌ مِنَ الْاَرْضِ اِلَی السَّمَاءِ فَاَرَاکَ اَخَذْتَ بِہٖ فَعَلَوْتَ ثُمَّ اَخَذَ بِہٖ رَجُلٌ اٰخَرُ فَعَلَا بِہٖ ثُمَّ اَخَذَہٗ رَجُلٌ اٰخَرُ فَعَلَا بِہٖ ثُمَّ اَخَذَہٗ رَجُلٌ اٰخَرُ فَانْقَطَعَ ثُمَّ وَصَلَ [ترجمہ: ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی میں نے آج رات خواب میں ایک سایہ دار بادل دیکھا جس سے گھی اور شہد ٹپک رہا تھا۔ دیکھا تو لوگ ہاتھ پھیلائے اسے لے رہے ہیں چنانچہ کسی نے زیادہ لے لیا اور کسی نے کم۔ پھر ایک رسی دیکھی جو زمین سے آسمان تک پہنچی ہوئی تھی۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ آپ اس کو پکڑ کر اوپر چڑھ گئے پھر اسے ایک اور شخص نے پکڑا اور وہ بھی اوپر چڑھ گیا، پھر تیسرے نے پکڑا اور وہ بھی چڑھ گیا پھر چوتھے نے پکڑا تو رسی ٹوٹ گئی لیکن پھر جڑ گئی۔]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ مجھے اس

---

[1] نسائی: مشہور محدث ہیں جن کی سُنن النسائی۔ مشہور حدیث کی کتاب ہے۔ انہوں نے ۳۰۳ھ = ۹۱۵ء میں وفات پائی۔

[2] عمرو بن شعیب: عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص۔ ان کی اکثر احادیث کی روایت اسی طرح آئی کہ عن ابیہ عن جدہ۔ اسی لیے بخاری اور مسلم نے ان کی کوئی حدیث اپنی کتاب میں نہیں دی کیونکہ اس طرح بعض اوقات گڑ بڑ پڑ جاتی ہے۔

[3] ابو داؤد: ابو داؤد سجستانی مشہور محدث اور مؤلف سنن ابی داؤد ہیں۔ انہوں نے ۲۷۵ھ = ۸۸۹ء میں وفات پائی۔

[4] ترمذی: ابو عیسیٰ محمد الترمذی۔ جامع الترمذی کے مؤلف اور مشہور محدث ہیں۔ انہوں نے ۲۷۹ھ = ۸۹۲ء میں وفات پائی۔

Marfat.com

کی تعبیر بیان کرنے دیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: بہت اچھا! اس کی تعبیر بیان کرو۔

ابوبکرؓ نے کہا سایہ دار بادل تو اسلام ہے اور جو گھی اور شہد اس سے ٹپک رہا ہے۔ وہ قرآن ہے، جس کی مٹھاس ٹپک رہی ہے کوئی اس میں سے زیادہ لے رہا ہے کوئی کم۔ اور جو رسی زمین سے آسمان تک پہنچی ہوئی ہے وہ وہ طریق ہے جس پر آپ قائم ہیں۔ آپ اسے پکڑے ہوئے ہیں اور اللہ آپ کو اوپر چڑھا رہا ہے پھر آپ کے بعد کوئی اور اسے تھامے گا اور وہ بھی اوپر چڑھ جائیگا۔ پھر تیسرا تھامیگا اور اوپر چڑھ جائے گا پھر چوتھا تھامے گا تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ پھر اُسے جوڑا جائے گا اور وہ اوپر چڑھ جائے گا۔

یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، مجھے بتلائیں کیا میں نے درست تعبیر کی یا غلط؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کچھ ٹھیک ہے کچھ غلط۔ پھر عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ کو قسم ہے اللہ کی مجھے ضرور بتائیے کہ میں نے کیا غلطی کی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "قسم نہ دو"۔

حدیث کے الفاظ کی روایت میں اختلاف

"وَاِذَا سَبَبٌ وَاصِلٌ" کی بجائے ابن وہب[1] کی روایت میں "وَرَأَى سَبَبًا وَاصِلًا" ہے۔ اور "وَاَمَّا الَّذِیْ یَنْطِفُ مِنَ الْعَسَلِ وَالسَّمْنِ" کی بجائے سلیمان بن کثیر[2] کی روایت میں "وَاَمَّا الْعَسَلُ وَالسَّمْنُ فَالْقُرْاٰنُ فِیْ حَلَاوَةِ الْعَسَلِ وَلِیْنِ اللَّبَنِ" ہے اور "لَا تُقْسِمْ" کی بجائے ابن ماجہ[3] میں "لَا تُقْسِمْ یَا اَبَابَکْرٍ" ہے۔

ابوبکرؓ کی غلطی کے بارے میں علماء کا اختلاف

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تعبیر میں کہاں غلطی کھائی۔ مہلب[4] اور اس کے متبعین کا قول ہے کہ ابوبکرؓ نے "ثُمَّ وُصِلَ لَهٗ" کے الفاظ میں غلطی کھائی ہے اس لیے کہ حدیث میں صرف "ثُمَّ وُصِلَ" ہے "لَهٗ" کا لفظ اس میں نہیں ہے۔ انہیں وہیں ٹھہر جانا چاہیئے تھا جہاں خواب ختم ہوئی اور جس کے لیے رسی جوڑی گئی تھی اس کا تذکرہ نہ کرتے اس صورت میں معنی یوں ہوئے کہ حضرت عثمان کے لیے رسی ٹوٹی اور پھر کسی اور کے لیے جوڑی گئی یعنی خلافت کسی اور کے پاس پہنچی۔

قاضی عیاضؒ کی رائے

قاضی عیاض[5] فرماتے ہیں کہ کسی نے کہا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خطا "وُصِلَ لَهٗ"

---

[1] ابن وہبؒ: ابومحمد عبداللہ بن وہبؒ: انہوں نے امام مالک اور امام لیث سے فقہ کی تعلیم حاصل کی ۱۴۸ھ = ۷۶۵ء میں امام مالک کے پاس آئے اور وفات تک ان کی خدمت میں رہے ۱۲۵ھ = ۷۴۳ء میں پیدا ہوئے ۱۹۷ھ = ۸۱۲ء بمقام مصر وفات پائی۔

[2] سلیمان بن کثیرؒ: ابوداؤد سلیمان بن کثیر العبدیؒ۔ ذہبی کہتے ہیں جائز الحدیث لاباس بہ۔ ان کی وفات ۱۳۳ھ = ۷۵۰ء میں ہوئی۔

[3] ابن ماجہ: ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ مشہور محدث ہیں۔ ان کی کتاب سنن ابن ماجہ کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے۔ ان کی وفات ۲۷۳ھ = ۸۸۶ء میں ہوئی۔

[4] مہلبؒ: مہلب بن ابی صفرة الازدیؒ انہوں نے بخاری کی شرح لکھی ہے اور ان کے شاگرد ابوعبداللہ محمد بن خلف بن مراد نے اس شرح کو مختصر کیا ہے۔ (کشف الظنون: ۱۱ : ۲۸۰)

[5] قاضی عیاضؒ: ابوالفضل عیاض بن موسیٰؒ: مغرب میں سبتہ کا قاضی رہنے کی وجہ سے انہیں بالعموم قاضی عیاض کہا جاتا ہے۔ ان کی تیس کے قریب تصانیف ہیں جن میں مسلم شریف کی شرح اور تفسیر قرآن میں المشارق اور الشفا فی تعریف حقوق المصطفیٰ زیادہ مشہور ہیں ۴۷۶ھ = ۱۰۸۳ء میں پیدا ہوئے اور ۵۴۴ھ = ۱۱۴۹ء میں وفات پائی۔

Marfat.com

کلنے میں بھی حالانکہ حدیث میں صرف " وَصَلَ " کا لفظ ہے " لَهُ " کا نہیں ہے ۔ اسی لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے رسی نہیں جوڑی گئی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے جوڑی گئی یعنی اُن تک خلافت پہنچی ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ لَهُ کا لفظ اُصیلی[1] اور کریمہ[2] کے نزدیک لیث[3] کی روایت میں سے ساقط ہوگیا ہے لیکن اس کے تینوں استادوں کی روایت سے ابوذر[4] کی حدیث میں " لَهُ " کا لفظ موجود ہے ۔ اسی طرح نسفی[5] کی روایت میں بھی یہ لفظ موجود ہے اور مسلم کے ہاں بھی یونس[6] سے ابن وھب وغیرہ کی روایت میں یہ لفظ پایا جاتا ہے اور ترمذی کے ہاں معمر[7] کی روایت میں ۔ اسی طرح نسائی اور ابن ماجہ کے ہاں ابنِ عُیینہ[8] سے سلیمان کی روایت میں ۔ امام احمد کے ہاں ابنِ حسین[9] کی روایت سے ۔ دارمی[10] اور ابی عوانہ[11] کے ہاں سلیمان بن کثیر کی روایت سے ۔ ان سب نے زہری[12] سے روایت کی ہے ۔ سلیمان بن کثیر کی روایت میں اِتَّصَلَ کا اضافہ ہے " فَوَصَلَ لَهُ فَاتَّصَلَ " کے الفاظ ہیں ۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ " لَهُ " کا لفظ حدیث میں موجود ہے ۔ اس صورت میں معنی یوں ہوئے " کہ حضرت عثمانؓ ان امور کے سبب جو اُن کی خلافت میں واقع ہوئے اور لوگوں نے انہیں ناپسند کیا ، قریب تھا کہ اپنے ساتھیوں تک نہ پہنچ سکتے پھر جب ان کی شہادت واقع ہوئی تو رسی جڑ گئی اور وہ بھی اُن تک پہنچ گئے

ع۱ اُصیلیؒ : حافظ علامہ ابو محمد عبداللہ بن ابراہیم بن محمد الاندلسیؒ : قاضی عیاض کہتے ہیں کہ یہ مالکی مذہب کے حافظوں میں سے تھے ۔ حدیث ، رجال اور علل حدیث سے واقف تھے ۔ ان کی کتاب الدلائل فی اختلاف العلماء مشہور ہے ۔ ان کی وفات ۳۹۲ھ = ۱۰۰۱ء میں ہوئی

ع۲ کریمہ : ان کا حال معلوم نہ ہوسکا ۔

ع۳ لیثؒ : لیث بن سعدؒ : انہیں فقیہہ اہل مصر کہا جاتا ہے ۔ مصر میں ۹۴ھ = ۷۱۲ء میں پیدا ہوئے اور ۱۷۵ھ = ۷۹۱ء میں وفات پائی

ع۴ ابوذرؓ : ابوذر غفاریؓ جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں کہا جاتا ہے کہ یہ پانچویں اسلام لانے والے تھے ۔ بعثت سے پہلے ہی اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے ۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ۳۲ھ = ۶۵۲ء میں وفات پائی ۔

ع۵ نسفیؒ : ابوالبرکات نسفیؒ مشہور فقیہہ ہیں ۷۱۰ھ = ۱۳۱۰ء میں وفات پائی ۔

ع۶ یونسؒ : یونس بن یزید ایلیؒ انہوں نے قاسم ، عکرمہ ، زہری سے روایت کی اور اُن سے عبداللہ بن مبارک اور ابن وھب نے روایت کی ہے ۔ ثقہ راوی اور تابعی تھے ۔ ۱۵۹ھ = ۷۷۶ء میں وفات پائی ۔

ع۷ معمر : ابوعروۃ معمر بن راشد الازدی ۔ عالم یمن تھے ۔ زہری اور حمام نے ان سے روایت کی ہے اور ان سے ثوری اور ابن عیینہ نے روایت کی ہے ۔ عبدالرزاق کہتے ہیں کہ میں نے ان سے دس ہزار حدیثیں سنیں ۔ اٹھاون برس کی عمر میں ۱۵۳ھ = ۷۷۰ء وفات پائی ۔

ع۸ ابن عیینہ : سفیان بن عیینہ ان کا حال پہلے گذر چکا ہے پیدائش ۱۰۷ھ = ۷۲۵ء ، وفات ۱۹۸ھ = ۸۱۳ء ۔

ع۹ ابن حسینؒ : ان کا حال معلوم نہ ہوسکا ۔

ع۱۰ دارمی : ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمیؒ حافظ حدیث سمرقندی ہیں ۱۸۱ھ = ۷۹۷ء میں پیدا ہوئے اور ۲۵۵ھ = ۸۶۸ء میں وفات پائی ۔

ع۱۱ ابوعوانہ : یعقوب بن اسحٰق ابوعوانہ اسفرائنیؒ ۔ ان کی مسند ہے ۔ حافظ حدیث اور ثقہ تھے ۔ ان کی وفات ۳۱۶ھ = ۹۲۸ء میں ہوئی ۔

ع۱۲ زہری : ابوبکر محمد بن مسلم بن شہاب الزہریؒ مشہور محدث گذرے ہیں ۔ ۵۰ھ = ۶۷۰ء میں پیدا ہوئے ۱۲۵ھ = ۷۴۲ء میں وفات پائی ۔ تابعی ہیں ۔

Marfat.com

قتیبہ بن سعید وغیرہ کی رائے اور اس کا جواب

قتیبہ[ع۱] بن سعید، ابو محمد[ع۲] بن ابی زید، ابو محمد[ع۳] الاصیلی، ابو بکر[ع۴] الاسماعیلی، احمد[ع۵] بن نصر الداودی وغیرہم کی رائے ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے پیشتر اس کے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خواب کی تعبیر بیان کرنے کا حکم فرماتے تعبیر کرنے میں جلدی کی۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ ہوا کہ تو نے تعبیر تو ٹھیک کی ہے لیکن عجلت کرنے میں غلطی کھائی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر بیان کرنے کی اجازت طلب کر لی تھی۔ اور آپ نے اجازت بھی دے دی تھی لہذا عجلت نہ ہوئی کیونکہ انہوں نے اجازت حاصل کرنے کے بعد تعبیر بیان کی ہے۔ مزید برآں آنحضرت صلعم کے فرمان أَصَبْتَ بَعْضًا وَأَخْطَأْتَ بَعْضًا سے جو فوراً مفہوم سمجھ میں آتا ہے یہ ہے کہ ان کی تعبیر کا کچھ حصہ صحیح اور کچھ غلط ہے۔

امام طحاوی وغیرہ کی رائے

امام طحاوی[ع۶]، خطابی[ع۷]، ابن العربی، ابن الجوزی اور کچھ جماعت اس طرف گئی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سمن (گھی) اور عسل (شہد) دونوں کی قرآن سے تعبیر کی ہے حالانکہ یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ حق تو یہ تھا کہ ان کی تعبیر بھی دو چیزوں سے کی جاتی۔ جیسا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جس کی روایت امام احمد نے کی ہے۔ عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری ایک انگلی میں گھی اور دوسری میں شہد ہے اور میں دونوں کو چاٹ رہا ہوں۔ صبح ہوئی تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر خواب کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا تم قرآن اور توراۃ دونوں پڑھو گے۔ چنانچہ بعد میں یہ دونوں کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھی اور شہد کی تعبیر دو چیزوں سے دی۔ اسی طرح اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھی اور شہد

ع۱ قتیبہ بن سعید: قتیبہ بن سعید الثقفی۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ ان کا اصلی نام یحییٰ ہے اور قتیبہ لقب ہے۔ انہوں نے مالک، لیث وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ترمذی وغیرہ نے کی۔ نسائی کہتے ہیں کہ یہ ثقہ اور سچے تھے۔ ان کی وفات ۲۴۰ھ = ۸۵۴ء میں ہوئی۔

ع۲ ابو محمد بن ابی زید: ان کا حال نہ معلوم ہو سکا۔

ع۳ ابو محمد الاصیلی: ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

ع۴ ابو بکر الاسماعیلی: محمد بن مہران ابو بکر نیسا پوری جو اسمٰعیلی کے نام سے مشہور ہیں۔ حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث کے ایک رکن تھے۔ ان کی وفات ۲۹۵ھ = ۹۰۷ء میں ہوئی۔ انہیں آخر عمر میں لقوہ ہو گیا تھا۔ زہری کی احادیث کو انہوں نے نہایت عمدگی سے جمع کیا۔

ع۵ احمد بن نصر الداودی: ابن حجر نے چار شخصوں کا نام احمد بن نصر دیا ہے مگر ان میں سے کوئی بھی داودی نہیں ہے۔ میرے خیال میں احمد بن نصر کی بجائے احمد بن سعید داؤدی ہونا چاہیے جنہوں نے بخاری کی شرح کی تھی۔ ابن تین نے داؤدی کی شرح کے حوالے دیئے ہیں۔

ع۶ طحاوی: ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ ازدی طحاوی۔ متاخرین کے امام گذرے ہیں۔ ۲۳۰ھ = ۸۴۴ء میں پیدا ہوئے۔ پہلے امام شافعی کے شاگرد مزنی سے تعلیم حاصل کی۔ جو ان کے ماموں تھے اس کے بعد قاضی احمد بن ابی عمران کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور ان سے علم فقہ حاصل کیا۔

ع۷ خطابی: ابو سلیمان احمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب البستی الخطابی۔ متوفی ۳۰۸ھ = ۹۲۰ء۔ انہوں نے بخاری کی شرح لکھی ہے جس کا نام اعلام السنن رکھا۔ اس سے پہلے انہوں نے بلخ میں معالم السنن لکھی تھی۔ یہ فقہ اور حدیث میں یکتائے روزگار تھے۔

Marfat.com

کی تعبیر دو چیزوں سے دی۔ اسی طرح اس حدیث میں بھی ان دونوں کی تعبیر کتاب اور سنت یا علم اور عمل یا حفظ اور فہم وغیرہ کے ساتھ کرنی چاہیئے۔

ایک اور قول بعض کی رائے ہے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے "سایہ دار بادل" کی تعبیر "اسلام" سے دینے میں غلطی کھائی۔ حالانکہ اس کی تعبیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دینی چاہیئے تھی۔ اور گھی اور شہد کی تعبیر کتاب اور سنت سے ہونی چاہیئے۔

ایک اور قول بعض نے کہا ہے کہ خطاسے یہاں مراد "ترک" ہے یعنی تو نے کچھ حصہ تعبیر کیے بغیر ہی چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والے تین آدمیوں کی تعیین نہیں کی۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قسم دلانے کی پرواہ نہ کی اور اس کو پورا نہ کیا کیونکہ قسم کو پورا کرنے کا مطالبہ اسی صورت میں کیا جاسکتا ہے جب اس قسم کے پورا کرنے میں کوئی خرابی یا ظاہری مشقت نہ پائی جاتی ہو لیکن اگر پائی جاتی ہو پھر اس کو پورا کرنا ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی خرابی یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان کی رسی ٹوٹنے کا سبب معلوم تھا جو ان کے قتل اور جنگوں اور فتنوں کے اشتعال کا باعث بنا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ڈر سے کہ کہیں خبر لوگوں میں پھیل نہ جائے اس کا ذکر کرنا پسند نہ کیا۔ مزید برآں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر کی قسم کو پورا کرتے تو آنحضرت کو تینوں آدمیوں کی تعیین کرنی پڑتی اور اگر تعیین کر دیتے تو یہ ان کی خلافت کا صریح حکم ہوتا۔ حالانکہ مشیت ایزدی میں یہ بات قرار پا چکی تھی کہ خلافت اسی طرح بغیر تعیین کے ہوگی۔ اسی لیے آپ نے فساد کے خوف سے ان کی تعیین نہ کی۔ یہ ساری تشریح محی الدین نووی[عـ۱] کی ہے۔

ابن العربی کی رائے ایک گروہ کی یہ رائے ہے کہ ابوبکر صدیق کی تعظیم کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بحث میں پڑا ہی نہ جائے چنانچہ ابوبکر ابن العربی[عـ۲] رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عارف سے جو خواب کی تعبیر کے فن سے واقف تھے پوچھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا غلطی کی تھی؟ فرمایا بھلا یہ کس کو معلوم ہے؟ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حضرت ابوبکر صدیق کا تعبیر کرنے میں پیش قدمی کرنا غلطی ہے تو حضرت ابوبکر کی غلطی تعیین کرنے میں پیش قدمی کرنا اس سے بھی بڑھ کر غلطی ہے۔ لہذا دانش مندی اور دینداری یہی ہے کہ اس بحث میں پڑا ہی نہ جائے۔

حضرت سید عبدالعزیز دباغ کی بیان کردہ تشریح حضرت نے فرمایا سایہ دار بادل اسلام ہے اور جو شہد اور گھی اس سے ٹپک رہا ہے وہ لوگوں کے صرف وہ اعمال ہیں جو مقبول اعمال ہیں۔ یہ محض تلاوت

عـ۱ محی الدین نووی: ابوزکریا محی الدین یحیی بن شرف النووی۔ اپنے زمانہ کے امام تھے۔ فاضل پرہیزگار فقیہ، محدث اور ثقہ آدمی تھے۔ انہوں نے بہت سی تصانیف کیں مثلاً ریاض، اذکار، شرح مسلم وغیرہ۔ ان کا نام نوی کی طرف منسوب ہے جو دمشق کی ایک بستی ہے۔ سنہ ۵۸۶ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۶۷۶ھ میں وفات پائی۔

عـ۲ ابوبکر بن العربی: یہ مشہور صوفی محی الدین العربی نہیں بلکہ اشبیلیہ کے ایک مشہور عالم ہیں۔ جو زیادہ تر قاضی ابوبکر ابن العربی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی وفات سنہ ۵۴۳ھ = سنہ ۱۱۴۸ء میں ہوئی۔

Marfat.com

قرآن کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام مقبول اعمال پر مشتمل ہے مثلاً نماز۔ روزہ، حج، زکوٰۃ صدقہ، غلام آزاد کرنا۔ مومن کی حاجت براری کرنا، شرکت جنازہ کرنا، قیدیوں کا فدیہ ادا کر کے ان کو رہا کرانا، وغیرہ وہ ظاہری اعمال جن سے ذات حرکت میں آتی ہے اور یہی ظاہری اعمال برزخ کو چڑھتے ہیں اور انہیں برزخ کی روحیں دیکھتی ہیں اور کہتی ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں کی نیکی ہے جو ہمارے پاس فلاں فلاں دن آئے گا چنانچہ اس کا باپ، اور اس کا دادا وغیرہ اس کے نیک عمل کو دیکھتے ہیں اور اس مشاہدہ میں سب روحیں یکساں ہیں خواہ وہ زمین پر اتر کر پھر برزخ کی طرف لوٹ گئی ہوں یا اعمال کے بعد زمین پر نہ اتری ہوں، یہاں تک کہ اگر اللہ تعالیٰ چھوٹے بچے کو نفع نصیب کر دے تو وہ لوگوں کو ان کے نیک اعمال سے واقف کر سکتا ہے اور وہ کہہ سکتا ہے کہ اے فلاں! تمہارا فلاں عمل فلاں دن ہمارے پاس برزخ میں پہنچا تھا۔ اور تو اے فلاں تمہارا مقبول عمل اس سے پہلے یا بعد ہمارے پاس آیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں پوشیدہ رکھنے کا فیصلہ کیا ہے اس لئے اجسام میں داخل ہونے کے بعد انہیں یہ باتیں بھلا دی جاتی ہیں۔

پھر ان ظاہری اعمال کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو محض للہ ہوتی ہیں اور اُن سے مخلوقات کو بظاہر کوئی فائدہ نہیں پہنچتا مثلاً اللہ کے لیے سجدہ یا رکوع کرنا۔ نماز روزہ سے اس کی عبادت کرنا۔ اس سے ڈرنا۔ اس کی طرف رغبت کرنا وغیرہ تمام وہ اعمال جن کا تعلق صرف بندے اور رب کے ساتھ ہوتا ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جس سے مخلوق کو نفع پہنچے مثلاً غلام آزاد کرنا۔ صدقہ۔ قیدیوں کو رہا کرانا، لوگوں کی حاجت روائی کرنا اور تمام وہ نیک اعمال جن میں مخلوقات کا نفع ہو۔ اللہ کی طرف سے پہلی قسم کے اعمال کی جزا یہ ہے کہ وہ اسے اور نور عطا کرے جس سے اس کا ایمان بڑھے اور اس کے عرفان کو قوت حاصل ہو۔ اس سے اس کے دل سے وسوسے مٹ جائیں گے اور شکوک رفع ہو جائیں گے اور دنیا ہی میں اس کا ایمان صاف ہو جائے گا اور آخرت میں اسے مشاہدۂ عظیم حاصل ہوگا۔ لہذا اس قسم کی جزاء نور محض اور قوتِ ایمان ہے۔ دوسری قسم کے اعمال کی جزاء اصلاحِ ذات سے دی جاتی ہے جیسے کثرتِ رزق اور اترنے والی مصیبتوں کو دور کرنا۔ اس طرح ذات کو بہت نفع حاصل ہوتا ہے کیونکہ جب اُس سے مصائب دور ہو جائیں اور وہ مصائب سے محفوظ ہو جائے اور اسے رزقِ کثیر حاصل ہو، تو ذات ان سے فائدہ اٹھائے گی اور اس دنیا میں خوب پھیلے پھولے گی لیکن آخرت میں یہی صدقات جن سے اس نے مخلوقات کو فائدہ پہنچایا ہوتا ہے اس کے لیے اس کی پسند کی نعمتیں بن جاتی ہیں مثلاً پلاؤ، کیک، وہ پرندے جن کا گوشت حلال ہے اور مجامعت کے لیے بیویاں وغیرہ اشیاء جن کا نفس خواہش مند ہوتا ہے اور جن سے آنکھیں لذت یاب ہوتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قسم اول کی جزا ایسی ہوتی ہے جو ایمان کے لیے مفید ہو اور قسم ثانی کا ثواب اصلاحِ ذات کے لیے نافع ہے۔ لہذا اس خواب میں شہد کا اشارہ قسم اوّل کی طرف ہے اور گھی کا اشارہ قسم ثانی کی طرف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شہد ذات کے لیے تقویت کا سبب ہوتا ہے اور جو اشیاء تقویت کے منافی ہوں، ان کے ضرر کو روکتا ہے لیکن نہ ہی جسم کو موٹا کرتا ہے اور نہ گوشت ہی پیدا کرتا

Marfat.com

ہے لہٰذا یہ قسم اوّل کے مشابہ ہوا جو ذات کے لیے قوتِ ایمان کا سبب بنتی ہے مگر رزق میں وسعت نہیں ہوتی اور یہ قسم شکوک و شبہات کو دور کر کے نورِ ایمان کو صاف کر دیتی ہے یہی خاصہ شہد کا ہے کہ وہ بھی جسم کو تقویت دیتا ہے اور اسے کمزوری اور سستی سے بچاتا ہے، لیکن گھی جسم کو تر و تازہ کرتا ہے گوشت پیدا کرتا ہے اور جسم کو موٹا کرتا ہے لیکن اس سے وہ قوت پیدا نہیں ہوتی جو شہد سے پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا گھی دوسری قسم کے اعمال کے مشابہ ہوا جن سے رزق میں وسعت حاصل ہوتی ہے اور جسم کی بیرونی مصائب دور ہوتی ہیں لہٰذا اس خواب میں شہد اور گھی سے یہی دونوں قسم کے اعمال مراد ہیں پس شہد مُقوّی ہے اور گھی نشوونما دینے والا۔ اسی طرح پہلی قسم کے اعمال ایمان کو تقویت دیتے ہیں اور دوسری قسم کے رزق میں وسعت۔ لہٰذا شہد سے مراد قسم اوّل کی عبادات ہوئی اور گھی سے قسم ثانی کی۔

میں نے عرض کیا ان دونوں قسم کے اعمال میں سے کون سی قسم افضل ٹھہری؟

حضرت نے فرمایا تیرے نزدیک کونسی صورت بہتر ہے آیا یہ کہ تم گھاس کی طرح پتلے دُبلے ہو مگر تجھ میں چالیس آدمیوں کی طاقت ہو یا یہ کہ تم اس قدر موٹے ہو جاؤ کہ چلنے سے بھی عاری ہو جاؤ۔ اور جسم میں طاقت بھی نہ ہو۔

میں نے عرض کیا مجھے تو یہی پسند ہے کہ میں گھاس کی طرح دُبلا پتلا ہوں مگر مجھ میں چالیس آدمیوں کی طاقت ہو۔

حضرت نے فرمایا یہی حال ان اعمال کا ہے۔ جو نورِ ایمان کو زیادہ کرتے ہیں اور ان اعمال کا جو رزق میں وسعت دیتے ہیں۔

پھر میں نے عرض کیا کہ یہ ظاہری اعمال جو دو قسموں پر منقسم ہیں۔ زمین سے آسمان کو چڑھتے ہیں۔ اور شہد اور گھی تو خواب میں نیچے اتر رہا تھا۔ لہٰذا ان دونوں سے اعمالِ مذکورہ مراد لینا کیسے درست ہوا؟

حضرت نے فرمایا کہ چڑھنا اور اُترنا تو امرِ اضافی ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ایک چیز جسے ہم اُوپر چڑھتی ہوئی سمجھ رہے ہیں دوسرے کے نزدیک نیچے اتر رہی ہو لہٰذا ہوسکتا ہے کہ خواب دیکھنے والے کی روح آسمان میں ہمارے مقابل جہت میں ہو (یعنی سر ہماری طرف ہو اور پاؤں آسمان کی جانب) اور اس جہت میں نہ ہو جو دوسرے آسمان کے بالمقابل ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں کے چہرے ہماری طرف ہیں ان کے سر ہماری طرف ہیں اور پاؤں دوسری طرف۔ لہٰذا جب ان کے سر ہماری طرف ہوں گے تو جو چیز زمین سے آسمان کو چڑھ رہی ہوگی وہ اسے اترتی ہوئی ہی سمجھیں گے۔ مزید براں خواب کا مقصد تو صرف یہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والا اسے سمجھ جائے۔ اور اگر اسلام کا سائبان زمین پر ہمارے سروں کے اوپر رکھا جاتا تو خواب دیکھنے والے کو چڑھنے والے امور دکھائی نہ دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ "چڑھنے" کو "اترنے" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ پھر یہ کہ "نزول" میں بھی تاویل و تعبیر کرنے کی ضرورت ہے نہ یہ کہ "نزول" حقیقی معنوں میں ہے۔

Marfat.com

حضرت نے فرمایا جو رسی آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی تھی اس سے مراد ایمانِ کامل ہے لیکن اس سے ہر ایمانِ کامل مراد نہیں ہے بلکہ اس کے لیے یہ شرط ہے کہ یہ ایمان کامل ان حکام میں پایا جائے جو شریعت کے حدود کو اپنی رعایا پر کامل طور قائم رکھتے ہیں کیونکہ یہ رسی سائبان سے ملی ہوئی ہے اور یہی گھی اور شہد برسانے کا سبب بھی ہے یہاں تک کہ یہ لوگوں پر بھی اترا اور انہوں نے اس سے ہاتھ بھر لیے۔ بعض نے زیادہ اور بعض نے تھوڑے اور ایمانِ کامل ... ان کے اعمال کی مقبولیت کثرتِ عبادت اور ان پر نزولِ برکات کا اس وقت تک سبب نہیں ہو سکتا جب تک صاحبِ ایمان کامل کا مومنین پر پورا اختیار نہ ہو اس طرح کہ وہ کمزوروں کی مدد کرے اور طاقتوروں کو کمزوروں پر ظلم کرنے سے روکے اور حدودِ شریعت کو کامل طور پر قائم کرے۔ تب جا کر بندگانِ خدا میں نیکیاں زیادہ ہوں گی اور گناہ کم ہوں گے چنانچہ وہ نہ تو زنا کریں گے نہ چوری کریں گے اور نہ ناجائز طور پر کسی کو قتل کریں گے۔ اور اس وقت تمام اُمّت نیک ہوگی۔ اور امیر بمنزلہ اس شخص کے ہوگا جو لوگوں کے لیے اسلام کا ستون مضبوط کر رہا ہو اور ان پر نیکیوں اور برکات کا مینہ برسا رہا ہو۔ اور یہ حالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں درجۂ کمال پر تھی۔

امراءِ ثلثہ سے کون مراد ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خواب میں جن امراءِ ثلثہ کا ذکر ہے وہ کون ہیں؟ اولیاء عارفین کا اس میں اختلاف ہے چنانچہ اولیاء کا ایک گروہ جنہیں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متبعین ہونے کی وجہ سے صدّیقیہ کہا جاتا ہے اور میرے شیوخ بھی انہی میں سے ہیں۔ اس طرف گیا ہے کہ ان سے مراد خُلفاء ثلثہ یعنی ابوبکرؓ، عُمر اور عثمان رضی اللہ عنہم ہیں اور حضرت عثمان کی رسی ٹوٹنے سے مراد وہ اعتراضات ہیں جو ان پر کیے گئے اور اس کے جڑ جانے سے مراد آپ کی شہادت ہے۔ اولیاء کے ایک اور گروہ کی جنہیں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے مُتبع ہونے کی وجہ سے حسینیہ کہا جاتا ہے یہ رائے ہے کہ ان امراء سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے وہ اشراف مراد ہیں جن میں سے دو پر تو اُمتِ اسلامیہ کا اتفاق ہوگا اور پھر تیسرے پر پہلے تو سب متفق ہوں گے پھر اختلاف پڑ جائے گا اور اس کے بعد پھر سب متفق ہو جائیں گے رسی کٹنے اور اس کے جڑ جانے سے یہی مراد ہے۔ پھر فرمایا کہ خواب کا مقصد وہی ہے جو اس گروہ نے بیان کیا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بہت بلند ہے۔ آپ کے مقام پر وہی شخص قدم رکھ سکتا ہے یا آپ کی سیڑھی پر وہی چڑھ سکتا ہے جو یا تو نبی ہو یا نبی کی اولاد میں سے ہو۔ اور جب خواب میں نظر آنے والی رسی ایک ہی تھی اور اس پر تینوں امرا اسی طرح چڑھے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چڑھے تھے تو اس میں اس امر کا اعلان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان امراء میں مجانست ہے۔ اور یہ بات تو پہلے معلوم ہو چکی کہ کوئی شخص بھی ایمانِ کامل میں آپ کا ہم جنس نہیں ہو سکتا لہذا اب صرف نسبی مجانست باقی رہ گئی اور یہ مذکورہ بالا اولادِ نبی کے امراء کے [1] لیے ثابت ہے کیونکہ کسی آدمی کی جگہ اور گھر میں یا وہ خود داخل ہوتا ہے یا اس کی اولاد۔ مزید

---

[1] یاد رہے کہ یہاں پر بحث خواب کی تعبیر پر ہو رہی ہے۔ امرِ خلافت پر نہیں۔ حضرت کا یہ فرمانا کہ خواب دیکھنے والا

Marfat.com

برآں خواب دیکھنے والا شخص ایک صحابی ہے جو ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کو پہچانتا ہے۔ اگر خواب میں یہی لوگ مراد ہوتے تو وہ ان کو پہچانتا ہوتا اور آنحضرت کے ذکر کے بعد یوں کہتا کہ میں نے ابوبکرؓ کو دیکھا جنہوں نے رسی کو پکڑا اور چڑھ گئے پھر عمر نے اور پھر عثمانؓ نے لیکن جب اس نے ان کا ذکر نہیں کیا اور ان کی بجائے یوں کہا کہ میں نے ایک آدمی دیکھا، پھر ایک اور پھر ایک اور تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے ایسے اشخاص کو دیکھا جنہیں وہ پہچان نہیں رہا تھا لہٰذا وہ خلفاء ثلثہ نہیں ہیں۔

(مؤلف کہتا ہے) کہ میں نے شیخ سے اس بارے میں کئی بار بحث کی اور اُن سے کئی بار جھگڑا مگر حضرت نے یہی فرمایا کہ حق بات وہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں، یعنی یہ کہ ان سے مراد اشراف ہیں نہ کہ خلفاء ثلثہ۔ پھر مذکورہ بالا دو دلیلیں دے کر مجھے تسکین کر دی۔ اور فرمایا کہ میں تو صدیقیہ طائفہ میں سے ہوں لیکن حق بات کہنی ہی پڑتی ہے

پھر میں نے شیخ سے عرض کی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اور تو خواب کی تعبیر سمجھ جائے مگر ابوبکرؓ پر مخفی رہے۔
اگرچہ یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے مگر ہمارا عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکرؓ صدیق رضی اللہ عنہٗ تمام اُمت کے سید العارفین اور امام الاولیاء ہیں۔ اور ہم کئی بار آپ کی زبانِ مبارک سے یہ بھی سُن چکے ہیں کہ اُمتِ محمدیہ میں کوئی شخص معرفت النبیؐ میں ابوبکر کی برابری نہیں کر سکتا اور اولیاء اور صالحین میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح باطنِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتا ہو۔ اور وہی سید العارفین اور امام المحبتین ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس خواب کی تعبیر کو جانتے تھے بلکہ اس سے بھی دس ہزار گنا زیادہ جانتے تھے۔ مگر اُس وقت اس خواب کی تعبیر آپ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کی وجہ سے مخفی رہی۔ اس لیے کہ

(بقیہ حاشیہ) چونکہ صحابی تھا۔ اس لیے اگر رسی پکڑنے والے ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ رضی اللہ عنہم ہوتے تو وہ انہیں پہچان لیتا اور یوں کہتا کہ ابوبکرؓ نے پھر عمر اور پھر عثمان رضی اللہ عنہم نے رسی کو پکڑا۔ مگر حضرت کا یہ قیاس درست نہیں کیونکہ خواب میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ محض شبح (ش ب ح) ہی دکھائی دیتا ہے اور بینندہ پہچان نہیں سکتا۔ چنانچہ اس نے صاف الفاظ میں کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واضح طور پر خواب میں دیکھا۔ مزید برآں حضرت کا یہ فرمانا کہ ان امراء ثلثہ سے مراد اہلِ بیت میں سے تین شخص ہیں، بھی قرین قیاس نہیں اور پھر مزہ یہ کہ حضرت نے بھی ان کی تعیین نہیں کی کہ وہ امراء ثلثہ کون ہیں۔ امراء فاطمیہ کا دعویٰ تھا کہ وہ خاندانِ نبوت سے تعلق رکھتے ہیں لیکن وہ شیعہ تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِی سے منحرف تھے۔ لہٰذا وہ طریقِ حق پر نہ ہوئے اور جب طریقِ حق پر نہ ہوئے تو مقامِ نبوی پر قدم رکھنا ناممکن ہوا اور ان پر قرآن کی اس آیت اِنَّهُ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ، اِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ٥ کا اطلاق ہوتا ہے۔ حضرت کشف و فتح سے کلام فرما رہے تھے۔ اور اُمتِ محمدیہ کے اندر مختلف ادوار گذر چکے ہیں جن میں طرح طرح کے امراء بھی شامل ہیں کیا اتنے عرصہ کے اندر وہ امراء جو اس خواب میں دکھلائے گئے تھے پائے نہیں گئے؟ خواب اس قدر لمبے عرصے کے امور کے متعلق نہیں آیا کرتی۔ بہرحال یہ خواب اب بھی غیر منحل ہی رہ گئی۔ بلکہ حضرت کے ظاہری الفاظ نے اہلِ سنت کے عقیدہ کے مطابق اس میں اور زیادہ اُلجھن پیدا کر دی ہے۔ ۱۲

"مترجم"

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حاضرین کے علمی انوار غایب ہوجاتے تھے اور ان میں روشنی نہیں رہتی تھی کیونکہ ان کا انعکاس نورِ محبت پر پڑتا تھا جس سے شوق کی آگ بھڑک اٹھتی اور اس کے افکار اسی محبت میں مشغول ہوجاتے اور باطن بھی اسی میں مستغرق ہوجاتا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب انوارِ علم غائب ہوجاتے ہیں اور محبت اور شوق کے انوار مشتعل ہوجاتے ہیں تو جو شخص بھی اس حالت میں گفتگو کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے کہ ایک لاعلم انسان کیونکہ قلب کی توجہ ایک ہی طرف ہوسکتی ہے لہٰذا جب ایک چیز کی طرف متوجّہ ہوگا تو دوسری چیزوں سے منقطع ہوجائے گا اور عارفین کے لیے جن کے سردار ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی مقصودِ اصلی اور امیّدِ حقیقی ہے لہٰذا جب آپ کی ذات ان کے سامنے ہوگی تو نہ وہ کسی علم کی طرف متوجّہ ہوں گے اور نہ کسی اور چیز کی طرف کیونکہ علم تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا ایک نور ہے لہٰذا جب ذات نظروں سے اوجھل ہوتی ہے تو اُن کا تعلق اس کے انوار سے ہوجاتا ہے تاکہ وہ صاحبِ انوار ذات تک پہنچا دیں مگر جب خود ذات موجود ہو تو تمام وسائل ساقط ہوجاتے ہیں اور اس ذات کی طرف توجہ واجب ہوجاتی ہے اور دل اس کی طرف پھر جاتے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرف توجہ کس طرح حاصل ہوتی ہے؟

حضرت نے فرمایا: "تین باتوں سے۔ محبّت، تعظیم اور ان کمالات سے تعجّب کرنے سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں۔ جب یوسف علیہ السّلام کے متعلق عورتیں یہ کہہ سکتی ہیں کہ حَاشَ لِلّٰہِ مَا هٰذَا بَشَرًا ط اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝ (خدا پاک ہے یہ تو انسان نہیں۔ یہ تو بڑی خوبیوں والا فرشتہ ہے)۔ تو خیال فرمائیں کہ عارفین سید الوجود صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتے ہوں گے اور ان تینوں کی تکمیل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرف صحیح توجہ صرف اسی وقت ہوسکتی ہے جب عارف کی طرف سے سات امور پورے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی مرکوز ہوجائیں۔ اور ان تمام ساتوں کا مقصد صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ شریفہ ہی ہو۔ لہٰذا اگر ان میں سے کسی ایک میں بھی خلل پیدا ہوگا تو توجّہ میں بھی خلل پیدا ہوجائے گا۔ یہ سات امور یہ ہیں: فکرِ نفس[1]، خیال یعنی نظرِ نفس[2]، عقل[3]، مثال یعنی نظرِ عقل[4]، ذات[5]، روح[6] اور علم[7]۔ چنانچہ عارف کی توجّہ کاملہ کے لیے یہ شرط ہے کہ ان سات امور کے تصوّر کا انحصار آنحضرتؐ کی ذاتِ شریفہ میں ہو۔ اور جب ان ساتوں کے انوار آنحضرتؐ کی ذات پر مرکوز ہوں گے تو محبّت، تعظیم اور تعجب کے ساتھ توجہ حاصل ہوگی اور ماسویٰ کی آرزو نہ رہے گی۔ حضرت نے فرمایا کہ جب عارف اس حالت میں ہو اور اس سے اگر اس کے فرزند کا رنگ پوچھا جائے کہ سفید ہے یا نہیں تو وہ حیران ہوجائے اور کچھ نہ بتا سکے گا۔ اور اگر کچھ جواب بھی دے گا تو بے خبری کے عالم میں دے گا اور فرض کرلیں کہ جواب درست دیا گیا ہے تو وہ صرف اس لیے ہوگا کہ اسے درست بات کہنے کی عادت پڑی ہوئی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ابوبکر صدیقؓ سے خواب کی تعبیر میں خطا ہوئی۔ اور اگر سائل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی خلافت کے زمانہ میں آتا اور خواب کی تعبیر دریافت کرتا تو

Marfat.com

آپ سے اس بارے میں عجیب وغریب باتیں سنتا اور یہ تعبیر بھی ہمیں تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے معلوم ہوئی ہے لہذا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک بات کو ہم تو جانتے ہوں اور ابوبکر صدیق نہ جانتے ہوں۔ یہ ناممکن ہے لیکن اصل راز وہی ہے جس کا ذکر ہم کر چکے۔ واللہ اعلم۔

(مؤلف کہتا ہے) یہ سب کچھ ہم نے اپنے اُمّی پیر سے سنا۔ عنایات اللہ کے ہاتھ میں ہیں، جس پہ چاہے کرے۔ مجھے کئی سال گذر گئے تھے کہ میں اس خواب کی تسلی بخش تعبیر دریافت کرنا چاہتا تھا۔ مگر یہ مجھے حضرت کے سوا نہ کسی کتاب میں اور نہ کسی الشان سے حاصل ہوئی۔ اور ظاہر ہے کہ شیوخ متقدمین کا مذکورہ بالا بیان اصل مقصد سے بہت دور ہے۔ واللہ اعلم۔

خواب کیا ہے اور کیسے نظر آتی ہے میں نے حضرت سے سوال کیا کہ خواب کی حقیقت کیا ہے؟ یہ کیا چیز ہے؟ اور کیسے واقع ہوتی ہے؟ کیونکہ لوگوں کا اس میں بہت سا اختلاف ہے۔ اطبّاء کا خیال ہے کہ اخلاطِ اربعہ کی وجہ سے خوابیں آتی ہیں چنانچہ جس آدمی کے مزاج میں بلغم کا غلبہ ہو تو وہ خواب میں یوں دیکھتا ہے جیسے کہ وہ پانی میں تیر رہا ہے وغیرہ اس لیے کہ پانی کی بلغم سے مناسبت ہے اور جس پر صفرا کا غلبہ ہو وہ خواب میں آگ، ہوا میں بلند ہونا یا اسی قسم کی پریشان صورتیں دیکھتا ہے جس پر خون کا غلبہ ہو وہ شیریں چیزیں اور خوش کن باتیں دیکھتا ہے اس لیے کہ خون میٹھا اور مفرح ہے اور جس پر سوداء کا غلبہ ہو وہ سوداوی باتیں اور ترش چیزیں دیکھتا ہے۔

مارزی کی رائے علامہ مارزی کہتے ہیں کہ یہ سب غلط ہے کیونکہ گو عقل اسے جائز قرار دیتی ہے مگر اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوتی اور نہ ہی اس پر قیاس آرائی ہوسکتی ہے۔ جواز اور امکان کی صورت کو قطعی قرار دینا درست نہیں ہے

فلاسفہ کی رائے فلاسفہ کی یہ رائے ہے کہ زمین پر جو واقعات کی صورت پیش آتی ہے، وہی صورتیں عالم بالا میں نقوش کی طرح منقش ہوتی ہیں۔ لہذا ان میں سے جو صورت بھی نفس کے سامنے آجاتی ہے اس کا نقش نفس میں اتر آتا ہے۔

علامہ مارزی کہتے ہیں کہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اور نقش قبول کرنا اجسام کی صفت ہے حالانکہ اکثر چیزیں جو عالم علوی میں واقع ہوتی ہیں وہ از قسم اعراض کے ہیں اور اعراض کا نقش نہیں ہوتا۔

معتزلہ کی رائے معتزلہ کی یہ رائے ہے کہ یہ محض بے حقیقت خیالات ہوتے ہیں۔ اور ان کا اس سے مقصد خواب کو بالکل باطل قرار دینے سے ہے اسی طرح وہ عذاب قبر کا بھی انکار کرتے ہیں۔

ابن عربی کی رائے ابن العربی[1] اپنی کتاب قبس میں فرماتے ہیں کہ معتزلہ عوام کے ساتھ اپنی چال بازی کے اصولوں

[1] ابن عربی سے یہاں مراد حافظ ابوبکر بن العربی المالکی ہیں جنہوں نے ۵۴۳ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے موطا امام مالک کی شرح لکھی ہے جس کا نام قبس ہے

Marfat.com

پر قائم رہے چنانچہ انہوں نے جنّوں اور اُن کے کلام کرنے، فرشتوں اور اُن کے کلام کرنے کے متعلق اصولِ شریعت کا ہی انکار کر دیا یہاں تک کہ یوں کہہ دیا کہ اگر جبرئیل علیہ السّلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بآوازِ کلام کرتے تو حاضرین بھی اسے ضرور سنتے۔

صالح معتزلی کی رائے صالح معتزلی[۱] کی رائے ہے کہ خواب سر کی آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیز ہوتی ہے۔ ابن العربی کہتے ہیں کہ یہ بات جمہور کے قول کے خلاف ہے۔

ایک اور رائے اور دل کی یہ رائے کہ دل میں دو آنکھیں ہوتی ہیں جن سے دل دیکھتا اور دو کان ہوتے ہیں جن سے دل سنتا ہے چنانچہ خواب انہی دل کی نگاہوں اور دل کے کانوں کا سنا اور دیکھا ہوا منظر ہوتا ہے۔

خواب کے متعلق اہل سنت کی رائے اہل سُنت کی یہ رائے ہے کہ خواب ایسے اعتقادات اور ادراکات ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ سونے والے کے دل میں پیدا کر دیتا ہے بعینہٖ اسی طرح جس طرح کہ بیدار آدمی کی آنکھوں اور دل میں پیدا کرتا ہے اور جب انہیں پیدا کر چکتا ہے تو انہیں ان امور و اشیاء کی علامت بناتا ہے جو بعد میں پیدا ہونے والی ہوتی ہیں۔ کبھی ان اعتقادات کے پیدا ہونے کے وقت فرشتہ موجود ہوتا ہے تو یہ خواب اچھی خواب ہوتی ہے اور کبھی شیطان حاضر ہوتا ہے تو یہ خواب پریشان کن ہوتی ہے۔

ایک اور رائے بعض کا خیال ہے کہ ایک فرشتہ ان مناظر پر مقرر ہوتا ہے جو انہیں سوئے ہوئے آدمی کے سامنے پیش کرتا ہے، لہٰذا وہ کبھی انہیں ایسی صورتیں پیش کرتا ہے جو آئندہ ہونے والے واقعات کے مطابق ہوتی ہیں اور کبھی یہ معانی معقولہ کی مثالیں ہوتی ہیں۔

قرطبی کہتے ہیں یہ قول بھی مردود ہے کیونکہ یہ قول بھی دلیل کا محتاج ہے۔

ایک اور قول بعض کا خیال ہے کہ ان مناظر کا سبب روح کا عرش کی طرف چڑھنا ہے۔ لہٰذا سونے والے کو جو باتیں پیش آتی ہیں وہ انہیں دیکھتا ہے۔ اگر رُوح کے عرش تک پہنچنے تک وہ بیدار نہ ہو تو خواب سچی ہوگی اور اگر اس سے پہلے ہی بیدار ہو جائے تو خواب جھوٹی ہوگی اس قول کے قائل نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جسے حاکم، عقیلی[۲] نے محمد بن عجلان[۳] عن سالم[۴] بن عبداللہ بن عمر عن ابیہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ

ع۱ صالح معتزلی: ان کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

ع۲ عُقیلی: محمد بن عمرو بن موسیٰ عقیلی مصنف کتاب الضعفاء الکبیر جلیل القدر عالم و محدث ہوئے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ ان کی وفات ۳۲۳ھ = ۹۳۳ء میں ہوئی۔

ع۳ محمد بن عجلان رح: ابوعبداللہ محمد بن عجلان المدنی رح: ابن عیینہ نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ان کی والدہ کی عادت تھی کہ انہیں چار سال تک حمل رہتا تھا۔ چنانچہ ان کا حمل بھی چار سال تک رہا تھا۔ ان کی وفات ۱۴۸ھ = ۷۶۵ء میں ہوئی۔

ع۴ سالم: سالم بن عبداللہ بن عمر: ابوعمر کنیت، مدینہ کے فقہاء میں سے تھے۔ علماء تابعین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کی وفات مدینہ میں ۱۰۶ھ = ۷۲۴ء میں ہوئی۔

(بقیہ بر صفحہ ۱۸۸)

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملاقات ہوئی تو کہا اے ابو الحسن آدمی خواب دیکھتا ہے تو بعض سچی نکلتی ہے اور بعض جھوٹی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ہاں کہ جو بندہ یا عورت بھی سوتا ہے پھر اسے گہری نیند جب آتی ہے تو اس کی روح عرش پر چڑھ جاتی ہے۔ لہٰذا جو شخص روح کے عرش تک پہنچنے سے پہلے بیدار نہیں ہوتا۔ اس کی خواب سچی ہوتی ہے اور جو عرش پر پہنچنے سے پہلے ہی بیدار ہو جاتا ہے۔ اس کی خواب جھوٹی ہوتی ہے۔

اس حدیث کے متعلق ذہبی کی رائے

امام ذہبیؒ[عہ] اپنی کتاب تلخیص میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے اور حاکم نے بھی اسے صحیح قرار نہیں دیا۔ شاید اس نے جو گرفت کی ہے وہ اس راوی پر ہے جس نے ابن عجلان سے روایت کی ہے اور اس راوی کا نام عبداللہ الازدی[عہ۲] خراسانی ہے۔ عقیلی نے اس کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ غیر محفوظ ہے۔ پھر اس نے ایک طریقے سے عن اسرائیل عن ابی اسحٰق عن الحرث عن علی کی روایت میں اس کے ایک حصہ کی روایت کی ہے اور اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے کے متعلق اختلاف بیان کیا ہے۔

ایک اور رائے اور بعض کی یہ رائے ہے کہ خواب ایک قسم کا کلام ہے اور اس طریقے سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندے سے کلام کرتا ہے۔ انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ كَلَامٌ يُكَلِّمُ بِهِ الْعَبْدَ رَبُّهُ (مومن خواب کے ذریعہ سے اپنے رب سے کلام کرتا ہے۔ اس حدیث کی روایت حکیم ترمذی[عہ۳] نے عبادہ بن الصامت[عہ۴] کی سند سے کی ہے۔ اور نوادر الاصول کی اٹھترویں اصل میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس نے اس کی روایت اپنے استاد عمر بن[عہ۵] ابی عمر سے کی ہے جو ضعیف ہے۔ مزید برآں اس سند میں ایسے لوگ ہیں جنہیں محدثین پسند نہیں کرتے۔

حکیم ترمذی فرماتے ہیں کہ بعض مفسرین نے وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ میں مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ کی تشریح فی المنام (خواب میں) کی ہے۔ کچھ اور مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

عہ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۲) عبداللہ بن عمر: حضرت عمر کے بیٹے تھے۔ مشہور زاہد و عابد تھے۔ بچپن میں ہی اپنے باپ کے ساتھ ایمان لائے۔ سب سے پہلی جنگ جس میں انہوں نے شرکت کی غزوۂ خندق ہے۔ ان کی پیدائش وحی سے ایک سال پہلے ہوئی اور ۷۳ھ = ۶۹۲ء میں وفات پائی۔

عہ۱ ذہبی: شمس الدین ذہبی مؤلف "عبر" و "دول الاسلام" ۶۷۳ھ = ۱۲۷۴ء ۔ ۷۴۸ھ = ۱۳۴۸ء میں وفات پائی۔

عہ۲ عبداللہ الازدی خراسانی: غالباً یہاں مراد عبداللہ بن فروخ خراسانی سے ہے یہ ۱۱۵ھ = ۷۳۳ء میں پیدا ہوئے اور ۱۷۵ھ = ۷۹۱ء میں وفات پائی۔ خطیب نے ان کو منکر الحدیث کہا ہے (تہذیب التہذیب ج ۵ : ۳۵۶)

عہ۳ حکیم ترمذی: ابو عبداللہ محمد بن علی بن حسن بن بشر مؤذن حکیم ترمذی۔ یہ ۲۵۵ھ = ۸۶۹ء میں شہید ہوئے۔ ان کی کتاب نوادر الاصول میں ۲۸۸ اصول پر بحث کی گئی ہے۔

عہ۴ عبادہ بن صامت: ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

عہ۵ عمر بن ابی عمر: ابو محمد عمر بن ابی عمر کلاعی الدمشقی۔ ابن حجر نے ابن عدی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ منکر الحدیث ہیں اگرچہ ثقہ لوگوں سے روایت کرتے ہیں۔ بیہقی کہتے ہیں کہ یہ بقیہ کے مجہول استادوں میں سے ہے (تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۴۸۷)

Marfat.com

نے خواب پر ایک فرشتہ کو مقرر کر رکھا ہے جو لوحِ محفوظ سے بنی آدم کے حالات معلوم کر کے کچھ حالات لکھ لیتا ہے اور پھر ہر انسان کے واقعات کی مثال بیان کرتا ہے۔ چنانچہ جب وہ سو جاتا ہے تو اسے یہی مثالی اشیاء حکمت کے طرز میں اسے پیش کرتا ہے تاکہ یہ اشیاء اس کے لیے بشارت دینے والی ہوں یا ڈرانے والی یا عتاب کرنے والی۔ بعض اوقات شیطان انسان کی سخت عداوت کی وجہ سے اس پر مُسلّط ہو جاتا ہے اور طرح طرح کی چالیں اس سے چلتا ہے اور اس کے معاملات کو ہر طرح سے خراب کرنا چاہتا ہے لہذا یا تو وہ اس کی خواب کو گڑبڑ ڈال کر تلف کر دیتا ہے یا اسے خواب سے غافل کر دیتا ہے۔

خواب کی دو قسمیں ہیں خواطر اور ادراکات

حکیم ترمذی فرماتے ہیں خواب کی دو قسمیں ہیں۔ خواطر اور ادراکات، بعینہٖ اسی طرح جس طرح بیداری میں ہوتا ہے کیونکہ بیداری میں انسان کے دل میں کئی قسم کے خیالات گذرتے ہیں اور اسی طرح بیداری میں کئی قسم کے علوم کا ادراک کرتا ہے یا اپنے حواس کے ذریعہ اشیاء کو محسوس کرتا ہے۔ یہی حال سوئے ہوئے انسان کا ہوتا ہے کہ کبھی اسے خواب ان خواطر کی وجہ سے آتی ہے جو اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور کبھی کسی شئے کے ادراک اور اس کے مشاہدہ کی وجہ سے۔ لہذا خواب کی دو قسمیں ہوئیں ادراکات اور خواطر۔

پہلی قسم: ادراکات

پہلی قسم ادراکات ہیں۔ اور ادراکات کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو رُوح کی طرف منسوب ہیں۔ کیونکہ درحقیقت دیکھنے والی شئے تو رُوح ہی ہے۔ اور اس کا دیکھنا بصیرت کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور ہم اجزاءِ روح میں اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے بصیرت پر بحث کر چکے ہیں۔ لہذا اگر رُوح اپنی بصیرت کے ذریعہ سے دیکھے گی تو اسے روح کی طرف منسوب کریں گے اور اگر ذاتِ انسانی اور قلب کے ذریعہ سے ایسی اشیا کو دیکھے گی جنہیں انسان دیکھنے کا عادی ہے مثلاً گھر، مسجد، باغ وغیرہ تو اس خواب کو ذات کی طرف منسوب کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح روح کے دو کان ہیں ایک وہ جس کی طرف روح ذات میں بند ہونے سے پہلے منسوب ہوتی ہے اور وہ دنیا کے مشرق اور مغرب تک کی اشیاء سُن لیتے ہیں اور دوسرے وہ کان ہیں جن کی طرف ذات میں محجوب ہونے کے بعد منسوب ہوتی ہے اور وہ صرف یہی کان ہیں جن سے انسان سنتا ہے۔ اسی طرح روح کی دو بصارتیں ہیں۔ ایک محجُوب ہونے سے پہلے جو مشرق اور مغرب تک جا پہنچتی اور ساتوں طبقوں کو بھی چیر کر نکل جاتی ہے اور دوسری محجوب ہونے کے بعد کی بصارت اور یہ صرف آنکھ کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ اور دو مشیئتیں[1] ہیں۔ ایک محجوب ہونے سے پہلے اور یہ وہ مشیئت ہے جس کے ذریعہ سے روح مشرق اور مغرب کو ایک قدم اٹھانے سے طے کر لیتی ہے اور دوسری محجوب ہونے کے بعد اور یہ محض پاؤں کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کی دو نظریں ہوتی ہیں۔ ایک محجوب ہونے سے پہلے اور یہ وہ نظر ہوتی ہے جو روح کی بصیرت کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور یہ اس کے تمام جواہر کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور روح اس کے ذریعہ سے اپنے تمام معلومات کو ایک لحظہ کے اندر دیکھ لیتی ہے

Marfat.com

اور اس کے لیے قرب و بعد کوئی نہیں یہاں تک کہ جس ذات میں یہ ہوتی ہے اور دوسری طرف عرش ہو تو اس کے نزدیک دونوں برابر ہوں گے۔ اور دوسری محجوب ہونے کے بعد کی اور یہ صرف دل میں ہوتی ہے۔ لہٰذا جب کوئی شخص سو جاتا ہے اور خواب میں کوئی چیز دیکھتا ہے تو کبھی اُسے روح کی نظر سے دیکھتا ہے اور کبھی ذات کی نظر سے اور ان کے درمیان صرف صفائی اور پاکیزگی کا فرق ہے کیونکہ جو نظر روح کی طرف منسوب ہے اس میں صفائی اور پاکیزگی ہوتی ہے اور جو ذات کی طرف منسوب ہوتی ہے وہ اس کے برعکس ہوتی ہے۔ اسی لیے پہلی قسم کے خواب کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی یا اگر ہوتی بھی ہے تو بہت قریب کی تعبیر ہوتی ہے لیکن دوسری قسم میں اس میں دور کا اور مخفی اشارہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے تعبیر میں دقت پیش آتی ہے۔ مثلاً فرض کر دکہ زید کو کسی شخص نے زخمی کر دیا پھر فرض کر لیا جائے کہ واقعہ سے پہلے یہی واقعہ اس نے خواب میں دیکھا پس اگر اُس نے روح کی نظر سے دیکھا ہے تو بعینہٖ وہی صورت پیش آئے گی لیکن اگر بنظرِ ذات دیکھا ہوگا تو اس طرح دیکھے گا کہ وہ راستہ میں جا رہا ہے اور کوئی لکڑی لگی جس سے زخم آ گیا۔ پہلی خواب میں چونکہ صفائی اور پاکیزگی پائی جاتی ہے اس لیے کہ یہ نورِ رُوح سے دیکھی جاتی ہے اور نورِ روح صحیح ہوتا ہے اور وہ ہر چیز کی حقیقی صورت پیش کرتا ہے برخلاف ثانی کے کہ وہ نورِ ذات سے دیکھی گئی ہے اور نورِ ذات میں باطل شامل ہوتا ہے اور باطل کسی چیز کی حقیقی صورت پیش نہیں کرتا بلکہ اس کو متغیر و متبدّل کر دیتا ہے لہٰذا خواب میں اونٹ بصورت مینڈک اور پرند بصورت پتھر اور انسان بصورت لکڑی دکھائی دے گا اور چونکہ بجز نبی کے کہ اُن کی ذات معصوم ہوتی ہے اور کوئی ذات ظلمت سے خالی نہیں ہے (اسلیے اُمتی کے ہر خواب میں کم و بیش تغیر ہوتا ہے اور تعبیر کی ضرورت پیش آتی ہے)

ظلام ظلمت کے دس درجے ہیں

قوت و ضعف کے اعتبار سے ظلمت کے دس درجے ہیں۔

پہلا درجہ: پہلا درجہ وہ ظلمت ہے جو فعل مکروہ کے سہواً مرتکب ہونے سے ذات پر آتی ہے۔ جیسا کہ کوئی شخص سہواً بائیں ہاتھ سے کوئی چیز کھائے یا اسی قسم کی کوئی مکروہ بات کا مرتکب ہو۔ لہٰذا جب اس قسم کا سہو بندہ سے سرزد ہو تو اس سے اُس کی ذات میں ہلکی سی تاریکی داخل ہو جاتی ہے اور جب وہ شخص سوئے گا اور یہ تاریکی اس کی ذات میں ہوگی تو جب خواب دیکھے گا تو یہ اس کو کسی قدر پلٹ دے گی۔ مثال کے طور پر اس قسم کا آدمی اگر خواب میں جنت دیکھے اور اس میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس نے ایک غیر واجب نیکی کرنی چاہی مگر پھر اس سے رجوع کر لیا۔ اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ نیکی جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے، اسی لیے خواب میں جنت کے واقع ہونے سے مراد نیکی ہے اور جنت میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ اس نیک کام کے کرنے سے رُک گیا ہے اور بغیر پلٹنے کے خواب کی حقیقت یہ ہے کہ وہ یوں دیکھے کہ اس نے ایک نیک کام کرنے کا ارادہ کیا لیکن پھر اس سے رک گیا، اسی ایسے خواب میں تھوڑا سا ردّو بدل ہو گیا جس کا سبب تاریکی ہے۔

دوسرا درجہ: دوسرا درجہ اس ظلمت کا ہے جو ایک حرام بات کو سہواً کرنے سے ذات کے اندر داخل ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

مثلاً یہ کہ کوئی شخص روزہ رکھ کر سہواً کچھ کھا لے یا اسی قسم کی کوئی اور حرام بات جو انسان سے سہواً سرزد ہو جائے مگر اس سہو کی وجہ سے اُسے گناہ گار نہ کہا جا سکتا ہو کیونکہ یہ ظلمت میں اس ظلمت سے جو مکروہ میں سہو واقع ہو جانے سے پیدا ہوتی ہے، زیادہ ہوتی ہے۔ اور اس میں خواب کو اس صورت سے زیادہ پلٹ دیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص خواب میں جنت دیکھے اور اس میں داخل ہونے کا ارادہ بھی کرے مگر اُسے داخل ہونے سے روک دیا جائے تو اس کی تعبیر یہ ہو گی کہ وہ ایک فرض کفایہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے مگر پھر نہیں کرتا۔ اس تعبیر کی وہی وجہ ہے جو پہلے گذر چکی ہے۔ اس خواب میں تاریکی اس قدر قوی ہو گئی ہے کہ خواب میں اسے اس شخص کی طرح دکھایا گیا ہے جسے جنت میں داخل ہونے سے روکا گیا ہو کیونکہ یہ تاریکی فرض کفایہ سے روکتی ہے اور یہ حرام چیز کو سہواً کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ برخلاف مذکورہ بالا خواب کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تیسرا درجہ تیسرا درجہ اس ظلمت کا ہے جو ذات میں مکروہ چیز کو عمداً کرنے سے داخل ہو جاتی ہے مثلاً کسی نے عمداً بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا وغیرہ۔ لہٰذا جب کبھی اس قسم کا فعل کسی انسان سے عمداً سرزد ہو گا تو اس میں اس قدر ظلمت داخل ہو جائے گی جو حرام فعل کو سہواً کرنے سے زیادہ ہو گی۔ لہٰذا اس کی خواب پچھلی صورت کے مقابلہ میں زیادہ بدل کر آئے گی۔ مثلاً کسی نے خواب میں دیکھا کہ شیاطین اس کے گھر میں گھس آئے ہیں تو اس کی تعبیر یہ ہو گی کہ اس کی بیوی زانیہ ہے اور لوگ اس کے پاس آتے رہتے ہیں۔ اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ خواب میں شیاطین کو دیکھنے سے مراد زانی لوگ ہیں۔ کیونکہ ان میں آپس میں مشابہت ہے۔ اور شیاطین کے گھس جانے سے مراد زنا ہے اور گھر سے مراد بیوی ہے۔ اور اس تعبیر میں بُعد پایا جاتا ہے مگر اس میں خواب کو زیادہ نہیں پلٹا گیا لیکن جو چیز خواب سے مقصود ہے اس میں خبث اور تاریکی کی زیادتی پائی گئی۔ اس لیے کہ اس میں عار بے عزتی اور آبرو ریزی سب پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ یہاں جس شخص کے متعلق تعبیر بیان کی جاتی ہے اس میں تاریکی قوی ہے۔ یہاں سے معلوم ہو جائے گا کہ تاریکی بعض اوقات تعبیر میں قوی ہوتی ہے اور کبھی خواب میں دیکھی ہوئی چیز میں۔

چوتھا درجہ وہ تاریکی ہے جو حرام کو ارادۃً کرنے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی نے ارادۃً زنا کیا یا ارادۃً روزہ رکھ کر پھر توڑ دیا وغیرہ۔ لہٰذا جب اس قسم کا فعل انسان سے قصداً سرزد ہو گا تو اس سے انسان میں پہلے درجوں سے بڑھ کر ظلمت داخل ہو جائے گی مثلاً کسی نے دیکھا کہ وہ ایک بوڑھے مسلمان کے آگے آگے چل رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ صاحبِ معصیت ہے لیکن اس کا ایمان صحیح ہے کیونکہ بوڑھے مسلمان سے مراد اس کا ایمان ہے کیونکہ بڑھاپا اور کبر سنی اس پہ دال ہیں کہ وہ بصیرت پر ہے لہٰذا اس کے ایمان کی پختگی معلوم ہو گئی لیکن اس کے آگے آگے چلنا گناہوں پر دلالت کرتا ہے کیونکہ صاحب ایمان ایمان کی تابعداری نہیں کرتا بلکہ اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کے آگے آگے جا رہا ہے۔ لہٰذا اس خواب کی تعبیر میں تاریکی بھی قوی ہو گی کیونکہ بوڑھے آدمی سے ایمانِ صحیح مراد لینے میں کافی بُعد ہے۔ اور اسی طرح اس سے آگے چلنے سے معصیت مراد لینے میں بھی

Marfat.com

کافی بعد پایا جاتا ہے۔ اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ اس درجہ کی ظلمت پہلے درجات کی نسبت زیادہ قوی ہے اور خواب میں بھی ظلمت قوی ہے کیونکہ معصیت کا معاملہ اور ان کا خطرہ کوئی معمولی چیز نہیں۔

پانچواں درجہ | پانچواں درجہ اس ظلمت کا ہے جو خفیف عقیدہ میں جہل بسیط کی وجہ سے داخل ہو جاتی ہے کیونکہ عقیدہ دو قسم کا ہے۔ عقیدہ خفیفہ اور ثقیلہ۔ خفیفہ وہ ہے جس کی وجہ سے صاحب عقیدہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا مگر اس پر سزا ضرور ملے گی۔ مثلاً یہ ایک عقیدہ ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ پر جزا واجب نہیں۔ یعنی نیک اعمال پر ثواب اور برے اعمال پر عذاب دینا واجب نہیں بلکہ ثواب اس کی مہربانی سے ملے گا اور اگر وہ عذاب دے گا تو یہ اس کا عدل ہوگا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں کسی واسطہ کا محتاج نہیں اور تمام واسطے اور وہ اشیا جو ان سے پیدا ہوتی ہیں سب اللہ تعالیٰ کے افعال میں شامل ہیں۔ چنانچہ آگ اور اس کا جلانا اور کھانا اور اس کا پیٹ کو بھر دینا۔ تلوار اور اس کا کاٹنا یہ سب اللہ کے افعال میں سے ہے۔ نیز یہ بھی ایک عقیدہ ہے کہ جنت اب بھی موجود ہے اور دوزخ بھی اس وقت موجود ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نہ دنیا میں کسی پر ظلم کرتا ہے نہ آخرت میں کرے گا۔ یہ تمام امور عقائد خفیفہ ہیں۔ جس کا یہ عقیدہ ہوگا وہ صحیح مومن ہے اور اس کا ایمان کامل ہے اور جو ان سے بے خبر ہے مثلاً یہ کہ اس کا عقیدہ ہو کہ اللہ کا دیدار نہ ہوگا یا یہ کہ اللہ پر جزا و سزا دینا واجب ہے یا یہ کہ اللہ اپنے افعال میں واسطہ کا محتاج ہے یا یہ کہ جنت اور دوزخ موجود نہیں تو اس قسم کے عقائد رکھنے والوں کو قیامت کے دن اس قدر عذاب ہوگا جو غیر اعتقادی گناہوں سے زیادہ ہوگا۔

عقیدہ ثقیلہ وہ ہے جس سے جہالت کی وجہ سے اعتقاد رکھنے والے کو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں جانا پڑے گا۔ مثلاً یہ ایک عقیدۂ ثقیلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور اس کا وجود ازلی اور ابدی ہے اور یہ کہ وہ جو کام کرتا ہے اپنے اختیار سے کرتا ہے اور اس کے افعال نہ طبعی طور پر سرزد ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی علت یا سبب کی وجہ سے اور یہ کہ وہ ہمارے افعال کا خالق ہے اور ان میں ہمارا قطعاً کوئی اختیار نہیں اور یہ کہ اس کے ملک میں نہ دنیا کا کوئی بڑا انسان مثلاً بادشاہ یا وزیر اور نہ ہی آسمان کا مثلاً سورج، چاند ستارے اور تمام فرشتے کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سننے اور دیکھنے والا ہے اور یہ کہ وہ علیم ہے۔ یہ سب عقائد ثقیلہ ہیں۔ لہٰذا جب کوئی بندہ عقائد خفیفہ کے ساتھ ان کا بھی عقیدہ رکھے تو اس کا ایمان مکمل ہو جاتا ہے لیکن اگر ان سے عدم واقفیت ہو یا ان میں سے کسی ایک سے بھی ناواقف ہو تو اس کے لیے خلود فی النار واجب ہے۔ خدا ہمیں اس سے بچائے۔

جب تو نے یہ بات سمجھ لی تو اب ہم عقیدہ خفیفہ میں جہل بسیط کی طرف لوٹتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ان عقائد سے ذات انسانی پر اس قدر ظلمت طاری ہو جاتی ہے جو مذکورہ بالا تاریکیوں سے زیادہ ہوتی ہے اور اس سے اس کی خواب میں رد و بدل بھی بہت زیادہ ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص خواب میں کوئی مردہ دیکھے اور اسے علم بھی ہو کہ وہ مردہ ہے اور وہ اس سے اس کا حال پوچھے اور پوچھے کہ اللہ تعالیٰ نے

Marfat.com

تم سے کیا برتاؤ کیا اور میّت اپنی حالت کی شکایت کرنے لگ جائے اور اپنی بداعمالیوں کا ذکر کرے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ یہ دیکھنے والے کے دیندار ہونے کی دلیل ہے۔ اور یہ کہ اس کی آخرت اچھی ہوگی اور وہ عنقریب اپنے بُرے اعمال سے توبہ کرے گا۔ اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ خواب میں نصیحت کرنے کا ضرور اثر ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے زجر و توبیخ کے قائم مقام قرار دیا ہے۔ اور جو بات اللہ کی طرف سے ہو تو وہ ضرور ہو کر رہے گی۔ بندہ کی طاقت نہیں کہ وہ میّت سے ملاقات کر سکے اور اس سے اس کی حالت کی بابت سوال کرے، بلکہ یہ اللہ ہی کی طرف ہے کہ اس نے خواب دیکھنے والے اور میّت کو اکٹھا کر دیا تاکہ وہ جو کچھ بھی سُن سکے سن لے تاکہ اس پر اللہ کی رحمت ہو اور اگر اللہ چاہتا تو وہ اس شخص کو اپنی گمراہی میں حیران چھوڑ دیتا۔ پس اس تعبیر میں ظلمت قوی ہوئی کہ اشارہ بہت خفی اور تعبیر بہت زیادہ دقیق ہوگئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

چھٹا درجہ وہ ظلمت جو ذاتِ انسانی پر جہل مرکب کے طور پر عقیدہ خفیفہ میں جہالت کی وجہ سے طاری ہو جاتی ہے مثلاً یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ ہوگا۔ یا یہ کہ اللہ کے لیے جزا و سزا دینا واجب ہے اور ساتھ ہی یہ عقیدہ رکھنا کہ اس کا یہ عقیدہ درست ہے۔ لہٰذا جو ظلمت اس جہل مرکب عقیدہ کے رکھنے سے ذات پر طاری ہوگی وہ اس ظلمت سے زیادہ ہوگی جو اس پہلے مرتبہ سے پہلے مرتبہ میں طاری ہوتی ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ دوزخ کا تھوہر کھا رہا ہے اور دوزخ کا گرم پانی پی رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ ہر طرح سے حرام میں داخل ہوگا خواہ روپیہ جمع کرنے کے اعتبار سے خواہ حرام سے منع رہنے کے اعتبار سے چنانچہ وہ ناجائز طور پر دنیا کو جمع کرے گا اور اسے حقداروں پر صرف نہ کرے گا اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ حرام دوزخ میں لے جانے، دوزخ کا زقوم کھانے اور اس کا گرم پانی پینے کا سبب ہے۔ اور تعبیر کے اعتبار سے اس کی ظلمت یہ ہے کہ زقوم اور گرم پانی دونوں طبعاً مکروہ چیزیں ہیں اور مال و زر طبعاً محبوب ہے لہٰذا مکروہ و محبوب ہونے میں دونوں میں فرق ہوا۔ لہٰذا یہ تعبیر بالضد ہوئی۔ مزید براں جس بات سے تعبیر دُور کی ہو جاتی ہے، یہ ہے کہ جس کی تعبیر کی جائے وہ تو دنیا کی چیز ہو اور جس سے تعبیر کی گئی ہو وہ آخرت کی چیز ہو یا بالعکس کیونکہ دونوں گھروں (دنیا و آخرت) میں بُعد ہے۔ اور ان کے درمیان کے اشارہ میں بھی بُعد ہے کیونکہ جہنم تھوہر اور گرم پانی مکروہ چیزیں ہیں لہٰذا یہاں تین وجہ سے ظلمت قوی ہوگئی ہے جو مذکورہ ظلمتوں میں سے کسی ظلمت میں نہیں پائی جاتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ساتواں درجہ وہ ظلمت جو ذات پر عقیدۂ ثقیلہ میں جہل بسیط کی وجہ سے داخل ہوتی ہے مثلاً کوئی شخص عقیدۂ مذکورہ میں بیان کردہ اعتقادات کے منافی عقیدہ رکھتا ہو مگر اگر کوئی اسے بتا دے تو وہ اس عقیدہ سے باز آجائے۔ لہٰذا یہ ظلمت پہلے ذکر کردہ ظلمتوں سے بڑھ کر ہوگی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ جہنم میں داخل ہوا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ وہ والدین کا نافرمان ہے یا اسی قسم کے کسی کبیرہ گناہ میں مبتلا ہے۔ اس تعبیر کی وجہ ظاہر ہے اور ظلمت کی قوت تعبیر کے لحاظ سے ہے، اس لیے

Marfat.com

کہ یہاں دونوں جہانوں میں اختلاف ہے کیونکہ خواب میں مرئی شی دارِ آخرت میں ہے اور جس چیز سے اس کی تعبیر کی گئی ہے وہ دنیا میں ہے اور خواب کے لحاظ سے بھی ہے کہ جہنم میں داخل ہونا اور والدین کی نافرمانی دونوں بری چیزیں ہیں اور ان کی ظلمت کسب حرام کی ظلمت سے زیادہ ہے اسی لیے اس مرتبہ کی ظلمت زیادہ قوی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

آٹھواں درجہ | وہ ظلمت جو ذات پر عقیدۂ ثقیلہ میں جہلِ مرکب کی وجہ سے داخل ہوتی ہے مثلاً یہ عقیدہ رکھنا کہ انسان اپنے افعال کا خالق ہے اور پھر یہ سمجھتا ہو کہ اس کا یہ عقیدہ درست عقیدہ ہے لہذا یہ ظلمت اوپر والی ظلمت سے بھی زیادہ ہوگی اور اس سے خواب میں اس سے بھی زیادہ ردوبدل ہوگا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کسی شخص نے دیکھا کہ اسے ایک فرشتے نے پکڑ لیا اور جہنم میں ڈال دیا ہے۔ تو اس کی تعبیر یوں ہوگی کہ تقدیر الٰہی اسے معصیت کی طرف لے جائے گی اور اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ یہاں فرشتہ کا اشارہ تقدیر کی طرف ہے اور جہنم کا اشارہ معصیت کی طرف ہے اور اس میں ظلمت کی وجہ یہ ہے کہ فرشتہ سے مراد تقدیر لی گئی ہے، اور یہ بہت خفی اور دقیق اشارہ ہے اور ساتھ ہی خواب بھی گھناونی ہے کیونکہ فرشتہ کا بندہ کو جبراً پکڑنا اور اُسے دوزخ میں ڈالنا نہایت ہی مکروہ بات ہے، برخلاف اس کے کہ جس نے دیکھا کہ وہ جہنم میں داخل ہوگیا ہے یا یہ کہ اس نے زقوم کھایا ہے اور دوزخ کا گرم پانی پیا ہے کیونکہ وہاں کسی قسم کا جبر نہیں پایا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے کہا ہے کہ اس مرتبہ کی ظلمت مذکورہ بالا مراتب سے بڑھ کر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نواں درجہ: وہ ظلمت جو ذات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے متعلق جہلِ بسیط کی وجہ سے داخل ہوتی ہے مثلاً یہ کہ کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی صفات کا عقیدہ رکھنا جو درحقیقت آپ میں نہیں پائی جاتیں۔ مگر یہ عقیدہ ایسا ہو کہ اگر اسے علم ہو جائے تو اس سے باز آجائے۔ لہذا یہ ظلمت ماقبل کی ظلمت سے زیادہ ہوگی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا دروازہ ہیں اور جو دروازے سے ناواقف ہوگا اور اس سے بھٹک جائے گا تو وہ گھر میں کبھی بھی داخل نہ ہوسکے گا۔ کیونکہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو نہ تو ہمارا ایمان باللہ درست ہوتا اور نہ ہی دنیا اور آخرت کی کوئی بھلائی درست ہوتی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ جوان ہوگیا ہے حالانکہ وہ دراصل بوڑھا تھا تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ اسے بہت سی دنیا حاصل ہوگی جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری نہ کرے گا۔ اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ بڑھاپے کی حالت کا اشارہ فقر کی طرف ہے اور جوانی جس کی طرف وہ لوٹ کر گیا ہے اس کا اشارہ مالداری کی طرف ہے اور اس میں ظلمت کی قوت تیسیر کی وجہ سے ہے کیونکہ شباب سے حصولِ دنیا مراد لینا نہایت ہی خفی امر ہے اور خود خواب میں بھی ظلمت قوی ہے کہ دنیا ہر گناہ کی اصل ہے بالخصوص جب کہ بکثرت ملے جیسے کہ اس خواب میں۔ اور اس لیے بھی کہ وہ مالداری میں نیک کام نہ کرے گا۔ واللہ اعلم۔

دسواں درجہ وہ ظلمت جو ذات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے متعلق جہلِ مرکب کی وجہ

Marfat.com

سے داخل ہو۔ مثلاً یہ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسی صفات کا عقیدہ رکھے جو درحقیقت آپ میں نہیں ہیں اور پھر یہ بھی عقیدہ رکھے کہ اس کا عقیدہ صحیح ہے لہٰذا یہ ظلمت جو ذات پر مذکورہ بالا جہلِ مرکّب کی وجہ سے داخل ہوگی، ہر پہلی ذکر کردہ ظلمت سے بڑھ کر ہوگی مثلاً کوئی یہ دیکھے کہ وہ ایک نوجوان کے پیچھے پیچھے چل رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ لوطیوں والا کام کرے گا اور اس میں تعبیر کی وجہ ظاہر ہے اور ظلمت کی قوتِ نفسِ خواب میں ہے کہ لواطت بہت بڑا گناہ ہے۔ نَسْأَلُ اللّٰهَ السَّلَامَةَ بِمَنِّهٖ وَكَرَمِهٖ

حضرت نے فرمایا یہ ظلمت کے دس درجے نگاہِ ذات کی طرف منسوب ہیں۔

درجاتِ طہارت | یہ ہے درجاتِ طہارت جو روح کی طرف منسوب ہیں وہ بھی دس ہیں اور یہ مذکورہ بالا درجات کا عدم اور ان کی ضد ہیں اسی لیے درجاتِ طہارت کا حال ثقل اور خفت کے اعتبار سے درجاتِ ظلمت کے برعکس ہوگا۔ کیونکہ مذکورہ بالا دس درجوں میں سے ثقیل ترین اور آخری درجہ بارگاہِ محمدیہ میں جہلِ مرکب کا ہے اور یہاں درجاتِ طہارت میں جہلِ مرکب سے پاک ہونا۔ پھر جہلِ بسیط سے پاک ہونا۔ پھر عقیدۂ خفیفہ میں جہلِ مرکب سے پاک ہونا۔ پھر جہلِ بسیط سے پاک ہونا پھر حرام چیز کا عمداً نہ کرنا۔ پھر مکروہ بات کا عمداً نہ کرنا۔ پھر حرام میں سہو کا واقع نہ ہونا پھر مکروہ میں سہو کا واقع نہ ہونا اور یہ ثقیل ترین امر ہے کیونکہ مکروہ میں سہو کے نہ ہونے کے ساتھ ساتھ جہل مرکب یا بسیط بھی ہو سکتا ہے جس کی مثالیں ہم عنقریب بیان کریں گے۔

پھر یاد رکھیں کہ جب رُوح اپنی بصیرت اور صاف نگاہ سے خواب دیکھتی ہے تو اصلی حالت پر دیکھتی ہے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی یا تعبیر نہیں ہو سکتی۔ پھر جب روح اسے ذات کے حوالہ کرنے لگتی ہے تو ذات کی طرف دیکھتی ہے پس اگر ذات ظلام سے پاک اور ہر لحاظ سے معصوم ہو تو وہ اس خواب کو روح تک بغیر تبدیلی اور تعبیر کے جیسا اس نے دیکھا ہوتا ہے ادا کر دیتی ہے لیکن اگر ذات میں ظلمت ہوگی تو اسے ادا کرتے وقت خواب میں ردّ و بدل ہوگا اور تعبیر اس کی ظلمت کے مقدار کے مطابق ہوگی۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ روح جب ذات تک خواب پہنچاتی ہے تو اس کا پہنچانا انہی دو قسموں میں منقسم ہو جاتا ہے لہٰذا خواب کی ادائیگی کے وقت خواب میں ذاتِ طاہرہ کے لیے کسی قسم کا ردّ و بدل نہیں ہوتا یہ ردّ و بدل تو صرف ظلمتوں کی وجہ سے ہوتا ہے اور ہم نے ذات کو پاک فرض کیا ہے مگر غیر طاہر ذات کے لیے ظلمت کی مقدار کے مطابق ردّ و بدل واقع ہوتا ہے کیونکہ اگرچہ اس میں صفائی ہوتی ہے مگر ظلمت کسی اور وجہ سے ہوتی ہے مختصر یہ کہ صفائی یا تو کُلی صفائی ہوتی ہے اور وہ صرف انبیاء معصومین علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی ذات میں ہوتی ہے یا جزئی ہوتی ہے اور ایک جہت سے ہوتی ہے اور دوسری جہت سے نہیں ہوتی۔ اسی لیے اس کے بھی دس درجے ہیں اور ان کی ترتیب مذکورہ بالا دس درجوں کی ترتیب سے برعکس ہے۔

طہارت کا پہلا درجہ | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی نسبت جہلِ مرکب کا نہ ہونا۔ اس قسم کے جہل سے پاک ہونا ہر طرح کی دوسری صفائی سے بڑھ کر ہے، اسی لیے اس صفائی کے ہوتے ہوئے جو خواب آئے گی۔ اس

Marfat.com

کی تعبیر کی گویا کوئی ضرورت ہی نہیں۔ مثلاً کوئی شخص یہ دیکھے کہ حق تعالیٰ اس سے راضی اور خوش ہیں اور تبسم فرما رہے ہیں تو اس کی تعبیر یہی ہے کہ اللہ اس سے راضی ہے اور اس کے اعمال اللہ کے نزدیک پاک ہیں۔

دوسرا درجہ | بارگاہِ عالیہ رسالت مآب کے بارے میں جہلِ بسیط سے پاک ہونا۔ اس صفائی کا درجہ مذکورہ بالا صفائی کے درجہ سے کم ہے مگر اس کے بعد اس کا درجہ آتا ہے اسی لیے اس صفائی والے آدمی کی خواب میں تھوڑی تعبیر کی ضرورت ہے مثلاً کوئی دیکھے کہ وہ فرشتوں سے لڑ رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اسے یا تو پھنسیاں نکلیں یا کھجلی لاحق ہوگی۔ یا کسی عادی سبب کے بغیر اس کے کسی عضو کی ہڈی ٹوٹ جائے گی۔ اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ دیکھنے والی تو روح ہے اور جو فرشتے دکھائی دیے ہیں وہ ذات کے فرشتے ہیں جو اس کی حفاظت پر مقرر ہیں اور روح ان سے جھگڑ رہی ہے کیونکہ جب روح نے دیکھا کہ عنقریب ذات میں پھوڑے پھنسیاں وغیرہ نکلنے والی ہیں تو ذات کے محافظ فرشتوں سے جھگڑنا شروع کر دیا تو گویا وہ یوں کہہ رہی ہے کہ یہ تمہاری حفاظت میں کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا یہ خواب اس کلام کی طرح ہے جس میں کچھ حذف کیا گیا ہو۔ پس جب اس محذوف کلام کو مقدر مان لیا تو کلام صحیح اور مطلب واضح ہو گیا۔ یہی حال اس جگہ ہے کہ اگر جھگڑنے کا سبب ذکر کر دیا جاتا تو خواب واضح ہو جاتی اور تعبیر کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

تیسرا درجہ | تیسرا درجہ عقیدہ ثقیلہ میں جہلِ مرکب سے پاک ہونا ہے۔ اس درجہ کی صفائی کا درجہ گذشتہ درجہ کی صفائی کے بعد آتا ہے اسی لیے اس کی خواب میں تعبیر کی ضرورت پڑتی ہے مثلاً کوئی یوں دیکھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے خوف زدہ اور مرعوب حالت میں کھڑا ہے، تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوگا اور اللہ تعالیٰ اُسے نجات بخشے گا۔ اور اس میں اسے اجرِ عظیم ملے گا۔ اور اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے لوگ صرف قیامت کے دن کھڑے ہوں گے اور وہ بھی مومن لوگ۔ اگر اس مومن کی ذات ظلمت سے پاک نہ ہوتی تو اسے خواب میں ڈانٹ ضرور پڑتی۔ پھر انجام کار اسے نجات ملے گی اور وہ ہمیشہ کے لیے جنت میں جائے گا۔ لہٰذا جب اس نے دیکھا کہ وہ اس حالت میں (یعنی گھبراہٹ کے عالم میں) اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہے تو اس کی تعبیر وہی ہے جو ذکر کی گئی درحقیقت دیکھنے والی تو روح ہے اور تعبیر کی ضرورت تو اس وقت پڑی جب روح نے یہ خواب جسم کے حوالہ کی نہ اس لیے کہ روح کی نگاہ میں کوئی ظلمت تھی اور اگر اس خواب کا دیکھنے والا کوئی ولی یا عارف یا نبی یا رسول ہوتا تو اس کی تعبیر کسی اور طرح ہوتی جس کا ذکر بہت لمبا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

چوتھا درجہ | چوتھا درجہ عقیدہ ثقیلہ میں جہلِ بسیط سے پاک ہونے کا ہے اس صفائی کا درجہ ماقبل کے درجہ سے بعد آتا ہے مثلاً کسی نے عزرائیل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اسے دیکھ کر ہنس رہے ہیں اور خوش ہو رہے اس کی تعبیر درازیٔ عمر ہے۔ اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص کے لیے ایسے بزرگ فرشتہ کے ساتھ خوش ہونے کا مطلب سوائے درازیٔ عمر کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ مگر ذات کے حوالہ کرتے وقت اس میں ظلمت آئی اور تعبیر میں دقت واقع ہوئی۔ اس لیے کہ ملک الموت کی ہنسی سے درازیٔ عمر مراد لینا ایک خفی اور دقیق اشارہ ہے۔ واللہ

Marfat.com

تعالیٰ اعلم۔

پانچواں درجہ | پانچواں درجہ عقیدۂ خفیفہ میں جہل مرکب سے پاک ہونا ہے ۔ یہ عدم اور صفائی ماقبل سے بھی نیچے درجے کی ہے ۔ مثلاً یہ کہ کسی نے ابوبکر صدیق کو خواب میں دیکھا تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ دیکھنے والے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سخت محبت ہے اور اس میں ذات کو حوالہ کرنے میں جو ظلمت آئی وہ یہ ہے کہ ابوبکرؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ لیا گیا حالانکہ دونوں میں کوئی تلازم نہیں۔ اسی لیے یہ اشارہ بہت خفی ہوا اور ذات کے حوالہ ہوتے وقت ظلمت کی وجہ سے خفاء لاحق ہوا ۔ اس لیے اس کی ظلمت پہلے سے زیادہ ہوئی۔

چھٹا درجہ | چھٹا درجہ عقیدۂ خفیفہ میں جہل بسیط سے پاک ہونا ہے کہ اس عدم کا درجہ ماقبل کے بعد آتا ہے۔ مثلاً کسی نے فرشتوں کو کسی ایک جگہ دیکھ لیا تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس مقام پر ایک مسجد بنے گی، جس میں اللہ کی عبادت اور اس کی تسبیح وتقدیس ہوا کرے گی اس تعبیر کی وجہ تو ظاہر ہے اور اس میں ذات کے حوالہ ہوتے وقت جو ظلمت آئی وہ یہ ہے کہ کہاں عالم انوار کے فرشتے اور کہاں عالم اغیار کی مسجد۔ برخلاف ماقبل کے کہ وہاں اگرچہ حضرت صدیق اور محبت محمدیہ میں کوئی تلازم نہ تھا مگر عالم تو ایک تھا۔

ساتواں درجہ | ساتواں درجہ یہ ہے کہ حرام کا قصداً ارتکاب نہ کیا جائے مثلاً کسی نے اسرافیل کو کسی جگہ دیکھ لیا تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس جگہ سخت فتنہ بپا ہوگا یا بڑی خوشی واقع ہوگی۔ وجہ تعبیر یہ ہے کہ حضرت اسرافیلؑ فتنوں اور خوشی کے معاملات پر متعین ہیں اور اس میں حوالۂ ذات ہونے کے وقت کی ظلمت ماقبل سے زیادہ قوی اس اعتبار سے ہے کہ فتنہ وسرور کے ساتھ حضرت اسرافیل کا تعلق اتنا مشہور نہیں جتنا حضرت عزرائیلؑ کا تعلق عمر وزندگی کے ساتھ معروف ومشہور ہے۔ مزید برآں اس میں عالم انوار اور عالم اغیار کا بُعد بھی موجود ہے لہذا اس میں ماقبل والی ظلمت کے ساتھ مزید ظلمت بھی پائی گئی ۔ واللہ اعلم۔

آٹھواں درجہ | آٹھواں درجہ مکروہ بات کا عمداً نہ کرنے کا ہے مثلاً کسی نے دیکھا کہ شیاطین اسے گھیرے ہوئے ہیں پس اس کی تعبیر یوں ہوگی کہ چوروں کا گروہ اس پر حملہ آور ہوگا یا اس کا مال چوری جائے گا یا لوگ اس کی بلاوجہ غیبت کریں گے ۔ وجہ تعبیر ظاہر ہے اور ظلمت تو یہ نفسِ خواب میں ہے کہ مال چوری جانا اور غیبت ہونا اس خواب دیکھنے والے کے لیے پریشان کن اور ناگوار امر ہے جو کہ پہلی صورت میں نہ تھا۔

نواں درجہ | نواں درجہ عدم سہو حرام ہے مثلاً دیکھا کہ کسی مقام پر قیامت بپا ہوگئی ہے ۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس جگہ کی حالت بدل جائے گی ۔ اگر عدل ہو رہا تھا تو ظلم ہونے لگے گا یا بالعکس ۔ اس میں ظلمت ذات کے حوالہ ہوتے وقت تعبیر میں آئی ہے کیونکہ حقیقی قیامت اور تبدیلِ حالت میں بہت بعد پایا جاتا ہے ۔ پھر قیامِ قیامت سے عدل سے ظلم کی طرف منتقل ہونا تو اور بھی زیادہ بعید ہے کیونکہ قیامت کے دن کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا ۔ لہذا اس میں اسرافیل علیہ السلام کو دیکھنے کے مقابلہ میں زیادہ ظلمت پائی گئی

Marfat.com

کیونکہ ان کا تعلق فتنہ و فرح کے ساتھ یکساں تھا مگر یہاں قیام قیامت کا تعلق عدل و نظم کے ساتھ ایک جیسا نہیں۔ واللہ اعلم۔

دسواں درجہ دسواں درجہ عدم سہو مکروہ کا ہے۔ یہ درجہ سب سے زیادہ ثقیل اور ذات کو حوالہ کرتے وقت سب سے زیادہ ظلمت والا ہے مثلاً یہ دیکھنا کہ وہ شیطانوں کا دوست ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے دوست واحباب بُرے لوگ ہیں۔ وجہ تعبیر ظاہر ہے۔ اب اس کی ظلمت کو دیکھو کہ یہ اس ظلمت جتنی ہے جو ذات کی نگاہ میں ہے۔ کیونکہ انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہذا جب ہمنشینوں میں کوئی بھلائی نہیں تو ہمنشین بھی ویسا ہی ہوگی۔ لہذا یوں سمجھنا چاہیئے کہ اس خواب کی ظلمت خبثِ ذات اور اس کی بداعمالی کی طرف اشارہ کر رہی ہے، بعینہٖ اُن ظلمتوں کی طرح جو ذات کی طرف منسوب کردہ دس قسموں میں پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک اگرچہ ان کے مراتب مختلف ہیں، خبثِ ذات کی طرف اشارہ کرتی ہے جیسا کہ گذر چکا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال میں نے عرض کیا حضرت اس تعبیر کا تو یہ مطلب نکلا کہ تعبیر کا سبب وہ ظلمت ہے جو ذات میں پائی جاتی ہے اگرچہ صورت مختلف ہوتی ہے کہ رُو رح کے دیکھے ہوئے میں تعبیر کی ضرورت ذات کو حوالہ کرتے وقت ہوئی اور ذات کے دیکھے ہوئے میں تعبیر کی ضرورت نفسِ خواب میں ہوئی جیسا کہ ذکر ہو چکا۔ مگر جب کسی ذات میں اس کے ہر لحاظ سے معصوم ہونے کی وجہ سے کوئی ظلمت نہ ہو مثلاً انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی ذات تو وہاں تعبیر کی حاجت نہ ہونی چاہیئے کیونکہ جو تعبیر کا سبب تھا یعنی ظلمت وہ ان میں مفقود ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ انبیاء کے بہت سی خوابوں کی تعبیر کی گئی مثلاً یوسف علیہ السّلام کا خواب جس کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے۔ اِنِّیۡ رَاَیۡتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوۡکَبًا وَّ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ رَاَیۡتُہُمۡ لِیۡ سٰجِدِیۡنَ (سورۂ یوسف پہلا رکوع) کیونکہ درحقیقت جنہوں نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا وہ ان کے بھائی اور والدین تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَخَرُّوۡا لَہٗ سُجَّدًا (وہ سجدے میں گر گئے) وَقَالَ یٰۤاَبَتِ ہٰذَا تَاۡوِیۡلُ رُءۡیَایَ مِنۡ قَبۡلُ قَدۡ جَعَلَہَا رَبِّیۡ حَقًّا ط (سورۂ یوسف) (ابا جان یہ میرے خواب کی تعبیر ہے۔ میرے رب نے میرے خواب کو سچ کر دکھایا) اسی طرح ابراہیم علیہ السّلام کا خواب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یٰبُنَیَّ اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی (سورۂ صٰفّٰت آیت ۱۰۲) (بیٹا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں اب دیکھ لے کہ تمہاری کیا رائے ہے) کیونکہ درحقیقت ذبح تو مینڈھے کو کیا گیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَ فَدَیۡنٰہُ بِذِبۡحٍ عَظِیۡمٍ (ہم نے اس کے فدیے میں ایک بڑا ذبیحہ دے دیا) اسی قسم کا خواب آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کا خواب ہے کہ آپ نے دیکھا کہ گائے ذبح کی جا رہی اور آپ کی تلوار کی دھار دندانہ دار ہو گئی ہے اور ایک مضبوط زرہ ہے جس میں آپ داخل ہو گئے ہیں] تو آپ نے گائے ذبح کیے جانے سے یہ اشارہ سمجھا کہ آپ کے گھرانے کا ایک فرد شہید

Marfat.com

ہوگا اور مضبوط زرہ سے مراد مدینہ لی - اور یہ کہ اگر آپ مدینہ سے باہر نہ نکلتے تو آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی - اسی طرح آپ کی یہ خواب ہے کہ لوگ قمیصیں پہنے آپ کے پیش ہو رہے ہیں بعض کی قمیصیں پستانوں تک ہیں اور بعض کی اس سے نیچے اور پھر عمر کو دیکھا کہ اُن کی قمیص اس قدر لمبی ہے کہ وہ اسے گھسیٹتے ہوئے چلے آرہے ہیں اس پر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے - فرمایا: دین - اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر کثیر التعداد خواب ہیں جن میں تعبیر کی گئی -

جواب انبیاء کی خوابیں دو قسم کی ہیں، معاینہ اور وحی: اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ انبیا علیہ السلام کی نیند عام لوگوں کی طرح نہیں ہوتی کیونکہ وہ خواہ سوئے ہوئے ہی کیوں نہ ہوں، مشاہدہ حق میں لگے ہوئے ہوتے ہیں - یہی وجہ تھی کہ ان کی آنکھیں تو سوئی ہوتی تھیں مگر دل بیدار ہوتے تھے اسی لیے ان کی خوابیں بھی دو قسم کی تھیں: معاینہ اور وحی - معاینہ یہ ہے کہ نبی خواب میں ایک چیز کا مشاہدہ کرے اور بیداری میں وہ چیز بغیر کم و کاست کے بعینہ اسی طرح نکل آئے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواب کہ آپ اور آپ کے صحابہ بڑے امن سے سر منڈا کر یا کتروا کر مسجد حرام میں داخل ہوں گے، اسی قسم کی تھی - اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ (سورۂ فتح آیت ۲۷) (اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی خواب سچی کر دی) چنانچہ اس جگہ خواب کو نہ تو محض روح کی طرف اور نہ محض ذات کی طرف منسوب کیا جائے گا بلکہ دونوں کی طرف منسوب کیا جائے گا کیونکہ صفائی اور طہارت دونوں میں یکساں ہے - اسی قسم سے ہے وہ تمام امور ہیں جو آنحضرت صلی اللہ

معراج دو مرتبہ ہوئی - ایک مرتبہ روحانی، دوسری مرتبہ جسمانی

علیہ وسلم نے معراج کی رات دیکھے کیونکہ ایک بار تو معراج روحانی طور پر ہوئی جیسے کہ دوسری بار آپ کی ذات شریف کو معراج کرائی گئی چنانچہ پہلی بار عہ جو معراج روح کے ساتھ ہوئی وہ رویائے منامی تھا - چنانچہ اس وقت آپ کی ذات سو رہی تھی اور جو کچھ بھی دیکھا روح نے دیکھا اور اس میں کسی قسم کی تاویل یا تعبیر نہ کی گئی - مختصر یہ کہ اس قسم کی خواب آنکھوں دیکھی بات کی مانند ہوتی ہے چنانچہ جیسے بصیرت میں کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی - اسی طرح اس خواب میں بھی کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی -

خواب وحی اب رہی خواب کی دوسری قسم یعنی خواب بطور وحی کے تو وہ انبیاء کی ہر ایسی خواب ہے جس کی تعبیر کی جا سکتی ہو - اس کی تحقیق یوں ہے کہ نبی علیہ السلام نے اس قسم کی خواب میں کسی خارجی وجود والی چیز کو نہیں دیکھا ہوتا اور نہ اس کی طرف آپ کی ذات یا روح نے توجہ کی ہوتی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ جو بھی حکم یا ممانعت یا کسی بات کی خبر دینا چاہتے ہیں فرما دیتے ہیں مگر اپنے کلام کی بجائے کچھ امور پیدا کر کے دکھا دیے جاتے ہیں اور وہ وحی الٰہی

عہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی بار خواب میں معراج کرانے کا مقصد یہ ہو کہ آپ کا دل ان احوال و مناظر کو برداشت کرنے کے قابل ہو جائے جو بعد میں مشاہدہ کے طور پر بیداری میں دکھائے گئے -

Marfat.com

کے معلوم کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اس کی صورت یوں سمجھیں کہ کوئی شخص دوسرے کو رمز اور اشارہ سے حکم کر رہا ہو یا منع کر رہا ہو یا کسی چیز کی خبر دے رہا ہو۔ لہٰذا یہ چیزیں جو ان کی خوابوں میں واقع ہوتی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نبی کے ساتھ مخاطب ہونے کے لیے وضع فرماتا ہے چنانچہ انبیاء علیہم السّلام ان اشاروں کو سمجھ جاتے ہیں اسی لیے وہ ان کی اطاعت کرتے ہیں اور انہیں اس وحی کے قائم مقام سمجھتے ہیں جو انہیں بیداری میں ہوتی ہے۔

حضرت نے فرمایا ان مذکورہ بالا خوابوں میں موجودہ اشیاء کا راز یہ ہے کہ صرف مشاہدہ کی چیزوں میں بیان اور خطاب ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام تو ہر وقت مشاہدۂ حق میں ہوتے ہیں۔ خواہ وہ خواب کی حالت میں ہی کیوں نہ اور اللہ کی مخلوق کو دیکھ کر بھی وہ مشاہدۂ حق کر رہے ہوتے ہیں۔ بعینہٖ اس طرح جس طرح کہ ایک پرندہ ایک حالت پر قائم نہیں رہتا۔ چنانچہ تو دیکھتا ہے کہ وہ کبھی اس ٹہنی پر ہوتا ہے کبھی اس ٹہنی پر۔ اور کبھی اس درخت پر اور کبھی اس درخت پر۔ یہی حال انبیاء علیہم السّلام کا ہوتا ہے۔ کبھی انہیں مشاہدۂ حق آسمانوں اور زمینوں کو دیکھ کر حاصل ہو جاتا ہے اور کبھی ستاروں، سورج اور چاند کو دیکھ کر۔ لہٰذا جب وہ ان چیزوں کو دیکھتے ہیں تو خالق سبحانہٗ کی عظمت ان کی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے اور انہیں اس قدر عظیم الشان مشاہدہ حاصل ہوتا ہے جس کا بیان نہیں ہو سکتا پس جب حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس مشاہدہ کی حالت میں انہیں کسی اجنبی چیز پر مطلع فرمائے تو وہ چیز ان کو اسی شئی میں دکھلاتا ہے جس میں ان کو مشاہدۂ حق ہو رہا ہے۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام کی خواب میں یہی بات واقع ہوئی کہ انہیں خواب میں ستاروں، سورج اور چاند کو دیکھ کر مشاہدۂ حق حاصل ہوا اس لیے کہ جب آپ کی روح آسمانوں کو چڑھی تو اسے مشاہدۂ مذکورہ حاصل ہوا۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ بتلانا چاہا کہ ان کے والدین اور بھائی انہیں سجدہ کریں گے تو یہ سجدہ انہیں ستاروں، سورج اور چاند میں دکھلایا جن میں کہ مشاہدہ حق ہو رہا تھا۔ کیونکہ باطن بغیر ارادہ کے جس مشاہدہ میں مشغول ہے، اسی میں مشغول رہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا ارادہ و تصد کسی اور چیز کی طرف نہ جائے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے جب اللہ کی اس نعمت کو دیکھا کہ ان کو بیٹا عطا کیا گیا ہے اور خیال آیا کہ کتنا بڑا انعام ہے تو انہیں مشاہدۂ حق حاصل ہوا۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ انہیں اس مینڈھے کے ذبح کرنے سے مطلع کیا جائے جو بیٹے کا فدیہ ہوگا تو انہیں اسی بیٹے کا ذبح کرنا دکھایا گیا جس میں مشاہدۂ حق ہو رہا تھا۔ یہی حال مذکورہ بالا تمام خوابوں کا ہے (جن میں تعبیر کی ضرورت پڑتی) واللہ اعلم۔

الحاصل یہ تمام تفصیل قسم اوّل کے متعلق ہے جن کو ادراکات کہتے ہیں۔ رہی دوسری قسم جسے خواطر کہتے ہیں تو میں نے حضرت سے اس قسم کے خواب کا سبب پوچھا تو آپ نے اس قسم کا بیان بھی فرمایا۔

سوال | میں نے ایک دن حضرت سے ان امور کے متعلق دریافت کیا جنہیں خواب دیکھنے والا دیکھتا ہے۔

جواب | حضرت نے فرمایا کہ خوابوں کے اختلاف اور ان کی نوعیت کے بدلنے کا سبب ذات کے خواطر کا

Marfat.com

خواطر کا اختلاف اور ان کا تنوّع ہے ۔ اور خواطر کے اختلاف اور تنوّع کا سبب ایک امرِ غیبی ہے جس پر اکثر مخلوقات کو اطلاع نہیں ہوتی ۔

میں نے عرض کیا کہ وہ امرِ غیبی کیا چیز ہے ؟

فرمایا : وہ بندے کے دل میں اللہ کا فعل ہے اور اللہ کا فعل بندہ کے دل میں جاری رہتا ہے اور کسی حالت میں خواہ خواب کی ہو ، خواہ بیداری کی بند نہیں ہوتا تا آنکہ روح بدن سے نہ نکل جائے اور انسان کے وجود میں آنے سے لے کر موت تک دل کی ہر حرکت اللہ کے فعل کا نتیجہ ہوتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کو ایک معیّن اور مخصوص امر مقصود ہوتا ہے لہٰذا اس امر کا دل پر گذر ہوتا ہے اور جب دل کی دوسری حرکت ہوتی ہے تو دوسرا امر معیّن دل پر گذرتا ہے ۔ علیٰ ہذا القیاس تیسرا اور چوتھا وغیرہ ۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو دل کی پہلی حرکت کا خیال نیک ہوتا ہے ۔ اسی طرح دوسری اور تیسری وغیرہ حرکات کا خیال بھی نیک ہی ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے برائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو پہلی حرکات کا خیال بھی برا ہوتا ہے اسی طرح باقی حرکات کا حال ہے ، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کرم فرمائے اور اس سے بھلائی کا ارادہ فرمائے تو خواطر بھی خیر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں ۔ لہٰذا بندوں کے تمام اعمال ان خواطر کے تابع ہوتے ہیں اور ان کے خواطر ان کے دل کی حرکات کے تابع ہوتے ہیں اور یہ حرکات ان کے خواطر کے تابع ہوتے ہیں ۔

اس پر میں نے عرض کیا کہ اس حدیث کا کیا یہی مطلب ہے کہ بندوں کے دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جس طرح وہ چاہتا ہے پلٹ دیتا ہے ؟

حضرت نے فرمایا ۔ ہاں یہی مراد ہے ۔

اس پر مجھے حرکات قلب اور ان کے تغیرات کے خیال سے سخت خوف طاری ہو گیا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ تمام سعادت یا شقاوت کا دار و مدار انہی حرکات پر ہے ۔ خدا سے ہماری درخواست ہے کہ ان حرکات کو اس طرح چلائے جس طرح کہ وہ پسند کرتا ہے ۔

حضرت نے فرمایا کہ ان حرکاتِ قلبیہ کے ثمرہ کی مدت خواہ خیر ہو یا شر سات دن ہے ۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ حرکتِ قلب سے حق تعالیٰ کی جو مراد ہوتی ہے اسے یا تو بندہ فوراً پا جاتا ہے یا تھوڑی دیر کے بعد ۔ بعض اوقات اس میں تاخیر بھی واقع ہو جاتی ہے لیکن سات دن سے زیادہ نہیں ہوتی ۔ چنانچہ ایسا ہوتا ہے کہ بندہ ایک دن کوئی کام کر رہا ہوتا ہے اور اس کی حرکت ایک دن یا زیادہ پہلے سے ہو چکی ہوتی ہے ۔ اس کی مثال نباتات کی سی ہے کہ باوجود اس کے کہ بیج ایک ہی ہوتا ہے مگر کچھ حصّہ ایک دن میں ظاہر ہوتا ہے اور کچھ بعد میں آتا ہے اور کچھ پہلے ۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ۔

(حضرت نے فرمایا) کہ جب یہ بات معلوم ہو چکی کہ خواطر کا دار و مدار قلب میں ارادۂ الٰہی پر ہے ، تو اب

Marfat.com

یاد رکھیں کہ انسان کی دو حالتیں ہیں۔ حالتِ بیداری اور حالتِ نوم۔ بیداری کی حالت میں ذات حکم کرے گی اور روح تابع ہوگی اور ذات کا حکم جہالت اور اشیاء کی حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر ہوتا ہے لہٰذا اگر بیداری کی حالت میں بندہ پر حج کا خیال گزرے تو فقط حج ہی کا گزرے گا۔ کوئی اور زائد چیز ساتھ نہ ہوگی۔ یا اگر آسمان یا جنت یا دوزخ وغیرہ کا خیال آئے گا تو اسے صرف ان چیزوں کا شعور آئے گا مگر حالتِ نوم میں حواس معطّل ہو جاتے ہیں اور اعضا کو سکون و آرام ملتا ہے اور اللہ کا فعل دل پر بدستور جاری رہتا ہے، نہ بیداری میں بند ہوتا ہے نہ نیند کی حالت میں۔ لہٰذا جب دل کسی ایک چیز کے خیال سے متحرک ہوگا تو روح اس کی طرف دیکھے گی کیوں کہ ذات کا حکم تو منقطع ہو چکا ہے اور روح ہر شئی سے واقف پیدا کی گئی ہے لہٰذا جب وہ ان اشیاء کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو ان کا اس طرح ادراک کر لیتی ہے جس طرح آنکھ سے دیکھ لیا۔ پس اگر کوئی اپنے آپ کو آسمانوں کے اوپر یا حج میں یا کسی خاص جگہ دیکھے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ کا خیال دل پر گذرا اور روح اس کے پیچھے پیچھے ہو لی اور اس کا ایسا ادراک کر لیا جیسا کہ آنکھ سے دیکھ لیا۔ خواطر اور ادراک میں فرق صرف اتنا ہے کہ اگرچہ ادراک دونوں قسموں میں پایا جاتا ہے مگر اگر کسی چیز کا خیال ادراک سے پہلے دل پر گذرا ہوگا تو خواب اضغاث احلام میں سے ہے اور ان کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی اور اگر ادراک سے پہلے دل پر کوئی خیال نہیں گذرا بلکہ ذات یا روح کی توجہ اس طرف ہوئی بغیر اس کے کہ خواطر میں حرکت پیدا ہوئی ہو تو خواب درست ہوگی اور اس کی تعبیر ہو سکے گی اور اس کی بیس قسمیں ہیں جنہیں ہم بیان کر چکے۔ واللہ اعلم۔

جناب سید الوجود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھنا

حضرت نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص آنحضرت[1] صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھے تو اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس میں تعبیر کی ضرورت نہیں اور وہ یہ ہے کہ وہ ذاتِ محمدی کو بعینہٖ اسی حالت میں دیکھے جس حالت میں وہ دنیا میں تھے اور جس حالت پر صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کو دیکھا کرتے تھے۔ مزید برآں اگر بیننده اہلِ فتح یا اہلِ عرفان وشہود وعیان میں سے ہو تو جو کچھ اس نے دیکھا ہوگا وہ حقیقۃً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہوگی اور اگر دیکھنے والا اہلِ فتح میں سے نہیں ہے تو کبھی تو اس کی خواب اسی قسم کی ہوگی اور یہ بہت شاذ و نادر ہی واقع ہوتا ہے اور کبھی انسان آپ کی ذاتِ شریف کی صورت دیکھ لیتا ہے نہ آپ کی حقیقی ذات کیونکہ آپ کی ذاتِ شریف کی گئی

---

[1] بزرگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے متعلق بھی کتابیں لکھی ہیں چنانچہ شیخ یوسف بن بن یعقوب حلوانی شیخ الحرم النبوی نے تنبیہُ الغبی فی رؤیۃ النبیؐ لکھی اور شیخ جمال الدین بن علی لبطامی نے غایۃُ الاحکام فی رؤیۃِ النبی علیہِ السلام لکھی۔ (کشف الظنون: ۲: ۴۸) اور شیخ شمس الدین ابو عبداللہ محمد الاطعانی الحلبی نے تحفۃُ الطلاب [الطالب؟] المستہام فی رؤیۃ النبی علیہ السلام لکھی۔ (کشف الظنون: ۱: ۲۰۲)

Marfat.com

صورتیں ہیں جو خواب اور بیداری میں بہت سے مقامات پر دیکھی جاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی ذات سے ایک نور نے دنیا کو بھر دیا ہے چنانچہ دنیا کی کوئی جگہ نہیں جہاں یہ نور شریف نہ ہو۔ اور اس نور میں آپ کی ذات اس طرح ظاہر ہوتی ہے جس طرح چہرے کی شکل آئینہ میں ظاہر ہوتی ہے چنانچہ یہ تمام نور بمنزلہ ایک آئینہ کے ہے جس نے تمام دنیا کو بھرا ہوا ہے اور اس میں آپ کی ذاتِ کریمہ کی شکلیں دکھائی دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو ایک شخص مشرق میں اور ایک مغرب میں اور ایک جنوب میں اور ایک شمال میں اور اسی طرح لاتعداد لوگ ایک ہی آن میں مختلف مقامات میں دیکھ لیتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک آپ کو اپنے پاس دیکھتا ہے کیونکہ وہ نور کریم جس میں آپ کی ذات کی تصویر آتی ہے، ہر ایک کے پاس موجود ہوتا ہے اور صاحبِ فتح جب آپ کی صورت دیکھتا ہے جو اس کے پاس ہوتی ہے تو اپنی باطنی بصیرت سے اس کا پیچھا کرتا ہے اور اس بصیرت کے نور سے چیرتا ہوا آپ کی ذاتِ کریمہ تک جا پہنچتا ہے بعض اوقات یہ غیر صاحبِ فتح کیلئے بھی واقع ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے آپ کی ذاتِ کریمہ دکھا دیتا ہے اور یہ اس طرح کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شخص کا کمالِ محبت اور کمالِ صدق معلوم ہو تو آپ بنفسِ نفیس اس کے پاس تشریف لے آئیں۔ لہٰذا اس بات کا مدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے، جسے چاہیں اپنی ذاتِ کریمہ دکھا دیں۔ اور جسے چاہیں اپنی صورت دکھا دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صورتوں میں بھی ظاہر ہوتے ہیں اور ان صورتوں کی تعداد اسی قدر ہے جس قدر انبیاء اور مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعداد تھی۔ اور ان صورتوں میں بھی جو آپ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک آپ کی اُمّت کے اولیاء کی ہوں گی۔ صحیح بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا صُوَر کی تعداد معلوم نہیں ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے لہٰذا جن صورتوں میں آپ ظاہر ہوتے ہیں ان کی تعداد بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوئی۔ اسی قدر تعداد آپ کی اُمّت کے اولیا کی ہے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور دو لاکھ اڑتالیس ہزار صورتوں میں ہوا۔ کیونکہ یہ سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے فیضیاب ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض مرید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شیخ کی شکل میں دیکھتے ہیں۔

(مولف کہتا ہے کہ) میں نے ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شیخ کی شکل میں دیکھا اور میں نے آپ کو بغل میں لے لیا۔ اور چاہا کہ آپ کو اپنے باطن میں لے لوں اس پر مجھے حضرت نے فرمایا کہ یہ بات ایک ہی بار نہ ہو سکے گی بلکہ بتدریج تھوڑا تھوڑا کر کے ہوگی اس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ دیکھنے والے کے باطن میں آنحضرت کا داخل ہونا بتدریج ہو سکتا ہے۔ میں نے یہ الفاظ شیخ کی طرف اس لیے منسوب کیے ہیں (کیونکہ انہوں نے دراصل تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا) کیونکہ انہوں نے ایک اور پہلو سے بات کی تھی اور جس ذات کو میں نے بغل میں لیا تھا، اس نے صرف تبسم فرمایا تھا اور مجھ سے خوشی کا اظہار کیا تھا۔

Marfat.com

یہ بات میرے دل میں کھٹکتی رہی ہے ۔ واللہ اعلم ۔

خواب کی دوسری قسم اس قسم کے خواب کی دوسری قسم وہ ہے جس میں تعبیر کی ضرورت ہوتی ہے اور یہاں تعبیر ظلمت کے درجات کی بناء پر ہوتی ہے ۔ خواب کی تاویل کی بنا پر نہیں کیونکہ دراصل تو اس میں کوئی تاویل ہو ہی نہیں سکتی اسلیے کہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو درحقیقت اس نے آپ ہی کو دیکھا ۔

اب ہم ظلمت کے ان درجات کا ذکر کرتے ہیں جو ان خوابوں میں واقع ہوتے ہیں لہٰذا اگر کوئی آپ کو یوں دیکھے کہ آپ اُسے دنیا کی ترغیب دے رہے ہیں تو اس کی ذات کی ظلمت پہلے درجہ کی ہے یعنی اس میں سہو نکردہ پایا جاتا ہے اس خواب میں ظلمت اس لیے پائی گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تو حق تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرنا ہے نہ کہ دنیائے فانی کی طرف ۔

اور اگر کوئی یوں دیکھے کہ آپ نے اسے مال دیا ہے تو اس کی ظلمت دوسرے درجہ کی ہوگی یعنی سہوِ حرام کی ۔ یہاں ظلمت قوی اس لیے ہوئی کہ آپ نے فانی چیز عطا کی اور دوسرے کو اس کا جو قابض ٹھہرایا تو اس کی دلالت ترغیب دلانے کے مقابلہ میں زیادہ قوی ٹھہری ۔

اور اگر کوئی آپ کو نوجوان اور چھوٹی عمر کی حالت میں دیکھے تو اس کی ظلمت چوتھے درجہ کی ہوگی اور یہ عمد حرام ہے ۔

اور اگر کوئی آپ کو بڑی عمر کا مگر بغیر داڑھی کے دیکھے تو اس کی ظلمت پانچویں درجہ کی ہوگی یعنی عقیدہ خفیفہ میں جہل بسیط کی ۔

اور اگر کوئی آپ کو سیاہ رنگ والا دیکھے تو اس کی ظلمت چھٹے درجہ کی ہوگی یعنی عقیدہ خفیفہ میں جہل مرکب کی ۔

تعبیر رویا ایک وہبی علم ہے جو کسب سے حاصل نہیں ہو سکتا خدا تمہیں توفیق دے ۔ یاد رکھو کہ خواب کے متعلق تمام تر تحقیق اور اس کے عجائبات کی تحقیق علم تعبیر کے جاننے پر موقوف ہے اور علم تعبیر ایک وہبی اور مستور علم ہے یعنی اس کا چھپانا واجب ہے ۔

میں کئی سال سے حضرت سے اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھتا تو آپ ہمیشہ یہی فرماتے کہ تو جو کچھ چاہے پوچھ، میں جو کچھ جانتا ہوں تمہیں بتلاؤں گا ، لیکن خواب کے متعلق سوال نہ کر کیونکہ یہ اُن اشیاء میں سے ہے جن کا چھپانا واجب ہے ۔ کئی بار آپ سے درخواست کی اور کئی بار یہی سوال دہرایا مگر آپ وہی ایک جواب دیتے یہاں تک کہ اللہ کی عنایت سے انہوں نے چند سوالوں کے جواب دیے اور میں نے انہیں ضبطِ تحریر کر لیا ۔ اور یہ وہی خواب ہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ۔ آپ نے ان مسائل پر بادلِ نخواستہ بحث کی اور فرمایا کہ جو کچھ تو پوچھ رہا ہے ان کی صحیح تحقیق کا مدار علم تعبیر کے جاننے پر ہے اور یہ سیکھنے اور پڑھنے سے نہیں آتا کیونکہ اس میں دیکھنے والے کے خارجی احوال کا جاننا بھی ضروری ہوتا ہے کہ آیا وہ شہری ہے یا گاؤں کا رہنے والا ۔ اور اہلِ

Marfat.com

علم میں سے ہے یا عوام میں سے۔ نیز یہ کہ اس کا پیشہ کیا ہے آیا سبزی فروش ہے یا تاجر ہے یا کاریگر۔ اور کیا وہ مال دار ہے یا تنگ دست وغیرہ وغیرہ اور پھر اس کے باطنی حالات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ آیا روح نے ذات کو اپنے تمام اجزاء عطا کر دیے ہیں جن کی تعداد تین سو چھیاسٹھ ہے یا کچھ اجزاء دیے ہیں اور کچھ نہیں دیے۔ مزید برآں عطا کردہ اجزاء کم ہیں یا زیادہ۔ اور ذات میں سرِّ عقل کس طرح رکھا گیا ہے اور خواب دیکھنے والے کے افکار و تخیلات کس امر میں ڈوبے رہتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تک کہ اگر ہم فرض کر لیں کہ علم تعبیر کے ماہر کے پاس ایک سو آدمی آئیں اور ہر ایک یہی کہے کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں شہد پی رہا ہوں تو وہ ماہر ہر ایک کو جدا تعبیر دے گا جو ایک دوسرے سے میل نہ کھائے گی۔ اس کا سبب یہی ہے کہ تعبیر جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے ظاہری اور باطنی حالات پر موقوف ہے اور ان میں دو شخص بھی ایک جیسے حالات والے نہ نکلیں گے۔ تیسرے کا تو ذکر ہی کیا۔ حالات معلوم ہونے سے یہی فائدہ ہے۔ والسّلام۔

۷۔ حدیث اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ | میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے: اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ۔ (احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے جیسے کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہوتا ہے (مشکوٰۃ کتاب الایمان صفحہ ۱۱)

حدیث کی تشریح | حضرت نے اس حدیث کی تشریح ایک مثال دے کر بیان کی کہ فرض کرو ایک شخص ایک کھلے میدان میں آتا ہے جہاں اسے کوئی شخص بھی دکھائی نہ دیتا ہو اور وہ کسی سخی کو جو وہاں موجود نہیں، پکار رہا ہو کہ اے میرے آقا مجھے فلاں چیز دے۔ مجھ سے یوں برتاؤ کر۔ مجھے فلاں چیز درکار ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو اسے کھیل اور مذاق کرنے والا سمجھا جائے گا نہ کہ سائل۔ اور جو بھی اسے دیکھے گا اس کا مذاق اڑائے گا اور ہنسے گا۔ اور اگر اس کا یہ خیال ہو کہ یہ کھیل کر لینا ہی درخواست کرنا ہے اور یہ خیال کرتا کہ وہ اس مالدار کے دروازے پر کھڑا ہے تو یہ بھی وبال کا سبب اور گمراہی پر گمراہی ہوگی۔

پھر فرمایا کہ اگر اس غنی کے سامنے کھڑے ہو کر زبان سے درخواست کرے تو اس وقت نہ صرف زبان سے درخواست کرے گا بلکہ اس کا بدن بھی جھک جائے گا اور اس کے اعضاء میں بھی عاجزی پائی جائے گی۔ اور جہاں تک اس سے ہو سکے گا عاجزی کرنے میں زمین بوسی تک کر جائے گا اور ہر طرح سے اپنے اعضا کے ذریعہ سے عاجزی کا اظہار کرے گا۔ تب جا کر وہ غنی اس کی طرف بنظرِ رحمت دیکھے گا اور اس کی درخواست منظور کرے گا۔ خیال کرنے والے یہی خیال کرے گا کہ غنی نے اُسے جو کچھ دیا ہے، اس کے زبانی سوال کی وجہ سے دیا ہے حالانکہ اس نے جو کچھ بھی دیا ہے اسے اس باطنی خشوع و خضوع کی وجہ سے دیا ہے جو اس کے تمام اعضا میں ظاہر ہوا تھا اور یہ ناممکن ہے کہ اس وقت اس کے باطن میں اس غنی کے علاوہ کسی اور کا دھیان جاگزین ہوا ہو۔

حضرت نے فرمایا پس اس مثال میں دیے ہوئے مفہوم اور دونوں حالتوں کے فرق کی طرف آنحضرت

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر اشارہ فرمایا کہ اَن تَعبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ (کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے) یعنی جس نے اللہ کے سامنے حضوری کی صورت میں اللہ کی عبادت کی تو اس نے اچھی طرح عبادت کی اور جس نے ایسا نہ کیا یعنی عبادت کو غفلت سے ادا کیا تو اس کی عبادت اچھی نہ ہوگی اور حضور اور غفلت کی عبادت کی پہچان اس طرح ہے کہ عبادت کے وقت عبادت گذار کے باطن کی طرف نظر جائے، اگر اس کے باطن کو دنیاوی امور اور ان دنیاوی حاجات نے مشغول کر رکھا ہو جو اللہ سے غافل کر دیتے ہیں تو اس کی مثال پہلے شخص کی سی ہے لیکن اگر اس کا باطن ماسوی اللہ سے خالی ہو اور کلّی طور پر اللہ کی طرف متوجہ ہو تو ایسی حالت والا انسان دوسری قسم کے شخص کی طرح ہوگا۔

سوال میں نے عرض کیا کہ مسلم اور بخاری کی حدیثوں میں تھوڑا سا اختلاف ہے کیونکہ بخاری نے پہلے ایمان کا ذکر کیا ہے اور پھر اسلام کا اور تیسرے درجہ پر احسان کا اور مسلم نے پہلے اسلام کا ذکر کیا ہے پھر ایمان کا اور تیسرے درجہ پر احسان کا۔

جواب حضرت نے فرمایا میرے نزدیک جو بخاری نے ذکر کیا ہے وہی بہتر ہے کیونکہ اسلام تو ایمان کے لیے بمنزلہ لباس کے ہے لہذا ایمان پہلے آئیگا اور بعد میں اسلام۔

سوال میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالی کے فرمان کے مطابق کہ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ (سورہ حجرات آیت ۱۴) (بدوی لوگ کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے۔ آپ انہیں کہہ دیں تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے کیونکہ ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا) اسلام ایمان پر مقدم ہے۔

جواب حضرت نے فرمایا ہم اس حقیقی اسلام کی بات کر رہے ہیں جس کا ذکر جبرئیلؑ والی حدیث میں آیا ہے کہ وہ گویا ایمان کا لباس ہے اور شیخین (مسلم اور بخاری) کا اختلاف بھی اسی کے متعلق ہے لیکن جو شخص محض زبانی اور ظاہری اسلام لایا ہو وہ تو نہایت ہی کھوکھلا اسلام ہے۔ ایسے اسلام لانے والے کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں۔ اس کی مثال اس شخص کی ہے جو لوگوں کو بندوقیں چلاتا اور گولیاں برسانا دیکھے اور دیکھے کہ وہ بندوقوں کو نشانہ لگانے کے لیے گاڑ رہے ہیں اور آنکھوں کی سیدھ لگا رہے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ وہ کس طرح گولی چلائیں اور کیا ان کی گولی بھی نشانہ پر لگے گی یا نہیں۔ اس پر یہ دیکھنے والا آکر ان ہی کی نقل اتارنے لگے اور ایک ہاتھ پھیلائے اور دوسرے کو سمیٹ لے اور اسے بندوق کے قائم مقام سمجھے پھر آنکھ کو کمان کی طرح بنائے اور دیکھے کہ آیا اس کا نشانہ ٹھیک لگے یا نہیں لہذا جب ان لوگوں کی بندوقیں چلیں گی تو اس کی بندوق (جو اس نے ہاتھوں سے بنائی تھی) نہ چلے گی کیونکہ درحقیقت تو اس کے پاس کوئی بندوق نہیں ہے یہی حال اس شخص کا ہے جو محض زبان سے اسلام لایا ہو۔ لہذا جب وہ نماز پڑھتا ہے تو اس کا باطن کہتا ہے کہ تیری نماز نہیں ہوئی۔ روزہ رکھتا ہے تب بھی اس کا باطن کہتا ہے کہ تیرا کوئی روزہ نہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ، حج، جہاد وغیرہ سب کچھ بھی کر جائے مگر اس کا باطن یہی شہادت دے رہا

Marfat.com

ہوتا ہے کہ جو کچھ بھی تو نے کیا محض ظاہری طور پر کیا ہے لہذا اس کے ظاہر و باطن میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے اور جیسے وہ نقال سمجھتا ہے کہ اس کے پاس درحقیقت کوئی بندوق نہیں اور وہ محض ایک کھیل کر رہا ہے ، یہی حال منافقوں کا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ انکے پاس اسلام ہے مگر درحقیقت ان کے پاس اسلام کی کوئی بات نہیں ۔

(میں کہتا ہوں) حضرت نے بالکل صحیح فرمایا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کا یہی حال بیان فرمایا ہے وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (جب وہ اپنے شیطان دوستوں اور ہم مذہبوں کے پاس علیحدگی میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ۔ ہم تو ان سے محض مذاق کر رہے ہیں) (سورۂ بقرہ آیت ۱۴) اس مثال سے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بُرے ارادوں اور خبثِ باطن کو فاش کر کے انہیں انتہا درجہ کا رسوا کر دیا ۔ اس مثال کو سننے سے پہلے میں خیال کیا کرتا تھا کہ ان کی نماز ۔ روزہ ۔ حج ۔ زکوٰۃ اور جہاد وغیرہ قلب اور باطن سے ہے مگر انہیں ان کے کفر کی وجہ سے قبول نہیں کیا گیا لیکن یہ مثال سن کر ان کا معاملہ میرے لیے بھی کھل گیا اور واضح ہو گیا کہ انہیں تمام کافروں سے بڑھ کر خبیث کیوں کہا جاتا ہے ۔

۹۔سوال میں نے حضرت سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا جسے مطلب بن حنطب نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنی اُمت کے گناہوں کی طرف دیکھا تو مجھے کوئی گناہ اس قدر عظیم نظر نہ آیا جس قدر کہ یہ گناہ ہے کہ ایک آدمی کو قرآنِ مجید کی ایک آیت دی گئی ہو اور وہ اسے بھلا بیٹھے اور میں نے عرض کیا کہ امام ترمذی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث معلول[۱] ہے کیونکہ مطلب[۲] بن حنطب نے یہ حدیث انس[۳] بن مالک سے نہیں سنی لہذا یہ حدیث مطلب اور انس کے درمیان سے منقطع ٹھہری ۔ امام احمد بن حنبل سے بھی یہی مروی ہے ۔ ترمذی، بخاری اور امام احمد بن حنبل ان تینوں نے مذکورہ بالا انقطاع کی وجہ سے اسے معلول کہا ہے ۔ اس قول کو امام ابو محمد[۴] عبد الحق الاشبیلی نے الاحکام الکبریٰ میں اور حافظ ابن حجر نے شرح بخاری میں اور شیخ عبد الرؤف[۵] المناوی نے شرح

ع۱ حدیث معلول : یا معلّل وہ حدیث ہوتی ہے جس کے اسناد میں ایسے دقیق علل و اسباب پائے جائیں جو حدیث کی صحت کے منافی ہوں اور انہیں سوائے ماہرین حدیث کے دوسرا شخص نہ سمجھ سکے مثلاً موصول حدیث میں ارسال کرنا یا مرفوع حدیث میں وقف لانا ۔۱۲۔ (مقدمہ اصطلاحات حدیث مشکوٰۃ)

ع۲ مطلب بن عبد اللہ بن حنطب المخزومی المدنی ۔ ابو زرعہ اور دارقطنی نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے مگر ابن سعد کہتے ہیں کہ ان کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جا سکتا ۔

ع۳ انس بن مالک : یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے ۔ انہوں نے دس سال آپؐ کی خدمت کی ۔ ۹۳ھ = ۷۱۱ء میں ان کی وفات ہوئی ۔

ع۴ ابو محمد عبد الحق اشبیلی : ابو محمد عبد الحق بن عبد الرحمٰن الازدی الاشبیلی ۔ ان کی وفات ۵۸۲ھ = ۱۱۸۶ء میں ہوئی ۔ ان کی کتاب احکام الکبریٰ فی الحدیث تین جلدوں میں ضخیم کتاب ہے ۔ یہ کتب احادیث کا انتخاب ہے ۔

ع۵ شیخ عبد الرؤف المناوی : شمس الدین محمد عبد الرؤف المناوی الشافعی متوفی ۱۰۳۰ھ = ۱۶۲۰ء تقریباً ۔ انہوں نے سیوطی کی جامع الصغیر کی پہلے مختصر شرح کی پھر ایک ضخیم شرح کی جس کا نام فیض القدیر رکھا ۔ ان کی متعدد تصانیف کا حاجی خلیفہ نے تذکرہ کیا ہے ایک کتاب الکواکب الدریّۃ فی مناقب الصوفیۃ بھی لکھی ہے ۔ (کشف الظنون ۲ : ۱۹۴)

Marfat.com

جامع الصغیر میں نقل کیا ہے۔

جواب حضرت نے فرمایا کہ حدیث تو صحیح حدیث ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اس میں موجود ہے مگر یہ حدیث؎۱ ان لوگوں کے بارے میں نہیں جنہوں نے ایک آیت حفظ کی اور پھر اسے بھول گئے ہوں یعنی اس کے لفظ بھول گئے ہوں خواہ اس آیت پر وہ عمل کرنے والا ہو۔ یہ حدیث تو صرف ان لوگوں کے متعلق ہے جن کے پاس قرآن پہنچا مگر انہوں نے بے رُخی برتی اور اپنے آپ کو اس کے نور سے محروم رکھا اور اس نور کے بدلے میں ظلمت کو اختیار کیا اس طرح کہ اس نے جس امر حق کا قرآن میں ذکر ہے اُسے چھوڑ کر گمراہی کی تابعداری کی حالانکہ گمراہی وہ ظلمت ہے جو بندہ کو دنیا اور آخرت میں اللہ سے دور کرنے والی چیز ہے جیسا کہ آنحضرت؎۲ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے منافقین کا حال تھا۔ پس یہ حدیث انہیں کے بارہ میں وارد ہوئی، انہیں پر پوری اترتی ہے اور اس کا اشارہ بھی انہیں کی طرف ہے کیوں کہ بظاہر تو ان کا شمار اُمّت اجابت میں ہے جو خاص اُمّت خیال کی جاتی ہے اور اس اُمّت میں منافقت اور باطنی کفر سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔

میں نے عرض کیا جس نورِ قرآن کی طرف آپ کا اشارا ہے وہ کونسا نور ہے؟

فرمایا: قرآن میں تین قسم کے نور ہیں۔ پہلا اللہ کی طرف ہدایت کا نور۔ دوسرا احکام کی تعمیل کا نور اور تیسرا نواہی

؎۱ ہو سکتا ہے کہ حدیث کا مطلب وہی ہو جو حضرت عبد العزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ مگر جو بات کہ ظاہر حدیث سے متبادر ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ قرآن کی ایک آیت کا بھی بھول جانا بہت بڑا گناہ ہے۔ ذرا سوچیں کہ اسلام کا ابتدائی زمانہ ہو جب کہ ایک ایک آیت کی حفاظت نہایت اہمیت رکھتی ہو، کیونکہ ایک آیت کا کھو جانا گویا تمام قرآن کا کھو جانا سمجھا جاتا ہو اس وقت قرآن کی ایک آیت کا بھی بھولنا دانستہ بہت بڑا جرم کیوں نہ ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی حفاظت میں شدت سے اہتمام کرتے اور اگرچہ آپ کے سینہ میں وحی محفوظ ہوتی تھی مگر پھر بھی وحی کو ضبطِ تحریر کر لیتے تاکہ قرآن میں کسی قسم کا نقص پیدا نہ ہو۔ ابتدا میں حفّاظ قرآن کی تعداد بہت کم تھی۔ کسی کو ایک سورت یاد تھی، کسی کو دو اور کسی کو صرف چند آیتیں۔ لہٰذا اس زمانہ میں جب حفاظت قرآن کا دار و مدار صرف حافظہ پر تھا، آیت کا بھول جانا یقیناً بہت بڑا گناہ ہو گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حفاظتِ قرآن کو مدّنظر رکھتے ہوئے کتابتِ حدیث تک منع فرما دی تھی۔ حالانکہ حدیثِ نبوی بھی وحی میں شامل ہے مگر اس کا درجہ قرآن کے بعد آتا ہے۔

بندہ حقیر کی یہ رائے ہے کہ احادیثِ نبویہ پر غور کیا جائے تو ہم دیکھیں گے کہ ان میں ظاہری اور تاویلی دونوں قسم کے معنی مراد ہوتے ہیں اور اولیٰ اور افضل یہی ہوتا ہے کہ ظاہری الفاظ اور باطنی معنی دونوں پر عمل کیا جائے مثال کے طور پر فضل الازار فی النار کی حدیث میں ظاہری معنوں کی اتباع بھی ضروری ہے یعنی یہ کہ شلوار وغیرہ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو اور باطنی معنی بھی یعنی تکبّر وغیرہ سے اجتناب ہو۔ میں نے یہاں صرف اشارہ ہی سے کام لیا ہے۔ ذہبی لکھتے ہیں کہ ترمذی نے اس حدیث کے متعلق محمد بن اسمٰعیل سے بات کی تو انہیں اس حدیث کا پتہ نہ تھا اور فرمایا کہ مطلب نے انس بن مالک سے حدیث نہیں سنی۔ پھر ان سے روایت کیسی؟ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲: ۹۸)

؎۲ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے منافقین میں دونوں باتیں پائی جاتی تھیں۔ نہ تو وہ آیت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھنے کے بعد یاد رکھتے اور نہ ہی اس پر عمل کرتے۔ اس لیے حدیث کے ظاہری الفاظ سے گریز نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

سے پرہیز کرنے کا نور۔ لہذا جو شخص اپنی ذات میں ان تینوں نوروں کو داخل نہ ہونے دے، حالانکہ وہ انہیں سن رہا ہے تو اس حدیث سے وہی شخص مراد ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ آیت صادق آتی ہے لفظی آیت پر بھی جس کے ساتھ حفظ اور تلاوت کا تعلق ہے اور معنی پر بھی جس کا تعلق عمل اور اطاعت کے ساتھ ہے اور اسی دوسری قسم میں تین نور ہوتے ہیں اور حدیث مذکورہ میں یہی تینوں نور مراد ہیں۔

پھر فرمایا کہ ایک آیت اللہ کی طرف سے مومن کے پاس ایک دستاویز ہے جس میں اس کا حق لکھا ہوتا ہے اور حق والا اپنی دستاویز کو ضائع نہیں کیا کرتا اور اگر وہ اسے کھو دے یا کوتاہی کرے تو اس کا حق ضائع ہو جائیگا اسی طرح آیت میں مومن کا حق ہے لہذا اگر آیت کو محفوظ رکھا اور اس کے حکم پر عمل کیا تو اللہ کے ہاں اس کا حق ثابت ہوا اور جنت میں داخل ہونے کا حق دار ٹھہرا لیکن اگر اس پر عمل کرنے میں کوتاہی کرے اور اس سے ہنسی یا تحقیر کے طریقہ میں بے رخی برتے تو وہ بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہوگا جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۔سوال میں نے حضرت سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا کہ جنت اور دوزخ کی آپس میں بحث ہو گئی تو دوزخ نے کہا مجھے تو متکبر لوگوں پر مامور کیا گیا ہے۔ جنت نے کہا: کیا بات ہے کہ مجھ میں کمزور اور ادنیٰ درجہ کے لوگوں کے سوا کوئی اور داخل نہ ہوگا"۔

میں نے عرض کیا کہ جنت نے تو گویا دوزخ کے غالب ہونے کا اعتراف کر لیا۔ کیونکہ وہ تو متکبرین سے مخصوص ہے اور جنت میں صرف کمزور لوگ داخل ہوں گے۔

جواب حضرت نے فرمایا کہ آخرت میں مکان مکینوں کے حال کا تابع ہوگا۔ اگر مکین متکبر اور مغرور ہوں گے تو ان کے بھی کچھ اوصاف مسکن میں سرایت کر جائیں گے اور اگر ساکنین متواضع اور منکسر المزاج ہوں گے تو ان کے بھی کچھ اوصاف مسکن میں سرایت کر جائیں گے اور ظاہر ہے کہ متکبر اور جابر لوگ جہنم میں جائیں گے اور متواضع اور منکسر المزاج لوگ جنتی ہوں گے لہذا دوزخ پر اس کے مکینوں کے اوصاف ظاہر ہوئے اور جنت پر اس کے مکینوں کے۔ پس بظاہر تو بحث اور تکرار جنت اور دوزخ کے درمیان ہوئی مگر مقصد اصلی دوزخیوں اور جنتیوں کے باطن کا اظہار ہے اسی لیے دوزخ نے اپنی دلیل میں اس چیز کا ذکر کیا جس میں غرور اور گھمنڈ پایا جاتا ہے اور جنت نے اپنی دلیل میں اس چیز کا ذکر کیا جس میں تواضع اور عاجزی پائی جاتی ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس بحث میں جنت دوزخ پر غالب آئی کیونکہ اس کی دلیل کا ماحصل یہ ہے کہ جنت نے کہا کہ اللہ کے سامنے تواضع کرنیوالے عاجزی کرنیوالے اور اللہ کو پہچاننے والے مجھ میں داخل ہونگے اور دوزخ نے کہا مجھ میں صرف متکبر یا برا در وہ لوگ داخل ہونگے جنہیں اپنے رب کا علم نہیں اور جنہیں اللہ کی بارگاہ اور آستانۂ رحمت سے نکال دیا گیا ہے مختصر یہ کہ گویا جنت نے کہا کہ مجھ میں صرف اللہ کے حبیب داخل ہوں گے اور گویا کہ دوزخ نے یوں کہا کہ مجھ میں صرف خدا کے دشمن داخل

Marfat.com

ہوں گے۔

میں نے عرض کیا کہ یہ تو نہایت عمدہ جواب ہے اور اسی سے مذکورہ بالا اشکال رفع ہو جاتا ہے نیز ایک اور اشکال بھی رفع ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جنّت نے یہ کیوں نہیں کہا اللہ کے انبیاء، رسول ملائکہ اور اللہ کے مومن بندے مجھ میں داخل ہوں گے تاکہ دوزخ کے خلاف اس کے پاس یہ ایک بھاری حجّت ہوتی۔ اُسے کیا ہو گیا کہ اس نے اپنے آپ کو شکست خوردہ ظاہر کیا اور یوں کہا کہ کیا بات ہے کہ مجھ میں صرف کمزور اور ادنیٰ لوگ ہی داخل ہوں گے اور اس نے انبیاء و رسل علیہ السلام کا جو سب سے اشرف اور افضل ہیں ذکر نہیں کیا کیونکہ دراصل اس کا مقصد یہی تھا۔ یوں سمجھو کہ اس نے یہ الفاظ درحقیقت بولے ہیں مگر مذکورہ بالا صورت میں جو کلام اس نے کی ہے وہ محض اس تواضع اور انکساری کے اظہار کے لیے کی ہے جو اہلِ جنّت کے دلوں میں پایا جاتا ہے چنانچہ ہر جنّتی اللہ کی مخلوقات میں سے کسی کو اپنے سے زیادہ محتاج خیال نہیں کرتا۔ اسی لیے وہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ کمزور اور اللہ کے محتاج سمجھتے ہیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ

۱۱۔ سوال میں نے حضرت سے اس حدیث کی نسبت پوچھا کہ نزولِ وحی کے ابتدائی زمانہ میں جب جبرئیل کچھ مدّت وحی لے کر نہ آئے تو آپ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو پھینک دینے کا ارادہ کرتے اور یہ جبرئیل علیہ السلام کی ملاقات کے شوق میں کرتے اس پر جبرئیل علیہ السلام ظاہر ہوتے اور کہتے آپ ربّ العالمین کے رسول ہیں؛ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین ہوتی۔

جواب حضرت نے فرمایا ایک شخص کو میں جانتا ہوں کہ اس نے ابتدائے سلوک میں ایک دن کے اندر نوّے مرتبہ گھر کی چھت سے اپنے آپ کو نیچے پھینکا مگر اس سے اسے کوئی تکلیف نہ پہنچی اور ایسا تھا جیسا کہ کوئی اپنے بستر پر لیٹ رہا ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدائی حالتوں میں روح کو ذات پر غلبہ ہوتا ہے اور تمام کائنات روح کے لیے یکساں ہوتی ہے۔ چنانچہ رُوح ہوا پر اسی طرح چار زانو بیٹھ جاتی ہے جس طرح کہ زمین پر اور ہوا میں اسی طرح لیٹ جاتی ہے جس طرح کہ ایک آدمی اپنے بستر پر لیٹ جاتا ہے اور اس کے نزدیک بے ضرر ہونے میں پتھر، ریشم، اُون اور پانی سب برابر ہیں۔ لہٰذا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا بھی دیتے تو اس میں انہیں ذرہ برابر تکلیف نہ ہوتی چہ جائیکہ ہلاکت۔ لہٰذا اس کے عزم کرنے میں آپ پر کوئی نقص لازم نہیں آتا۔

(مؤلف کتاب کہتا ہے کہ) ہم اہلِ حال لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ جب ان پر حالتِ وجد طاری ہوتی ہے، تو پورے زور سے اپنا سر دیوار سے مارتے ہیں اور انہیں خراش تک نہیں آتی۔ سبحان اللہ حضرت نے کیسے کیسے معارف و نکات بیان کر دیے ہیں۔

(مؤلف کتاب کہتا ہے) حضرت نے جس شخص کا ذکر کیا ہے کہ اس نے نوّے بار اپنے آپ کو پھینکا وہ خود حضرت ممدوح ہی تھے۔ میں نے حضرت ہی کی زبانی یہ بات سُنی تھی جس وقت آپ اس سوال کا جواب دے رہے تھے۔

Marfat.com

حضرت نے فرمایا کہ ان لوگوں کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو گرانے سے انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ اس سے ان کا اضطراب رفع ہوتا ہے، صرف طبیعت کے تقاضا اور عادت کے مطابق وہ یہ کام کر جاتے ہیں جس طرح کہ ایک شخص زمین میں کھونٹا گاڑتے وقت مدد کی خاطر آواز سے مدد لیتا ہے جو آہ کی سی ہوتی ہے، حالانکہ اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اسے کچھ فائدہ نہ ہوگا مگر طبیعت کے تقاضا کے مطابق یہ کر جاتا ہے۔ وَاللّٰہُ تعالیٰ اَعْلَمُ

۱۲۔سوال میں نے حضرت سے اس حدیث کا مطلب پوچھا کہ محشر میں اللہ تعالیٰ مومنین کے سامنے ایسی صورت[1] میں آئیں گے جسے وہ نہیں پہچانتے ہوں گے، تو وہ اس سے پناہ چاہیں گے اور کہیں گے کہ ہم تو یہیں کھڑے رہیں گے جب تک ہمارا رب نہ آئے گا اور وہ جب آئے گا تو ہم اسے پہچان لیں گے۔ پھر حق تعالیٰ ایسی صورت میں آئیں گے کہ وہ اسے پہچان لیں گے اور فوراً سجدہ میں گر جائیں گے۔

اس پہلی اور دوسری صورت سے کیا مراد ہے کیونکہ ابن العربی[2] الحاتمی اس رسالہ میں جو انہوں نے فخر الدین[3] کو لکھا تھا فرماتے ہیں کہ اس معاملہ کو اولیاء اللہ کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

جواب حضرت نے فرمایا کہ صورت سے مراد حالت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی دو حالتیں ہیں ایک حالت میں یعنی پہلی حالت میں مومن اسے پہچان نہ سکیں گے اور دوسری حالت میں مومن اسے پہچان سکیں گے کیونکہ جب کوئی اپنے دوست سے مخاطب ہوتا ہے تو اُس کے کلام کے ساتھ اس قسم کا کوئی نور نہیں نکلتا بلکہ وہ مہربانی وغیرہ سے عاری ہوتا ہے اور یہ ایک عام بات ہے جسے ہر شخص جانتا ہے۔ کیونکہ جب دوست دوست سے کلام کرتا ہے تو تُو دیکھے گا کہ وہ اس سے نرمی سے پیش آئے گا اور اس کا لہجہ مہربانی اور پیار کا لہجہ ہوگا اور اس سے ہر طرح کی مسرت کا اظہار کرے گا اور جب دشمن سے ہمکلام ہوگا تو اس کے کلام میں انقباض اور ترشروئی

---

[1] یوں تو اللہ تعالیٰ کی شانِ اُلوہیت ہر لحظہ بدلتی رہتی ہے۔ کبھی قہاری شان ہے اور کبھی رحمانی، جیسا کہ فرمایا: کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ۔ مگر قیامت کے دن یہ شانِ اُلوہیت نمایاں طور پر ظاہر ہوگی۔ چنانچہ اس دن مختلف احوال و اطوار ہوں گے۔ قہاری جباری کی شان کا جب مظاہرہ ہوگا تو لوگ تھرا اٹھیں گے لیکن ابرار پر اس سے کوئی خوف و ہراس طاری نہ ہوگا۔ وہ صرف اپنے رب سے جسے وہ غفور رحیم کے طور پر جانتے رہے ہیں پناہ کے طالب ہوں گے، تاکہ وہ انہیں اس ہَول سے نجات دلائے۔ جیسا کہ دعا میں آیا ہے کہ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ (خدایا! تیرے سوا نہ تو کوئی جائے پناہ ہے اور نہ کہیں اور بھاگ کر جا سکتے ہیں)۔ اس کے بعد شانِ رحیمی کا اظہار ہوگا جو مومنین کے لیے مخصوص ہوگی اور وہ اس سے مطمئن ہو جائیں گے۔ ۱۲۔

[2] ابن العربی: ان کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو دیباچہ صفحہ ۱۱

[3] فخر الدین: یہاں مراد فخر الدین رازی سے ہے جن کی وفات ۶۰۶ھ = ۱۲۱۰ء میں ہوئی۔ مشہور مفسر اور فلسفی گذرے ہیں۔ یہ طویل رسالہ جو محی الدین ابن العربی نے فخر الدین رازی کو لکھا تھا۔ اس کا ذکر امام عبدالوہاب شعرانی نے لواقح الانوار ج ۱ صفحہ ۱۵ پر کیا ہے۔ کشف الظنون میں بھی اس کا ذکر ہے۔

Marfat.com

ہو گی جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو اب سمجھو کہ پہلی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ساری کی ساری اُمت کو خطاب کیا جس میں اس کے دوست یعنی مومن اور دشمن یعنی منافقین سب شامل تھے۔ اس لیے اس حالت میں وہ انوار نہ نکلے جن کو مومن اپنے رب کے کلام میں پایا کرتے تھے اور چونکہ یہ انوار ان کی ذات اور روح میں پائے جاتے تھے اور دنیا ہی میں اللہ نے یہ انوار ان کو عطا فرمائے تھے، اس لیے وہ انہیں پہچانتے تھے۔ اسی لیے جب انہوں نے پہلی صورت میں خطاب سنا تو انہوں نے اللہ سے پناہ طلب کی اور کہا کہ یہ تو ہمارا رب نہیں ہے کیونکہ ہمارے اور ہمارے رب کے درمیان تو ایک خاص علامت ہے اور یہ علامت وہی انوار ہیں جو اس کے خطاب میں پائے جاتے ہیں۔ جب ان کی زبان سے اس قسم کے الفاظ نکلیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ صرف مومنین سے خاص طور پر مخاطب ہوں گے اور اس خطاب کے ساتھ وہ سابقہ انوار جن سے وہ مانوس تھے پائے جائیں گے۔ لہٰذا جب یہ انوار ان پر برسیں گے اور انہیں ان کا علم ہو جائے گا۔ تو ان کو یقین ہو جائے گا کہ یہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہی کا جلوہ ہے تو وہ سجدہ میں گر پڑیں گے اور یہ دوسری حالت وہی حالت ہو گی جس سے وہ پہلے سے مانوس ہوں گے۔ پہلی صورت میں چونکہ خطاب سب کو کیا گیا تھا جس میں دشمن بھی شامل تھے، اس لیے اس میں انوار کا نزول نہیں ہوا مگر دوسری صورت میں دشمنوں پر پردہ ڈال دیا گیا اور صرف دوستوں سے خطاب ہوا لہٰذا اس خطاب کے ساتھ وہ انوار نکلے جن کا مشاہدہ وہ اپنی ذات میں کیا کرتے تھے اور جس کے اسرار اپنے ظاہر و باطن میں وہ دیکھا کرتے تھے۔

میں نے عرض کیا کہ ان مومنین سے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو پہلی حالت میں نہیں پہچانا کون لوگ مراد ہیں؟ کیا تمام مومنین (جن میں خواص بھی شامل ہیں) یا محض عوام؟

حضرت نے فرمایا ان سے صرف عوام مراد ہیں۔ کیونکہ خواص تو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں۔

پھر میں نے عرض کیا کہ کیا پہلا خطاب سب مومنین کے لیے ہو گا یا محض عوام کے لیے، فرمایا صرف عوام کے لیے ہو گا۔ قیامت کے دن تو ساری باتیں خرقِ عادت ہوں گی چنانچہ اللہ تعالیٰ ایک شخص سے جو دوسرے کی گود میں اپنا سر رکھے ہو گا کلام فرمائیں گے تو وہی شخص جس نے اپنا سر گود میں رکھا ہو گا اس کلام کو سنے گا۔ دوسرا نہ سن سکے گا۔ مختصر یہ ہے کہ جس سے کلام کرنا مقصود ہو گا وہی سنے گا اور دوسرے پر پردہ ڈال دیا جائے گا خواہ وہ سننے والے سے کتنا ہی قریب کیوں نہ کھڑا ہو۔

(مؤلف کہتا ہے) کہ ابن العربی نے رسالہ مذکورہ میں بھی اسی طرح لکھا ہے کہ عارفین پہلی حالت میں اللہ تعالیٰ سے ناواقف نہ ہوں گے صرف محجوبین ہی ناواقف رہیں گے۔

یہ کلام نہایت عمدہ اور انتہائی لطیف ہے۔ اس میں شیخ نے عمدہ معنی ذکر کر دیے جس سے نہ تو عقل انکار کر سکے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کو صورت، آنے، جانے سے بھی منزّہ قرار دیا ہے کیونکہ آپ کی بیان کردہ تفسیر کے مطابق نہ کوئی آنا ہے نہ جانا اور نہ حق تعالیٰ کی کوئی شکل ہے۔

Marfat.com

مذکورہ بالا حدیث میں خدا کی صورت کے متعلق جو کچھ امام شعرانیؒ[۱] نے اپنی کتاب کشف الرّان عن وُجُوْہِ اَسْئِلَۃِ الْجان میں لکھا ہے اس پر کئی ایک اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس کے مطالعہ کنندہ کو اس قسم کے خیالات سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی شرح میں استاذ ابن فورک[۲] رحمۃ اللہ سے نقل کرتے ہوئے قریب قریب وہی تاویل بیان کی ہے جو شیخ رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے۔ حضرت کے مرتبہ اور معرفتِ الٰہیہ میں ان کی بزرگی کا پتہ ابن فورک کے کلام کے مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ نَفَعَنَا اللّٰہُ بِہٖ۔ آمین

۱۳- سوال میں نے حضرت سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا اِنَّ قَلْبَ[۳] الْعَبْدِ بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ (بندہ کا دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے)۔

جواب حضرت نے فرمایا کہ انگلی سے مراد معنوی انگلی ہے یعنی تصرّف جو انگلی کے ذریعہ ہوا کرتا ہے، لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ بندہ کا دل تصرفات خداوندی میں سے دو تصرّف کے درمیان ہے۔

میں نے عرض کیا کہ دو تصرّف سے کیا مراد ہے

فرمایا: ایک مقتضائے ذات اور دوسرا مقتضائے روح۔ کیونکہ ذات مٹی سے بنی ہے لہٰذا خواہشات کی طرف مائل ہوتی ہے اور روح نور سے بنی ہے، لہٰذا یہ حقائق اور معارف کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اور ان دونوں میں ہمیشہ مخالفت اور تصادم رہتا ہے۔

میں نے سوال کیا کہ دونوں میں غالب کون ہے؟

فرمایا: روح کا تصرف حرکات میں ہوتا ہے اور ذات کا تصرف اسرار میں چلتا ہے۔ لہٰذا حرکت کے اعتبار سے روح غالب رہتی ہے اور اپنے سرِ خبیث کے اعتبار سے ذات غالب رہتی ہے۔ اسی لیے شکر گذار بندے کم ہیں۔ ان کی مثال چکی کے دو پاٹوں کی سی ہے۔ روح کی مثال اوپر والے پاٹ کی ہے کیونکہ وہی حرکت کرتا ہے اور ذات نچلے پاٹ کی طرح ہے کہ اندرونی سوزش و شورش اسی کا کام ہے۔ اوپر کے پاٹ کی مثال ایسی ہے جیسی کہ دیگچی کے اوپر کی چپنی چپنی بیرونی طور پر دیگچی پر اثر کرتی ہے کہ بھاپ روک کر کھانا پکاتی ہے اور دیگچی اندرونی طور پر (کہ دیگچی کی حرارت سے گرم اور بے قرار ہوتی ہے) اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ دَرْکِ الشَّقَاءِ وَ سُوْءِ الْقَضَاءِ (خدا ہمیں بدبختی کی ذلت

---

۱ امام شعرانی: عبدالوہاب شعرانی سولھویں صدی عیسوی کے شروع میں پیدا ہوئے اور ۹۷۳ھ = ۱۵۶۵ء میں وفات پائی۔ اپنے زمانہ کے بہت بڑے اور مشہور صوفی گذرے ہیں۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں سے لطائف المنن، لواقح الانوار فی طبقات الاخیار اور رسالۃ الانوار القدسیۃ فی بیان آداب العبودیۃ زیادہ مشہور ہیں۔

۲ ابن فورک: امام ابوبکر محمد بن حسن نیشاپوری شافعی متوفی ۴۰۶ھ۔ ان کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے۔

۳ مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر صفحہ ۲۰-۲۱ میں یہ حدیث یوں دی ہے: عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ قُلُوْبَ بَنِیْ اٰدَمَ کُلَّھَا بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ، کَقَلْبٍ وَّاحِدٍ یُصَرِّفُہٗ کَیْفَ یَشَاءُ۔ (رواہ مسلم)

Marfat.com

اور قضاء بد سے بچائے)

میں نے عرض کیا کہ علماء نے تو ان دونوں تصرّفوں کی تفسیر فرشتہ کی تحریک اور شیطان کی تحریک سے کی ہے۔

فرمایا یہ فرشتہ اور شیطان تو دونوں عارضی اور تابع ہیں۔ اصل وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ کیونکہ ہر ذات خواہ پاک ہو یا ناپاک اس کے لیے خواطر (خیالات و وساوس) کا ہونا ضروری ہے۔ یہی خواطر اس کی نجات یا تباہی کا سبب بنتے ہیں اور فرشتہ اور شیطان دونوں ان خواطر کے تابع ہیں۔ لہٰذا اگر خواطر اچھے ہوں گے تو فرشتہ اس کے پیچھے ہولے گا اور وہ شخص اچھے کام کرے گا اور اگر خواطر ناپسندیدہ ہوں گے تو شیطان ساتھ ہولے گا اور وہ انسان ان وساوسِ شیطانی کے تقاضا کے مطابق عمل کرے گا کیونکہ ہر خاطر (بات جو دل میں آتی ہے اس) کا تعلق ذات سے ہے اور وہ ذات کا راز ہوتا ہے۔ اگر خاطر پاک ہوگا تو ذات بھی پاک ہوگی ورنہ نہیں۔ محسوسات میں اس کی مثال یوں ہے کہ ایک سیر گیہوں لے لو، سیر بھر جو، سیر بھر چنا اور سیر بھر باقلا اور علیحدہ علیحدہ پیس لو اور ان کا کھانا بنالو۔ پھر ان کو کڑاہی میں ڈال کر جلاؤ اور غور سے دیکھو تو ہر کھانے کی بھاپ دوسرے سے جدا ہوگی اور وہ بھاپ اپنی اصل کا پتہ دے رہی ہوگی۔ یہی حال خواطر کا ہے کہ ان کا تعلق ذات کے ساتھ وہی ہے جو بھاپ کا ان کھانوں سے ہے۔ پس خواطر بہت اہم چیز ہیں اور انہی پر (نجات و ہلاکت) کا دارومدار ہے۔ اور فرشتہ اور شیطان دونوں ان خواطر کے تابع ہیں۔ چنانچہ بہت سے خواطر انسان کو علیّین تک پہنچا دیتے اور بہت سے اَسْفَلَ سافِلِین تک۔ اچھے خواطر روح کے تقاضا کے مطابق ہوتے ہیں اور روح کی پاکیزگی کی وجہ سے ہی ذات میں ظاہر ہوتے ہیں اور خبیث خواطر ذاتِ انسانی اور خواہشاتِ نفسانی کے تقاضا کے مطابق ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۴۔ سوال | میں نے حضرت سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا کہ حجرِ اَسْوَد دنیا میں اللہ کا دایاں ہاتھ ہے۔

جواب | حضرت نے فرمایا یہ تشبیہہ کے طور پر استعمال ہوا ہے کیونکہ جو شخص شاہی حفاظت و پناہ میں آنا چاہتا

ع۔ یہ تو حضرت شیخ عبدالعزیز دباغ رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے مگر علماء کے نزدیک اصبع (انگلی) سے مراد قبضۂ قدرت ہے۔ چنانچہ عربی زبان میں "یدٌ" کا لفظ بھی جس کے لفظی معنی ہاتھ کے ہیں، قبضہ اور قدرت کے معنوں میں آتا ہے اور قرآن مجید میں کئی ایک مقام پر ید کا لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے چنانچہ اس حدیث کا مفہوم یوں ہوا کہ انسانوں کے دل خدا کے قبضۂ قدرت میں ہیں جدھر چاہتا ہے، پھیر دیتا ہے۔ اسی لیے دعاؤں میں یوں پڑھا جاتا ہے۔ یا مُقَلِّبَ القلوب الخ، اَللّٰھُمَّ قَلِّبْ قَلْبِیْ اِلَیْکَ وغیرہ۔ مزید برآں قرآنِ مجید کی یہ آیت یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ بھی اسی معنی کی تائید کرتی ہے۔ اسی طرح تمام وہ آیات جن میں ہدایت و گمراہی کو خدا کی طرف سے بتلایا گیا ہے، تمام اسی پر دال ہیں کہ قلوب بنی آدم اللہ کے قبضہ میں ہیں۔ انہیں جدھر چاہے پھیر دے۔ ۱۲۔

Marfat.com

ہے۔ وہ جلدی کرتا ہے اور اس کا دایاں ہاتھ چومتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اللہ کی رحمت اور حفاظت میں آنا چاہے اسے حجرِ اسود کو بوسہ دینا چاہیئے۔ اس کا درجہ اللہ کے ہاں وہی ہے جو بادشاہ کے دائیں ہاتھ کا ہے۔

مؤلّف کتاب کہتا ہے کہ امام غزالیؒ نے بھی حرف بحرف یہی لکھا ہے جو چاہے کتاب التفرقہ میں دیکھ لے۔ واللہ تعالیٰ اَعْلَمُ

۱۵۔سوال میں نے حضرت سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا یُوْتیٰ بِالْمَوْتِ فِیْ صُوْرَۃِ کَبْشٍ ثُمَّ یُذْبَحُ (قیامت کے دن موت کو ایک مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا اور پھر اس کو ذبح کیا جائے گا۔)

جواب فرمایا یہ حدیث صحیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دہنِ مبارک سے نکلی ہے اور اس سے مراد فرشتہ ہے جو مینڈھے کی شکل میں ہوگا کہ اسے اہلِ جنت کی نعمت اور اہلِ دوزخ کے عذاب میں اضافہ کی خاطر ذبح کیا جائے گا اور فرشتوں کی سب سے بڑی مراد یہی چیز ہے کیونکہ وہ سجدہ میں گر کر یہ دعا مانگتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں اپنے مؤمن بندوں کے لیے نعمت اور ان پر نزولِ رحمت کا سبب بنا اور فرشتہ ہی مومن کے حق کو سمجھ سکتا ہے۔ ہم نے حدیث مذکور کی یہ تاویل اس لیے کی ہے کہ موت دوستوں کا ایک دوسرے سے بچھڑنے کا نام ہے۔ چنانچہ ذات تو مٹی کی طرف لوٹ جاتی ہے اور روح عالمِ ارواح کو لہٰذا موت اس اتّصال اور اجتماع کے عدم کا نام ہے جو ان کے درمیان تھا۔

حضرت نے فرمایا کہ فرشتہ کا مینڈھے کی شکل میں ذبح ہونا چونکہ بصیرت سے نظر آرہا ہے لہٰذا اس حدیث کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

حضرت نے فرمایا کہ جب لوگ جنت میں داخل ہو چکیں گے وہ بالخصوص پہلے دن دنیا کی تکالیف خاص طور پر مرنے کی تکلیف کا آپس میں تذکرہ کریں گے اسی لیے انعام فرمانے اور ان کو خوش کرنے کے لیے اس کو مینڈھے کی شکل میں لاکر ذبح کیا جائے گا اور درحقیقت جس کو ذبح کیا جائے گا وہ فرشتہ ہوگا۔

کنکریوں کی تسبیح، تنۂ کھجور کے رونے وغیرہ معجزات کے متعلق حضرت کا بیان

میں نے حضرت کو ان احادیث کے متعلق جن میں کنکریوں کے تسبیح کرنے، کھجور کے تنہ کے سسکیاں لینے، پتھر کے سلام کہنے اور درخت

عہ امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب البدور السافرۃ فی امور الآخرۃ طبع لاہور صفحہ ۲۱۳ پر فرماتے ہیں کہ موت تو ایک معنوی چیز اور عرض ہے اور عرض کا کوئی جسم نہیں لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اسے مینڈھے کی شکل میں لاکر ذبح کر دیا جائے۔ حکیم ترمذی نے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کے متعلق سلف صالحین کا یہی طریقہ ہے کہ اس حدیث کے متعلق بحث نہ کریں۔ اس پر جوں کا توں ایمان رکھیں اور اس کی حقیقت کو اللہ کے سپرد کر دیں مگر ایک گروہ کا کہنا ہے کہ موت تو ایک جسم ہے عرض نہیں ہے اور موت کو مینڈھے کی صورت میں پیدا کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حیات کو گھوڑے کی شکل میں پیدا کیا گیا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ خدا تو وہ ہے جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا۔ سیوطی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہی جواب درست ہے۔

Marfat.com

کے سجدہ کرنے وغیرہ وغیرہ معجزات کا ذکر آیا ہے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یہ ان کی روزمرہ کی تسبیح اور کلام تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے حاضرین سے صرف پردہ اٹھا دینے کی درخواست کی تھی تاکہ وہ بھی ان کی تسبیح اور کلام کو سُن لیں۔

میں نے عرض کیا کہ کیا ان اشیاء میں بھی حیات اور روح ہے؟ فرمایا نہیں لیکن تمام مخلوقات خواہ بولنے والی ہو خواہ خاموش، جس وقت بھی اس سے خالق کی بابت سوال کیا جائے گا تو وہ واضح الفاظ میں کہے گی کہ اللہ وہ ذات ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے لیس مخلوقات میں یہ امتیاز کہ ان میں بعض ناطق ہیں بعض صامت اور بعض جماد، صرف مخلوقات کے اعتبار سے ہے تاکہ ایک دوسرے سے ان میں امتیاز ہو سکے ورنہ جہاں تک ان کی نسبت اللہ سے ہے، سب اس سے واقف ہیں۔ اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے سامنے عاجزی کرتے ہیں کیونکہ جمادات کے دو پہلو ہیں۔ ایک رُخ خالق کی طرف اور اس میں وہ اللہ سے واقف، اللہ کے مطیع اور اس کے عبادت گذار ہیں اور دوسرا رُخ مخلوق کی طرف ہے اور اس میں نہ وہ کچھ جانتے ہیں، نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اسی رُخ کو دُور کرنے کی درخواست کی تھی تاکہ حاضرین کے لیے دوسرا پہلو جو اللہ کی طرف ہوتا ہے ظاہر ہو جائے اور اسی پہلو کے اعتبار سے جس میں ان کی توجہ خالق کی طرف ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ یعنی ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ ساتھ تسبیح پڑھتی ہے۔

حضرت داؤد اور مینڈک کا قصہ

اسی قسم کا جواب حضرت نے اس قصہ کے متعلق دیا جو حضرت داؤد علیہ السلام اور مینڈک کے درمیان واقعہ ہوا۔ اس طرح کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو خیال آیا کہ وہ بہت زیادہ اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد ایک مینڈک کو دیکھا کہ عمر بھر تسبیح پڑھتا رہا تھا اور ایک لمحہ کے لیے بھی خاموش نہ ہوتا تھا۔ تب جا کر حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی اس حالت کو جسے وہ کثیر سمجھ رہے تھے بہت تھوڑا سمجھا۔

حضرت نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے مینڈک کے اس رُخ کا مشاہدہ کیا جو حق سبحانہ کی طرف تھا اور یہی اس کی باطنی حالت ہے کہ اس میں تسبیح متواتر جاری رہتی ہے اور اس میں کسی قسم کا وقفہ نہیں پڑتا۔

محمد لہواج اور مچھلیوں کا قصہ

اسی قسم کی وہ حکایت ہے جس میں حضرت نے حضرت محمد لہواج کا قصہ بیان کیا تھا۔ حضرت نے حسب عادت تقریر کی ایک تمہید اٹھائی اور فرمایا کہ زمین کو بھی ایک علم عطا کیا گیا ہے جسے وہ اُٹھائے ہوئے ہے اور آگاہ بھی ہے، بعینہ اسی طرح جس طرح ایک انسان قرآنِ مجید کا حامل اور اس سے آگاہ ہوتا ہے اسی طرح جمادات کی ہر مخلوق کو ایک علم عطا کیا گیا ہے جسے وہ اٹھائے ہوئے ہے۔

میں نے عرض کیا کہ اس سے معلوم ہوا کہ اس میں عقل اور علم ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ تو دراصل جمادات ہے؟

Marfat.com

حضرت نے فرمایا کہ وہ تو ہماری نگاہ میں جمادات ہے لیکن خالق کی نسبت کے اعتبار سے تو وہ عارف ہے اور فرمایا کہ مخلوق خواہ کسی قسم کی ہو کسی حالت میں ہو یہ کہنے سے خالی نہیں کہ اللہ میرا رب ہے اور یہ حالت تمام مخلوقات میں پائی جاتی ہے۔ اسی طرح ہر قسم کی مخلوق خالق سبحانہ، کے سامنے عاجزی کرنے، اس سے ڈرنے اور اس کے دبدبے سے خوف کھانے سے خالی نہیں۔ لیکن لوگ چونکہ زمین اور دیگر جمادات کی اصلی حالت سے واقف نہیں ہوتے اس لیے وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ بے جان چیز پر چل رہے ہیں اور بے رُوح چیز پر آتے جاتے ہیں۔ اور اسی عدم واقفیت نے انہیں تباہ کیا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو زمین کی اصلی حالت کا پتہ چل جائے تو ممکن نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص بھی زمین پر اللہ کی نافرمانی کر سکے۔

حضرت نے فرمایا کہ میں فتح نصیب ہونے سے پہلے حضرت محمد لہواج کے ساتھ تھا۔ اور حق تعالیٰ نے انہیں فتح نصیب کی ہوئی تھی۔ آپ میرے ساتھ خولان کے علاقہ میں سخونہ کے چشمہ پر گئے تاکہ وہاں اس نخلستان سے جو علی بن حرزہم کے روضہ پہ دقف تھا، خام کھجوریں توڑیں۔ ہمارا گذر فاس کے دروازوں میں سے باب الفتوح سے باہر ابنِ عمر کے گھر سے ہوا اور وہاں ایک چشمہ بہتا تھا۔ میں نے کانٹا لے کر اس میں روٹی لگائی اور مچھلی کا شکار کرنا چاہا اور مچھلیاں وہاں بہت تھیں۔ شیخ محمد لہواج نے منع بھی فرمایا مگر میں نے قسم کھالی کہ ضرور شکار کروں گا چنانچہ وہ میرے ساتھ چشمہ پر آئے اور میں نے کانٹا ڈالا۔ اصل پانی کے قریب ایک بڑا پتھر تھا جس میں سے میں نے اَللّٰہ! اللّٰہ! کی آواز آتی سُنی۔ ابھی اس طرف نگاہ اٹھی ہی تھی کہ ہر پتھر نے اَللّٰہُ اللّٰہ کہنا شروع کر دیا۔ پھر سوائے اس مچھلی کے جس نے کانٹے کا کھانا کھایا تھا یہی پکارنا شروع کر دیا۔ اس اَللّٰہُ! اللّٰہ! کی پکار کا مطلب یہ تھا کہ اے شکار میں مشغول ہونے والے کیا تجھے اللہ کا خوف نہیں؟

حضرت فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھ پر اس قدر خوف و رُعب طاری ہوا کہ میں چاہتا تھا کہ اس کے مقابلہ میں مجھے رسی میں باندھ کر ایک بلند جگہ پر اٹھا دیا جائے اور ایک کھمبے پر کنڈی میں لٹکا دیا جائے مگر اس خوف سے نجات مل جائے۔

میں نے عرض کیا: آپ کو اس قدر سخت خوف کیوں ہوا؟

فرمایا: اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص نے نہ کبھی بیل دیکھا ہو اور نہ سنا ہو، پھر وہ آنکھیں مل کر دفعتہً کھولے اور دیکھے کہ لاتعداد بیلوں کے سامنے کھڑا ہوں تو بتاؤ اس کا کیا حال ہوگا؟

میں نے عرض کیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خوف جو آپ پر طاری ہوا یہ محض خرقِ عادت امر کے مشاہدہ سے ہوا؟

فرمایا: ہاں۔ اس خرقِ عادت معاملے کے مشاہدہ سے یہ خوف لاحق ہوا۔

میں نے عرض کیا: آپ نے ان کا یہ خارقِ عادت کلام عربی زبان میں سُنا تھا یا جمادات کی زبان میں؟

Marfat.com

فرمایا: جمادات کی زبان میں - ان کی اپنی زبانیں اور بولیاں ہیں جو انکی ذات اور جمادیت کے لائق ہے اور میں نے جو اسے سنا ہے تو تمام جسم سے سنا ہے، نہ صرف ان کانوں سے جو سر کے اندر ہیں۔ پھر فرمایا کہ ولی کو اس قسم کا مشاہدہ ابتدائی حالت میں کرایا جاتا ہے ورنہ بعد میں تو وہ اس فعل کو اللہ کی طرف سے دیکھتا ہے اور اُسے یُوں نظر آتا ہے کہ خالق سُبحانہ نے ان میں کلام اور تسبیح وغیرہ پیدا کر دی ہے اور یہ خود بمنزلہ خالی برتنوں اور محض تصویروں کے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ یہ مشاہدہ تو جمادات کے ساتھ مخصوص نہیں کیونکہ یہ تو انسان وغیرہ ذوی العقُول میں بھی ہو سکتا ہے۔

فرمایا: ہاں بلا امتیاز سب ہی چیزوں میں ہو سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ جمادات اپنے خالق کو پہچانتی ہے۔ اسے وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو عالم زمین و آسمان سے باہر نکل گیا ہو اور اس سے اتنا دور نکل گیا ہو کہ زمین و آسمان اس کے سامنے ایک گنبد کی مانند ہوں پھر وہ ان کی طرف اس قوی اور ہر چیز کو پھاڑ کر نکل جانے والی نگاہ سے دیکھے، جو آج کل میرے خیال میں تین شخصوں کے سوا کسی کو حاصل نہیں، تو اُسے یہ تمام امور آنکھوں کے سامنے دکھائی دیں گے اور اسے جمادات کی ہر مخلوق یا تو سجدہ میں پڑی ہوئی یا رکوع کی حالت میں اللہ کے خوف سے سرنگوں دکھائی دے گی اور سب سے پہلے تو اسے خود زمین بھی رکوع کی حالت میں دکھائی دے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلمُ۔

حضرت نے فرمایا کہ ایک دن میں باب الفتوح سے باہر سیّدی احمد الیمنی کے مزار کے پاس زیتون کے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ دیکھتا کیا ہوں کہ سارے پتھر کیا چھوٹا اور کیا بڑا اور سب درخت اور ٹہنیاں اپنی اپنی زبان میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی تسبیح پڑھ رہی ہیں۔ اس کے سننے سے قریب تھا کہ میں بھاگ جاؤں۔ پھر میں نے ایک پتھر کی آواز کو کان لگا کر سنا تو مجھے اس سے مختلف آوازیں آ رہی تھیں۔ جب میں نے غور سے دیکھا تو دیکھا کہ وہ کئی پتھروں سے مرکب ہو کر ایک پتھر بنا ہے۔ اسی لیے اس میں سے مختلف آوازیں آتی تھیں۔

(مؤلفِ کتاب کہتا ہے کہ) یہ واقعات حضرت کو فتح ہونے کے ابتدائی زمانہ میں پیش آئے تھے اور اس کے قریب وہ تذکرہ ہے جو آپ نے بے زبان جانوروں کے بارہ میں فرمایا کہ ایک بیل جب دوسرے بیل کو دیکھتا ہے تو دن بھر میں جو کچھ پیش آیا ہے وہ اس سے ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں گھاس کھائی اور فلاں فلاں پانی پیا اور ابھی میرے دل میں فلاں فلاں بات کرنے کا خیال باقی ہے اور دوسرا بیل بھی اسی طرح اس کو جواب دیتا ہے اور دونوں اللہ کے حکم سے باتیں کرتے رہتے ہیں۔ جیسے ہماری گفتگو میں حروف اور مخارج ہوتے ہیں۔ اسی طرح اُن کی گفتگو میں بھی ایک اندازہ ہوتا ہے اور اس میں الگ الگ ٹکڑے ہوتے ہیں مگر یہ ہم سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ یہی حال تمام حیوانات درختوں اور پتھروں کے کلام کا ہے جیسا کہ ان سے ہمارے کلام کی سماعت جو مخارج اور حروفِ تہجّی سے مرکب ہوتا ہے، پوشیدہ رکھی گئی ہے اور وہ اس سے سوائے پکار اور آواز کے

Marfat.com

کچھ نہیں سن سکتے۔ ہاں جس شخص کو فتح نصیب ہو وہ ان کا کلام سنتا ہے اور سمجھتا بھی ہے اور الگ الگ فقروں کے ٹکڑوں کو پہچانتا ہے اور یہ سمجھنا روح کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اور روح مقاصد و اغراض کو قبل اس کے کہ ان کو زبان سے ظاہر کیا جائے پہچانتی ہے اور اگر تو نے ایک عجمی صاحبِ فتح کو ایک عربی صاحبِ فتح سے باتیں کرتے نہیں دیکھا کہ دونوں دن بھر آپس میں باتیں کرتے رہیں، ایک تو عجمی زبان میں بات کرتا ہو اور دوسرا عربی میں جواب دیتا ہو، تو سمجھ لے تو نے کچھ نہیں دیکھا۔

میں نے حضرت[1] کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بسا اوقات قضاء حاجت کی غرض سے بیت الخلا کو جاتا اور جب پانی کو ذکر کرتے ہوئے اور اللہ کا نام لیتے ہوئے سنتا تو حاجت رفع کیے بغیر واپس چلا آتا۔

(مؤلف کتاب کہتا ہے کہ) معرفتِ لغات کے بیان میں اس کا کچھ تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ جہاں ہم نے اجزاء علم پر بحث کی ہے اور "خوفِ تام" میں جو اجزاء نبوت میں سے ہے، بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔

۱۶۔ سوال | میں نے حضرت سے بزار[2] کی اس حدیث کے متعلق دریافت کیا جو حضرت انس سے مرفوعاً روایت ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی کیفیت بیان فرمائیں اور یہ کہ آپ نے اسے کیسے سُنا؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: جیسے گرج اور کڑک کی آواز کہ فوراً دم نکال دے مگر ہو نہایت شیریں، اگر سُنی جائے، یہی مثال اللہ کے کلام کی ہے۔ نیز موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ کیا آپ نے تمامی کلام سے میرے ساتھ کلام فرمایا ہے؟ ارشاد ہوا کہ تمہارے ساتھ صرف دس ہزار زبان کی قوت سے کلام کیا گیا ہے اور اگر تمامی کلام سے بات کرتا تو اسی وقت تم پگھل جاتے۔

جواب | حضرت نے فرمایا: گرج اور کڑک کی آواز سے مراد خوف ہے جو انسان کو اس آواز کے سننے سے لاحق ہوتا ہے کیونکہ اس خوف کی نہ کیفیت بیان ہو سکتی ہے اور نہ ہی کوئی اس کے برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہے اسی طرح جو شخص حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا کلام سنتا ہے، اُسے اس قدر خوف اور ہیبت طاری ہوتی ہے کہ تمام اجزاء

---

[1] جمادات نباتات وغیرہ کی تسبیح کے پوشیدہ رکھنے کا راز یہی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سے اللہ کے نام کی بے حرمتی ہو جائے۔ پانی جب تک پاکیزہ ہے خواہ جاری ہو یا ساکن تسبیح پڑھتا رہتا ہے اور جونہی کہ ناپاک ہوا، تسبیح منقطع ہو گئی۔ اسی لیے حضرت قضاء حاجت کیے بغیر واپس آ جاتے کہ جو پانی طہارت کے لیے لے جاتے اس سے تسبیح کی آواز سنتے اور اسے پلید کر کے اس کی تسبیح کو منقطع نہ کرنا چاہتے تھے۔ یہی حال درخت کا ہے کہ پتے جب تک سرسبز ہیں تسبیح پڑھتے ہیں، خشک ہوئے تو تسبیح بند ہو گئی۔ ۱۲۔

[2] بزار: بزار دو محدث گذرے ہیں۔ دونوں حافظ حدیث تھے اور دونوں نے حدیث کی کتاب لکھی۔ ایک ابو الفضل احمد بن سلمہ نیشاپوری ہیں جو امام مسلم کے ہمسفر رہے تھے۔ ان کی وفات ۲۸۶ھ = ۸۹۹ء میں ہوئی۔ انہوں نے صحیح مسلم کی طرز میں حدیث کی کتاب لکھی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ صفحہ ۱۹۰)

دوسرے بزار احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری ہیں۔ انہوں نے مسند معلل تالیف کی۔ ان کی وفات ۲۹۲ھ = ۹۰۵ء میں ہوئی۔

Marfat.com

بدن اس سے متاثر ہوتے ہیں، حتیٰ کہ ذات انسانی کے ہر جوہر کو علیحدہ علیحدہ اس قدر خوفِ تام لاحق ہوتا ہے جتنا پورے انسان کو لاحق ہوتا ہے کہ ہر رگ اور اس کا ہر جزو لرزتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہو تو ہو سکتا ہے کہ وہ پگھل جائے۔

اور اعلیٰ حلاوت سے مراد وہ الطاف، رحمتیں اور انعامات ہیں جو موسیٰ کو اس وقت حاصل ہوئے۔ نیز وہ لذت مراد ہے جو اس کلامِ ازلی کے سننے والے کی ہر ہر رگ کو نصیب ہوا کرتی ہے اور آواز سے حقیقی آواز مراد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نسبت اس کا خیال کرنا محال ہے۔

اور یہ ارشاد کہ میں نے دس ہزار زبان کی قوت سے کلام کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السّلام سے حجاب اٹھا دیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کے اتنے مدلولات سن لیے جن کو اگر ہزار زبانیں یک لحظہ کے اندر ادا کرتیں تو ان کی مقدار ان مدلولات کلامِ الٰہی کے برابر ہوتیں۔ یہ بعینہٖ اسی طرح ہے جس کا ذکر صاحبِ فتح ولی کے بیان میں آئے گا کہ نہ مختلف آوازیں اس پر مخلوط ہوتی ہیں اور نہ ایک آواز دوسری آواز کے سننے سے مانع ہوتی ہے (بلکہ وہ صاف صاف اور الگ الگ سنائی دیتی ہیں) لہٰذا اگر دس ہزار زبانیں بھی فرض کرلی جائیں کہ حضرت موسیٰؑ کی طرف متوجہ ہوئی ہوں اور انہوں نے انہیں کان لگا کر سنا ہو اور ایک لحظہ میں بغیر ترتیب اور تقدیم و تاخیر کے سمجھا ہو تو حدیث مذکور میں اسی شان کی طرف اشارہ سمجھنا چاہیے۔

حضرت نے فرمایا کہ یہ سماعت روح کی تھی نہ ذات کی، کیونکہ روح کے علم میں کوئی ترتیب نہیں ہوتی چنانچہ جب روح کسی علم کی طرف متوجہ ہوتی ہے مثلاً نحو یا فقہ تو نحو یا فقہ کے تمام مسائل ایک لحظہ کے اندر اس کے سامنے حاضر ہو جاتے ہیں۔ یہی حال روح کی قراءت کا ہے۔ لہٰذا جب روح قرآنِ مجید کی تلاوت کا ارادہ کرے گی تو اس کو تمام حروف کے ساتھ ایک لحظہ میں صحیح مخارج ادا کرکے پڑھ جائے گی۔

میں نے حضرت سے یہ جواب ابتدائی زمانہ میں سنا تھا۔ واقعہ یوں ہوا کہ میں عین علوان کی مسجد میں کتاب دُرِّ منثور[1] لیے بیٹھا تھا کہ میں نے یہ حدیث پڑھی اور میرے دل میں خیال آیا کاش اس وقت حضرت موجود ہوتے تو میں ان سے اس حدیث کے متعلق دریافت کرتا۔ ابھی تھوڑی دیر نہ ہوئی تھی کہ آپ تشریف لے آئے اور میرے سامنے آ بیٹھے۔ میں نے کتاب کھولی اور عرض کیا کہ حضرت میں تو خواہش ہی کر رہا تھا کہ اس کتاب کی ایک حدیث کے متعلق آپ سے سوال کروں۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں پوچھو میں جواب ہی کے لیے آیا ہوں چنانچہ میں نے حدیث پڑھی اور حضرت نے یہ جواب دیا۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَنَفَعَنَا بِعُلُوْمِہٖ۔

۱۷۔ جبرئیل کا ایک سائل کی صورت میں آنا اور آنحضرتؐ کا اُسے نہ پہچاننا	مسلم کی ایک حدیث (مشکوٰۃ باب الایمان) میں جبرئیل کے ایمان اور احسان کے متعلق سوال کرنے کا ذکر آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کے

[1] دُرِّ منثور: جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ = ۱۵۰۵ء کی مشہور تفسیر کی کتاب ہے۔ پورا نام الدُّر المنثور فی التفسیر بالماثور ہے۔

Marfat.com

چلے جانے کے بعد فرمایا کہ اس شخص کو جو سوالات کر رہا تھا واپس لاؤ۔ چنانچہ صحابہ نے ان کی تلاش کی مگر ان کا پتہ نہ لگا۔ تب حضرتؐ نے فرمایا: یہ جبرئیل تھے اور وہ مجھ سے اس مرتبہ کے سوا کبھی نہیں چھپ سکے (یعنی اب کی بار میں انہیں نہ پہچان سکا) اس حدیث کے متعلق میں نے حضرت کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ جو آنحضرت پر جبرئیل چھپے رہے اس میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر تعظیم و تکریم پائی جاتی ہے جسے صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں جن پر اللہ کی رحمت ہو۔ اس کی تشریح یوں ہے کہ بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشاہدہ حق میں اس قدر مستغرق ہو جاتے کہ آپکی ذاتِ پاک مع اپنے تمامی تعلقات اور اجزاء و عروق کے اس عالم سے بے تعلق ہو کر نورِ حق سبحانہ' میں محو ہو جاتی۔ چنانچہ اس طرح آپ کی ذات کا تعلق غیر اللہ سے کُلّی طور پر منقطع ہو جاتا مگر اس کے باوجود آپ کی ذات غلطی سے محفوظ ہوتی اور حق کے سوا کوئی فعل صادر نہ ہوتا تھا۔ اور نہ ہی صدق کے سوا کوئی بات زبان سے نکلتی چنانچہ جب فرشتے دیکھتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ حالت طاری ہوئی ہے اور انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ آنحضرتؐ کے سوا کوئی اور اس کیفیتؑ کی طاقت نہیں رکھتا اور یہ کہ اس حالت میں آپؐ کو ان کا شعور نہ ہو سکے گا تو اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر جلدی کرتے اور حاضرِ خدمت ہو کر آپ سے ایمان کے متعلق سوال کرتے اور آپ کو اپنا مرشد بنا کر آپ سے ایمان اخذ کیا کرتے چنانچہ فرشتہ ایک بدوی کی شکل میں آکر عرض کرتا "یا رسول اللہ! میں آپ کی خدمت میں ایمان لانے اور آپ کے سچے رسول ہونے کا اقرار کرنے کے لیے آیا ہوں لہٰذا آپ مجھے سکھائیں کہ میں کس طرح اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤں"۔ چنانچہ آنحضرت اس کو تعلیم دیتے۔

میں نے عرض کیا کہ فرشتوں کو اللہ کے برگزیدہ بندے اور مقرب فرشتے ہونے کے باوجود آپ سے ایمان کی تعلیم لینے کی کیا ضرورت تھی؟

اس پر حضرتؐ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت بڑی شان ہے لہٰذا جس نے بھی آپ سے ایمان اخذ کیا اور پھر اسے بدلا نہیں، اسے نہ پلصراط دیکھنی پڑے گی نہ دوزخ۔ اسی لیے فرشتے اس موقعہ کو غنیمت سمجھتے۔

میں نے عرض کیا کہ فرشتے کسی دوسرے وقت میں کیوں سوال نہیں کرتے تھے؟

فرمایا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصلی حِسّ و ادراک کی طرف لوٹ آتے اور فرشتوں کو اس کا پتہ چل جاتا اور وہ سمجھ جاتے کہ آپ ان کو پہچان گئے ہیں تو اس حالت میں وہ بدوی کی شکل نہ بنا سکتے تھے اور اس صورت میں ذاتِ محمدیؐ سے خاص نور اور مدد کے ساتھ جواب نہ نکلے گا۔ برخلاف اس حالت کے جب آپ حق سبحانہ کی طرف مستغرق ہوں اور آپ کی یہ حالت ہو کہ آپ متکلم کے کلام کے سوا کچھ اور نہ سُن سکتے ہوں تو اس حالت میں ان کی خواہش کے مطابق جواب نکلے گا۔

پھر میں نے سوال کیا کہ کیا فرشتوں کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ وہ حالت ہے جس میں آپ اپنے حِسّ و ادراک

ؑ لِی مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُہٗ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ (الحدیث)

Marfat.com

کی طرف لوٹ آئے ہیں اور یہ وہ حالت ہے جس میں آپ حق تعالیٰ کی طرف بکلی مستغرق ہیں۔

حضرت نے فرمایا یہ امر نہ تو فرشتوں پر مخفی رہ سکتا ہے اور نہ اُن لوگوں پر جنہیں اللہ تعالیٰ نے فتح عطا کی ہو۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

۱۸۔ حدیث مَامِنْ نَبِیٍّ اِلَّا وَقَدْ اُعطِیَ مَامِثْلُہٗ اٰمَنَ عَلَیْہِ الْبَشَرُ — میں نے حضرت کو اس حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے سُنا کہ جو نبی بھی گذرا ہے اسے اس قدر معجزات عطا کیے گئے جس قدر لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ مجھے عطا ہوا ہے وہ ایک وحی ہے جس کی دہرروز تلاوت ہوتی ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے معجزات ان کی اپنی ذات اور اس کے متعلقات جنس میں سے ہوتے تھے۔ چنانچہ ان انبیاء کو بعض معجزات کبر سنی میں عطا کیے جاتے اور بعض معجزات ایسے ہوتے جو بچپن ہی سے ان کی ذات کے ساتھ ترقی پانے رہتے تاآنکہ کبر سنی میں ان کا ظہور ہوتا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اپنی ذات سے نہ تھا بلکہ حق سبحانہٗ کی طرف سے تھا اور اس کے نُور اور مشاہدہ اور ہمکلامی سے تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت کی ذات، عقل، نفس روح اور سر میں اس قدر قوت تھی کہ اگر یہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام پر تقسیم کی جاتی تو بھی ان میں اس کے متحمل ہونے کی قوت نہ ہوتی۔ اسی لیے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے وہ خالص وحی ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے یعنی آپ کا معجزہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات جیسا نہیں ہے۔ اگرچہ جمیع انبیاء کے معجزات اتنے جلیل القدر اور رفیع الشان تھے کہ ان کے ذریعہ سے تمام کائنات کو مومن بنالیا جاسکتا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ان تمام کے معجزات سے ارفع و اعلیٰ[1] ہے کیونکہ یہ معجزہ حق سبحانہٗ کی طرف سے ہے نہ آپ کی ذات کی طرف سے۔

اس کے بعد آپ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک بادشاہ ہے۔ جب اس کے گھر کوئی لڑکا پیدا ہوا تو اس نے اسے کسی مقام پر پرورش پانے کے لیے بھیج دیا گیا اور ہر ایک کے ساتھ بطور نشانی کے ایک قیمتی لعل بھی بھیجتا رہا جس سے رعایا کو علم ہو کہ یہ شاہزادہ ہے اور ہمارے بادشاہ کا بیٹا ہے۔ بالآخر ایک اور لڑکا پیدا ہو جس کو بادشاہ نے اپنے پاس رکھ لیا اور خود ہی اس کی تربیت اور تمام معاملات کی نگہداشت کی ہو لہٰذا جو کمالِ معرفت اور اپنے باپ کے اسرار سے جو واقفیت اسے حاصل ہو گی اس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی اور جس قدر اس کے بھائیوں کو اپنے باپ کے اسرار کا علم ہوا ہوگا اس کا قیاس اس علم کے ساتھ ہرگز نہیں کیا جاسکتا جو اسے حاصل ہوا ہوگا۔

بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم کی خواہش ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے بعض ایسے معجزات صادر

---

[1] اگرچہ تمام الہامی کتابیں کلام الٰہی ہیں مگر ان الہامی کتابوں کو بطور معجزہ کے نازل نہیں کیا گیا، برخلاف قرآن مجید کے کہ یہ کلام الٰہی ہونے کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور معجزہ کے نازل ہوا ہے۔ اسی لیے یہ معجزہ دیگر انبیاء کے معجزات سے بلند ٹھہرا۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا عصا کا معجزہ کہ یہ ان کی ذات میں سے تھا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر معجزات آپ کی ذات میں سے تھے اور وہ بطور دلیلِ نبوت کے عطا نہیں کیے گئے اور قرآن مجید بطور نبوت کی دلیل کے نازل ہوا تھا۔ ۱۲۔

Marfat.com

ہوں جس قسم کے دیگر انبیا علیہم السّلام سے صادر ہوئے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ادھر تو اُن کی خواہش پر جاتی اور اُدھر اس مخصوص عنایتِ الٰہی پر جو مولیٰ کریم نے خاص آپ کی ذات پر کی تھی اور اس سے آپ کو بڑی شرم آتی۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک شخص کو بادشاہ نے اپنا تمام ملک دے دیا ہو اور اسے اختیار دے دیا ہو کہ جیسا چاہے تصرّف[عہ] کرے اور اس کا کوئی دوست اس سے خواہش کرے کہ فلاں گاؤں میں تصرف کر کے دکھلائیں۔

ایک اور مرتبہ میں نے حضرت کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن مجید میں جو اسرار و انوار ہیں اور جو مقامات اور احوال اس میں درج ہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص کپڑا تراش کر ٹوپی، قمیص اور عمامہ غرض جو کپڑے بھی پہنے جاتے ہیں سب ہی سلوائے اور اپنے سامنے رکھ دئے۔ اب ایک نگاہ ڈالو۔ ان کپڑوں پر اور پھر تمام مخلوقات کی طرف دیکھو (کہ کیا کوئی اس لباس کے پہننے کا مستحق ان میں ہے) تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اسے پہننے اور اس کے متحمّل ہونے کی طاقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات کے سوا کسی میں نہیں ہے اور اس کی وجہ وہی قوت ہے جو آپ کی ذات شریف سے مخصوص کی گئی ہے۔

۱۹- مشاہدۂ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

ایک اور مرتبہ میں نے آپ کو "مشاهدة النبی لا تطاق" کی تشریح فرماتے ہوئے سنا کہ مشاہدہ اپنی اپنی معرفت کے مطابق ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معرفت اسی وقت سے حاصل ہو چکی تھی جب حبیب اپنے محبوب کے پاس تھا اور کوئی تیسرا اُن کے پاس نہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات[عہ] سے پہلے پیدا ہوئے۔ اسی زمانہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی روح مقدّس ان انوارِ قدسیہ اور معارفِ ربّانیہ سے سیراب ہو چکی تھی لہٰذا یہ ہر طالب نور کے لیے اصل اور ہر طالب ضیاء کے لیے مادہ بن گئی تھی۔ لہٰذا جب آپ کی پیدائش کے وقت آپ کی رُوحِ مقدّس آپ کی ذات مُطہّرہ میں داخل ہوئی تو اس میں رضا اور محبّت کے ساتھ سکونت پذیر ہوئی اور ذات کو اپنے اسرار و معارف سے فیضیاب کرتی رہتی تاآنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو وہ پردہ جو ذات اور روح کے درمیان تھا، اٹھ گیا اور حجاب کلیتہً مٹ گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مشاہدہ حاصل ہوا جسے کوئی اور برداشت نہیں کر سکتا چنانچہ آپ کا مشاہدہ ایسا تھا جیسا کہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں کہ حق سبحانہٗ کی ذات ہی تمام مخلوقات کی محرّک اور انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ

عہ اللہ تعالیٰ حقیقی مالک الملک ہیں اور اپنے خاص بندوں میں سے جسے چاہیں اس کے مرتبہ اور قرب کے مطابق تصرف اور حکم کرنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سا قرب اور مرتبہ کسی کا نہ تھا۔ لہٰذا کائنات میں آپ کا سا تصرف کسی اور کا نہیں ہو سکتا۔ ہوا، پانی، آگ، شجر، حجر، زندہ و مردہ غرض ہر چیز پر تصرف تھا۔ باایں ہمہ آپ اس تصرف کا استعمال اذنِ خداوندی کے بغیر نہ کرتے تھے۔ ۱۲

عہ حدیث: كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ اور وَكُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ
اور وَكُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ مُنْجَدِلٌ فِي الطِّينِ اور أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ رُوحِي وغیرہ۔

Marfat.com

منتقل کرنے والی ہے اور مخلوقات کی حیثیت تو ظروف اور کمہار کے برتنوں کی سی ہے جو اپنی جگہ ذات کو نہ نفع پہنچا سکتے
صہ۱۱۲ ہیں نہ نقصان۔ چنانچہ جب آپ مبعوث ہوئے اور خلعتِ رسالت ملی تو آپؐ کو یہ مشاہدہ حاصل ہو چکا تھا اور مخلوقات آپ کی نگاہ محض خالی اجسام اور تصویریں تھیں (یہ مشاہدہ اس لیے کرایا گیا) تاکہ آپ ان کے لیے مجسّم رحمت بنیں اور ان کے کسی فعل[عل] کو بھی ان کی جانب سے خیال کر کے بددعا نہ کریں جس سے وہ ہلاک ہو جائیں، جس طرح کہ آپ سے پہلے انبیاء نے اپنی امتوں سے کیا۔ اسی لیے انہوں نے دعا کرنے میں جلدی کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء اپنی اُمّت کی شفاعت کی خاطر قیامت کے دن پر اٹھا رکھی گئی ہے۔ لہٰذا آپ کی دعا بھی رحمت بنی اور اللہ تعالیٰ کے فرمان وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (ہم نے آپ کو تمام جہانوں والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کہ اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ لِّلْخَلْقِ (میں مخلوقات کے لیے رحمت کا تحفہ ہوں) کا مصداق ظاہر ہوا اور یہ تو اس مشاہدہ کے ابتدائی زمانہ کا حال تھا چہ جائیکہ ہر لحظہ آپ کو ترقی ہو رہی ہو اور ان مقامات پر آپ کا عروج ہو رہا ہو جن کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی۔

میں نے عرض کیا اب اوپر کوئی درجہ باقی ہے؟

حضرت نے فرمایا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آج تک زندہ رہتے تو بھی کسی ایک مقام پر نہ ٹھہرتے بلکہ متواتر بلند ہوتے جاتے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے کمالات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

میں نے عرض کی کہ اس مشاہدہ سے تو کوئی نبی بھی خالی نہ ہوگا کیوں کہ ان کے پاس اگر صرف اس بات پر ایمان بالغیب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ہمارے افعال کے خالق ہیں تو وہ بالکل عام مومنین کی طرح ہو جاتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا اس میں کوئی شک نہیں کہ انہیں یہ مشاہدہ حاصل ہوا مگر پردہ کُلّی طور پر نہ ہٹا تھا۔ برخلاف اس کے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پردہ کُلّی طور پر زائل ہو گیا تھا۔

اس کے بعد حضرت نے کشفی حقائق بیان فرمائے جن کے سمجھنے سے عقل قاصر ہے۔

آخر میں فرمایا کہ قرآن مجید میں انوارِ قدسیہ اور معارف ربّانیہ اور اسرارِ ازلیہ اس قدر بالا از طاقت ہیں کہ اگر حضرت موسیٰ صاحبِ توراۃ حضرت عیسیٰ صاحبِ انجیل اور حضرت داؤد صاحبِ زبور علیہم التسلیمات نزولِ قرآن کے زمانہ تک زندہ ہوتے اور اس کو سنتے تو قرآن کا اتباع اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان اقوال میں تابعداری اور آپ کے افعال سے ہدایت پانے کے بغیر ان سے کچھ بن نہ آتا اور سب سے پہلے یہی لوگ آپ کی دعوت قبول کر کے آپ پر ایمان لاتے اور تلوار لے کر آپ کے آگے ہو کر جہاد کرتے۔

عل یعنی کفار کی ایذاء رسانی اور استہزا کو ان کی جانب سے خیال نہ فرماتے کیوں کہ وہ تو خالی جسم ہیں جنہیں اپنے نفع و نقصان کا علم نہیں ہے اور نہ پتہ ہے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں یہی فرماتے "خدایا! میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ انہیں معلوم نہیں کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں"۔

Marfat.com

مؤلف کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی قسم کی ایک حدیث وارد ہوئی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ لَوْ كَانَ عِيسٰى[عله] وَمُوسٰى حَيَّيْنِ لَا تَّبَعَانِيْ ۔ اگر موسیٰ و عیسیٰ زندہ ہوتے تو بالضرور میری تابعداری کرتے ۔ یا جیسے آپ نے فرمایا ہو۔

ابن حجر کو دیکھیں کہ انہوں نے فتح الباری کی کتاب التوحید کے آخر میں اس حدیث کے متعدد طرق نقل کیے ہیں اور اگر یہ خارج از مبحث بات نہ ہوتی تو میں ان کو یہاں درج کر دیتا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِغَيْبِهٖ وَاَحْكَمُ

۲۰۔ حدیث الاشعریین میں نے حضرت سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا جس میں آنحضرت صلی علیہ وسلم نے ان اشعریین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا جنہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سواری کے اونٹ مانگے تھے کہ "وَاللّٰهِ لَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ وَلَا عِنْدِيْ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ" اللہ کی قسم میں تم کو سواری کے لیے اونٹ نہ دوں گا اور نہ میرے پاس ہیں کہ تم کو دوں۔ مگر (اس قسم کھانے کے بعد) آپ نے ان کو اونٹ عطا فرما دیے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے حق بات کے خلاف اور صدق کے سوا کوئی بات نہ نکل سکتی تھی (پھر یہ بات کیوں کر ہوئی کہ پہلے تو قسم کھا کر انکار کر دیا اور پھر قسم کے خلاف اونٹ دے بھی دیے)۔

فرمایا: بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سچ ہی بولا کرتے تھے اور حق بات ہی فرمایا کرتے تھے مگر آپ کا کلام باطن اور مشاہدہ کے اعتبار سے نکلا کرتا تھا۔ چنانچہ کبھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذات الٰہی کے مشاہدہ میں ہوتے اور جو لذت اس مشاہدہ میں ہوتی ہے اس کی کیفیت نہ تو بیان ہو سکتی ہے اور نہ کوئی اور اس کا متحمل ہو سکتا ہے اور دنیا کی کوئی لذت بھی اس کے مماثل نہیں اور یہ وہ لذت ہے جو جنتیوں کو جنت میں دیدارِ الٰہی کے وقت حاصل ہو گی۔

اور کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذاتِ باری تعالیٰ کی قوت اور غلبۂ قدرت کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتے اور اس مشاہدہ میں اللہ تعالیٰ کی قوت اور غلبۂ قدرت کے مشاہدہ کی وجہ سے خوف اور بے چینی ہوتی۔ ان دونوں مشاہدوں میں آپ مخلوق سے غافل ہو جاتے اور کسی کو بھی نہ دیکھتے تھے۔ اس کی تھوڑی سی تشریح حضرت جبرئیل

[عله] احادیث میں صرف موسیٰ علیہ السلام کا نام ہے۔ کسی صحیح حدیث میں عیسیٰ علیہ السلام کا نام نہیں دیا گیا۔ خود مؤلف نے آگے چل کر ابن حجر کی کتاب فتح الباری کی کتاب التوحید کا حوالہ دیا ہے۔ اس بندۂ عاجز نے اس مقام کو بغور دیکھا ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام کا نام کہیں نہیں پایا۔ مؤلف کو دھوکا ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۱۳ صفحہ ۴۲۵۔ اگر کسی ضعیف روایت میں عیسیٰ علیہ السلام کا نام آبھی گیا ہو تو وہاں ان کی وفات کا ذکر بطور تغلیب کے ہو گا جیسے کہتے ہیں:۔ متقلداً سیفاً و رمحاً، یا جیسے سورج اور چاند کو "القمران" کہہ دیتے ہیں اور ابوبکر و عمر کو "العمران" کہا جاتا ہے سوا نہ حضرت عیسیٰ کی حیات کے متعلق صریح احادیث موجود ہیں۔

Marfat.com

کو نہ پہچان سکے گی حدیث میں گذر چکی ہے۔

اور کبھی آپ ذاتِ خداوندی کا مشاہدہ مخلوقات کے ساتھ کرتے اور آپ اللہ کی قدرت کو تمام مخلوقات میں ساری پاتے۔ اس مشاہدہ میں ذاتِ باری آپ کے باطن سے غایب ہوجاتی اور اس کے افعال باقی رہ جاتے اسی تیسرے مشاہدہ میں احکام شرعیہ کی تعمیل اور مخلوق کی تعلیم و تربیت اور ان کو اللہ تک پہنچانے کی خدمت انجام پاتی تھی۔ لہذا آپ کی زبانِ مبارک سے جو کچھ بھی نکلتا تھا ان تینوں مشاہدوں سے خارج نہ ہوتا تھا چنانچہ کلام فرماتے وقت کبھی آپ پہلے مشاہدہ میں ہوتے اور کبھی دوسرے میں اور کبھی تیسرے میں۔ اور حدیث مذکور کا تعلق دوسرے مشاہدہ سے ہے کیونکہ آنحضرت صلی علیہ وسلم ذاتِ باری اور اس کی قدرت کے مشاہدہ میں اس قدر مستغرق تھے کہ وہ اپنے آپ سے بھی بے خبر تھے اور کا تو ذکر ہی کیا۔ لہذا جب اشعریین نے آنحضرت سے یہ درخواست کی کہ ہمیں سواری کے اونٹ عطا فرمائیں اور آپ اس مشاہدہ کی حالت میں تھے تو جواب میں یہ فرمایا کہ اللہ کی قسم کہ میں تمہیں سواری کے اونٹ نہ دوں گا۔ اور نہ میرے پاس ہیں کہ دوں۔ (کیونکہ مالکِ حقیقی اور مُعطی حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہیں) اور یہ بات ہے بھی درست۔ لیکن جب آپ مشاہدۂ حق سے مشاہدۂ خلق کی طرف لوٹے اور اتفاق ایسا ہوا کہ اونٹ بھی آگئے تو آپ نے اس مشاہدہ کے مطابق عمل کیا کیونکہ اس مشاہدہ کا تقاضا یہ ہے کہ احکامِ الٰہی کی اطاعت ہو اور حقوق بھی ادا کیے جائیں۔ اسی لیے آپ نے دریافت فرمایا کہ اشعریون کہاں ہیں؟ اس پر وہ بلائے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اونٹ عطا فرمائے۔ انہوں نے عرض کیا بھی کہ یا رسول اللہ آپنے تو حلف اٹھایا تھا کہ آپ ہمیں اونٹ نہ دیں گے اور اب آپ دے رہے ہیں۔ آپ نے جواب میں ایسے کلمات فرمائے جن سے مطلب نکلتا ہے کہ آپ نے ابتدا میں جو قسم کھائی تھی وہ اس مشاہدہ کے حال کے مطابق تھی (کیونکہ اس حالت میں آپ کو اپنے نفس پر ہی اختیار نہ تھا چہ جائے کہ اونٹوں کا دینا) اسی لیے فرمایا کہ میں نے تم کو سواری کے لیے اونٹ نہیں دیے بلکہ اللہ نے دیے ہیں۔ یعنی میں نے یہی تو قسم کھائی تھی کہ میں نہ دوں گا اور نہ میرے پاس اونٹ ہیں جو سواری کے لیے دوں۔ اور یہی حقیقت ہے کیونکہ تمہیں سواری کے اونٹ دینے والا اللہ ہے، نہ کہ میں۔ چنانچہ آپنے انہیں اس طرح بتلا دیا کہ آپ نے جو کہا ہے سچ کہا ہے اور جو کچھ فرمایا ہے درست ہے۔

میں نے عرض کیا تو پھر آپ نے قسم کا کفارہ کیوں دیا اور فرمایا "میں اگر کسی بات کی قسم کھالوں اور پھر اس کے خلاف بہتر سمجھوں تو اس قسم کا کفارہ ادا کر کے بہتر بات کو کر دوں گا۔

حضرت نے فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قصہ میں تو قسم کا کفارہ ادا نہیں کیا۔ اس حدیث میں بعد میں جو ذکر ہوا ہے وہ تو صرف نئی بات کا ذکر اور ایک حکم کی تاسیس اور ایک قاعدۂ شرعیہ مقرر فرمایا ہے۔ اس واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قسم کا کفارہ دینا قطعاً ثابت نہیں ہے۔

مولف کہتا ہے کہ بڑے بڑے اکابر مثلاً حسن بصری وغیرہ کی یہی رائے ہے۔ اس شیخِ عظیم کا عرفان کتنا

Marfat.com

صحیح واقعہ ہوا ہے۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ پہلے مشاہدہ کی مثال جس کے متعلق ہم نے کہا ہے کہ اس کی لذت اہل جنت کی سی لذت ہے اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص کی ملاقات ایک باسطوت وجلال سلطان سے ہو جس کے پاس ہتیار اور ہر قسم کے آلاتِ قتل اور دیگر خوفزدہ کرنے والے امور ہوں پھر وہ بادشاہ ان آلات واسلحہ کو اتار دے اور گھوڑے سے اتر آوے اور اپنی رعایا میں سے ایک شخص کو بلاوے اور اس کے ساتھ انبساط اور خوش طبعی کی باتیں کرنے لگے۔ پھر یہ خوش طبعی اس حد تک پہنچ جائے کہ بادشاہ اُسے اپنے ساتھ ایک ہی کپڑے میں سلائے۔ بھلا بتاؤ کہ اس شخص کی خوشی کی کیا حد ہو گی۔ کیا کوئی اس کا اندازہ کر سکتا ہے یا کوئی شخص اس کی حقیقت بیان کر سکتا ہے؟ اس مثال سے صرف لفظوں میں اس مشاہدہ کی لذت کی طرف اشارہ نکلتا ہے ورنہ درحقیقت وہ کجا اور یہ کجا۔

حضرت نے فرمایا: اس مشاہدہ والے کو سکون، آرام، خوشی اور انشراحِ صدر کے علاوہ ایسی لذت حاصل ہو گی جو اس کی رگوں میں، گوشت میں، خون میں، ہڈیوں میں اور بال بال میں اور روئیں روئیں میں غرض تمامی جواہرِ ذات میں سرایت کیے ہو گی، حتیٰ کہ بالفرض اس کا ایک بال لے کر اس کی لذّت کو دیکھا جائے تو اس میں بھی بعینہٖ وہی لذت پائی جائے گی جو اس کی عقل اور دل میں پائی جائے گی، حتیٰ کہ اگر ہم دنیا کی سب سے بڑی لذت یعنی لذتِ جماع کو لے لیں اور فرض کر لیں کہ یہ لذّت مشاہدہ کا کروڑواں حصّہ ہے اور پھر اس مجموعہ کو ستّر کروڑ کا ایک جزو قرار دیں اور یوں سمجھیں کہ مشاہدہ کی لذت اس کا دسواں حصہ (عشر) ہے تب بھی اس لذت کے قریب قریب تک نہ پہنچیں گے۔

پھر فرمایا کہ دوسرے مشاہدہ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بادشاہ کے خلاف بغاوت کرے اور بادشاہ بھی اس کے خلاف اسلحہ اور اپنے دبدبے اور قہر کے ساتھ نکل کر آئے تو اگرچہ پہلی لذت کا کچھ اثر اس مشاہدہ میں بھی پایا جائے گا مگر ساتھ ہی ناقابلِ برداشت ہیبت اور دہشت بھی ہو گی کیونکہ جو شخص بادشاہ کو ہاتھ میں نیزہ لیے ہوئے گھوڑے پر سوار دیکھے۔ پھر وہ نیزے کو حرکت دے کر ڈراتا دھمکاتا بھی ہو تو جو ڈر اس پر طاری ہو گا اس کا حال کچھ نہ پوچھو اور فرمایا کہ پہلے مشاہدہ میں کچھ خواب کی صورت پائی جاتی ہے اور دوسرے میں بیداری کی سی کیفیّت ہے اس لیے کہ اس میں ہیبت و دبدبۂ خداوندی کے مشاہدہ سے بے چینی ہوتی ہے۔

فرمایا کہ اس حدیث میں کہ "میرے دل پر کبھی کبھی بادل چھا جاتے ہیں تو اللہ سے استغفار کرتا ہوں" تیسرے مشاہدہ کی طرف اشارہ ہے۔

(مؤلف کہتا ہے) اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے اور بڑے بڑے محدثین مثل قاضی عیاض، نووی اور عراقی[1] وغیرہ رحمہم اللہ نے بھی اس حدیث پر بحث کی ہے جس کا ماحصل تقریباً وہی ہے جو

---

[1] عراقی: حافظ زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی۔ ان کی وفات ۸۰۶ھ/۱۴۰۲ء میں ہوئی۔ انہوں نے اصولِ حدیث میں الفیہ لکھا۔

Marfat.com

جو حضرت نے فرمایا مگر حضرت نے جو بات فرمائی ہے وہ مشاہدہ اور معاینہ کے بعد فرمائی ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ تمام مخلوقات میں سے کسی کو بھی پہلے اور دوسرے مشاہدہ پر دوام حاصل نہیں ہو سکتا اسی لیے انہیں تیسرے مشاہدہ کی طرف آنا ضروری ہے تاکہ آرام کر سکیں۔ اسی لیے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مشاہدہ کی طرف نزول کرتے تو چونکہ یہ مشاہدہ بمقابلہ پہلے دو مشاہدوں کے ادنیٰ مشاہدہ ہوتا اس لیے) آپ اللہ سے استغفار کرتے اور اسے گناہ سمجھتے۔ حضرت نے اس کے علاوہ اس میں دیگر اسرار کا بھی ذکر کیا جن کا افشا نہیں کیا جا سکتا۔

مؤلف کہتا ہے کہ جب حضرت سے میں نے ان تینوں مشاہدات کی تشریح سُنی اور انہوں نے یہ بھی فرما دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ان سے باہر نہیں ہو سکتا اور اس کلام کا مفہوم سمجھنا صرف انہی لوگوں کے لیے مشکل ہوتا ہے جو اس کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ نیز یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات سچی ہوتی ہے اور ہر بات اور ۲۱۔ تأبیر نخل کا قصہ | ہر حال میں آپ حق بات کہتے ہیں تو میں نے سوال کیا کہ صحیح مسلم میں کھجور کو پیوند لگانے کا قصہ دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار صحابہ کے پاس سے گذرے جب کہ وہ کھجوروں کو پیوند لگا رہے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا یہ کیا کر رہے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ان کی اسی طرح اصلاح کی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرو تب بھی اچھا پھل آئے۔ چنانچہ صحابہ نے آپ کے فرمان کے مطابق پیوند نہ لگایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خراب قسم کی کھجور آئی، اچھی نہ آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو فرمایا کہ کھجور کو کیا ہو گیا کہ ایسی آئی۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ آپ ہی نے تو ہمیں ایسا فرمایا تھا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم اپنی دنیا کو بہتر جانتے ہو"

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "اگر تم اس طرح نہ بھی کرو (یعنی پیوند نہ بھی لگاؤ) تب بھی پھل اچھا آوے" بالکل حق اور سچا کلام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اس جزم اور یقین کی بنا پر فرمائی جو حضور کو حاصل تھا کہ فاعل مطلق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ جزم اور یقین آپ کو اس طرح حاصل ہوا تھا کہ آپ نے مشاہدہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا فعل تمام ممکنات میں براہ راست اور بلا سبب و واسطہ جاری و ساری ہے۔ چنانچہ نہ کسی ذرہ کو سکون ہوتا ہے نہ بال کو حرکت، نہ دل کو اضطراب، نہ رگ میں پھڑک، نہ پلک کی کوئی جھپک نہ ابرو کا اشارہ، مگر اللہ تعالیٰ بلا واسطہ اس کا فاعل ہوتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا اس طرح مشاہدہ کیا کرتے تھے جس طرح عام لوگ محسوسات کا مشاہدہ کیا کرتے ہیں۔ اور یہ کیفیت آپ سے کسی حالت میں بھی غائب نہ ہوتی تھی نہ بیداری میں اور نہ خواب میں۔ اسلئے کہ آپ کا قلب جس میں یہ مشاہدہ تھا کبھی نہ سوتا تھا اور یہ بات یقینی ہے کہ جس ہستی

۱؎ جیسا کہ کہتے ہیں کہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ۔ اسی طرح اس تیسرے مشاہدہ کی طرف آنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہ معلوم ہوتا تھا۔ ایک بزرگ کے متعلق مشہور ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر کہنے لگے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ نماز پڑھ کے نہیں آیا بلکہ زنا کر کے آیا ہوں کیونکہ اللہ والوں کے ہاں تو نماز بفحوائے اَلصَّلوٰۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ صحیح معنوں میں معراج ہوتی ہے اور جب یہ کیفیت نہ پائی گئی ہو تو ان کے نزدیک نماز نہ ہوئی بلکہ گناہ ہوا۔ ۱۲۔

Marfat.com

کو اس قسم کا مشاہدہ حاصل ہو[عل] اس کی نگاہ سے تمام اسباب گر جائیں گے اور وہ ایمان بالغیب سے ترقی کر کے شہود و عیان تک جا پہنچے گا۔ لہٰذا اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ محض ایک عقیدہ نہ ہوگا بلکہ مشاہدۂ دائمی ہوگا جو نظر سے اوجھل نہ ہوگا اور وہ یقین نصیب ہوگا جو اس مشاہدہ کے مناسب ہے یعنی اس آیت کے معنی پر اس قدر پختہ یقین ہوگا کہ غیر اللہ کی طرف کسی فعل کے منسوب کرنے کا چیونٹی کے سر کے برابر بھی وسوسہ نہ گذرے گا۔ اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ جس پختہ یقین کی یہ کیفیت ہو اس سے معجزات کا ظہور ہوتا ہے اور اشیاء خود بخود متاثر ہونے لگتی ہیں۔ یہ ایک سرِّ الٰہی ہے جس کے ہوتے ہوئے تمام اسباب و وسائل اٹھ جاتے ہیں۔ لہٰذا جس ہستی کو یہ مقام حاصل ہو اگر وہ اسباب کے ساقط ہونے اور ربّ الارباب کی طرف فعل کے منسوب ہونے کا اشارہ فرمائے تو اس کا قول حق اور اس کی بات سچ ہوگی۔ مگر جس شخص کو صرف ایمان بالغیب حاصل ہو (یعنی مشاہدہ حاصل نہ ہو جیسے صحابہ رضوان اللہ علیہم) اس کے نزدیک وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ میں مشاہدہ نہیں ہوگا۔ اس کے نزدیک مشاہدہ یہی ہے کہ افعال کی نسبت ان کی طرف ہے جن سے یہ فعل صادر ہوئے اس کو آیت شریفہ کے معنی اور فعل کو خدا کی طرف منسوب کرنے کی جانب اس کا وہ ایمان کھینچتا ہے جو حق تعالےٰ نے اسے بخشا ہے۔ پس اس کے لیے دو جاذب ہیں۔ ایک جاذب خدا کی طرف سے ہے یعنی اس کا یہ ایمان جو اسے حق کی طرف کھینچتا ہے اور دوسرا اس کی اپنی طبیعت کی طرف سے یعنی اس کا یہ دیکھنا کہ یہ فعل تو بظاہر غیر اللہ سے صادر ہو رہا ہے اور یہ اسے باطل کی طرف کھینچتا ہے۔ اسی لیے انہی دو باتوں میں الجھا رہتا ہے کبھی جاذبِ ایمانی قوی ہو جاتا ہے تو اسے گھڑی یا دو گھڑی کے لیے آیت مذکورہ کا مفہوم مستحضر ہو جاتا ہے اور کبھی جاذبِ طبعی قوت پکڑتا ہے تو وہ آیت کے معنی سے ایک دن یا دو دن کے لیے غافل ہو جاتا ہے اور اس غفلت کے زمانہ میں وہ یقین جو خارقِ عادت تھا، جاتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت کا فرمودہ (کہ اگر پیوند نہ بھی لگاؤ تب بھی اچھا پھل آئے) وقوع میں نہ آیا کیونکہ وہ معجزہ نما یقین جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن مشتمل تھا اور جس کے مطابق آپ سے حق اور سچی بات نکلتی تھی، صحابہ کو حاصل نہ تھا۔ لہٰذا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہو گیا کہ عمدہ کھجور پیدا نہ ہونے کا سبب یہ ہے اور یہ علم ہو گیا کہ اس کا ازالہ صحابہ کی طاقت سے باہر ہے تو ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا اور فرمایا: تم اپنی دنیا کے امور سے زیادہ واقف ہو۔ (لہٰذا تم اپنے دستور پر قائم رہو)

[عل] چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے تَنَامُ عَیْنَایَ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ۔ الحدیث۔

[ع] شہاب الدین خفاجی (نسیم الریاض شرح شفاء عیاض جلد ۳ صفحہ ۲۵۲) نے اس حدیث کے متعلق سنوسی کی یہ تشریح بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو انہیں توکلِ خدا پر اعتماد کرتے ہوئے ایک خارقِ عادت بات کرنے کو کہہ رہے تھے، مگر صحابہ نے نہ مانا اور صبر نہ کیا۔ اگر صبر کر لیتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا کہ چند سال تک صبر کر کے آپ کے فرمان پر عمل کریں اور ایسا کرتے رہنے تو کھجور کو پیوند لگانے کی مصیبت سے چھٹکارا مل جاتا کیونکہ وہ ہر بات کو خدا کی طرف سے سمجھتے تھے۔ پھر کسی کا قول نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ غور کرنے والے کے لیے سنوسی کی بیان کردہ تشریح بہت ہی نفیس ہے۔ ۱۲۔

Marfat.com

(مؤلف کہتا ہے) خدا تمہیں توفیق دے، بھلا غور کریں، ایسا عمدہ جواب کبھی سننے میں آیا ہے یا کسی کتاب میں دیکھا گیا ہے؟ حالانکہ یہ وہ حدیث ہے جو جمال الدین بن الحاجب[1]، سیف الدین آمدی[2]، صفی الدین ہندی[3] اور ابو حامد الغزالی جیسے اکابر علماء اصول کو مشکل نظر آئی۔

۲۲۔ حدیث اِذَا اُذِّنَ بِالصَّلٰوۃِ اَدْبَرَ الشَّیْطَانُ وَلَہٗ ضُرَاطٌ | میں نے حضرت سے اس حدیث کا مطلب دریافت کیا کہ جب مؤذن اذان دیتا ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا دُم دبا کر بھاگ جاتا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ شیطان کے بھاگنے کی وجہ یہ ہے کہ جب اذان کے الفاظ کسی پاکیزہ ہستی سے نکلتے ہیں تو جہاں

صفحہ ۱۱۵ تک آواز پہنچتی ہے تمام فضا اس کے نور سے لبریز ہو جاتی ہے اور نور میں ٹھنڈک ہے اور شیطان کی پیدائش شعلۂ نار سے ہوئی ہے۔ ٹھنڈک اور آگ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

بعینہٖ اس طرح کی بات ایک اور بار حضرت نے فرمائی کہ جنات کو جہنم میں آگ کا عذاب نہیں دیا جائے گا کیونکہ آگ تو اس کی طبیعت ہے۔ آگ سے آپ کی مراد گرم آگ تھی کیونکہ وہ اس کی طبع ہونے کے سبب اسے نقصان نہ پہنچا سکے گی انہیں تو برد اور زمہریر سے عذاب دیا جائے گا جس سے آپ کی مراد ٹھنڈی آگ تھی۔ اور فرمایا کہ جن سردی سے سخت خوف کھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ گرمی کے موسم میں بھی ٹھنڈی ہوا چلنے سے سخت ڈرتے ہیں اور جب ٹھنڈی ہوا چلتی ہے تو وہ جنگلی گدھوں کی طرح بھاگ جاتے ہیں۔ اب رہا پانی سو وہ اس میں کبھی بھی داخل نہیں ہوتے اگر تقدیر سے کوئی جن پانی میں گھس جائے تو وہ بجھ جائے گا اور پگھل جائے گا۔ جیسے اگر ہم میں سے کوئی شخص آگ میں پڑ جائے تو جل کر فنا ہو جائے۔

پھر فرمایا کہ اگر جن کی کیفیت معلوم کرنا چاہو تو ایک نہایت تاریک بہت دھواں دینے والی آگ کو دیکھیں جس طرح کہ آوے کی آگ ہوتی ہے۔ پھر جس شکل پر حق تعالیٰ نے جنات کو پیدا کیا ہے اس کا تصور کر کے اس دھوئیں والی آگ میں کھڑا کر دو۔ یہی جن کی صورت ہوگی۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

۲۳۔ حدیث اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ | میں نے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا کہ میں اپنے رب

---

[1] جمال الدین ابن الحاجب: جمال الدین ابو عمرو عثمان بن عمر المعروف بابن الحاجب ان کی وفات ۵۴۶ھ = ۱۱۵۱ء میں ہوئی۔ مصنف کشف الظنون نے ان کی تاریخ وفات ۶۴۶ھ لکھی ہے۔ ان کی کتاب منتہی السؤال والامل فی علمی الاصول والجدل ہے جو مختصر ابن حاجب کے نام سے مشہور ہے۔

[2] سیف الدین آمدی: ابو الحسن سیف الدین علی بن ابو بکر علی بن محمد ثعلبی حنبلی ثم الشافعی معروف بسیف الدین آمدی متوفی ۶۳۱ھ = ۱۲۳۳ء۔ ان کی کتاب کا نام منتہی السؤل فی الاصول ہے (کشف الظنون ج ۲: ۳۴۷)۔ ان کی ایک اور کتاب ابکار الافکار علم کلام میں ہے۔ غایۃ المرام فی علم الکلام بھی انہی کی تالیف ہے۔ (کشف: ۲: ۵۰)

[3] صفی الدین محمد بن عبد الرحیم ہندی الارموی متوفی ۷۱۵ھ انہوں نے الرسالۃ السنیہ اصول فقہ میں (کشف الظنون ۱: ۸۴۴) اور الفائق فی اصول الدین لکھی ہے۔ (کشف الظنون: ۲: ۶۱) اور تیسری کتاب نہایۃ الوصول الی علم الاصول ہے (کشف الظنون ۲: ۴۰۸)

Marfat.com

کے پاس رات گذارتا ہوں اور وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

فرمایا: رب کے پاس ہونے سے مراد اس کی معیت ہے (اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جگہ سے منزہ ہے) اور کھلانے اور پلانے سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کو قوت بخشنا ہے۔

اس پر میں نے عرض کیا کہ ذاتِ ترابی کے لیے کیا انوار و تجلیات کا ذوق کافی ہو جاتا ہے کہ پھر کھانے کی حاجت نہیں رہتی؟

فرمایا: کافی نہیں ہوتا۔ فرض کرو کوئی شخص نبی کو پکڑلے اور اس کا کھانا پانی بند کر دے تو نبی یقیناً مر جائے گا اس لیے کہ مٹی سے پیدا ہوئی ہوئی ذات کے لیے مٹی ہی سے پیدا ہونے والی غذاؤں کا ہونا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کھاتے بھی ہیں، پیتے بھی ہیں، بھوکے بھی رہتے ہیں سیر بھی ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۲۴۔ ولادتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ کیا ولادتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت ہوئی جیسا کہ ایک جماعت کا خیال ہے اور انہوں نے ثبوت میں وہ حدیث پیش کی ہے جو عثمان بن ابی العاص[1] نے اپنی والدہ فاطمہ بنت عبد اللہ ثقفیہ[2] سے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت موجود تھی۔ جب آپ پیدا ہوئے تو تمام گھر نور سے بھر گیا اور کیا دیکھتی ہوں کہ ستارے قریب آرہے ہیں یہاں تک کہ یوں خیال ہوا کہ وہ مجھ پر آگریں گے۔ اس حدیث کی روایت بیہقی[3] اور ابن السکن[4] نے کی ہے اور ستارے صرف رات کے وقت پائے جاتے ہیں۔

یا یہ کہ آپ کی ولادت دن کو ہوئی اور محدثین نے مسلم وغیرہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے اسے صحیح سمجھا ہے مگر ساتھ ہی کہتے ہیں کہ یہ فجر سے تھوڑا سا وقت بعد میں ہوئی جیسا کہ ایک حدیث میں ہے اگرچہ وہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ فضائل و مناقب میں ضعیف حدیث پر بھی عمل کر لیا جاتا ہے۔ انہوں نے مذکورہ بالا حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ تارے تو فجر طلوع ہونے کے بعد تک دکھائی دیتے ہیں۔ لہٰذا اس حدیث سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت رات کے وقت طلوعِ فجر سے پہلے ہوئی۔

---

[1] عثمان بن ابی العاص ثقفی۔ صحابی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طائف کا گورنر مقرر کیا اور یہ وہاں ابوبکر اور عمر کے عہد خلافت میں بھی گورنر رہے۔ ان کی وفات ۵۱ھ = ۶۷۱ء میں ہوئی۔

[2] فاطمہ بنت عبد اللہ ثقفیہ: یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے موقعہ پر موجود تھیں۔ (استیعاب)

[3] بیہقی: ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی اپنے زمانہ میں حدیث میں یکتا تھے۔ یہ حاکم ابو عبد اللہ کے شاگرد تھے ۳۸۴ھ = ۹۹۴ء میں پیدا ہوئے اور ۴۵۸ھ میں چھہتر سال کی عمر میں وفات پائی۔

[4] ابن السکن: ابو علی سعید بن عثمان البغدادی محدث ہیں ان کی صحیح بھی قابلِ قدر سمجھی گئی ہے اس کا نام الصحیح المنتقی ہے۔ ان کی وفات ۳۵۳ھ = ۹۶۴ء میں ہوئی۔

Marfat.com

حضرت نے فرمایا (جس سے آپ کی ذاتِ کریمہ کے اسرار کا پتہ چلتا ہے) کہ واقعہ اور نفس الامر بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش رات کے آخری حصہ میں طلوع فجر سے بہت پہلے ہونا شروع ہوئی مگر آپکی والدہ ماجدہ کی خلاصی (کیونکہ آنول وغیرہ کو نکلنا تھا) کہیں طلوعِ فجر کے وقت جاکر ہوئی۔ وہ وقت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بطنِ مادر سے باہر آنے اور والدہ سے علیحدہ ہونے میں گذرا یہی دعا کے مقبولیت کا وقت ہوتا ہے جس کا ذکر احادیث میں آیا ہے۔ اور جس کی عظمت و بزرگی بیان کی گئی ہے۔ اس گھڑی کی مقبولیت کا وصف قیامت تک رہے گا۔

حضرت نے فرمایا یہی وہ وقت ہوتا ہے جس میں روئے زمین کے اولیاء جن میں غوثؒ اقطابِ سبعہ، اہلِ دائرہ اور عدد بھی شامل ہیں، اکٹھے ہوتے ہیں۔ ان کا اجتماع مکہ سے باہر غارِ حرا میں ہوتا ہے۔ یہی لوگ نورِ اسلام کے عمود کے حامل ہیں اور انہی کی بدولت تمام اُمت محمدیہ کو مدد حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا جس کی دعا ان کی دعا سے اور جس کی تہجد ان کی تہجد سے موافقت کھا جائے۔ خدا اس کی دعا کو قبول کرتا ہے اور اس کی دعا کو قبول کرتا ہے اور اس کی حاجت روائی کرتا ہے۔

حضرت ہمیں اکثر اس گھڑی کے وقت سے مطلع کیا کرتے اور فرماتے کہ مکّہ میں فاس ہے (کیونکہ مکّہ مشرق میں ہے اور فاس جنوب میں) لہٰذا اپنی تہجد میں مکہ کی فجر کا لحاظ رکھا کرو اور اسی کو اپنا معمول بناؤ پھر میں نے دریافت کیا کہ مکّہ میں فجر فاس سے کتنا عرصہ پہلے طلوع ہوتی ہے۔ اور فرمایا کہ مکہ میں فجر ابن جموح فخر دین کی مسجد کا موذن ہے اس کے اذان دینے سے تھوڑا وقت پہلے طلوع ہوتی ہے۔

میں نے عرض کیا پھر مقبولیت کی گھڑی وردی اور اس کے بعد سلاوی کے اٹھنے کے درمیان ہوئی۔

حضرت نے فرمایا: ہاں۔

چنانچہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے سورۂ کہف کی آخری آیت اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتۡ لَـهُمۡ جَنّٰتُ الۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا لَا يَبۡغُوۡنَ عَنۡهَا حِوَلًا سے لے کر آخر تک پڑھا کرتا تھا تاکہ میری آنکھ اس وقت کھل جائے۔ تقریباً سولہ سال اس پہ میرا عمل رہا۔ چنانچہ میری آنکھ بالعموم وردی کے وقت میں کھلا کرتی اور کبھی اگر دیر ہوجاتی تو سلاوی کے وقت میں کھلتی۔ دیگر ممالک کے اصحاب سے بھی جو اس مبارک گھڑی کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، میں نے یہی سنا ہے کہ وہ بھی اپنے ملک کی فجر طلوع ہونے سے بہت پہلے اٹھا کرتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ سف ۱۱۶

۲۵۔ ولادتِ نبویؐ کس ماہ میں ہوئی

میں نے حضرت سے دریافت کیا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کس ماہ میں ہوئی؟ کیونکہ اس میں علماء میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ بعضے صفر بتلاتے ہیں اور بعضے ربیع الآخر۔ بعضے رجب کہتے ہیں اور بعضے رمضان۔ بعضوں نے عاشوراء کا دن کہا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ مہینہ کی تعیین کا ہمیں علم نہیں ہے۔

حضرت نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ربیع الاول میں ہوئی۔

۲۶۔ آنحضرت صلعم کا یومِ ولادت

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ربیع

Marfat.com

کے مہینہ میں کس دن ہوئی کیونکہ اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض ۲ رربیع الاوّل بعض ساتؔ اور اکثر علماء نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ بعض نے ۹ اور بعض نے ۱۲ ربیع الاوّل بیان کیا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۷ ربیع الاوّل کو ہوئی۔ یہی حقیقت نفس الامری ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ربیع الاول کی ساتویں رات ہوئی جیسا کہ بیان ہو چکا کہ آپ کی ولادت رات کے وقت ہوئی۔

۲۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سالِ ولادت

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کس سال ہوئی؟ کیونکہ اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ عام الفیل میں ہوئی اور ہاتھیوں کے واقعہ سے پچاس دن بعد ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ اس واقعہ سے پچپن ماہ بعد ہوئی۔ بعض چالیس ماہ بعد، بعض دس سال بعد اور بعض ۱۵ سال بعد بتاتے ہیں۔

جواب حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو عام الفیل میں، مگر ہوئی ہاتھیوں کے آنے سے پہلے اور اللہ تعالیٰ نے مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ پاک کی بدولت ہی تو ہاتھیوں کو مکہ سے دھکیل دیا تھا۔ میں نے حضرت سے یہ نہ پوچھا کہ ہاتھیوں کے آنے سے کس قدر پہلے ہوئی۔ اگر دریافت کرتا تو حضرت تعیین فرما دیتے کیونکہ اگر آپ انہیں جواب دیتے ہوئے سن لیں تو اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں سنیں۔ واللہ اعلم۔

۲۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مُدّتِ حمل

میں نے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدّتِ حمل کس قدر تھی؟

جواب: حضرت نے فرمایا: آپؐ کی مدت حمل دس ماہ تھی۔

۲۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل کے بال

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل شریف میں بال تھے یا نہ تھے کیونکہ اس میں بھی علماء میں بہت اختلاف ہے جس کا ذکر بہت لمبا ہے۔

جواب فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل میں اتنے بال نہ تھے کہ نوچے جا سکیں۔ بلکہ بہت ہی کم بال تھے یعنی آپ کی بغل مبارک سفید تھی، جس میں تھوڑی سی بالوں کی سیاہی ملی ہوئی تھی آپ کی بغلوں میں کم بال ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی چھاتی کے اوپر کے حصہ اور کندھوں پر بال بہت زیادہ تھے۔ چنانچہ ان دونوں اعضاء پر بکثرت بال تھنے یہی وجہ تھی کہ آپ کی بغلوں میں بال کم تھے۔ واللہ اعلم۔

مؤلف کہتا ہے میں جب بعض روایات میں دیکھتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر بال تھے تو یہ بات مجھے سمجھ نہ آتی تھی، تا آنکہ جب میں نے حضرت سے یہ کلام منوّر سنا تو فوراً یہ بات سمجھ میں آ گئی۔

۳۰۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابرو ملے ہوئے تھے

میں نے پھر دریافت کیا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابرو ملے ہوئے تھے جیسا کہ ایک روایت میں ہے یا غیر اقرن (یعنی ابروؤں میں فاصلہ تھا) تھے جیسا کہ دوسری

Marfat.com

روایت میں ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اقرن نہ تھے یعنی آپ کے ابرو آپس میں ملے ہوئے نہ تھے۔

۲۳۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چال میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چال مبارک کے متعلق دریافت کیا کہ کیا آپ دائیں بائیں جھک کر چلتے تھے جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے یا آگے کو جھک کر چلتے تھے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ گویا آپ ڈھلان کی طرف اتر رہے ہیں۔

فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دائیں بائیں جُھک کر چلتے تھے۔ اس وقت ہمارے ساتھ کوئی اور نہ تھا۔ تو فرمایا: لو میں تمہیں دکھاؤں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیاتی میں اس دنیا میں کیسے چلا کرتے تھے اور آپ آگے کو تقریباً ساٹھ قدم چلے۔ میں نے آپ کو دائیں بائیں جُھکتے دیکھنا۔ یہ ایک ایسی چال تھی جس کی خوبی کو دیکھ کر میری عقل اڑنے کو تھی۔ میں نے اس سے زیادہ خوبصورت اور زیادہ محیّر العقول چال کبھی نہیں دیکھی۔ خدا حضرت سے راضی ہو۔ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کس قدر صحیح علم تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کے متعلق روایات میں بڑا اختلاف ہے اس لیے میں نے حضرت سے حضور علیہ السلام کی ریش مبارک کے متعلق دریافت کیا۔ ص ۱۱۷

فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک گھنی تھی اور ساتھ ہی ٹھوڑی متوسط طور پر لمبی تھی اور جہاں رُخسارہ اور ٹھوڑی ملتے ہیں۔ وہاں ریش مبارک ہلکی تھی۔

۲۳۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بال سفید بال۔ خضاب اور چونہ کا استعمال میں نے حضرت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں، کیونکہ اس میں اختلاف ہے، آپ کے سفید بالوں اور خضاب کے متعلق دریافت کیا اور پوچھا کیا آنحضرت نے چونہ استعمال کیا؟

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال کبھی لمبے ہوتے تھے اور کبھی چھوٹے۔ ہمیشہ ایک جیسے نہ ہوتے تھے اور پیشانی کے پاس بال کتر دیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے سوا کبھی سر کے بال نہیں منڈوائے۔ نچلے ہونٹ اور ٹھوڑی کے درمیان تقریباً ۵ سفید بال تھے۔ کچھ تھوڑے سے کنپٹیوں میں تھے اور ٹھوڑی میں اس سے کچھ زیادہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہندی سے داڑھی کو خضاب لگایا مگر صرف اس وقت جب آپ مکہ میں بطور فاتح داخل ہوئے اور چند بار مدینہ میں بھی۔ آپ نے چونہ کا استعمال بھی کیا۔ حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ چونہ تیار کیا کرتی تھیں۔

شق صدر میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شقِ صدر کتنی بار ہوا۔ کیونکہ احادیث میں اس بارے میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر تین بار ہوا۔ پہلی بار حلیمہ کے پاس جب کہ آپ

Marfat.com

کے سینۂ مبارک سے شیطانی حصّہ نکال دیا گیا کیونکہ ذاتِ ترابی کا تقاضا یہ ہے کہ حکم کی مخالفت کرے اور اپنی خواہشات کے پیچھے چلے۔ دوسری بار جب آپ کی عمر دس سال کی تھی۔ اس بار بیہودہ وساوس کو جڑ سے نکال دیا گیا اور تیسری بار نبوت کے وقت میں نے حضرت سے یہ نہ پوچھا کہ اس مرتبہ کون سی چیز نکالی گئی۔

بہت سی احادیث کے ظاہری الفاظ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ معراج کی رات بھی شقِ صدر ہوا

حضرت نے فرمایا: مگر یہ درست نہیں ہے۔

پھر فرمایا کہ شقِ صدر نہ تو کسی اوزار سے کیا گیا اور نہ اس میں خون بہا اور بغیر سلائی اور آلہ کے آپ کا سینۂ مبارک پھر جڑ گیا۔ اس تمام عمل کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی کیونکہ یہ یہ اللہ سبحانہٗ کا فعل ہے۔ واللہ اعلم۔

مؤلف کہتا ہے کہ جو شقِ صدر اُس وقت ہوا جب کہ آپ حلیمہ کے پاس تھے اس پر بخاری اور مُسلم کا اتفاق ہے۔ دس سال کی عمر میں جو شق صدر ہوا اس کا ذکر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں آیا ہے جسے عبداللہ ابن الامام احمد[1] نے زوائدِ مسند میں بیان کیا ہے اور جو شق صدر نبوت یعنی ابتداء بعثت کے وقت ہوا۔ اس کا ذکر ابوداؤد طیالسی[2] نے اپنی مسند میں، ابونعیم[3] نے اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں کیا ہے مگر جو شقِ صدر معراج کے وقت ہوا اس سے بعض نے انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کا ذکر صرف شریک بن[4] عبداللہ بن ابی نمر المدنی کی روایت میں آیا ہے۔ اور شریک منکر الحدیث ہے ابن حجر کہتے ہیں کہ درست یہ ہے کہ یہ شق صدر بھی شریک کے سوا اوروں کی روایت سے صحیحین میں ثابت ہے۔ یہ ابوذر[5] کی حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھیں ابنِ حجر (فتح الباری)

ع۱ عبداللہ بن الامام احمد: ان کی پیدائش ۲۱۳ھ = ۸۲۸ء میں ہوئی۔ انہیں زاہد کے لقب سے پکارا جاتا تھا اور اپنے باپ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ سے حدیث سُنی۔ ان کی وفات ۲۹۰ھ = ۹۰۲ء میں ہوئی۔

ع۲ ابوداؤد طیالسی: سلیمان بن داؤد طیالسی۔ یہ دراصل فارسی نسل کے تھے۔ بہت تیز حافظہ والے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی مسند پہلی مسند ہے جو لکھی گئی ہے۔ ان کی وفات ۲۰۴ھ = ۸۱۹ء میں ہوئی۔

ع۳ ابونعیم: احمد بن عبداللہ الاصفہانی۔ یہ حلیۃ الاولیا کے مصنف ہیں۔ حدیث کے استادوں میں سے تھے ۳۳۴ھ = ۹۴۵ء میں پیدا ہوئے اور ۴۳۰ھ = ۱۰۳۸ء میں وفات پائی۔ چھیانوے سال کی عمر پائی۔

ع۴ شریک بن عبداللہ بن ابی نمر: انہوں نے انس، سعید بن المسیب، عبدالرحمٰن وغیرہم سے روایت کی۔ ابن معین اور نسائی کہتے ہیں کہ ان کی حدیث میں کوئی قباحت نہیں۔ ابن سعد کہتے ہیں ثقہ اور کثیر الحدیث ہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں جب ان سے ثقہ روایت کریں تو ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ابن حبان نے بھی انہیں ثقات میں شمار کیا ہے۔ مگر بعض اوقات غلطی کھا جاتے ہیں۔ نسائی کا دوسرا قول ہے کہ یہ قوی نہیں ہیں۔ اور یحییٰ بن سعید ان کی حدیث کی روایت نہیں کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۳۷-۳۳۸)

ع۵ ابوذر: ابوذر غفاری۔ ان کے نام میں بہت اختلاف ہے۔ اکثر کا خیال ہے کہ ان کا نام جندب بن جنادہ ہے۔ یہ قدیم اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ اور پانچویں ایمان لانے والے ہیں۔ ان کے ایمان لانے کا واقعہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو انہوں نے اپنے بھائی کو مکہ روانہ کیا تاکہ جاکر خبر لائے وہ مکہ آیا اور واپس جاکر بتایا کہ وہ شخص

Marfat.com

کتاب التوحید کے آخر میں۔ حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت بالکل اُمّی تھے۔ لہذا آپ کا کلام خالص کشف اور عیان تھا۔ لہذا درست یہی ہو گا کہ معراج کے وقت شق صدر واقع نہ ہوا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۵۔ کیا آنحضرت صلعم کی انگشت شہادت درمیانی انگشت سے بڑی تھی؟ میں نے حضرت سے سوال کیا کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی انگشتِ شہادت درمیانی انگشت سے بڑی تھی کیا یہ صحیح ہے؟

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کی شہادت کی انگلی پاؤں کی درمیانی انگلی سے بڑی تھی مگر آپ کے ہاتھوں کی شہادت کی انگلیاں درمیانی انگلیوں کے برابر تھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۶۔ جبرئیلؑ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تین بار بھینچنا۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ جب جبرئیل علیہ السلام قرآن مجید کی پہلی وحی اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ لے کر آئے اور انہوں نے آنحضرتؐ کو تین بار بھینچا تو آنحضرت نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِئٍ (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) تب جبرئیل نے آپ کو پورے زور سے بھینچا۔ یہ کیوں کر ہوا؟

حضرت نے فرمایا کہ جبرئیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی بار تو اس لیے بھینچا تھا کہ آنحضرت کو بارگاہِ خداوندی میں وسیلہ بنا کر خدا کی ایسی ابدی رضامندی حاصل کریں جس کے بعد کوئی ناراضگی نہ ہو۔ دوسری بار بھینچنا اس لیے تھا کہ جاہِ محمدی میں داخل ہو اور آپ کے جمالِ شریف کی پناہ میں آجاوے اور تیسری بار اس لیے بھینچا کہ آپ کی اُمّت میں شامل ہو جائے۔

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہنا کہ اِقْرَأْ (پڑھو) اس سے مراد ہے کہ کلامِ قدیم کو اپنی حادث (جسمانی زبان) سے لوگوں تک پہنچا دیں کیونکہ اسی مقام پر تمام کا تمام قرآن مجید نازل ہو گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کہ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ (سورۂ بقرہ (پارہ ۲ آیت ۱۸۵)) سے یہی مراد ہے۔ پھر فرمایا کہ جبرئیل کا مطالبہ یہ تھا کہ آپ ان معانی قدیمہ اور اس ازلی مکالمہ کو جو آپ کو اس وقت حاصل ہوا تھا، لوگوں تک پہنچا دیں۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں (مَا اَنَا بِقَارِئٍ) یعنی کلامِ قدیم اور قولِ ازلی کو اپنی جسمانی اور حادث زبان سے ادا کرنے کی طاقت نہیں

بقیہ صہ ۲۳۵ مکارم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔ اور جو کلام وہ پڑھتا ہے وہ نہ شعر ہے اور نہ کاہنوں کی زبان۔ ابوذر کو اس کے بیان سے تشفی نہ ہوئی۔ اس لیے خود روانہ ہو گئے۔ مکہ پہنچے مگر کسی کو اپنے دل کی بات نہ بتائی۔ خود تلاش کرتے رہے اور کسی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھا بھی نہیں۔ چنانچہ رات ہو گئی اور یہ خانہ کعبہ میں پڑے رہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ادھر آنا ہوا۔ وہ انہیں گھر لے گئے مگر کسی قسم کی بات نہ کی۔ اسی طرح تین دن اور تین راتیں گذریں حضرت علیؓ اور ان کا یہی معاملہ ہوتا رہا۔ بالآخر حضرت نے پوچھا کہ تو کون ہے اور کیوں مکہ آیا ہے اس پر ابوذر نے بتایا اور صبح جا کر آنحضرت کی خدمت میں ایمان لے آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خاموشی سے وطن چلے جانے کو کہا مگر انہوں نے کعبہ کے اندر اپنے ایمان کا اعلان کیا۔ کفار نے انہیں خوب مارا حضرت عباس نے انہیں یہ کہہ کر چھڑا لیا کہ یہ بنی غفار میں سے ہے۔ اگر تم نے اسے مار ڈالا تو اس کی قوم تمہارا شام کی تجارت کا راستہ بند کر دے گی۔ کافروں نے انہیں ملنا بند کر دیا۔ پھر دوسرے دن اور اسی طرح کیا اور کافروں نے پھر مارا۔ اس کے بعد یہ وطن چلے گئے اور ہجرت کے بعد مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کی وفات ۳۱ھ = ۶۵۱ء میں ہوئی۔

Marfat.com

رکھتا۔ اس پر جبرئیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا کہ وہ کس طرح اس حادث زبان سے کلامِ ازلی کو لوگوں تک پہنچائیں۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرئیل سے بڑی محبت تھی۔ صفہ ۱۱

اس کے بعد حضرت نے اس بارے میں وہ وہ باتیں بیان کیں کہ ہماری عقلیں حیرت زدہ ہوگئیں اور تقریباً سارا دن اس بیان کو جاری رکھا۔ اس بیان میں اس قدر اسرار پائے جاتے ہیں کہ اُن کا لکھنا روا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۷۔ حدیث اَرَاَیْتَکُمْ لَیْلَتَکُمْ هٰذِهٖ

پھر میں نے حضرت سے حدیث اَرَاَیْتَکُمْ لَیْلَتَکُمْ هٰذِهٖ کے متعلق دریافت کیا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سو سال تک اس قرآن کے ختم ہو جانے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے تھوڑا ہی عرصہ پہلے یہ حدیث فرمائی تھی۔ در حقیقت یہ آپ کی روحِ مبارک کا کلام ہے جو آپ کی ذاتِ کریمہ کی تعزیت کر رہی اور اسے تسلی دے رہی ہے کیونکہ آپ کو قربِ وفات کا علم ہو چکا تھا، تو آپ کی روح نے اس پوشیدہ راز کا اظہار کیا۔ تاکہ آپ کی ذات کو تسلی ہو جائے۔

مؤلف کہتا ہے کہ حضرت نے سچ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث وفات سے تھوڑا ہی عرصہ پہلے فرمائی کیونکہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں جابر[1] رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک ماہ پہلے کا ہے۔ اس اُمّی امام کا کیا کہنا۔ یہ شمائلِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا خوب واقف تھا

اس پر میں نے حضرت سے دریافت کیا اور میرے سوال کرنے کا اصل مقصد بھی یہی تھا۔ کیا اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے ہم کو ان لوگوں کی تکذیب کرنا صحیح ہوگا جو اس قرن کے گذر جانے کے بعد بھی صحبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کریں جس طرح کہ ان لوگوں کی تکذیب کی جاتی ہے جو دو سو سال بعد یا اسی طرح جو ۶۰۰ سال بعد یا آٹھویں صدی میں صحبت کا دعویٰ کریں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو عکراش[2] اور معمر المغربی[3] اور رتین[4] [ص۔ رتن]

---

[1] جابر: جابر بن عبد اللہ بہت پایہ کے صحابی تھے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۱۹ غزووں میں شرکت کی۔ جنگِ بدر اور احد میں انہوں نے شرکت نہیں کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے لیلۃ البعیر میں پچیس مرتبہ دعاءِ مغفرت کی۔ ان کی وفات ۷۸ھ = ۶۹۷ء میں ہوئی۔

[2] عکراش: بن ذویب بن حرقوص۔ ابنِ عبد البر نے استیعاب میں لکھا ہے کہ انہوں نے صرف ایک حدیث روایت کی ہے مگر ابنِ حجر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے دو حدیثیں روایت کی ہیں۔ یہ صحابی تھے۔ جنگِ جمل میں حضرت عائشہ کے ساتھ تھے۔ سو سال عمر پائی۔

[3] معمر مغربی: ان کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

[4] رتین: اصل کتاب میں اسی طرح دیا گیا ہے۔ مولوی عاشق علی صاحب نے اپنے ترجمہ میں تین لکھا ہے اور یہ سب غلط ہے۔ اصل نام رتن ہے۔ اور یہ شخص بابا رتن ہندی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ شخص بھٹنڈہ کا رہنے والا تھا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے تقریباً آٹھ سو سال عمر پائی اور صحابی تھا۔ لیکن ابن حجر نے اس کا رد کیا ہے۔

ہندی۔ حافظ ابنِ حجر نے اپنی کتاب الاصابہ (فی معرفۃ الصحابہ) میں صحابہ کے بیان میں اس پر خوب بحث کی ہے اسی طرح ان کے شاگرد شمس الدین السخاوی[1] نے بھی الفیہ فی اصطلاح الحدیث کی شرح میں اس پر بحث کی ہے اور حافظ سیوطی نے بھی اپنی کتاب الحاوی فی الفتادی میں۔

حضرت نے فرمایا صحابہ کی تعداد کا احاطہ نہیں ہو سکتا کیونکہ کچھ تو آپ کی وفات سے پہلے دنیا میں منتشر ہو گئے تھے۔ اور کچھ وفات کے بعد اور ایک جماعت اطرافِ دنیا میں چکر لگاتی ہوئی چلی گئی۔ حدیث مذکورہ عام معقول میں ہے جس سے مراد وہ خاص صحابہ ہیں جو لوگوں میں صحابی ہونے کے لحاظ سے مشہور و معروف ہیں۔ کشف اور عیان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے!

اس کے بعد میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ کیا جراجہ کے لوگ صحابی تھے. جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنحضرتؐ کی زندگی میں آئے اور آپ نے بربری زبان میں ان سے گفتگو کی۔ اس حکایت کا ذکر شہاب[2] الدین خفاجی نے شرح شفاء میں کیا ہے۔ لیکن کوئی متصل سند بیان نہیں کی اور کئی ایک ائمہ نے اس واقعہ کو عجیب و غریب خیال کیا ہے۔

حضرت نے فرمایا: یہ لوگ صحابی نہیں ہیں۔ اہلِ بصیرت پر نورِ صحبت مخفی نہیں رہتا بلکہ تمام مغرب میں کوئی صحابی نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ سب حضرت سے ہم نے ان احادیث کے متعلق سنا جو ہمیں مشکل دکھائی دیں۔ ہم اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں کیونکہ اسی قدر مریدکے لیے کافی ہے۔ واللہ اعلم۔

---

[1] شمس الدین سخاوی: شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی متوفی ۹۰۲ھ = ۱۴۹۶ء کاتب حلبی مصنف کشف الظنون لکھتے ہیں کہ الفیہ کی شرحوں میں یہ بہترین شرح ہے۔

[2] شہاب الدین خفاجی: احمد شہاب الدین خفاجی شارح شفا عیاض۔ انہوں نے یہ شرح ۱۰۵۸ھ = ۱۶۴۸ء میں ختم کی۔ انہوں نے بہت سی تصانیف کی ہیں۔ یکمل فہرست نہ ہونے کی وجہ سے مجھے جراجہ کا قصہ خفاجی میں نہ مل سکا البتہ مصادہ کا قصہ ج۱: ۵۳۲ پر دیا ہے کہ یہ لوگ آئے۔ جب مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے نہ تھے، تو اپنی زبان میں کہا "من الوان اسیران" یعنی تم میں کون رسول اللہ ہیں۔ مگر کوئی صحابی اس کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کی زبان میں جواب دیا "اشکلادر" یعنی ادھر آؤ۔ اس کے بعد وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی زبان میں دیر تک باتیں کرتے رہے اور ایمان لا کر واپس چلے گئے۔

Marfat.com

دُوسرا باب

قرآنی آیات اور قرآنی آیات میں سُریانی الفاظ کی تشریح۔ پھر سُورتوں کے ابتدائی حروف مثلاً ص۔ ق۔ یٰسٓ۔ طٰهٰ۔ کٓھٰیٰعٓصٓ۔ الٓمٓ۔ الٓرٰ۔ کی تفسیر اور ان کے علاوہ دیگر اسرارِ الٰہیہ کا بیان جن کا علم آپ کو اس باب میں ہو جائے گا۔

۱۔ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ (سورہ اعراف آیت: ۱۹۰)

اللہ تعالیٰ نے آدم اور حوّاء کے قصہ میں فرمایا ہے فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ (جب اللہ نے انہیں صالح لڑکا عطا فرمایا تو انہوں نے اللہ کے دیئے ہوئے میں اس کے شریک بنا لیے۔ اللہ کی ذات ان کے تجویز کردہ شرک سے بلند ہے)

میں نے عرض کیا کہ حضرت آدم علیہ السّلام اللہ کے نبی اور پیارے ہیں۔ وہ اللہ کے لیے کیسے شریک تجویز کر سکتے ہیں؟

حضرت نے فرمایا: یہاں تو بیٹوں اور اولاد کے لیے باپ کو عتاب ہوا ہے (یعنی کیا ان انسانوں نے جو حضرت کی اولاد ہیں اور عتاب ہے حضرتِ آدم کو) مثال کے طور پر ایک شخص کا باغ ہے جس میں مختلف قسم کے پھل اور میوے ہیں۔ زید کی اولاد آکر پھل توڑتی ہے اور باغ کو ویران کر دیتی ہے۔ اس پر باغ کا مالک زید کے پاس آکر اس سے جھگڑتا ہے اور اسے عتاب کرتا ہے کہ تو نے میرا باغ ویران کر دیا اور میرا پھل کھا لیا اور تو نے ایسا ایسا کیا۔ اسی طرز پر حضرت آدم کے قصہ میں حضرتِ آدم کو عتاب ہوا ہے۔ میں نے یہ جواب ابتدائی زمانہ میں حضرت سے سُنا تھا۔

مؤلف کہتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس جو حبرِ اُمّت کہلاتے ہیں۔ اُن کا یہی قول ہے۔ حافظ سیوطی نے اس قول کو اپنی کتاب "الدّرّ المنثور فی تفسیر القرآن بالماثور" میں نقل کیا ہے اور سیّد جرجانی[۱] نے شرح مواقف میں اسے ہی اختیار کیا ہے۔ خدا اس سیّد جلیل سے راضی ہو، اسے اللہ اور اس کے انبیاء کے متعلق کس قدر علم حاصل ہے۔ اس تشریح کا استدلال یہ ہے کہ اس آیت کے خاتمہ کا سیاق صرف کفّار کے متعلق درست بیٹھ سکتا ہے کیونکہ جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ میں شُرَكَآءَ جمع کا صیغہ ہے جو صرف کُفّار کے متعلق درست ہو سکتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[۱] سیّد جرجانی: سیّد شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ = ۱۴۱۳ء۔ انہوں نے مواقف فی علم الکلام مولفہ عضد الدین عبدالرحمٰن بن احمد کی شرح لکھی ہے۔

Marfat.com

۲۔ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ (سورۂ بقرہ آیت ۳۰)

میں نے حضرت سے ملائکہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق دریافت کیا کہ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ اور عرض کیا کہ اس میں تو ایک قسم کی غیبت پائی جاتی ہے (جو گناہِ کبیرہ ہے) اور ملائکہ معصوم ہیں۔

حضرت نے فرمایا اس میں کوئی غیبت نہیں پائی جاتی اور نہ ان سے سرزد ہو سکتی ہے کیونکہ وہ تو اللہ کے مکرّم بندے ہیں۔ اُن کے کلام کا اصل مفہوم صرف اتنا ہے کہ اے خدا کیا تو اُن انسانوں کو اس دنیا میں خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو تجھ سے حجاب میں ہے، حالانکہ تمہارے پاس وہ فرشتے موجود ہیں جو تجھ سے محجوب نہیں ہیں اور ان میں خلیفہ بننے کی صلاحیت بھی پائی جاتی ہے یعنی ہمیں خلیفہ بنانا چاہیئے، کیونکہ ہم تمہارا مشاہدہ کرتے ہیں۔ تمہاری قدر پہچانتے ہیں۔ لہذا تمہاری حکم عدولی نہیں کرتے اور محجوب تمہاری قدر نہیں جانتا اس لیے نافرمانی کرتا ہے۔ بالفاظِ دیگر انہوں نے یوں کہا کہ خدایا کیا تو ایسے انسانوں کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو تجھے نہیں پہچانتے اور ہم تجھے پہچانتے ہیں اور یہ اُن کی طرف سے اپنے مبلغ علم اور عقیدہ کے مطابق اطلاع دہانی تھی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) یعنی تمہارا یہ خیال کہ محجوب میری قدر پہچان نہیں سکتا اور یہ کہ میری قدر صرف وہی پہچان سکتا ہے جو میرا مشاہدہ کر رہا ہو۔ یہ صرف تمہارے مبلغ علم کے مطابق ہے مگر میرا علم اس سے کہیں بالا و بلند ہے کیونکہ میں محجوب کو طاقت ور بنا دوں گا اور اپنے اور اس کے درمیان سے حجاب دور کر دوں گا یہاں تک کہ اسے میری معرفت حاصل ہو جائے اور اسے میرے متعلق اس قدر علم حاصل ہو جائے جس کی تم میں قدرت نہیں ہے۔ اسی واسطے فرمایا: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (آدم علیہ السلام کو تمام اسماء کا علم دیا) الآیات۔

اس پر میں نے سوال کیا کہ کیا اس آیت میں تمام ملائکہ کو خطاب کیا گیا ہے یا صرف ملائکہ ارضی کو؟

حضرت نے فرمایا کہ اس آیت میں صرف ملائکہ ارضی کو خطاب ہے۔

مؤلف کہتا ہے کہ مفسرین کی ایک جماعت کا جن میں حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباس شامل ہیں یہی قول ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو تفسیر ثعلبی[1] وغیرہ۔

اس کے بعد حضرت نے فرشتوں اور ابلیس اور اس قصہ کے متعلق تقریر جاری رکھی اور ایسی ایسی باتیں بیان کیں جن کے سمجھنے سے عقول قاصر ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

میں نے حضرت کو یہ بھی کہتے ہوئے سنا کہ فرشتوں نے بنی آدم کے محجوب اور اس کے خود رائے ہونے کو

---

[1] ثعلبی: ابو اسحٰق احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی نیشاپوری متوفی ۴۲۷ھ ۱۰۳۵ء۔ ان کی تفسیر کا نام الکشف والبیان فی تفسیر القرآن ہے۔

Marfat.com

"خلیفہ" کے لفظ سے سمجھا اسی لیے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا کیونکہ خلیفہ کی شان یہی ہے کہ وہ خود رائی ہو اور غیر سے منقطع ہو۔ لہذا وہ تدبیر، انجام کا علم اور مصلحتوں میں غور و فکر کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے آپ کو منقطع کر لیتا ہے اسی میں اس کی ہلاکت اور موت ہوتی ہے لہذا خلیفہ کے لفظ سے ہی انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ الذ ان اللہ سے محجوب ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۔ اِتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ (سورہ زمر آیت ۵۵)

میں نے حضرت سے آیت اِتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ کے متعلق دریافت کرتے ہوئے عرض کیا کہ اس آیت سے تو یہ مفہوم نکلتا ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ اَحْسَن نہیں ہے حالانکہ قرآن مجید تمام کا تمام اَحْسَن ہے۔ میں نے حضرت سے اس بارے میں علماء نے جو جوابات دیے ہیں، وہ بھی ذکر کر دیے مثلاً (۱) یہ کہ مظلوم کے لیے اس آیت کے مطابق کہ فَاعْتَدُوْا بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ [جتنا ظلم اس نے کیا ہے اتنا تم بھی کر لو۔] انتقام لینا جائز ہے۔ مگر اس کے لیے اَحْسَن یہی ہے کہ وہ صبر کرلے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ [اگر تم صبر کرو تو صبر یقیناً صابر لوگوں کے لیے بہتر ہے] اس کا مطلب یہ ہوا کہ بجائے سزا دینے کے معاف کر دیا کرو۔ عقوبت (سزا) یہاں ایک نیکی ہے مگر عفو اس سے بھی بہتر ہے۔ یا (۲) اَحْسَن سے مراد ناسخ ہے اور حَسَن سے منسوخ۔ (۳) اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ بعض بندگان مطیع ہیں اور بعض عاصی۔ لہذا ہمیں مطیع کی تابعداری کرنی چاہیئے۔ یہی اَحْسَن ہے۔ (۴) اِتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ سے مراد یہ ہے کہ جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان کی تابعداری کرو۔ نہ کہ ان کی جن سے منع کیا گیا ہے (۵) عزیمت کے پیچھے جاؤ۔ رخصت کے پیچھے نہ جاؤ کیونکہ عزائم احسن ہیں اور رخصت حَسَن۔

علماء کے یہ پانچ جواب ذکر کرنے کے بعد میں نے عرض کیا ان جوابات کو آیت سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے پہلے جواب میں اس طرح کہ آیت کے آخری الفاظ اس بات کے مقتضی ہیں کہ جو شخص اَحْسَن کی تابعداری نہ کرے گا اس پر خدا کا عذاب نازل ہونے کا ڈر ہے اور وہ ساحرین و کافرین میں سے ہوگا اور معاف نہ کرنے والے پر ہم یہ حکم نہیں لگا سکتے۔

دوسرا جواب: اگر مراد یہ ہے کہ منسوخ پر عمل کرنا حَسَن ہے تو یہ درست نہیں کیونکہ جس پر عمل کرنا منسوخ قرار دیا گیا، اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر تلاوت کے اعتبار سے منسوخ کو حَسَن قرار دیا جائے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ اس اعتبار سے ناسخ و منسوخ دونوں اَحْسَن ہیں۔

تیسرا جواب: عاصی کی تابعداری ہی جائز نہیں چہ جائے کہ اسے حَسَن قرار دیا جائے۔

چوتھا اور پانچواں جواب: یہی بات ممنوع امور کے متعلق کہی جا سکتی ہے۔ اب رہی رخصت تو اگرچہ اسے
صفہ ۱۴ رخصت کہا جا سکتا ہے مگر اس کا مرتکب ان اوصاف کا مستحق قرار نہیں دیا جا سکتا جن کا ذکر آیت کے آخر میں آیا ہے بعینہٖ اس معاف نہ کرنے والے کی طرح جس کا ذکر پہلے جواب میں ہو چکا۔ کیونکہ آیت کے آخر میں مذکورہ اوصاف

Marfat.com

اس پر چسپاں نہیں ہو سکتے۔ مختصر یہ کہ اَحْسَن کا لفظ پہلے اور پانچویں جواب میں آیت کے آخری حصّہ سے مناسبت نہیں رکھتا اور نہ باقی جوابات میں حَسَن کا لفظ مناسبت رکھتا ہے۔ لہٰذا اس اَحْسَن میں اشکال ہوا۔

حضرت نے فرمایا: ان جوابات میں سے کسی میں بھی نہ آیت کا راز پایا جاتا ہے، نہ نور کا۔ اس آیت کا ستر اور نور یہ کہ "میرے بندو! کتاب اور رسول ہونے کے اعتبار سے جو چیز تم پر اتاری گئی ہے اس میں سے اَحْسَن کی تابعداری کرو۔ لہٰذا جتنی کتابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر اتاری گئیں اُن میں سے اَحْسَن قرآن ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اَحْسَن رسول۔ لہٰذا حَسَن اللہ کی طرف سے پہلی اُتری ہوئی کتابیں ہیں بشرطیکہ ان میں تبدیلی واقع نہ ہو چکی ہو۔ نیز وہ تمام رسول بھی حُسَن ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مبعوث ہوئے۔

میں نے عرض کی کہ کتبِ الٰہیہ میں سے تو توراۃ اور انجیل بھی ہیں اور آیت میں اِلَیکُمْ (تم پر) کا لفظ اس کے منافی ہے کیوں کہ اس سے تو یہ مراد ہو گی کہ اَحْسَن کی طرح حَسَن بھی ہم پہ اتاری گئی۔ حالانکہ توراۃ یہود پر نازل ہوئی اور انجیل یہود اور نصاریٰ دونوں پہ۔

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام عرب، یہود، نصاریٰ اور دیگر اقوام عالم کے لئے عام ہے لہٰذا قرآن اَحْسَن ہے۔ وہ ان سب لوگوں کی طرف اتارا گیا ہے اور وہ کتبِ الٰہیہ جو حَسَن ہیں وہ اپنی اپنی قوم کی طرف اتاری گئیں۔ چنانچہ عربوں پر شریعتِ اسمٰعیل۔ یہود پر توراۃ اور نصاریٰ پر انجیل۔ لہٰذا حَسَن من حیث المجموع ان پر اتارا گیا اور یہ بات واضح ہے۔

مؤلف کہتا ہے کہ مفسرین کی ایک جماعت نے بھی یہی قول بیان کیا ہے کہ اَحْسَن سے مراد قرآن ہے لیکن تمام بات حضرت کی تقریر سے واضح ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ معنی آخر آیت کے سیاق سے مناسبت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ جو قرآن اور رسول کی تابعداری نہ کرے گا اور ان سے کفر کرے گا۔ وہ آیت کے آخر میں مذکورہ اوصاف کا مستحق ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں سمع کو بصر پر مقدم کیوں لایا گیا ہے

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ ان آیات میں سمع کو بصر پر مقدم لایا گیا ہے مثلاً جَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ (سورۂ نحل آیت ۷۸)۔ اَنْشَأَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ۔ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۳۶) وغیرہ آیات۔ حالانکہ بصارت کا فائدہ زیادہ ہے اور اس کا نفع زیادہ عام ہے کیونکہ دن اور رات کا فائدہ بینا آدمی سے مخصوص ہے مگر ایسا شنوا آدمی جس کی بینائی نہ ہو۔ اس کے نزدیک تو دن اور رات اور تاریکی اور سورج اور چاند برابر ہیں اور وہ ان درخشندہ سیارگان کا نور معلوم نہیں کرسکتا یہی بات خدا کی پیدا کردہ عجیب وغریب اشیاء کے متعلق ہے کہ وہ ان کو دیکھ کر عبرت حاصل نہیں کرسکتا۔ کیوں کہ ان میں سے اکثر مخلوقات کی شکل میں ہوتی ہیں اور ان کی ترکیب کی خوبصورتی اور اُن کی صورتیں صرف بصارت سے ہی معلوم کی جاتی ہیں۔ چنانچہ بنی نوع انسان، حیوانات، قسم قسم کی نباتات اور پھولوں کی خوبصورتی کا ادراک صرف

Marfat.com

بصارت سے ہی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح آسمانوں کی تخلیق، ان کا بلند اور بغیر ستون کے ہونا اور ستاروں سے ان کو مزین کرنا وغیرہ لاتعداد فوائد ایسے امور ہیں جن کا ادراک صرف بصارت سے ہوتا ہے لہذا بظاہر تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ بصارت زیادہ قوی ہے لہذا احق یہ تھا کہ اسے سمع پر مقدم لایا جائے۔

حضرت نے فرمایا: جو کچھ تم نے بصارت کے متعلق بیان کیا ہے درست ہے۔ مگر سمع میں ایک ایسا فائدہ پایا جاتا ہے جو ان تمام کے قائم مقام ہو سکتا ہے بلکہ ان سب پر فوقیت لے گیا ہے۔ یعنی یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا بھیجنے والا اللہ تعالیٰ اور تمام وہ غیبی امور جن پر ایمان لانا ضروری ہے ان سب کا ادراک صرف سمع سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی لازم آیا کہ تمام شرائع سمع پر موقوف ہیں۔ اس کی تشریح یوں ہے کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ تمام بنی نوع انسان قوتِ سمع سے عاری ہیں تو جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے پیغامبر آئے گا اور کہے گا کہ مجھے اللہ نے رسول بنا کر تمہاری طرف بھیجا ہے تو یہ آواز دکھائی تو دے گی نہیں اور ان کے پاس قوتِ سامعہ بھی نہ ہو گی جس سے رسول کے الفاظ سُن سکیں، اس طرح رسول کا آنا بیکار ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اگر انہیں کہے گا کہ میری صداقت کی علامت فلاں فلاں معجزہ ہے تو وہ اُسے بھی نہ سُن سکیں گے۔ لہذا یہ قول بھی رائیگاں جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس اگر رسول انہیں یہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم مجھ پر، اللہ کے تمام رسولوں پر، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور یومِ آخرت پر ایمان لاؤ، تو لوگ یہ بات بھی نہ سُن سکیں گے اور رسول کی یہ بات بھی رائیگاں جائے گی۔ پھر جب یہ کہے گا کہ اللہ نے تم پر یہ بات واجب قرار دی ہے اور فلاں فلاں بات حرام کی ہے اور فلاں فلاں بات جائز کی ہے، تو وہ یہ بھی نہ سنیں گے اور رسول کا کہنا رائیگاں جائے گا۔ لہذا معلوم ہو گیا کہ اگر قوتِ سامعہ نہ ہو تو نہ رسول کی پہچان ہو سکے گی نہ بھیجنے والے کی اور نہ غیب وعیان پر ایمان لایا جا سکے اور نہ ہی کسی شریعت کی صحیح تابعداری ہو سکے جس سے یہ لازم آتا ہے کہ کوئی جزا وسزا بھی نہ ہو لہذا جنت اور اس کی نعمتیں اور دوزخ اور اس کے شعلے سب بیکار ہو جائیں گے، اس لئے کہ جزا وسزا ہی نہیں ہے (تو پھر جنت و دوزخ کیسی؟) لہذا بعثتِ رسول کیسی؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو یوں فرماتا ہے کہ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (جب تک ہم رسول کو نہ بھیج لیں، کسی کو عذاب نہیں کرنے کے) اور جب سمع ہی نہیں تو بعثت کیسی؟ مختصر یہ کہ اگر بنی آدم کو قوتِ سامعہ نہ دی جائے تو شریعت کی تکلیف ہی اٹھ جائے اور وہ چوپایوں کے برابر ہو جائیں۔ اسی قوتِ سامعہ کی بدولت ہی انہیں بلند درجہ حاصل ہوا ہے اور ان میں سے جو لوگ ملأ اعلیٰ سے جا ملے اسی کی بدولت جا ملے۔ لہذا یہ بات واضح ہو گئی کہ سمع کا فائدہ زیادہ زوردار اور اس کا نفع زیادہ عام ہے کیوں کہ خداوندی اسرار اسی سے وابستہ ہیں۔ اسی لیے مذکورہ بالا آیات میں سمع کو بصر پر مقدم لایا گیا ہے کیوں کہ ان میں ایک طرح سے احسان جتایا گیا ہے۔ اسی لیے قوتِ سامعہ عطا کرنے کا احسان قوتِ باصرہ کے احسان سے زیادہ قوی ہے۔ واللہ اعلم۔

مؤلف کہتا ہے: خدا آپ کو توفیق دے ذرا اس جواب کی خوبی پر غور کریں۔ کیونکہ جب میں نے یہ جواب سُنا تو میں اپنے اوپر تعجب کرنے لگا کہ اس جواب کے نہایت واضح ہو جانے کے باوجود کس طرح مجھ پر مخفی رہا۔ وَلَا هَادِيَ

اِلاَّ اللّٰہ سُبحانَہٗ۔

۵۔ آیات وَالَّذِیۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَۃً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِہِمۡ (سورہ آلِ عمران آیت ۱۳۵) اور وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ یَظۡلِمۡ نَفۡسَہٗ ثُمَّ یَسۡتَغۡفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ؁ (سورہ نساء آیت ۱۱۰) میں ظلمِ نفس سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ دوسری آیت میں برا کام کرنا" جس کا پہلے ذکر آچکا ہے اسی میں ظلمِ نفس بھی آجاتا ہے اور پہلی آیت میں فعلِ فاحشہ میں ظلم نفس شامل ہے لہٰذا ظلم ان امور سے زیادہ عام ہے جن کا ذکر پہلے کیا گیا اور اعم کا عطف لفظ آؤ سے نہیں آتا۔ اس پر میں نے مفسرین کے اقوال نقل کئے اور یہ کہ بعضوں نے عملِ سوء اور فعلِ فاحشہ سے مراد گناہ کبیرہ لی ہے اور ظلمِ نفس سے صغیرہ گناہ۔ لیکن میرا خیال ہے کہ عملِ سوء اور فعلِ فاحشہ سے مطلق معصیت مراد لی جائے اور ظلمِ نفس سے معصیت پر اصرار مراد لی جائے، کیونکہ بظاہر تو یہ کوئی عمل نہیں ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ مثلاً کسی نے زنا پر اصرار کیا تو اسے یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ وہ زانی ہے اور اپنے نفس کی خواہشات پوری کرتا ہے بلکہ یوں کہیں گے کہ وہ زنا کے کرنے کا عزم کر چکا ہے اور اسی عزم اور اصرار کی وجہ سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ٹھہرا کیونکہ اس نے اپنے نفس کو عذاب کا مستوجب قرار دیا اور پھر بھی نفس کی خواہشات پوری نہ ہوئیں۔ پھر ہم نے اس آیت پر بہت بحث کی اور حضرت نے تین جواب بھی دیے اور ان پر بھی بحث ہوئی۔

اس کے بعد حضرت ایک لمحہ کے لیے خاموش ہو گئے۔ پھر فرمایا سیّدی محمد بن عبد الکریم البصری فرماتے ہیں کہ اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور جاہلیت میں بھی اہل عرب ظالم کی حمایت کرتے اور اُسے الزام سے بری کرنے کی کوشش کرتے تھے حالانکہ انہیں علم ہوتا کہ اس شخص نے ایسا کیا ہے۔ مثلاً کسی نے چوری کی اور انہیں اس کا علم بھی ہو مگر پھر بھی اس کی طرف سے وہ جھگڑیں اور چوری سے انکار کریں تو اس صورت میں اصل چور تو فعلِ فاحشہ اور سُوء کا مرتکب ہوا اور جھگڑنے والے نے جھوٹی گواہی اور باطل قول کی وجہ سے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ اور حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ سیّدی محمد عبد الکریم بات کہنا جانتے ہیں۔ مجھے یہ تفسیر نہایت پسند آئی کیونکہ یہ اس آیت کے سیاق کے عین مناسب تھی۔ وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ یَظۡلِمۡ نَفۡسَہٗ کیونکہ اللہ تعالیٰ اسی آیت میں فرماتا ہے وَلَا تُجَادِلۡ عَنِ الَّذِیۡنَ یَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ (سورہ نساء آیت ۱۰۷) ھٰۤاَنۡتُمۡ ھٰۤؤُلَآءِ جَادَلۡتُمۡ عَنۡہُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا فَمَنۡ یُّجَادِلُ اللّٰہَ عَنۡہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ (سورہ نساء آیت ۱۰۹)

جس وقت حضرت سے اس آیت پر بحث ہو رہی تھی ہم فاس کے دروازوں میں سے دروازہ باب الحدید سے باہر

لہ بندہ حقیر کہتا ہے کہ حضرت دباغ رحمہ اللہ کا جواب اصحابِ معرفت کا جواب ہے ورنہ اس کا ایک اور مختصر سا جواب ہے اور وہ یہ کہ واوِ مطلق جمع کے لیے آتی ہے۔ ترتیب کے لیے نہیں اور اس سے تمام اعتراضات اٹھ جاتے ہیں۔ ۱۲۔

Marfat.com

تھے۔ اور سیّدی محمد بن عبد الکریم مذکور اس وقت بصرہ میں تھے۔ انہوں نے ہمارا کلام سنا اور ہماری مراد سمجھ گئے اور اپنی جگہ سے ہی ہمیں جواب دیا۔ خدا اپنے اولیاء کرام سے راضی ہو۔ اتنی دُور کی مسافت کے باوجود ہماری گفتگو کو سُن لینے کے راز کی تشریح عنقریب کی جائیگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۶۔ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا (سورہ فتح آیت ۲۶)

مَیں نے حضرت سے اس آیت کے متعلق پوچھا: وَكَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا حالانکہ اسلام لانے سے پہلے احقیت اور اہلیت ہی منتفی ہوتی ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ احقیت اور اہلیت اس پہلے وعدہ اور قضاء سابق کے مطابق ہے جو مخلوقات کی تخلیق سے پہلے کیا گیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷۔ وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادًا الْاُوْلٰى (سورہ نجم آیت ۵۰)

میں نے حضرت سے وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادًا الْاُوْلٰى کے متعلق پوچھا کہ کیا کوئی اور دوسری عاد بھی تھی؟ میں نے یہ بھی ذکر کیا کہ مفسّرین کے کلام میں اس مقام پر بڑا اضطراب پایا جاتا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ھُود علیہ السلام ہی کو عاد کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اور وہ ابراہیم علیہ السّلام سے بہت پہلے ہوئے ہیں۔ پھر مفسّرین اس قوم کی ہلاکت کے قصّہ میں لکھتے ہیں کہ ان کی جماعت کا وفد بارش کی دعا کے لیے مکّہ آیا حالانکہ مکّہ کو ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام نے بنایا تھا جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں پر یہ قصّہ مشتبہ ہو گیا یہاں تک کہ بعض نے یوں کہا کہ صرف ایک ہی قوم عاد تھی اور انہی کو ثمود کے اعتبار سے "پہلی" کہا گیا ہے۔ ایک اور جماعت کی رائے ہے کہ عاد دو قومیں تھیں پہلی تو وہ تھی جن کی طرف ہود علیہ السّلام بھیجے گئے اور انہیں ہوا کا عذاب ہوا اور دوسری عاد کی طرف ایک اور نبی بھیجا گیا اور انہیں ہوا کا نہیں بلکہ کسی اور چیز کا عذاب ہوا۔ ان ہی میں سے کچھ لوگوں کا وفد مکّہ آیا تھا اور انہوں نے اس نبی اور عذاب کی تعیین نہیں کی۔ اس صورت میں سورہ احقاف میں جو ذکر کیا گیا ہے اس کا اشکال پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس قصّہ میں اصحاب وفد کو ہوا کا عذاب دینے کا ذکر ہے اور ان کے نبی ہود علیہ السّلام ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ایک دوسری آیت میں فرمایا: وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا۔ ہمارا یہ کہنا کہ سورۂ احقاف کا قصہ اصحاب وفد کا ہی ہے اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام احمد نے حسن اسناد کے ساتھ حارث بن حسان بکری[1] سے روایت کی ہے کہ میں اور علاءؓ الحضرمی[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ الحدیث۔ اس حدیث میں ہے کہ میں نے کہا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کی پناہ لیتا ہوں کہ کہیں میں عاد کے وفد کی طرح

---

[1] حارث بن حسان بکری: حارث بن حسان بن کلاہ بکری صحابی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آنحضرت نے ان سے قوم عاد کا قصہ پوچھا۔ کوفہ میں رہتے تھے۔ بغوی کہتے ہیں کہ بادیہ میں رہتے تھے۔

[2] علاالحضرمی: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے بحرین کے گورنر مقرر ہوئے تھے اور ابوبکر اور عمر نے انہیں اسی عہدہ پر برقرار رکھا تاآنکہ ۱۴ھ = ۶۳۵ء میں وفات پائی۔

Marfat.com

نہ بن جاؤں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وفدِ عاد کا کیا قصہ ہے حالانکہ آپ کو خوب معلوم تھا مگر آپ مزا لینے کی غرض سے پوچھ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ قوم عاد میں قحط پڑا تو انہوں نے قیل بن عنز کو معاویہ بن بکر کے پاس مکہ بھیجا تاکہ بارش کے لیے دعا کریں چنانچہ وہ ایک ماہ تک اس کے ہاں مہمان رہا ایک ماہ گذرنے کے بعد اس نے جا کر بارش کے لیے دعا کی تو دو بدلیاں گزریں۔ اس نے کالی بدلی کو پسند کیا تو ہاتف نے آواز دی کہ لے لو۔ یہ تو راکھ ہے جو قوم عاد میں سے کسی کو نہ چھوڑے گی۔ اس حدیث کے کچھ حصہ کی روایت ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی کی ہے۔ ملاحظہ ہو ابنِ حجر ذیل سورہ احقاف۔ ایک اور روایت میں ہے کہ قیل بن عنز اور مرثد بن سعد قوم کے ستر رؤساء کو لے کر نکلے اس زمانہ میں مکہ میں عمالقہ آباد تھے جن کا سردار معاویہ بن بکر تھا اور تمام قصہ بیان کیا ہے۔ جس کے آخر میں ہے کہ مرثد بن سعد نے اپنی قوم سے کہا کہ بارش تب ہوگی جب تم اپنے رسول کی اطاعت کرو گے۔ اس پر قیل نے معاویہ کو کہا کہ اسے روکے رکھو کہ کہیں ہمارے ساتھ نکل کر نہ جائے کیونکہ یہ تو ہودؑ پر ایمان لا چکا ہے اور اسے سچا جانتا ہے۔

حضرت نے فرمایا: (عاد دو قوموں کا نام ہے) دوسری عاد کی طرف ہود علیہ السّلام کو ان انبیاء کی شریعت کی تجدید کے لیے بھیجا گیا تھا جو ان کی طرف پہلے بھیجے جا چکے تھے۔ اسی ہود کا قصہ قرآن مجید میں مذکور ہے انہی کی قوم کا ایک وفد مکہ آیا اور انہیں ریح عظیم کا عذاب دیا گیا اور وہ اسمٰعیل علیہ السّلام کی اولاد میں سے تھے۔ جن کا نسب نامہ یوں ہے: ہود بن عابر بن شیاع بن الحرث بن کلاب بن قیدار بن اسمٰعیل۔ دوسری قوم عاد تمام کی تمام حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں سے نہیں ہے بلکہ صرف ہود اور ان کا قبیلہ حضرتِ اسمٰعیل کی اولاد میں سے تھے۔ قرآنِ مجید میں جو یہ فرمایا ہے کہ وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا یہ تغلیب کے طور پر فرمایا ہے کیونکہ ہود اور ان کا قبیلہ اکٹھے رہتے تھے اور اکٹھے ہی کوچ کرتے تھے۔ انہی میں سے شداد بن عاد تھا جس کا ستونوں والا بڑا خیمہ تھا۔ حضرت نے فرمایا علماء کا خیال ہے کہ ارم ذات العماد ایک شہر تھا جو جنت کی شکل اور سونے کا بنا ہوا تھا اور علماء نے اس کا ایک لمبا چوڑا بیان دیا ہے حالانکہ بات یوں نہیں ہے بلکہ ارم قبیلہ عاد کا نام ہے اور "ذاتِ العماد" اس کی نعت ہے یعنی "ستونوں والی عاد" اور یہ نام ان کے سردار کے بڑے خیمہ کی وجہ سے پڑا۔ یا اس سے مراد ان تمام لوگوں کے خیموں کے عمود ہیں۔ کیونکہ میں نے ان کے مسکنوں کو دیکھا ہے اور حضرت نے جو بیان ان مساکن کا دیا وہ تقریباً وہی بیان تھا جو علماء نے احقاف کا دیا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ شہر نو دن کی مسافت میں واقع ہے اور ان کا سردار عین وسط میں رہتا ہے اور جو شخص اسے ملنے کے لیے آتا وہ ننگے پاؤں اور ننگے سر کسی جہت سے بھی آتا ساڑھے چار دن کی مسافت خیموں کے درمیان چل کر آتا ہے کیونکہ وہاں کی بہت گنجان آبادی تھی اور جگہ کی تنگی تھی۔ خدا نے پانی اور چشمے ان کے لیے بھیجے جو دور دراز کے پہاڑ دل سے بہہ کر ان کی زمین کی طرف آتے۔ اسی پانی کی بدولت ان کی تمام کھیتی باڑی ہوتی۔ پھر فرمایا کہ ان کے سردار بابا کا خیمہ ایک تیر پرتاب[1] زمین پر واقع تھا۔ خیمہ کی میخوں اور ستونوں پر خالص سونے کے خول چڑھے ہوئے تھے۔ اور اس رسیاں ریشم کی تھیں۔ میں نے سونے کے ٹکڑے زمین کے نیچے دبے ہوئے اب تک باقی پائے ہیں۔ ان کے تمام خیم

---

[1] اتنا رقبہ زمین جہاں تک پورے زور سے پھینکا ہوا تیر پہنچ سکے۔

Marfat.com

پر سونا چڑھا ہوا تھا۔ اس زمانہ میں کوئی خیمہ بھی جس میں وہ رہتے ہوں، سفید نہ تھا اور اسی قوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہود علیہ السلام کو بھیجا جن کا نسب نامہ مذکور ہو چکا۔

مؤلف کہتا ہے شہر ارم ذات العماد کے متعلق جو کچھ حضرت نے بیان کیا اور اس کے متعلق جن بیانات کا آپ نے ردّ کیا، بڑے بڑے علماء نے مثلاً حافظ ابن حجر شرح بخاری میں اسی کو اختیار کیا ہے کیونکہ انہوں نے مدینہ مذکور کے قصّہ کی طرف اشارہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ عبداللہ بن لہیعہ[۱] کی سند سے مروی ہے۔ مجاہد[۲] سے بھی جو منقول ہے اس سے بھی ذات العماد کی دوسری تفسیر کی تائید ہوتی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وہ عمودوں والا یعنی خیموں والا تھا۔ اس کے علاوہ اور اقوال بھی ذکر کئے ہیں۔ ملاحظہ ہو سورۂ فجر۔ حضرت نے ہود علیہ السلام کا جو نسب نامہ بیان کیا ہے وہ محض کشف ہے کیونکہ آپ تو ایک عامی امّی تھے جسے تاریخ وغیرہ کا علم نہ تھا۔ اس لیے یہ مناسب نہ تھا کہ آپ کے ردّ میں ہود کی نسبت کے متعلق مورخین کے اقوال پیش کیے جائیں کیونکہ وہ نسب نامے خبرِ واحد پر مبنی ہیں۔ با ایں ہمہ ہودؑ کے نسب میں خبرِ واحد میں بھی اضطراب پایا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض نے ان کا نسب نامہ یوں بیان کیا ہے: ہود بن عبداللہ بن رباح بن الجارود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح اور بقول بعض ہود بن شارخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام۔ اس بناء پر وہ ابو عاد کے چچا زاد بھائی ٹھہرے۔ مؤرخین کا خیال ہے کہ انہیں قوم عاد میں سے اس لیے خیال کیا جاتا ہے، حالانکہ وہ ان میں سے نہیں ہیں کہ وہ لوگ دوسروں کی نسبت آپ کی باتوں کو زیادہ سمجھتے تھے اور ان کے حالات کو زیادہ پہچانتے تھے اور آپ کی تابعداری کرنے کی طرف زیادہ راغب تھے۔

حضرت نے فرمایا پہلی عادؔ نوحؑ علیہ السلام کی قوم تھی۔ خدا نے ان کی طرف ایک نبی بھیجا جس کا نام ھُوَید (بہاء مضمومہ جو قریب بہمزۂ بین بین اور داؤ ساکن جس کے بعد یاء ہے) حضرت نے فرمایا وہ ایک مستقل شریعت والے رسول ہیں، برخلاف اس ہود کے جو عادِ ثانیہ کی طرف بھیجے گئے اس لیے کہ وہ تو اپنے سے پہلے رسولوں کی شریعت کی تجدید کرنے والے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہر مستقل رسول کے لیے ایک کتاب کا ہونا ضروری ہے

---

[۱] عبداللہ بن لُهَیعہ: عبداللہ لُهَیعہ (یا المصیعہ) بن عقبہ بن فرعان مصری فقیہ اور قاضی تھے۔ انہوں نے اعرج، ابی الزبیر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ان کے پوتے احمد بن عیسٰی اور بھتیجے لھیعہ بن عیسی اور ثوری وغیرہ نے کی۔ بہتّر تابعیوں سے ان کی ملاقات ہوئی۔ یحییٰ بن سعید انہیں بہت حقیر سمجھتے تھے۔ ابن مہدی کہتے ہیں کہ میں ان سے کچھ بھی حاصل نہیں کرنا چاہتا۔ پھر کہتے ہیں کہ میں سوائے ابن مبارک کی سماع کے اس کی کسی بات پر اعتماد نہیں کرتا۔ ابن معین کہتے ہیں کہ ابن لُہیعہ ضعیف ہے۔ اس کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ ابو جعفر طبری تہذیب الآثار میں کہتے ہیں کہ آخر عمر میں ان کی عقل میں فتور آگیا تھا گو بعض لوگوں نے انہیں ثقہ بھی قرار دیا ہے۔ مفصّل بحث کے لیے دیکھیں تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۳۷۳ تا صفحہ ۳۷۹)۔ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں کہتے ہیں: یُردی حدیثہ فی المتابعات ولا یحتج بہا (اس کی حدیث تائید کے طور پر لائی جا سکتی ہے مگر علیحدہ طور پر اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

[۲] مجاہد: مجاہد بن جبیرؒ: تابعی ہیں۔ بڑے پایہ کے متقی اور عالم تھے۔ ۱۰۲ھ = ۷۲۰ء میں تراسی برس کی عمر میں وفات پائی۔

Marfat.com

اور فرمایا کہ حضرت ہُود مذکور کی بھی کتاب ہے جو مجھے حفظ ہے جیسے مجھے تمام رسولوں کی کتابیں حفظ ہیں۔ میں نے عرض کیا: کیا آپ ان کو گن سکتے ہیں۔ فرمایا: یاد ہوں اور پھر گن نہ سکوں؟ سنو! پھر آپ نے ایک ایک کتاب کر کے گننا شروع کیا اور فرمایا کہ کوئی ولی اس وقت تک ولی نہیں ہو سکتا جب تک اس کا ایمان ان تمام کتابوں پر تفصیلاً نہ ہو کیونکہ اس کے لیے اجمالی ایمان کافی نہیں۔ میں نے عرض کیا: کیا یہ حکم ان تمام اولیاء پر وارد ہوتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے فتح عطا کی ہو؟ حضرت نے فرمایا نہیں۔ اس حکم کا اطلاق صرف ایک پر ہوتا ہے اور وہ غوث ہے۔

حضرت دباغ غوثِ وقت تھے

اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ حضرت غوث ہیں اور آپ کے علوم سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگر میں ان تمام باتوں کو تحریر میں لاؤں جو میں نے حضرت سے سنیں تو کئی ایک کتابیں بھر جائیں آپ نے کئی بار فرمایا کہ میں جب تم لوگوں سے باتیں کرتا ہوں تو تمہاری عقلوں کی طاقت کے مطابق کرتا ہوں۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ پہلی قوم عاد نے ہُود علیہ السلام کے امتیوں کو پتھروں اور آگ سے ہلاک کر دیا۔ قصّہ یوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر آسمان سے پتھر برسائے اور وہ بھاگنے لگے پھر اللہ نے آگ نکالی جس نے انہیں جلا دیا۔

نوح علیہ السلام سے پہلے سات سو رسول آئے

میں نے حضرت کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے سات سو رسول گذرے ہیں جن کے واقعات عجیب وغریب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر قرآنِ مجید میں اس لیے نہیں کیا کہ وحی کے زمانہ میں یہ رسول غیر معروف ہو چکے تھے۔

میں نے عرض کیا کہ شفاعت والی حدیث میں حضرت نوح علیہ السّلام کو اوّل الرُّسل کہا گیا ہے اور آپ نے فرمایا ہے کہ سات سو رسول ان سے پہلے گذرے ہیں۔

حضرت نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے رسول ہیں جو کافر قوم کی طرف بھیجے گئے اور جو رسول ان سے پہلے ہوئے ہیں، انہیں ایسی قوم کی طرف بھیجا جاتا جن کا عقیدہ صحیح ہوتا۔

میں نے عرض کی جب قوم ہُود کا عقیدہ صحیح تھا اور وہ مومن تھے تو پھر ان پر پتھروں اور آگ کا عذاب کیوں؟ حضرت نے فرمایا کہ ان قوموں کے ساتھ جو نوح علیہ السّلام سے پہلے گذریں اللہ تعالیٰ کا دستور یہ تھا کہ اگر بشیتر قواعد پر عمل ترک کر دیتے تو انہیں ہلاک کر دیا جاتا خواہ وہ صحیح عقیدہ پر ہی کیوں نہ ہوں۔

۸۔ وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمَانَ اِذْ یَحْکُمَانِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْہِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَکُنَّا لِحُکْمِھِمْ شَاھِدِیْنَ فَفَھَّمْنٰھَا سُلَیْمَانَ وَکُلًّا اٰتَیْنَا حُکْمًا وَعِلْمًا (سورہ انبیاء آیت ۷۸)

میں نے حضرت سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمَانَ اِذْ یَحْکُمَانِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْہِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَکُنَّا لِحُکْمِھِمْ شَاھِدِیْنَ فَفَھَّمْنٰھَا سُلَیْمَانَ وَکُلًّا اٰتَیْنَا حُکْمًا وَّعِلْمًا اور عرض کی اس آیت سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر ایک مسئلہ میں اجتہاد کرتے ہوئے دو مجتہدوں کی رائے باہم متضاد ہو تو) مُصیب ایک ہی ہوگا اور دوسرا غلطی پر مگر اسے معذور سمجھا جائے گا۔ بلکہ اسے اس کے اجتہاد کا اجر

Marfat.com

گا۔ کیونکہ اس نے اجتہاد میں اپنی پوری کوشش اور طاقت خرچ کی ہے کیونکہ اس قصہ میں[1] داؤد علیہ السلام نے یہ حکم دیا کہ بکریوں کو کھیت کے مالک کو اس کھیت کے عوض دی جائیں جو انہوں نے خراب کیا تھا اور سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ بکریاں کھیت کے مالک کو دی جائیں کہ ان سے نفع اٹھائے اور کھیت بکریوں والے کو تاکہ وہ اس کھیت کی خدمت کرے یہاں تک کہ وہ اپنی اصلی حالت پر آجائے اور جب کھیت اصلی حالت پر آجائے تو کھیت کھیت والے کو دے دے اور وہ اس کی بکریاں واپس کر دے۔ وجہ استدلال یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سلیمانؑ علیہ السلام کے فیصلہ کو درست قرار دیا ہے کیونکہ فرمایا فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ (ہم نے بات سلیمانؑ کو سمجھا دی)۔

علماء نے اسی قسم کا استدلال ایک قصہ سے بھی کیا جو ان دونوں کے درمیان واقع ہوا۔ یہ قصہ دو عورتوں کا ہے جن میں سے بڑی کے بیٹے کو بھیڑیا جھپٹ کر لے گیا تو اس نے چھوٹی کا بچہ لے لیا اور دعوٰی یہ کیا کہ وہ اسی کا بچہ ہے۔ وہ دونوں فیصلہ کے لیے داؤد علیہ السلام کے پاس آئیں تو آپ نے بڑی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ کیوں کہ قبضہ اسی کا تھا مگر سلیمان علیہ السلام نے یوں فیصلہ دیا کہ بچہ کو آدھا آدھا کر کے دونوں میں تقسیم کر دیا جائے جب چھوٹی نے بچے کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کے متعلق سُنا تو اس نے بڑی کا حق تسلیم کر لیا اور کہا کہ بچہ اسی کا ہے اور بڑی تقسیم کا ہی مطالبہ کرتی رہی اس پر حضرت سلیمان نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ دے دیا اور بڑی کو کہا اگر بچہ تمہارا ہوتا تو تو اس کی تقسیم کا مطالبہ نہ کرتی۔

اسی طرح ایک تیسرے قصہ سے بھی استدلال کیا ہے جو ان دونوں کے درمیان واقع ہوا۔ قصہ یہ ہے کہ لوگوں نے ایک عورت پر یہ الزام لگایا کہ اس نے کتے سے مجامعت کرائی یعنی زنا کی مرتکب ہوئی اور گواہوں نے اس پر گواہی بھی دی تو داؤد علیہ السلام نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ اسی قسم کا مقدمہ حضرت سلیمان کے پیش ہوا جب وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے تو آپ نے حکم دیا کہ گواہوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھا جائے۔ چنانچہ ایسا کیا گیا اور ان کے بیانات میں اختلاف پایا گیا اور حضرت سلیمان نے دعوٰی خارج کر دیا۔ اس پر داؤد علیہ السلام نے گواہوں کو الگ الگ رکھنے کی طرف رجوع کیا۔

اور چوتھے قصہ سے بھی استدلال کیا گیا ہے کہ ایک عورت کی فرج میں پانی پایا گیا اور الزام یہ لگایا گیا کہ یہ

---

[1] قصہ یوں ہے کہ ایک شخص کی بکریاں دوسرے کے کھیت میں گھس گئیں اور کچھ کھایا اور کچھ برباد کر دیا۔ کھیت والا بکریاں پکڑ کر سیدنا داؤد کی عدالت میں لایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے وقت کے نبی تھے اور بادشاہ بھی۔ آپ نے دونوں فریقوں کا بیان لیا اور فیصلہ دیا کہ جس قدر کھیت والے کا نقصان ہوا اس کی قیمت کے برابر بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں۔ اس فیصلہ کے بعد دونوں فریق حضرت سلیمان کے سامنے سے گذرے تو آپ نے بلایا اور فیصلہ دیا کہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں تاکہ وہ ان کے دودھ وغیرہ سے فائدہ اٹھائے اور کھیت بکری والے کے حوالے کیا جائے کہ اس کی خدمت کرے یہاں تک کہ ادھر کھیت والے کا نقصان بکریوں کے منافع سے پورا ہو جائے اور اُدھر کھیت اپنی پہلی حالت پر آجائے تو بکریاں بکریوں والے کو واپس دے دی جائیں اور کھیت والے کو اس کا کھیت حوالہ کر دیا جائے۔ ۱۲

Marfat.com

آدمی کی منی ہے اور وہ زنا کی مرتکب ہوئی ہے چنانچہ داؤد علیہ السّلام نے اُسے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ مگر سلیمان علیہ السّلام نے حکم دیا کہ اس پانی کو لے کر پکایا جائے۔ اگر منجمد ہو جائے تو یہ انڈہ کا پانی ہے ورنہ منی ہے۔ چنانچہ پانی لے کر پکایا گیا اور وہ انڈے کا پانی نکلا اور معلوم ہو گیا کہ عورت پر اتہام لگایا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو ابنِ حجر کتاب الاحکام۔

حضرت نے فرمایا تمہارا مطلب یہ ہے کہ داؤد علیہ السّلام نے غلطی کھائی اور سلیمان علیہ السّلام نے صحیح فیصلہ دیا۔ کیا فقہاء انبیاء کے متعلق اس قسم کا عقیدہ رکھ سکتے ہیں؟ اور وہ تمام مخلوقات میں سے برگزیدہ ہوتے ہیں اور اللہ کے نزدیک ملائکہ سے بھی افضل ہیں۔ پس اگر یہ جائز سمجھ لیا جائے کہ ان سے خطا ہو سکتی ہے تو پھر ہمیں ان پر کونسا اعتماد باقی رہ جائے گا کیونکہ اس طرح تو وہ ہماری طرح کے ہو جاتے ہیں۔ معاذ اللہ حضرت داؤد کا فیصلہ قطعاً غلط نہ تھا۔

پہلے قصّہ کی توجیہ یہ ہے کہ داؤد علیہ السّلام نے بالکل صحیح فیصلہ دیا کہ کھیت کی قیمت کا جرمانہ بھر دیا جائے اور بکریاں حوالے کرنے کا حکم اس لیے دیا کہ ان کے پاس اس زمانہ نقدی تو ہوتی نہ تھی اور اگر تھی بھی تو بہت کم۔ ان کا لین دین بکریوں اور جانوروں سے ہوتا کیونکہ یہ بکثرت پائی جاتی تھیں۔ اسی لیے آپ نے بکریاں دینے کا حکم دیا۔ نقدی کا حکم نہیں دیا۔ مگر سلیمان علیہ السّلام کا فیصلہ صلح پر مبنی تھا لہذا آپ کا یہی خیال تھا کہ بکریوں کا منافع یعنی ان کا دودھ اور گھی اور صوف کھیت کی قیمت کے عوض دے دیا جائے تاآنکہ کھیت یعنی انگور ٹھیک حالت پر آجائے۔ یہ صرف طرفین کی رضامندی سے ہی ہو سکتا تھا۔ لہذا جو شخص خالص حق کا فیصلہ دے اسے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے غلطی کھائی اور نہ ہی یہ کہہ سکتے ہیں کہ صلحمندانہ فیصلہ دینے والا مُصیب ہے۔

باقی قصّوں میں فیصلہ کی توجیہ یہ ہے کہ داؤد علیہ السّلام نے تینوں قصوں میں ظاہر کو مدّنظر رکھتے ہوئے فیصلہ دیا اور اسی پر فیصلہ دینا ضروری ہے کیونکہ حاکم کے لیے جائز نہیں کہ وہ ظاہر کے خلاف فیصلہ دے اور سلیمان علیہ السّلام نے حیلہ کرکے باطن کو ظاہر بنا دیا۔ تب ظاہر پر حکم دیا۔ لہذا پہلے فیصلہ کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ غلط تھا اور دوسرا فیصلہ صحیح بلکہ ہر دو صحیح ہیں اگرچہ باطن کے ظاہر ہو جانے پر فیصلہ کا منسوخ کرنا ضروری تھا لہذا اس کے منسوخ ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فیصلہ دیتے وقت وہ فیصلہ غلط تھا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ چند عادل لوگوں نے قاضی کے سامنے کسی مقدمہ میں جھوٹی گواہی دی اور قاضی نے ان لوگوں کی گواہی پر فیصلہ دے دیا۔ قاضی پر یہی واجب ہے اور اس طرح فیصلہ دینا درست ہوگا پھر اس کے بعد گواہوں نے توبہ کی اور حق کی طرف آئے اور اپنے جھوٹ کا اعتراف کیا۔ اس وقت قاضی کے لیے ضروری ہے کہ ان

؎ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اور خصوصیات پائی جاتی تھیں وہاں ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ کبھی کبھی باطن کے اعتبار سے بھی فیصلہ دے دیا کرتے تھے۔ چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطی نے اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام "الباہر فی حکم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الباطن والظاہر" ہے۔ (کشف الظنون ۱ : ۱۴۲)

Marfat.com

کے رجوع کے مطابق فیصلہ دے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا پہلا فیصلہ غلط تھا۔

حکایت حضرت نے فرمایا مجھے معلوم ہے کہ فاس کا ایک شخص جس سے مراد ان کی اپنی ذات تھی۔ وہ اپنے للّٰہی بھائی کو ملنے بصرہ گیا۔ ان کی مراد حضرت محمد بن عبد الکریم سے تھی۔ جن کا ذکر اوپر ہو چکا۔ حضرت محمد بن عبد الکریم قاضی تھے۔ وہ شخص (یعنی حضرت دباغ) ان کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر دو شخص مقدمہ لے کر آئے۔ ایک نے کہا کہ اس شخص نے مجھ سے ایک نہایت قیمتی یاقوت لے لیا ہے اور یہ اس کے پاس موجود ہے۔ مدعا علیہ نے کہا یہ میری جامہ تلاشی لے سکتا ہے، اس پر مزید یہ کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے پاس نہیں ہے۔ قاضی نے چاہا کہ یہی فیصلہ دے۔ مگر قاضی کے ہمنشیں نے کہا کہ ابھی فیصلہ نہ دیں۔ پھر وہ ہمنشین مدعی و مدعا علیہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا یہ قاضی صاحب میرے للہ بھائی ہیں۔ انہوں نے میرے لیے کھانا تیار کیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم بھی کھانے پر چلو۔ کھانا کھانے کے بعد قاضی صاحب تمہارے معاملہ میں غور کریں گے۔ حضرت نے فرمایا: پھر ہم قاضی کے ساتھ گئے۔ جب کھانا لایا گیا تو ہمنشین اور قاضی دونوں مدعا علیہ کی طرف کن انکھیوں سے دیکھنے لگے۔ دفعتہً اس نے ناک سنکی اور سنک کو ایک رومال سے جو اس کے پاس تھا، پونچھا۔ ہمنشین نے فوراً رومال اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ دیکھا تو یاقوت سنک کے ساتھ ناک سے نکلا تھا اور ہم نے یاقوت مدعی کو دے دیا۔

حضرت نے فرمایا: باطن کو ظاہر بنا دینے کا ایک یہ حیلہ ہے۔ اگر قاضی پہلے ہی جامہ تلاشی اور قسم کھانے کا فیصلہ دے دیتا تو یہ فیصلہ درست ہوتا۔ حالانکہ ان کو کشف کے ذریعہ سے معلوم تھا کہ یاقوت مدعا علیہ کے پاس موجود ہے، کیونکہ اللہ نے انہیں اس کا مکلّف نہیں بنایا اور ہمنشیں نے حیلہ کر کے باطن کو ظاہر کر دیا۔

میں نے عرض کیا: کیا قاضی کو بذریعہ کشف معلوم تھا کہ یاقوت مدعی علیہ کے پاس ہے؟

حضرت نے جواب دیا: ہاں اسے اور اس کے ہمنشیں دونوں کو معلوم تھا اور فرمایا یہی حال ان فیصلوں کا ہے جو ان تینوں قصوں میں ان دو بڑے نبیوں نے دیئے۔ چنانچہ پہلے قصہ میں داؤد علیہ السلام نے قبضہ کی وجہ سے بڑی کے حق میں فیصلہ دیا اور قبضہ اسی کا متقاضی تھا اور دوسرے قصہ میں داؤد علیہ السلام نے سنگسار کرنے کا حکم گواہوں کی وجہ سے دیا اور تیسرے میں چونکہ علامت پائی گئی تھی اس لیے سنگسار کرنے کا حکم دیا اور سلیمان علیہ السلام نے تینوں قصوں میں حیلہ کر کے باطن کو ظاہر بنا دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مؤلف کہتا ہے کہ خدا حضرت سے راضی ہو۔ ان کے پاس کس قدر علم تھا۔ چنانچہ ابن حجر نے ابنِ منیر[1] کا قول نقل کیا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے کھیت والے مقدمہ میں صحیح فیصلہ دیا تھا اور سلیمان علیہ السلام نے صلح کی راہ دکھائی چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا (ہم نے ہر دو کو فصلِ خصومات اور علم عطا کیا) یا تو عام ہے (کہ ہر معاملہ اور مقدمہ میں ان کا یہی حال تھا) یا خاص ہے کھیت کے معاملہ کے متعلق۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی فصلِ خصومات اور علم کی تعریف کی ہے۔ لہٰذا یہ اس قبیل سے نہیں ہو سکتا

[1] ابنِ منیر: شرف الدین عبد الواحد متوفی ۷۳۳ھ = ۱۳۳۲ء ان کی تفسیر دس جلدوں میں ہے۔

Marfat.com

اگر مجتہد غلطی بھی کرے تو معذور ہوگا کیونکہ غلطی نہ حکم ہو سکتی ہے نہ علم۔

ابن حجر کے اس بیان کا مفہوم وہی ہے جو حضرت نے فرمایا۔

جو بیان حضرت نے باقی تینوں فصلوں میں دیا ہے وہ بالکل صحیح ہے اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور نہ ہی اس سے گریز ہو سکتا ہے۔ امام شافعی اور ابو عبداللہ البلخی[1] اور دیگر اکابر نے ایک اور قصہ میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۹۔ یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ (سورہ قلم آیت ۴۲)

میں نے حضرت سے آیت یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ میں ساق کے معنی دریافت کیے۔

فرمایا سریانی زبان میں "ساق" کے معنی واقعیت (جد) بمقابلہ "ہزل" (مخول) کے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ عربی میں بھی تو یہی معنی ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے اِنْکَشَفَ الْحَرْبُ عَنْ سَاقٍ ای عَنْ جِدٍّ[2]۔

فرمایا: یہ تو پھر دونوں زبانوں میں موافقت ہوگئی۔

۱۰۔ مشیحا یا مشیخا: پھر میں نے دریافت کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام مشیخا خاء معجمہ سے ہے یا مہملہ سے؟

حضرت نے فرمایا یہ لفظ خاء معجمہ سے مشیخا ہے اور یہ سریانی لفظ ہے جس کے معنی "بڑے آدمی" کے ہیں۔

۱۱۔ انجیل کے معنی: میں نے انجیل کے معنی دریافت کیے۔

فرمایا: یہ بھی سریانی لفظ ہے جس کے معنی نور المبین کے ہیں۔

۱۲۔ توراۃ کے معنی: میں نے پوچھا توراۃ کیا لفظ ہے؟

فرمایا: یہ عبرانی لفظ ہے جس کے معنی "شریعت اور کلام حق" کے ہیں۔

۱۳۔ مُشَفَّح: میں نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نام مشفح ہے کیا یہ فاء سے ہے یا قاف سے کیونکہ علماء میں اس میں بڑا اختلاف ہے۔

فرمایا یہ لفظ فاء کے ساتھ ہے جس کے معنی "حمد" کے ہیں اور یہ سریانی لفظ ہے۔

۱۴۔ اَلْمُنْحَمَنَّا: میں نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مُنْحَمَنَّا کا کیا تلفظ ہے۔ کیونکہ اس لفظ کو

۱؎ ابو عبداللہ البلخی: ابو عبداللہ محمد بن الفضل البلخی۔ دراصل بلخ کے رہنے والے تھے۔ پھر سمرقند میں جاکر آباد ہوگئے۔ اور وہیں ۳۱۹ھ = ۹۳۱ء میں وفات پائی۔

۲؎ مبرد نے اپنی کتاب کامل میں بھی اس آیت کی تشریح کی ہے اور "ساق" کے معنی شدۃ (سختی، تکلیف، مصیبت) دیے ہیں۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے: کشفت لهم عن ساقها فانا ابن قيس لا براح

یعنی اس کے احوال و خطرات واضح ہوگئے۔ اس طرح آیت کے معنی یوں ہوں گے جس دن احوال و ہولناکیاں (یعنی روز قیامت کی) عیاں کردی جائیں گی۔

Marfat.com

ضبط کرنے میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ اس کی پہلی میم پر پیش اور دوسری کے نیچے زیر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ پہلی میم پر زبر اور دوسری کے نیچے زیر ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ دونوں میموں پر زبر ہے اور یہ دو کلمے ہیں۔ ایک کلمہ نہیں چنانچہ مَنْ میم کی زبر اور نون ساکن سے ایک کلمہ ہے اور حَمَنّا حاء اور میم پر زبر اور نون مشدّد دوسرا کلمہ ہے۔ پہلے کلمہ کے معنی ہیں وہ نعمت جس کا ظاہری نفع بھی ہو اور باطنی بھی۔ ظاہری نفع وہ ہے جو ذات کو عالمِ اشباح میں حاصل ہو۔ اور باطنی نفع وہ ہے جو ارواح کو عالم ارواح میں حاصل ہو۔ لہٰذا یہ ایسی نعمت ہوئی جس سے تمام مخلوقات اور تمام جہان سیراب ہو چکے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی شان ہے اور دوسرے کلمہ کے معنی جو پہلے کلمہ کی صفت (نعت) کے طور پر آیا ہے کہ پہلی نعمت انتہائی درجہ تک پہنچ چکی اور انتہائی درجہ تک بلند ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی خداوندی نعمت ہیں جو انتہا کو پہنچ چکی ہے اور آپ کے درجہ تک نہ پہلے کوئی پہنچ سکا اور نہ بعد میں پہنچ سکے گا اور یہ ایک سریانی لفظ ہے۔

۱۵۔ ایک قصہ اور احمی حمیثا و اطمی طمیثا کی تشریح:

تلمسان کا ایک صالح شخص ہمارے پاس آیا اور بتایا کہ ایک شخص جو حج کر کے آیا تھا کہہ رہا تھا کہ اس نے حضرت ابراہیم دسوقی[1] کی قبر کی زیارت کی اور کیا دیکھتا ہے کہ شیخ ابراہیم دسوقیؒ اس کے پاس آ کھڑے ہوئے اور یہ دعا سکھائی۔

بِسْمِ الْاِلٰهِ الْخَالِقِ الْاَكْبَرِ، وَهُوَ حِرْزٌ مَانِعٌ لِمَا اَخَافُ مِنْهُ وَاَحْذَرُ۔ لَا قُدْرَةَ لِمَخْلُوْقٍ مَعَ قُدْرَةِ الْخَالِقِ يُلْجِمُهٗ بِلِجَامِ قُدْرَتِهٖ اَحْمِیْ حَمِیْثًا اَطْمِیْ طَمِیْثًا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا۔ حٰمٓ عٓسٓقٓ حِمَايَتُنَا كٓهٰيٰعٓصٓ كِفَايَتُنَا فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۱۲۶
وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

اور کہا یہ دعا پڑھا کرو اور کسی چیز سے نہ ڈرو۔

تلمسانی دوست جن کا نام حاجی عبدالرحمٰن بن ابراہیم ہے اور ابن ابراہیم کی اس اولاد میں سے ہیں جو تلمسان میں آباد ہو چکے ہیں کہنے لگے کہ بھائی حاجی محمد بن ابراہیم کو چونکہ احمی حمیثا و اطمی طمیثا کے معنی نہ آتے تھے اس لیے انہوں نے یہ دعا نہ پڑھی اور کہا مجھے ان کلمات کے معنی معلوم نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے ایسے معنے ہوں جو مجھے پسند نہ ہوں اور مجھ سے ان کے معنی پوچھے۔ میں نے حضرت سے ان کے معنی پوچھے حضرت نے فوراً کہا آج کل دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں جو ان کلمات کو بولتا ہو۔ تجھے یہ لفظ کہاں سے ملے؟ میں نے تمام

---

[1] ابراہیم دسوقی: جلیل القدر صوفیہ میں سے ہوئے ہیں۔ مکمل نام ابراہیم بن ابی المجد بن قریش ہے۔ ان کا نسب نامہ امام محمد الجواد سے جا ملتا ہے۔ پہلے شافعی فقہ پڑھی۔ پھر صوفیاء کا طریقہ اختیار کر لیا۔ تینتالیس سال کی عمر میں ۶۷۶ھ/۱۲۷۷ء میں وفات پائی۔

Marfat.com

قصہ سنا دیا۔ فرمایا: ہاں حضرت ابراہیم دسوقی اکابر صالحین اور صاحب فتح تھے۔ وہ اور اُن جیسے اور لوگ ایسے کلمات بول سکتے ہیں۔ پھر فرمایا یہ سُریانی زبان کے دو کلمے ہیں۔ اَحمی کے معنی ہیں یا مالک (اے مالک) اور اس کے اسرار میں ہے۔ اے مالک بادشاہ عظیم و باعظمت الحی القیوم اور حَمیثًا کے لفظ سے اس کی سلطنت کی طرف اشارہ ہے گویا اس کا مطلب یوں ہوا کہ " اے مالک اسرار، اے مالک انوار، اے مالک لیل و نہار، اے موسلا دھار برسنے والے بادلوں کے مالک، اے شموس و اقمار کے مالک، اے عطاء اور منع کے مالک، اے بلندی و پستی کے مالک، اے ہر زندہ کے مالک، اے ہر شئے کے مالک" اس نام میں ایک عجیب راز ہے جس کا اظہار قلم اور تحریر سے نہیں ہو سکتا۔

اَحمی سے اللہ تعالیٰ کی عظمت، کبریائی، قہر، غلبہ، عزت اور ان تمام امور میں یکتائی مراد ہے گویا کہ کہنے والا یوں کہہ رہا ہے" اے ہر چیز کے جاننے والے، اے ہر چیز پر قادر اے ہر بات کا ارادہ کرنے والے، اے ہر چیز کی تدبیر کرنے والے، اے ہر چیز پر غالب، اے وہ ذات جس پر عجز طاری نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کے تصرّف میں نقص کا وہم ہو سکتا ہے۔"

اور حَمیثًا سے اشارہ ہے ان اشیاء کی طرف جن میں اللہ تعالیٰ تصرف کرتا ہے اور ان ممکنات کی طرف جن میں جیسا چاہتا ہے عمل کرتا ہے اور جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ سُبحَانَہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اس نام میں بھی عجیب راز ہے جس کی تشریح قلم سے نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم۔

سُریانی ارواح کی زبان ہے

میں نے حضرت سے سنا کہ سریانی زبان ارواح کی زبان ہے وہ اولیاء جو صاحب دیوان ہوتے ہیں آپس میں اسی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ زبان مختصر ہے اور معانی کثیرہ کی حامل ہے اور کسی زبان میں یہ معانی اتنے الفاظ میں ادا نہیں کیے جا سکتے۔

میں نے پوچھا: کیا عربی زبان معانی کی ادائیگی میں سریانی کے مرتبہ کو پہنچ سکتی ہے؟

فرمایا: نہیں، بجز قرآن مجید کے کیونکہ جب عربی زبان میں سریانی زبان کے معانی جمع ہو جائیں اور انہیں عربی الفاظ میں ادا کیا جائے تو یہ سریانی سے زیادہ شیریں اور زیادہ عمدہ معلوم ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

سُریانی کے سوا تمام زبانوں میں اطناب پایا جاتا ہے

حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ تمام زبانوں میں بہ نسبت سریانی کے اطناب پایا جاتا ہے کیونکہ سریانی کے سوا تمام زبانوں میں کلام کی ترکیب کلمات سے ہوتی ہے نہ حروفِ تہجی سے مگر سریانی میں حروفِ تہجی سے کلام مرکب ہوتا ہے۔ لہذا سریانی کا ہر حرفِ تہجی ایک مفید معنی پر دلالت کرتا ہے اور جب اسے دوسرے حرف کے ساتھ ملایا جائے تو ان سے کلام کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، جب یہ معلوم ہو جائے کہ سریانی کا ہر حرف کس معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے اس کے لیے سریانی کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اور جیسا چاہے سریانی میں بات کر سکتا ہے۔ اور اس طریقے سے وہ اسرارِ حروف کی معرفت حاصل کر سکتا ہے اور اس میں بہت بڑا علم پایا جاتا ہے جسے اللہ نے لوگوں کی عقلوں سے ان پر رحمت کی غرض سے مجوب رکھا ہے۔ تاکہ اس ظلمت کے ہوتے ہوئے

Marfat.com

جو ان کی ذوات میں ہے حکمت پر مطلع ہو کر ہلاک نہ ہو جائیں۔ نَسْئَالُ اللّٰہَ السَّلَامَۃَ مِنْہَا، وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

سُریانی زبان تمام زبانوں میں ساری ہے

میں نے حضرت کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ سریانی تمام زبانوں میں اس طرح ساری ہے جس
طرح لکڑی میں پانی، کیونکہ ہر زبان کے کلمات کے حروفِ ہجا کی تشریح سریانی زبان میں
کی گئی ہے۔ اور انہیں ان خاص معانی کے لیے وضع کیا ہے جن کی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے۔ مثلاً لفظ احمد عربی
زبان میں جب علم ہو اس ذات پر دلالت کرتا ہے جو اس نام سے موسوم ہے مگر سُریانی میں ابتدائی ہمزہ خاص معنی پر دلالت
کرتا ہے۔ حاء ساکن اور معنی پر، میم مفتوحہ اور معنی پر اور دال پر اگر پیش ہو تو خاص معنی پر اور اگر مفتوح ہو تو کسی اور معنی پر دلالت
کرتی ہے۔ اسی طرح محمد کا لفظ عربی زبان میں اس ذات پر دلالت کرتا ہے جو اس نام سے موسوم ہے، مگر سریانی میں میم
۱۲۷ ایک معنی بتاتی ہے اور حاء مفتوحہ اور معنی، میم مشدّد اور معنی اور آخری دال اور معنی۔ اسی طرح لفظ زید، عمرو، رجل
امرأۃ وغیرہ الفاظ جن کا انحصار صرف عربی زبان پر ہی نہیں۔ سریانی میں ان سب کے حروف تہجّی کے خاص معنی ہیں
یہی حال ہر زبان کا ہے چنانچہ البارقلیط عبرانی زبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے اور سریانی میں ابتدائی ہمزہ کا ایک
معنی ہے، لام ساکن کا ایک معنی، با کا ایک معنی، علیٰ ہذا القیاس آخر تک۔ اسی لیے سریانی تمام زبانوں کی اصل ہے۔ اور
باقی زبانیں اسی سے متفرع ہیں اور ان کے متفرع ہونے کا سبب وہ جہالت ہے جو بنی آدم میں پھیل گئی۔ اس کی وجہ
یہ ہے کہ سُریانی زبان کی وضع اور اس میں گفتگو کرنے کی بنیاد وہ صاف معرفت ہے جس میں جہالت کا شائبہ نہ ہو تا کہ کلام
کرنے سے پہلے ہی کلام کنندگان کو معانی معلوم ہو جائیں لہٰذا سامع کے ذہن میں ان معانی کو ڈالنے کے لیے معمولی سا
اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ چنانچہ ان میں اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ معنی کو قریب کرنے اور اختصار کی غرض سے حروف تہجی
سے معانی کی طرف اشارہ کیا جائے کیونکہ ان کا مقصد معانی سے بحث کرنا ہوتا ہے۔ نہ وہ حروف جو ان پر دلالت
کرتے ہیں، یہاں تک کہ اگر یہ ممکن ہوتا کہ ان معانی کو ان حروف کے بغیر ہی ذہن میں حاضر کر لیا جائے تو وہ ان حروف
کو کبھی وضع نہ کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے اہلِ کشف کے سوا یا ارواح کے سوا، کیونکہ وہ جاننے اور سمجھنے والی ہیں
یا فرشتوں کے سوا، جن کی فطرت و خلقت ہی معرفت پر ہے، کوئی بھی اس زبان میں گفتگو نہیں کر سکتا۔ اگر تو انہیں گفتگو
کرتا ہوا دیکھ لے تو تُو دیکھے گا کہ وہ ایک یا دو حرفوں یا ایک یا دو کلموں کے ساتھ ان معانی کی طرف اشارہ کر رہے
ہیں جن کی طرف دوسرے ایک یا دو جزوں میں اشارہ کر سکیں گے۔

یہ معلوم کر لینے کے بعد آپ سمجھ جائیں گے کہ جب بنی آدم میں جہالت پھیل گئی تو اس کی وجہ سے ان حروف کو ان معانی
سے جن کے لیے یہ ابتداءً وضع کئے گئے تھے، منتقل کر دیا گیا اور ان کو مہمل بنا دیا گیا۔ لہٰذا معانی کے ادا کرنے کے لیے
اس بات کی ضرورت ہوئی کہ ان کو ایک دوسرے سے ملا دیا جائے تاکہ ایک مجموع حاصل ہو جسے کلمہ کہا جاتا ہے، تاکہ
یہ ان معانی میں سے جو پہلی وضع والوں کے ہاں مروج تھے ایک معنی پر دلالت کرے لہٰذا حروف کے معانی اور ان
کے اسرار کو نہ جاننے کی وجہ سے بہت بڑا علم ضائع ہو گیا، باوجود اس کے جب آپ کسی زبان کا کوئی لفظ لیں گے
اور نقل سے پہلے کے معانی سے اس کی تشریح کرنا چاہیں گے تو اس میں کوئی حرف ضرور ایسا ملے گا جو اپنی سابق وضع

Marfat.com

(یعنی سریانیت) میں اس پورے مفہوم کو ادا کرے گا، جس پر پورا کلمہ اس دوسری وضع میں دلالت کر رہا ہے کیونکہ یہ معانی منقول عنہ (یعنی سریانی معانی) سے مشتق ہیں۔ اور دیکھے گا کہ اس کلمہ کے باقی حروف دیگر معانی پر دلالت کرتے ہیں جنہیں سریانی لوگ تو سمجھ جاتے ہیں اور دوسرے لوگ ان سے ناواقف ہیں۔ مثلاً حائط کا لفظ عربی زبان میں گھر یا کسی اور گھیرنے والی دیوار کے لیے وضع کیا گیا، مگر سریانی زبان میں ابتدائی حاء ہی یہ تمام معنی ادا کر دیتی ہے اور لفظ ماء عربی زبان میں پانی کو کہتے ہیں مگر اس کی آخری ہمزہ یہ معنی ادا کرتی ہے اور لفظ سماء آسمان کو کہتے ہیں مگر اس کے شروع کی سین ہی یہ معنی ادا کر دیتی ہے۔ غرض اکثر اسماء پر غور کریں تو سب اسی طرز پر نکلیں گے کہ ایک حرف معنی کو ادا کرتا ہے اور باقی حروف بے کار و بے فائدہ ہیں۔ وَاللہُ تعالیٰ اَعْلَمُ۔

حضرت آدم کی زبان سریانی تھی

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اتر کر زمین پر آئے تو وہ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ سریانی زبان میں باتیں کیا کرتے تھے کیونکہ وہ ابھی ابھی جنت سے آئے تھے لہٰذا انہیں معانی کی صاف معرفت حاصل تھی لہٰذا سریانی زبان اپنی اصلی حالت پر بغیر تغیر و تبدل کے ان کی اولاد میں قائم رہی، حتیٰ کہ حضرت ادریس علیہ السلام گذر گئے تو اس میں تغیر و تبدل شروع ہوا اور لوگ اس کو اپنی اصل سے منتقل کرنے اور اس سے اپنی اپنی بولیاں نکالنے لگے چنانچہ سب سے پہلی زبان جو اس میں سے نکالی گئی وہ ہندوستان کی زبان (سنسکرت) ہے اسی لیے یہ زبان سریانی زبان سے قریب ترین ہے اور فرمایا کہ حضرت آدم جنت سے اترنے کے بعد سریانی زبان میں اس لیے باتیں کرتے تھے کہ یہ اہلِ جنت کی زبان ہے اور وہ جنت میں یہی زبان بولا کرتے تھے اور جنت سے یہی زبان لے کر دنیا میں آئے۔

اس پر میں نے عرض کیا کہ مفسرین نے خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَہُ الْبَیَانَ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ انسان سے مراد آدم علیہ السلام ہیں اور بیان سے مراد سات سو زبانوں میں کلام کرنا ہے جن میں افضل ترین قرآنی زبان ہے۔

حضرت نے فرمایا: یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو سات سو زبانیں سکھائیں چنانچہ وہ یہ تمام زبانیں جانتے تھے بلکہ آپ سے کم درجہ والے یعنی اولیاء امتِ محمدیہ بھی یہ زبانیں جانتے ہیں لیکن وہ وہی زبان بولتے ہیں جس پر ان کی تربیت ہوئی اور آدم علیہ السلام کی تربیت اہلِ جنت کی زبان سریانی پر ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مؤلف کہتا ہے کہ یہ نہایت ہی عمدہ کلام ہے اور اس پر حضرت ابنِ عباس کی اس مرفوع حدیث سے اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ عربوں سے تین باتوں کی وجہ سے محبت رکھو۔ میں عربی ہوں، قرآن عربی میں ہے اور اہلِ جنت بھی عربی میں گفتگو کریں گے"۔ کیونکہ عقیلی کہتا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں اور ابن الجوزی نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ میں حضرت سے بھی اس حدیث کے متعلق پوچھا فرمایا: یہ حدیث نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی۔

نیز حضرت نے فرمایا اگر ننھے بچوں کی گفتگو پر غور کریں تو ہم ان کی گفتگو میں بہت سی سُریانیت پائیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ بچپن میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ پتھر پر لکیر کی طرح ہو جاتی ہے۔ چونکہ آدم علیہ السلام اپنے بچوں سے باتیں کیا کرتے اسی زبان میں مختلف قسم کی کھانے پینے کی چیزوں کے نام لیا کرتے لہٰذا اسی پر ان کا نشو و نما ہوا اور اپنی اولاد کو بھی یہی زبان سکھائی اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا، مگر جب اس میں تبدیلی واقع ہوئی اور بھول گئی تو بڑوں کے پاس اس کا کچھ بھی نہ رہا البتہ بچے

Marfat.com

کے پاس کچھ باقی رہ گئی اس میں ایک اور راز بھی ہے وہ یہ کہ بچہ جب تک ماں کا دودھ پیتا رہتا ہے اس کی روح کا تعلق ملأ اعلیٰ سے رہتا ہے۔ اس زمانہ میں جو خوابیں بچہ کو نظر آتی ہیں اگر بڑے کو نظر آویں تو خوف کے مارے مرجائے کیونکہ بچپن میں غلبہ روح کا ہوتا ہے اور بڑے ہو کر جسم کا غلبہ ہوتا ہے اور پہلے ذکر ہو چکا کہ ارواح کی زبان سریانی ہے لہذا جس طرح بچہ عالمِ خواب میں جو کچھ مشاہدہ کرتا ہے بحکمِ غلبۂ روح کرتا ہے۔ اسی طرح کبھی وہ سریانی الفاظ بول جاتا ہے تو اس وقت بھی غلبۂ روح کا ہی ہوتا ہے۔

حضرت نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام اُغ ہے جسے دودھ پیتا بچہ بولتا ہے اور یہ نام بلندی رفعت، لُطف اور شفقت پر دلالت کرتا ہے گویا کہ وہ یوں کہہ رہا ہے یَا عَلِیُّ یَا رَفِیعُ یَا حَنَّانُ، یَا لَطِیفُ۔ اسی طرح تم نے دیکھا ہوگا کہ بچہ کا دودھ چھڑانے کے بعد جب باقلاء یا چنے کا دانہ اسے دیا جاتا ہے تو اُس کا نام بُوبُو رکھتے ہیں کہ سریانی زبان میں کھانے کی میٹھی چیز کے لیے مقرر ہے اسی لیے ماں کے پستانوں کو بھی جن سے وہ دودھ پیتا ہے یہی نام دیا جاتا ہے اسی طرح جب بچہ کو پاخانہ پھرنے کی حاجت ہوتی ہے تو ماں کو عُ عُ کہہ کر اطلاع دیتا ہے اور سریانی میں یہ لفظ ذات کی پلیدی کو نکالنے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اسی طرح بچہ کے پاس جب کوئی اس سے چھوٹا بچہ لایا جائے تو اس کا نام رکھتے ہیں مُوْمُوْ، جو سریانی زبان میں ایک چھوٹی اور پیاری چیز کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اسی لیے آنکھ کی پتلی کو عربی میں مُومُو کہتے ہیں مگر لفظ عین کا اضافہ کر کے مُومُو العین استعمال کرتے ہیں یعنی آنکھ میں چھوٹی اور پیاری چیز۔ بچوں کے کلام میں باقی سریانی الفاظ تلاش کرنے لگیں تو قصہ طول پکڑ جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ اس وقت کہ ۹ ذی الحجہ ۱۱۲۹ھ کا دن ہے۔ اہلِ مغرب میں سے کوئی بھی سریانی میں بات کرنے والا نظر نہیں آتا۔

میں نے دریافت کیا کیا سیدی منصور جن کی وفات ہو چکی تھی سریانی میں گفتگو کرتے تھے یا نہیں۔ فرمایا ہاں اس زبان میں باتیں کرتے تھے مگر سیدی عبداللہ برناوی ان سے کہیں اچھی بول لیتے تھے۔

میں نے پوچھا اسے کیوں سیکھا جاتا ہے؟

اہل دیوان کی زبان سریانی ہے

فرمایا: اس لیے کہ اہلِ دیوان سے بکثرت میل جول رہتا ہے اور وہ اس زبان کے کثرتِ معانی کی وجہ سے کسی اور زبان میں گفتگو نہیں کرتے۔ عربی میں گفتگو صرف اس وقت ہوتی ہے جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوتے ہیں۔ آپ کے ادب و توقیر کی وجہ سے، کیونکہ دنیا میں اپنی حیاتی میں آپ کی یہی زبان تھی۔

اس کے بعد میں نے حضرت سے پوچھا کیا سیدی عمر الھواری اور سیدی محمد اللہواج یہ زبان جانتے تھے یا نہیں؟

فرمایا: نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا سوالِ قبر سریانی زبان میں ہوگا یا کسی اور زبان میں

میں نے عرض کیا: کیا سوالِ قبر سریانی زبان میں ہوگا یا کسی اور زبان میں۔ اس لیے کہ حافظ السیوطی اپنے منظومہ میں فرماتے ہیں:

وَمِنْ غَرِیْبِ مَا تَرٰی الْعَیْنَانِ　　اَنَّ سُؤَالَ الْقَبْرِ بِالسُّرْیَانِیْ

Marfat.com

(عجیب بات ہے کہ سوالِ قبر سریانی زبان میں ہوگا) اس کا شارح کہتا ہے کہ ناظم نے اپنی کتاب شرح الصدور باحوال الموتیٰ والقبور میں شیخ الاسلام علم الدین البلقینی کے فتاویٰ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ میت سوالات کا جواب سریانی زبان میں دے گی۔ ناظم کہتا ہے مگر مجھے اس کی سند کہیں نہیں ملی۔ علامہ ابن حجر سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ظاہر حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں سوال وجواب عربی زبان میں ہوگا مگر اس کے باوجود ہو سکتا ہے کہ ہر شخص سے خطاب اس کی اپنی زبان میں ہو۔ اور یہ بات معقول بھی ہے۔

حضرت نے جواب دیا: سوالِ قبر سریانی زبان میں ہوگا کیونکہ یہ زبان فرشتوں اور ارواح کی زبان ہے اور سوال کرنے والے فرشتے بھی انہی میں سے ہیں اور سوالات کا جواب صرف روح دے گی جو تمام ارواح کی طرح سریانی زبان میں گفتگو کرتی ہے، کیونکہ جب روح سے جسم کا پردہ (بذریعہ موت) زائل ہو جاتا ہے تو اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ آتی ہے۔ پھر فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی ولی کو فتح کبیر (یعنی مرتبہ غوثیت) عطا کرتا ہے تو وہ کسی سے سیکھے کے بغیر ہی اس زبان میں گفتگو کر سکتا ہے کیونکہ اس پر روح کا حکم غالب ہوتا ہے، پھر مردہ کا تو کیا پوچھنا، لہٰذا اس کو سریانی میں بات کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے گی۔

سوال وجواب کے الفاظ میں نے عرض کیا حضرت ہماری درخواست ہے کہ قبر کے سوال وجواب کی کیفیت بیان فرما کر ہمیں ممنون فرمائیں۔

مَرازہُو حضرت نے جواب دیا: منکر ونکیر سریانی زبان میں میت کو مَرازہُو کہیں گے۔ اس کا تلفظ یوں فرمایا: اول میم مفتوحہ اور اس پر ہلکا سا تشدید پھر راء مفتوحہ اور پھر الف پھر زاء ساکن اور آخر میں ہٰ مضمومہ کے ساتھ واؤ خفیف سکون لیے ہوئے اور دل چاہے تو پر وقف کر لو اور اس کے بعد ذرا کھینچو کہ ہلکی سی واؤ پیدا ہو جائے۔

ان حروف کے معانی سریانی زبان میں ان کے حقیقی معنوں سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

مَ۔ پہلا حرف جو زبر والی میم ہے تمام کائنات اور ساری مخلوقات پر دلالت کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے۔

رَا۔ دوسرا حرف را ان تمام خوبیوں کے لیے وضع کیا گیا ہے جو اس کائنات میں موجود ہیں۔

زَا۔ کائنات کی برائیوں کے لیے وضع کی گئی ہے۔

ہُو۔ جس کے بعد کشش ہے اس ذاتِ مقدس پر دلالت کرنے کے لیے وضع ہوئی ہے جس نے تمامی عوالم کو پیدا کیا۔ سبحانہٗ لا الٰہ الا ہُو۔

پس حرفِ اوّل سے اشارہ ہوا ہے تمامی کائنات کی طرف اور حرف دوم سے اشارہ ہوا ان خوبیوں کی طرف جو کائنات میں موجود ہیں اور ان میں سید الوجود صلی اللہ علیہ وسلم، تمام انبیاء، فرشتے، آسمانی کتابیں، جنت، لوح، قلم اور وہ تمام انوار جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور جو کچھ عرش کے اندر اور اس کے نیچے ہیں، سب داخل ہو جائیں گے اور تیسرے حرف زا سے اشارہ ہوا تمام برائیوں کی طرف کہ اس میں جہنم اور ہر ذاتِ خبیث مثلاً شیطان اور ہر چیز جس میں گندگی اور شر ہو سب داخل ہو جائیں گی اور حرف چہارم ھو ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ تک پہنچانے والی ہے

ے۱۔ شیخ الاسلام علم الدین بلقینی، علم الدین صالح بن السراج البلقینی شافعی متوفی ۸۶۸ھ = ۱۴۵۹ء ان کی ایک تفسیر ہے ان کے بھائی جلال عبدالرحمٰن بلقینی متوفی ۸۲۴ھ = ۱۴۲۱ء نے بھی ایک تفسیر لکھی ہے۔ فتاویٰ جس کا یہاں حوالہ دیا گیا ہے۔

Marfat.com

حضرت نے فرمایا: سریانی زبان کا طریقہ ہے کہ بعض معانی کے لیے صرف ارادہ پر اکتفا کی جاتی ہے اور ان کے لیے کوئی الفاظ وضع نہیں کیے جاتے۔ مثلاً قسم، استفہام و تمنّی وغیرہ۔ چنانچہ یہاں استفہام مراد ہے حالانکہ اس پر دلالت کرنے والا کوئی حرف نہیں کیونکہ سوال کا قرینہ موجود ہے گویا یوں پوچھا گیا ہے کہ تمام کائنات، انبیاء، ملائکہ، کتب سماویہ، جنت، تمام خوبیوں اور شیاطین اور تمام برائیوں کا خالق اللہ سبحانہ ہیں یا کوئی اور؟

مراداز بر ہو | حضرت نے فرمایا اب رہا جواب، سو اگر میت مومن ہوگی تو وہ جواب میں مراداز بر ہو کہے گی اور اسے یوں ضبط کیا: میم مفتوح بتشدید خفیف پھر راء مفتوح پھر الف ساکن، پھر دال ساکن، دال کے بعد ہمزہ مفتوح پھر زاء مکسور پھر یاء ساکن اور یا کے بعد راء ساکن اور پھر ہ مضموم جس کے ساتھ ہلکے سے سکون والی واؤ ہے۔ ان حروف کے معانی یہ ہیں کہ پہلے حرف کا اشارہ جیسا کہ بیان کیا جا چکا تمام کائنات اور مخلوقات کی طرف ہے۔ دوسرے حرف کا اشارہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان تمام انوار کی طرف ہے جو آپ سے نکلے مثلاً انوار ملائکہ، انوار انبیاء مرسلین، انوار لوح و قلم اور نور برزخ اور ہر وہ چیز جس میں نور پایا جائے۔ ہم نے جواب میں اس حرف کی یہ تفسیر اس لیے بیان کی ہے حالانکہ سوال میں مذکورہ بالا تشریح دی تھی کہ جواب دینے والا امت محمدیہ میں سے ہے لہٰذا وہ چاہتا ہے کہ وہ سلک محمدی میں داخل ہو اور آپ کے جھنڈے کے سایہ میں آ جائے۔ اسی لیے جواب میں ان حروف سے وہی معنی مراد لیے ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا۔ تاہم سوال میں اس کی تفسیر تمام خیرِ اُمّت کی گئی ہے، یہ اس کے بھی مخالف نہیں ہے اس لیے کہ ہر خیر نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے متفرع ہوئی ہے۔ اور حرف سوم یعنی دال سے اشارہ ہے ان تمام چیزوں کے برحق ہونے کی جانب جو پہلے حرف میں داخل تھیں، گویا کہ میت جواب میں یہ کہہ رہی ہے کہ ہاں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں۔ تمام انبیاء برحق ہیں، تمام فرشتے برحق ہیں ان میں سے کسی میں بھی شک نہیں اور تمام وہ چیزیں بھی برحق ہیں جو حرفِ سابق میں داخل ہیں۔ پھر حرفِ چہارم یعنی ہمزہ مفتوحہ اپنے مابعد کے مدلول کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ سریانی زبان میں ہمزہ مفتوحہ حروف اشارہ میں سے ہے جیسے ھٰذا اور ھٰذہٖ عربی زبان میں اور پانچواں حرف زاء جیسا کہ ذکر ہو چکا شر اور برائی پر دلالت کرتا ہے چنانچہ ظلمت حقیقی اور ہر وہ ظلمت جو اس سے متفرع ہوئی ہو اس کی تحت میں آ جاتی ہے لہٰذا اس سے دوسرے حرف کی ضد مراد ہوئی اس لیے اس میں جہنم اور ہر وہ شئی جس میں ظلمت و شر ہو داخل ہو جاتی ہے۔ اور راء ساکنہ سے اشارہ ہے ہر اس چیز کے حق ہونے کا جو حرف سابق یعنی زا میں داخل ہے جس کو ہی کے ساتھ اشباع دیا گیا ہے اور ہ جس میں ضمہ کے کھینچنے سے واؤ پیدا ہو گئی ہے اشارہ ہے ذات علیہ کی طرف بایں لحاظ کہ وہ خالق ہے۔ مالک ہے مُتصرف ہے۔ قاہر ہے مختار ہے پس حاصل جواب یہ ہوا کہ تمام کائنات کا اور ہمارے نبی برحق کا اور تمام انبیاء کا جو کہ برحق ہیں اور تمام فرشتوں کا جو کہ برحق ہیں اور عذابِ جہنم کا جو کہ برحق ہے اور ہر قسم کی شر کا جو کہ برحق ہے، سب کا پیدا کرنے والا، سب کا مالک سب کا تصرف کرنے والا اور مختارِ کل وہی اللہ سبحانہ ہے۔ جو ایک ہے جس کا نہ کوئی مخالف اور نہ شریک ہے اور نہ کوئی اس کے حکم کو ٹالنے والا ہے۔

Marfat.com

پھر فرمایا: جب مردہ یہ صحیح جواب دیتا ہے تو فرشتے اسے کہتے ہیں نَاصِر بنون مفتوحہ جس کے بعد الف ہے اور الف کے بعد ص مکسورہ ہے اور ص کے بعد راء ساکن ہے۔ اس کے معنی بھی سریانی حروف کی وضع سے معلوم ہو جائیں گے چنانچہ پہلا حرف نا بنُونِ مفتوحہ اور اس کے بعد الف، اس نور پر دلالت کرتا ہے جو ذات میں ساکن ہو اور اس میں چمک رہا ہے۔ دوسرا حرف ص مکسور ہے مٹی پر دلالت کرتا ہے اور راء ساکنہ دلالت کر رہی ہے ماقبل کے حق ہونے کی طرف اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہاں تیرا نورِ ایمان جو تیری ذاتِ ترابی میں جس کی اصل مٹی ہے، ساکن ہے اور وہ حق اور صحیح ہے، واقعہ کے مطابق ہے، جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ لہٰذا یہ مفہوم حدیثِ نبوی کے ان الفاظ کے قریب ہے نَمْ صَالِحًا قَدْ عَلِمْنَا اَنْ کُنْتَ لَمُوْقِنًا[ع۱] اچھا اب آرام سے سو جا، ہمیں معلوم تھا کہ تم صاحبِ یقین وایمان ہو۔

کلماتِ قرآنیہ کے متعلق سوال

میں نے حضرت سے ان کلماتِ قرآنیہ کے متعلق پوچھا جن کے متعلق علماء میں اختلاف ہے کہ وہ سریانی زبان کے ہیں یا کسی اور زبان کے۔

۱۔ **اَسْفَارًا** ان میں ایک لفظ اَسْفَارًا ہے۔ واسطی[ع۲] نے اَلْاِرْشاد میں لکھا ہے کہ یہ لفظ سریانی ہے جس کے معنی کتب (کتابوں) کے ہیں اور ابن ابی حاتم[ع۳] نے ضحاک[ع۴] سے نقل کیا ہے کہ یہ قبطی لفظ ہے بمعنی کُتُب۔ یہ الاتقان فی علوم القرآن کا بیان ہے۔

حضرت نے فرمایا یہ سریانی لفظ ہے بمعنی کتب اور واسطی کا قول درست ہے اور تمام کلمہ کے معنی ہیں۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جو طاقتِ بشری سے باہر ہیں کیونکہ ہمزہ کا اشارہ مابعد کی طرف اور سینِ ساکن وضع ہوا ہے محاسنِ اشیاء کے لیے اور فاء مفتوحہ اس چیز کا نام ہے جو طاقتِ بشری سے خارج ہو اور راء مفتوح کا دوسرا اشارہ ہے محاسن کی طرف۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ کتابیں جن میں ایسی خوبیاں ہیں جو بشری طاقت سے باہر ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ع۱ دوسری حدیث میں ہے نَمْ کنومۃ العروس

ع۲ واسطی: ابوالعز محمد بن حسین بن بندار القلانسی الواسطی متوفی ۵۲۱ھ = ۱۱۲۵ء ان کی کتاب کا پورا نام ارشاد المبتدی وتذکرۃ المنتہی ہے۔ اس میں دس قراءتوں پر بحث کی گئی ہے۔

ع۳ ابن ابی حاتم: شیخ الاسلام ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم سنہ ۲۴۰ھ = ۸۵۴ء میں پیدا ہوئے۔ یہ بہت بڑے زاہد تھے اور ان کا شمار ابدال میں ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ کسی دوست نے انہیں قحط کے زمانہ میں اصفہان سے کوئی جانور بھیجا جسے انہوں نے بیس ہزار کو بیچ دیا۔ اس دوست نے کہلا بھیجا کہ اس سے ایک مکان خرید لیں مگر انہوں نے تمام روپیہ فقراء میں تقسیم کر دیا اور دوست کو لکھ بھیجا کہ میں نے تمہارے لیے جنت میں محل خرید لیا ہے اور دوست نے کہا کہ اگر آپ ضامن ہیں تو میں راضی ہوں۔ انہوں نے ضمانت دے دی۔ اس کے بعد انہیں خواب میں کہا گیا: ہم نے تمہاری ضمانت قبول کر لی ہے مگر آئندہ سے ایسا نہ کرنا۔ ان کی وفات سنہ ۳۲۷ھ = ۹۳۸ء میں ہوئی۔

ع۴ ضحاک: ضحاک بن مخلد بن ضحاک شیبانی بصری۔ ثقہ ہیں۔ انہوں نے کثرت سے روایتِ حدیث کی۔ ان کی وفات سنہ ۲۱۴ھ میں ہوئی۔

Marfat.com

اَلرَّبَّانِیُّوْنَ | دوسرا لفظ رَبَّانِیُّوْنَ ہے جو الیقی[1] کہتے ہیں: ابو عبیدہ[2] کا قول ہے کہ اہلِ عرب کو رَبَّانِیُّوْن کے لفظ کا علم نہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ لفظ یا تو عبرانی ہے یا سریانی لیکن ابو القاسم[3] نے یقینی طور پر اسے سریانی قرار دیا ہے۔ اس کا ذکر سیوطی نے اتقان میں کیا ہے۔

حضرت نے فرمایا: یہ لفظ سریانی ہے جس کے معنی وہ لوگ ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے بغیر تعلم کے فتح عطا کی ہو اور یہ مرکب ہے تین کلموں سے رَبَّا - نی - یُون - پھر آپ نے اس کی یوں تشریح کی کہ راء مفتوحہ اشارہ ہے خیر کثیر کی طرف جس پر باء مشددہ دلالت کر رہی ہے گویا یوں کہا جا رہا ہے کہ یہ خیر کثیر ہے اور دوسرے کلمہ کی تشریح یہ ہے کہ نونِ مکسورہ اشارہ ہے قرب کی طرف۔ اور تیسرے کلمہ کی شرح یہ ہے کہ یاء مضمومہ اشارہ ہے اس چیز کی طرف جو ایک حالت پر برقرار نہ رہے جیسے بجلی اور نور اور نونِ مفتوحہ اشارہ ہے اس خیر کی طرف جو ذات میں جاگزین اور اس میں مشتعل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ خیر دخوبی جو میرے قریب ہے اور اہلِ فتح کی ذات میں پائی جاتی ہے انوارِ الٰہیہ میں سے ایک نور ہے اور اسرارِ الٰہیہ میں سے ایک بستر ہے اور وہ ان کی ذات میں جاگزین اور مشتعل ہے۔

۳۔ هَيْتَ لَكَ | اسی طرح لفظ هَيْتَ لَكَ (سورہ یوسف آیت ۲۳) ابنِ حاتم نے ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ هَيْتَ لَكَ کے معنی قبطی زبان میں آؤ اور حسن[4] نے اسے سریانی کہا ہے۔ ابنِ جریر کی بھی یہی روایت ہے۔ عکرمہ[5] کہتے ہیں کہ حورانی لفظ ہے۔ یہی روایت ابو الشیخ[6] کی ہے۔ ابو زید الانصاری[7] کہتے ہیں کہ یہ عبرانی لفظ ہے اور اصل میں هیتلہ ہے یعنی آؤ۔ یہ بیان اتقان کا ہے۔

حضرت نے فرمایا: یہ سریانی لفظ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳۱ **۴۔ شُهر** | اسی طرح شہر کا لفظ ہے جو الیقی کہتے ہیں کہ ایک اہلِ لغت نے ذکر کیا ہے کہ یہ لفظ سریانی ہے۔

حضرت نے فرمایا۔ یہ سریانی نہیں۔ سریانی زبان میں شہر کے معنی پانی کے ہیں۔

---

[1] **الجوالیقی**: ابو منصور موہوب بن ابی طاہر احمد بن محمد بن الخضر الجوالیقی البغدادی الادیب اللغوی۔ بغداد کی قابلِ فخر ہستیوں میں سے تھے۔ انہوں نے ادب ابو زکریا تبریزی سے پڑھا اور بہت سی تصانیف کیں ۴۶۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۷۹ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے حریری کے درۃ الغواص کا تمہ لکھا جس کا نام التکملہ فیما یلحن فیہ العامہ رکھا۔ (کشف: ۱: ۳۷۱)

[2] ابو عبیدہ: معمر بن مثنیٰ ابو عبیدہ نحوی و لغت دان تھا۔ اس کی وفات تقریباً ۲۱۰ھ ۸۲۵ء میں ہوئی۔

[3] ابو القاسم عبد العزیز بن عبد اللہ الدارکی۔ نیشاپور میں درس دیا اور ابو اسحٰق مروزی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور عامہ شیوخ بغداد نے ان سے علم حاصل کیا۔ انہوں نے ۳۷۵ھ ۹۸۵ء میں وفات پائی۔

[4] حسن سے حسن بصریؒ مراد ہے۔

[5] عکرمہ: ابنِ عباس کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

[6] **ابو الشیخ**: حافظ اصبہانی ابو الشیخ عبد اللہ بن محمد بن جعفر بن حیّان۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں ۲۷۴ھ ۸۸۷ء میں پیدا ہوئے اور ۳۶۹ھ ۹۷۹ء میں وفات پائی۔

[7] ابو زید الانصاری: صحابی ہیں۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہی قرآن حفظ کر لیا تھا۔ ان کے نام میں اختلاف ہے بعض سعید بن عمیر کہتے ہیں اور بعض قیس بن السکن۔

Marfat.com

مولف کہتا ہے جو اس کلمہ کے حروف کی تفسیر جانتا ہے اسے اس میں شک نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵۔ عَدْن | ایک اور لفظ عَدْن ہے۔ ابن جریر نے ذکر کیا ہے کہ ابنِ عباس نے کعب سے جَنّٰتُ عَدْنٍ کے معنی پوچھے تو کعب[1] نے کہا کہ سریانی میں اس کے معنی انگوروں کے باغات کے ہیں۔ ابنِ جریر نے اپنی تفسیر میں اسے رومی بتایا ہے۔ یہ بیان اتقان کا ہے۔

حضرت نے فرمایا یہ سریانی لفظ ہے اور اس لفظ کی ایک بلند تشریح بیان کی۔

۶۔ رَهْوًا | ایک اور لفظ رَهْوًا ہے۔ واسطی کہتے ہیں وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا کے معنی سریانی زبان میں "ساکن" کے ہیں ابو القاسم نے قبطی زبان بتایا ہے اور اس کے معنی سُہل بتائے ہیں۔

حضرت نے فرمایا: یہ سریانی لفظ ہے اور اس کے معنی ایسی قوت کے ہیں جس کی کوئی شخص طاقت نہ رکھ سکتا ہو چنانچہ اگر ہم کہیں کہ فلاں شخص رہو ہے یعنی اتنا قوی ہے کہ کوئی اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا یا یوں کہیں کہ شخص رہو قوم میں سے ہے یعنی ایسی قوم میں سے ہے کہ کوئی قوم ان کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتی۔

مؤلف کہتا ہے کہ اب آیت کے معنی ظاہر ہیں اور جو شخص اس کلمہ کے حروف کی تفسیر کو پہچان لے اسے شیخ کے بیان میں شک و شبہ نہ رہے گا۔ وَاللہُ تعالیٰ اعلم۔

غرض اسی قسم کے بہت سے الفاظ میں نے حضرت سے دریافت کیے جن کا آپ نے جواب دیا، لیکن میں نے قارئین کے ملال کے خوف سے ان کا ذکر نہیں کیا۔

ان سریانی کلمات کی تشریح سننے کے بعد میں سمجھ گیا کہ حضرت نے مذکورہ الفاظ مثلاً "مشفح و مشیخا و الانجیل و وَالْمُنْحَمَنَّا و احمی حمیثا وغیرہ الفاظ کا ہی جواب دے رہے ہیں۔ اس پر میں نے حضرت سے درخواست کی کہ ہر کلمہ کی تشریح ان کے حروف کی اصل وضع کے اعتبار سے بیان کریں تو حضرت نے یہ سب کچھ ایک ایک حرف کر کے بیان کر دیا۔ لیکن بخوف طوالت میں نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت سے میں نے سنا کہ غوث کے سوا سریانی زبان کو کوئی شخص نہیں جانتا یا وہ اقطاب سبعہ جانتے ہیں جو اس کے ماتحت ہوتے ہیں۔ سیدی احمد بن عبد اللہ نے یہ زبان مجھے تقریباً ایک ماہ میں سکھاتی تھی۔ یہ ۱۱۲۵ھ کی بات ہے۔

مؤلف کہتا ہے میں نے یہ کلام حضرت سے ۴ ذی الحجہ ۱۱۲۹ھ کو سنا۔ سیدی احمد بن عبد اللہ سے حضرت کی مراد وہ احمد ہیں جو آپ سے پہلے جیسا کہ ذکر ہو چکا غوث تھے اور وہ جیسا کہ ہم بیان کریں گے ان دس اولیاء میں سے تھے جن کی وراثت حضرت شیخ کو ملی اور ۱۱۰۹ھ میں ذی القعدہ کے آخر میں جیسا کہ میں نے ان سے سنا ایک اور بڑے ولی کی وراثت بھی ان کو جن کا نام سیدی ابراہیم اَللّمْنَنَہ ہے۔ دو مفتوحہ لاموں کے درمیان میم ساکن ہے جن کے آخر

---

[1] کعب: ابو اسحٰق کعب بن نافع الحمیری جو کعب الاحبار کے نام سے مشہور ہے۔ ان کی وفات حمص میں ایک سو چار برس کی عمر میں ۳۲ھ ۶۵۳ء میں عہد عثمان میں ہوئی۔

Marfat.com

نماء ہے حضرت نے اس کا تلفظ اسی طرح بتایا تھا۔ جس زمانہ میں سید احمد بن عبد اللہ حضرت کو سریانی زبان کی تعلیم دے رہے تھے۔ یہ حضرت کی فتح کا ابتدائی زمانہ تھا۔ انہوں نے حضرت کو سریانی زبان اس لیے سکھائی کہ ان کو علم تھا کہ حضرت قطب بننے والے ہیں چنانچہ تھوڑی مدت بعد ہی آپ قطب بن گئے۔

اس بات کی دلیل کہ اس زبان کو ان خاص اولیاء کے سوا جن کی طرف حضرت نے اشارہ کیا کوئی نہیں جانتا۔ بڑے بڑے اولیاء سے منقول وہ نصوص ہیں جو فواتح السُّوَر کی تشریح میں انہوں نے بیان کیے۔

پھر حضرت نے سریانی زبان میں حروف تہجی کی اصل وضع و معانی ۸ ذی الحجہ ۱۱۲۹ھ میں مجھے سکھائے۔ بحمد اللہ میں ایک دن میں سب سمجھ گیا تو فرمایا میں نے تو ایک ماہ میں سیکھی تھی اور تم ایک ہی دن میں سیکھ گئے۔ میں نے آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور عرض کی کہ یہ حضرت ہی کی برکت اور پڑھانے وسمجھانے کا سلیقہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱۲۹ھ میں رمضان شریف کے آخر میں ایک دن میں حضرت سے اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (سورہ تکویر پارہ ۳۰ آیت ۱) ذکر کر رہا تھا کہ میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ یہ جو مشہور ہے کہ قرآن مجید کے ہر کلمہ کے ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک باطنی۔ کیا یہ درست ہے؟

حضرت نے فرمایا یہ سچ ہے چنانچہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ کے بھی ظاہری اور باطنی معنی ہیں چنانچہ اس کا ظاہر آخر کی تصدیق کرتا ہے اور اس کا باطن اوّل کی۔

میں نے عرض کیا کہ آخر سے آپ کی مراد کیا ہے؟

فرمایا: آخر سے مراد وہ امور ہیں جو قیامت کے دن محشر میں واقع ہوں گے اور اوّل سے مراد وہ امور ہیں جو عالم ارواح میں واقع ہوئے۔

اس کے بعد آپ نے عالم ارواح کی بعض اشیاء کا ذکر کیا کہ نہایت تعجب انگیز تھا اور آپ نے محیّر العقول باتیں بیان کیں۔ یہ امور اسرار خداوندی میں سے ہیں جن کا ذکر کرنا منع ہے۔

پھر میں نے آپ سے اس آیت کے متعلق پوچھا جس کا ظاہر عالم ارواح میں ہے مثلاً وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (سورہ اعراف آیت ۱۷۲) اور عرض کیا اس کا باطن کہاں ہے؟

حضرت نے فرمایا اس کا باطن وہ امور ہیں جو علم ازلی اور پہلی تقدیر میں گذر چکے۔

نیز آیت اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (سورہ نساء آیت ۱۰۱) کے متعلق پوچھا کہ اس کے باطنی معنی کیا ہیں؟

فرمایا وہ ظلمت جو عالم ارواح میں تھی۔ اسی ظلمت سے جہنم پیدا ہوئی۔ خدا ہمیں اس سے پناہ دے۔ چنانچہ اس ظلمت کے اندر ارواح منافقین کا اسی طرح کا مقام ہے جس طرح کا مقام ان کے اجسام کے لیے جہنم میں ہے۔ خدا ہمیں اس سے سلامت رکھے۔

میں نے عرض کیا کہ اس باطن کے جاننے کا کوئی سبب بھی ہے؟

Marfat.com

فرمایا: یہ کشف کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا مگر جو سریانی زبان سمجھ جائے اور حروف کے اسرار کا اُسے علم ہو جائے تو اس سے باطنِ قرآن کے جاننے میں بہت سی مدد ملے گی اور اسے عالمِ ارواح، دنیا، دارِ آخرت، آسمانوں اور زمینوں اور عرش کی باتوں کا علم ہو جائے گا اور اسے علم ہو جائے گا کہ قرآن عزیز میں جن معانی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ان کی کوئی انتہاء نہیں اور اسے اس آیت کے معنی معلوم ہو جائیں گے مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْئٍ۔ (سورہ انعام آیت ۳۸) واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا قرآن مجید لوحِ محفوظ میں عربی میں لکھا ہوا ہے

پھر میں نے دریافت کیا کہ کیا قرآن مجید لوحِ محفوظ میں عربی زبان میں لکھا گیا ہے؟

حضرت نے فرمایا: ہاں اور کچھ حصہ سریانی میں بھی لکھا ہوا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ سریانی میں لکھا ہوا کونسا حصہ ہے؟

فرمایا: سورتوں کی ابتدا میں جو حروفِ مُقطعات ہیں۔

میں نے کہا برسوں سے جس چیز کی مجھے تلاش تھی، وہ آج ہاتھ آئی۔ میری حضرت سے ملاقات رجب ۱۱۲۵ھ میں ہوئی اور میں آپ سے گفتگو کرتا رہا اور ولایت سے متعلق امور کے متعلق پوچھتا رہا۔ میں نے حضرت سے وہ باتیں سنیں کہ میں حیران رہ گیا۔ جب حضرت نے دیکھا کہ مجھے آپ کے جواب پسند آئے ہیں، تو فرمایا: تمہارا جو دل چاہے پوچھو۔ اس پر میں نے سورتوں کی ابتدا میں حروفِ مقطعات کے متعلق دریافت کیا کہ صٓ۔ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ (سورہ ص، پارہ ۲۳ آیت ۱) کے کیا معنی ہیں؟

حضرت نے فرمایا: اگر لوگوں کو ص کے معنی اور اس کی حقیقت کا علم ہو جائے تو کسی کو بھی اللہ کے حکم کی مخالفت پر کبھی جرات نہ ہو۔ مگر آپ نے اس کی تشریح نہیں کی۔

کٓھٰیٰعٓصٓ

پھر میں نے کٓھٰیٰعٓصٓ کے معنی دریافت کیے۔

فرمایا: اس میں عجیب راز ہے اور جو کچھ بھی اس سورۃ مریم میں مذکور ہے مثلاً حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت مریمؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت آدم و نوح علیہم وعلیٰ نبینا السلام کے قصے اور ہر وہ قصہ جس کا ذکر اس کے بعد سورۃ میں آیا ہے، وہ سب کٓھٰیٰعٓصٓ کے معنی میں داخل ہے اور اس سے زیادہ حصہ اس کے معنی کا ابھی باقی رہ گیا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ رموز لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں اور ہر رمز کے ساتھ اس کی شرح بھی لکھی جاتی ہے لہٰذا ان رموز کو بڑی شکلوں میں لکھا جاتا ہے اور ان کی تشریح کبھی اوپر کبھی نیچے اور کبھی درمیان میں لکھی جاتی ہے۔ اس کی تشبیہ تو یہ ہو سکتی ہے جس طرح کہ منصف مزاج آدمیوں کو جب کوئی لفظ دستاویز میں سے چھوٹ گیا ہو اور پھر یاد آجائے تو وہ اس حرف کو حرفوں کے اوپر مہار کی شکل میں درج کر لیتے ہیں چنانچہ سورۃ کے ابتدائی حروف اسی شکل کی طرح ہیں اور جو کچھ باقی سورۃ میں دیا ہے وہ اس کی تفسیر ہے۔ لوحِ محفوظ کا یہی دستور ہے کہ پہلے رمز ہوگی پھر اس کی تفسیر۔ اس سے فارغ ہو کر دوسرے رموز و تشریحات آئیں گی۔ یہ سلسلہ اسی طرح آخر تک چلتا ہے اور تفسیر حرف کے بیچ میں لکھی جاتی ہے جب

Marfat.com

حرف ص کی شکل کا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ص کی شکل لوحِ محفوظ میں اتنی بڑی نظر آتی ہے کہ کوئی چلے تو کم وبیش ایک دن میں اس کی مسافت کو طے کرے۔

پھر فرمایا کہ سورتوں کے ابتدائی حروف کا علم صرف دو شخصوں کو ہوتا ہے۔ ایک وہ جس کی نظر میں لوحِ محفوظ ہو یا وہ شخص جو اہلِ تصرف دیوان الاولیاء سے میل جول رکھتا ہو۔ ان دونوں شخصوں کے سوا کسی کو فواتح السُّوَر کے جاننے کی ہرگز خواہش نہیں کرنی چاہیئے۔

الٓمٓ پھر میں نے دریافت کیا کہ الٓمٓ جو سورہ بقرہ کے شروع میں ہے اور الم جو سورہ آلِ عمران کے شروع میں ہے کیا ان دونوں کا اشارہ ایک ہی شئ کی طرف ہے یا دونوں کے معنی مختلف ہیں؟

حضرت نے فرمایا: دونوں کے الگ الگ معنی ہیں۔ اور ہر ایک کی تشریح ان مضامین سے کر دی گئی ہے جو اس سورت میں ہیں۔ میں نے یہ تقریر حضرت سے ابتدائی ملاقات کے زمانہ میں سُنی تھی اور میں سمجھ گیا تھا کہ وہ اکابر اولیاء میں سے ہیں۔ کیونکہ میں نے اکابرِ صوفیہ کو دیکھا ہے کہ جب فواتح سُوَر کا ذکر کرتے ہیں۔ اور جن باتوں کا ذکر حضرت نے کیا ہے ان کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو یہ بات واضح الفاظ میں کہہ دیتے ہیں کہ فواتحِ سُوَر کے معانی صرف وہ اولیاء جانتے ہیں جو اوتاد الارض ہیں لہذا یہ میرے لیے اس بات کی بڑی شہادت تھی کہ حضرت جلیل القدر ولی ہیں۔ خدا ہمیں ان کی محبت عطا کرے اور ہمیں ان علوم تک پہنچائے جو آپ سے ظاہر
١٣٣ ہوتے تھے۔ حالانکہ آپ نے یہ علوم نہ بڑے ہو کر نہ بچپن میں پڑھے تھے۔ بلکہ قرآن مجید تک نہ پڑھا تھا اور آپ کو صرف چند ایک سورتیں یاد تھیں اور وہ بھی وہ سورتیں جن کی ابتدا سَبَّحَ سے ہوتی ہے۔ مگر جب آپ انہیں قرآن مجید کی تفسیر کرتے سن لیں تو آپ نہایت ہی عجیب باتیں سنیں گے۔ اکابر صوفیہ کی یہ واضح عبارتیں ہیں جو آپ کی ولایت کی شاہد ہیں اور ان تمام باتوں کی شاہد ہیں جن کی طرف حضرت نے اشارہ کیا۔

چنانچہ حکیم ترمذی[1] نوادر الاصول میں فرماتے ہیں کہ سورتوں کے ابتدائی حروفِ مقطعات میں ان مضامین کی طرف اشارہ ہے جو ان سورتوں میں بیان کئے گئے ہیں اور اس کا علم صرف ان لوگوں کو ہے جو اللہ کی زمین پر اللہ کے حکیم ہیں اور اوتاد الارض ہیں۔ انہیں یہ علم اللہ کی عنایت سے ملا اور یہ شریف فلسفی ہوتے ہیں اور یہ ایسی قوم ہے جن کے دل خدا کی وحدانیت تک پہنچ گئے اور اس علم کو انہوں نے خدائے واحد سے حاصل کیا۔ یہ علم حروفِ معجم کا علم کہلاتا ہے۔ انہی حروف سے تمام علوم کی تعبیر کی جاتی ہے اور انہی حروف سے اسماء خداوندی کا ظہور ہوا جس کو لوگوں نے اپنی زبانوں میں ادا کیا۔ اھ۔ اس عبارت کو ولی عارف باللہ سیدی ابوزید[2] عبد الرحمن

---

[1] نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول، ابو عبد اللہ محمد بن علی بن حسن بن بشیر المؤذن الحکیم ترمذی کی تالیف ہے۔ انہوں نے ۲۵۵ھ میں وفات پائی۔

[2] ابوزید عبد الرحمن فاسی، ابوزید عبد الرحمن بن محمد فاسی۔ انہوں نے شاذلی کی حزبِ کبیر کی شرح لکھی ہے۔

Marfat.com

فاسی نے قطب کبیر ابوالحسن شاذلی کی حزب کبیر کے حاشیہ میں نقل کیا ہے۔ ابو زید فاسی اسی حاشیہ میں فرماتے "کسی ایک صوفی نے کہا ہے کہ حروف و اسماء کی معرفت خصوصیات علوم انبیا میں سے بلحاظ اولیاء ہونے کے ہے۔ یہی وجہ ہے اولیاء اور انبیاء دونوں اس علم میں شریک ہوتے ہیں کیونکہ یہ کشفی علوم میں سے ہے اس لئے عقل کے سرمایہ کے ساتھ ان علوم میں تصرف کرنا بے سود ہے بلکہ جو اس علم سے ناواقف ہے، وہ اسے جان ہی نہیں سکتا اور جو اس علم کو جان گیا وہ ناواقف نہیں رہ سکتا اور ہر ولی کو اتنا علم عطا ہوتا ہے جتنی کہ اسے فتح نصیب ہو۔ اسی لیے اولیاء میں تفاوت پایا جاتا ہے اور ان کے اشارات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ تُسْقٰی بِمَاءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ (انہیں ایک ہی پانی [یہاں مراد نور خداوندی] سے سیراب کیا جاتا ہے مگر ہم پھل میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دے دیتے ہیں) اھ (سورہ رعد آیت ۴)

نیز اسی حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ ورتجی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ حروف مقطعات قرآنی سورتوں کے معانی کی رموز ہیں اور ان امور کے معانی کو ربانیوں کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔

مؤلف حاشیہ سیدی عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ایک ہی رمز متعدد سورتوں میں مختلف معنوں میں آئی ہے جیسے الم، حم وغیرہ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ رمز اس حرف کی طرح ہے جو کئی ایک معنوں میں مستعمل ہو اھ۔

مؤلف کہتا ہے کہ ان اکابر کی اس عظیم شہادت پر غور کریں۔ عبدالرحمن فاسی نے اسی حاشیہ میں اور حوالے بھی درج کئے ہیں مثلاً سیدی عبدالنور کا، سیدی محمد بن سلطان کا، سیدی داؤد باخلی کا سیدی شیخ ابوالحسن شاذلی کی حزب البحر کی شرح میں تو آپ کو اس امام کبیر کے مرتبہ کا پتہ چل جائے گا۔ خدا ہمیں ان کی

۱ے ابوالحسن شاذلی : نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول، ابوعبداللہ محمد بن علی بن حسن بن بشیر المؤذن الحکیم الترمذی کی تالیف ہے۔ انھوں نے ۵۵ میں وفات پائی۔

۲ے ابوزید عبدالرحمن فارسی، ابوزید عبدالرحمن بن محمد فاسی انھوں نے شاذلی کی حزب کبیر کی شرح لکھی ہے۔

۳ے ابوالحسن علی بن عبداللہ بن عبدالجبار شاذلی۔ یہ نابینا تھے اور صوفیہ کے شاذلیہ فرقہ کے بانی تھے۔ ان کی وفات سنہ ۶۵۶ھ = ۱۲۵۸ء میں ص عیذاب میں ہوئی جبکہ یہ حج کے لیے جا رہے تھے اور وہیں دفن ہوئے۔ شیخ ابوعبداللہ بن النعمان نے ان کے قطب ہونے کی شہادت ہے۔ شیخ تقی الدین بن دقیق العید نے بھی ان کی بزرگی کا اعتراف کیا ہے۔ انھوں نے حزب البحر لکھی ہے جو صوفیاء کے ہاں بہت مق ہے۔ ایک حزب البحر صغیر اور دوسری کبیر۔ حزب البحر اسے اس لیے کہا گیا کہ یہ سمندر کے سفر میں اس کے مصائب سے نجات کی غر لکھی گئی۔ واقعہ یوں ہوا کہ شاذلی رحمہ اللہ نے بحر قلزم کا سفر اختیار کیا۔ سمندر کے درمیان جہاز رک گیا اور کئی دن تک ہوا بند نجات کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار مبارک ہوا اور انھوں نے یہ دعا پڑھنے کی تلقین کی چنا انھوں نے یہ دعا پڑھی اور ہوا چل پڑی۔ اسے حزب صغیر بھی کہتے ہیں۔ اس کی ابتدا یا اللہ یا علیُّ یا عظیمُ یا حلیمُ الخ سے ہو حزب کبیر کی ابتدا و اذا جاءک الذین لا یؤمنون سے ہوتی ہے۔ (کشف الظنون : ۱ : ۳۳۳)

سچی محبت عطا کرے۔

مؤلف کہتا ہے کہ اوائل السُّوَر کے متعلق جو کچھ میں نے حضرت سے سنا، ان کے خاص معانی کی وجہ سے میں اُن سے مستفید نہ ہو سکا یہاں تک کہ ۸ ر ذی الحجہ ۱۱۲۹ھ کا دن آگیا تو میں نے مذکورہ بالا بات حضرت سے سُنی اور وہ یہ ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ لوحِ محفوظ میں سریانی زبان میں لکھا گیا ہے اور یہ حصہ فواتح السُّوَر کا ہے (یعنی حروفِ مقطّعات) اس پر میں نے حضرت سے درخواست کی کہ ہر حرف کی الگ الگ تشریح کریں اور ان تمام رموز کی شرح بیان کریں۔ آپ نے بحمد اللہ میری درخواست منظور کر لی۔ میں اس کا کچھ حصہ بیان کرتا ہوں کیوں کہ تمام کی تمام تشریح نقل کرنے کے لیے ایک مستقل تالیف کی ضرورت ہے۔

۱۔ ص | ص کی تفسیر میں حضرت نے فرمایا کہ اس سورت میں ص سے مراد وہ خلا ہے جہاں روزِ محشر لوگ اور تمام مخلوقات جمع ہوگی اور آیت میں اسے بطور وعد و وعید کے لایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ص ہے یعنی جس خوفناک منظر سے تم کو ڈرایا جاتا ہے اور وہ خوشنما منظر جس کو تم کو بشارت دی جاتی ہے وہ ص یعنی محشر کا وسیع میدان ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خلا ہر انسان کے افعال کے تقاضا کے مطابق مختلف صورتیں اختیار کرتی ہے چنانچہ کافر کے لیے عذاب کی صورت اختیار کرے گی۔ اور اس کے پہلو میں ایک مؤمن ہوگا اس کے لیے رحمت بن جائے گی اور ایک اور کافر کے لیے جو اس مؤمن کے پہلو میں کھڑا ہوگا عذاب ہوگا مگر اس قسم کا نہیں جو پہلے کافر کو ہو رہا تھا، بلکہ کسی اور قسم کا ہوگا اسی طرح ایک اور مومن کے لیے جو اس مومن کے پاس کھڑا ہوگا رحمت ہوگی مگر اس قسم کی نہیں جو پہلے مومن کے لیے تھی، بلکہ کسی اور قسم کی اُس کے افعال کے تقاضا کے مطابق۔ اسی طرح جتنے لوگ بھی محشر میں جمع ہوں گے اُن میں سے ہر ایک پر جُدا قسم کی رحمت ہوگی اور جدا قسم کا عذاب اور باوجود اس کے کہ دیکھنے میں تو فضا ایک ہی ہے اور جس طرح کہ دنیا کی طبیعت کا تقاضا ہے، ایک جگہ دُوسری جگہ کے مشابہ نہ ہوگی اور صاحبِ فتح اس تمام کو آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے کہ زید اپنی تقدیر کی لکھت کے موافق اپنے مقام میں نظر آرہا ہے اور عمر اپنی جگہ پر۔
۱۳۴ گویا کہ وہ اللہ کے سامنے کھڑے ہیں۔ اسی لیے تو میں نے کہا تھا کہ اگر لوگوں کو علم ہو جائے کہ ص سے کیا مراد اور اس کا کس طرف اشارہ ہے تو کوئی شخص بھی اللہ کے حکم کی مخالفت کرنے کی جرأت نہ کرے کیونکہ اگر لوگوں کے لیے پردہ اٹھا کر اُن کے مقام دکھا دیے جائیں تو اطاعت گذار رشک کرے کہ کاش اور عمل کرتا تو بہتر درجہ پاتا اور مخالف افسوس سے مر جائے اور ظاہر ہے کہ اس مقام میں کُفّار بھی ہوں گے، مومن بھی، انبیاء بھی، ملائکہ بھی، جن اور شیاطین بھی۔ لہٰذا سورت کی ابتداء میں کافروں کی چند جماعتوں کا ذکر کرکے کفّار کی طرف اشارہ کر دیا اور انبیاء کی چند جماعتوں کا ذکر کرکے انبیاء کی طرف اشارہ کر دیا۔ اسی طرح انبیاء کے ذکر کے دوران میں مومنین کا ذکر کرکے ان کی طرف اشارہ کر دیا اور سورت کے آخر میں جن اور شیاطین کا ذکر کر دیا اور ان کے دنیاوی حالات

Marfat.com

کا تذکرہ کیا۔ اگرچہ یہ حالات محشر میں نہ ہوں گے اس لیے کہ یہی احوال اس خلا میں جس میں ان کا حشر ہوگا۔ ان کے سوالات کے اختلاف کا سبب بنیں گے۔ اس سورت کے متعلق اور بہت سے اسرار ہیں جن کا ظاہر کرنا روا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۔ کہٰیٰعص | کہٰیٰعص کا مفہوم اس کے ہر حرف کی الگ الگ تشریح کے بعد سمجھ میں آئے گا چنانچہ کاف مفتوحہ کے معنی ہیں بندہ اور وہ ساکن مفتوحہ کے معنی کو محقق کرنے کے لیے آتا ہے لہٰذا اس میں فاء مفتوحہ کے معنی اور تحقیق و تقرر دونوں مفہوم پائے جاتے ہیں اور فا مفتوحہ کے معنی ہیں ایسی چیز جس کی طاقت ہو۔ لہٰذا فاء ساکن کے معنی ہوئے کہ اس کا لاایلاق ہونا حق ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں۔

ھا مفتوحہ کے معنی ہیں صاف و پاک رحمت جس میں کوئی کدورت نہیں اور یہ تغیر پذیر ہے۔

یا حرف ندا ہے۔

ع (کہ تلفظ میں عین ہے) مفتوحہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے پر دلالت کرتا ہے عین ساکن یہاں اختلاط پر دلالت کرتی ہے۔

ن ساکن نون مفتوحہ کے معنی کی تحقیق کے لیے ہے اور نون مفتوحہ کے معنی ہیں وہ خیر و خوبی جو ذات میں قائم و شامل ہے۔

ص مفتوحہ سے مراد خلا ہے۔

اور دال ساکن ص کے معنی کو محقق کرتی ہے کیوں کہ یہ حروف اشارہ میں سے ہے اور حروف اشارہ اپنے ماقبل کے معانی کی تصدیق کرتے ہیں، برخلاف دوسرے حروف کے کیوں کہ جب وہ ساکن ہوں تو اپنے مفتوح کے معانی کو محقق کرتے ہیں۔

اصلی وضع کے مطابق حروف کی تفسیر کر دی گئی۔ اب معنی یوں ہوئے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ اور بڑے مرتبہ کی خبر دے رہا ہے اور اس بات کی اطلاع دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تمام مخلوقات پر یہ احسان ہے کہ انہیں ایسا بنایا کہ وہ اپنا نور اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کریں۔ اس کی تشریح تفسیر سابق سے اس طرح ہوگی کہ کاف سے مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے ہیں۔ فاء ساکن نے دلالت کی کہ آپ کی سی کوئی طاقت نہیں رکھ سکتا اور آپ کے ایسے ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں اور آپ کے لاایلاق ہونے سے یہ مراد ہے کہ آپ نے تمام مخلوقات کو عاجز کر دیا ہے کہ نہ کوئی پہلا آپ کے مرتبہ کو پا سکا، نہ پچھلا پا سکے گا۔ اسی لیے تو آپ سیدالوجود کہلاتے ہیں۔

ھا اور ھا مفتوحہ نے دلالت کی کہ آپ اوروں کے لیے پاک و صاف رحمت ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (سورہ انبیاء آیت: ۱۰۷) خود آنحضرت

Marfat.com

نے بھی فرمایا ہے: اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ لِلْخَلْقِ (میں مخلوقات کے لیے رحمت کا ہدیہ ہوں۔)
یٰ | اور یٰ نداء ہے بندہ مذکور کو۔ اور جس غرض کے لیے آپ کو پکارا گیا ہے وہ رحلت و انتقال مکانی ہے جس پر ع دلالت اور یاء ساکنہ نے جو حرفِ اشارہ ہے اس کی تاکید کر دی ہے۔ اس لیے جیسا کہ ذکر کیا گیا حروف اشارہ تاکید کے لیے آتے ہیں۔ مزید یہاں اس معنی کا بھی فائدہ دیتی ہے کہ کوچ اور اختلاط کرنا ضروری ہے اور جس چیز کو کوچ کرایا جائے گا وہ نورِ وجود ہے جس کی بدولت تمام موجودات قائم ہے اور یہ معنی نونِ ساکنہ سے حاصل ہوتے ہیں اور جس کی طرف کوچ کرنا ہے اس پر دلالت کرتا ہے ح۔
لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ اے میرے ذی عزت و احترام بندے، آپ کو ان تمام لوگوں کی طرف جو اس خلاء محشر میں جمع ہیں، ضرور جانا پڑے گا ان انوار کے ساتھ جن سے ان کے وجود قائم ہیں تاکہ وہ آپ سے مستفیض ہوں کیونکہ ان سب کا اصل مادہ آپ ہی سے ہے۔
اس تشریح سے ان حروف کے معانی عمدہ طور پر مترتب ہو گئے اور کلام بھی بہترین طریق پر منظم ہو گئی کیونکہ سریانی زبان میں حروف کے معانی سے وہی فائدہ حاصل ہے جس طرح دوسری زبانوں میں کلمات کے معانی سے چنانچہ کسی زبان میں جب کوئی کلام کلمات سے مرکب ہو تو جب تک اس کے کلمات کے معانی باہم مرتب نہ ہوں، کلام درست نہیں ہو سکتا۔ یہی حال سُریانی زبان میں کلام کا ہے کہ جب وہ حروف سے مرکب ہو تو اسی صورت میں وہ کلام درست ہوگا جب اس کے حروف کے معانی مترتب ہوں اور ان کی ترکیب بھی مضبوط ہو اور جس طرح علاوہ سریانی زبان کے دوسری زبان میں کلام کلمات سے مرکب ہو تو ان کے معانی کو ترتیب دینے کے لیے کبھی تقدیم و تاخیر کی ضرورت ہوتی ہے یا باہم متصل معنوں میں ایک اجنبی کا فصل لانے کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی طرح کسی چیز کا ضمیر کی صورت میں لانا ضروری ہوتا ہے تاکہ معنی درست بیٹھ جائیں۔ یہی حال سریانی زبان کا ہے کہ جب یہ حروف سے مرکب ہو جائے تو کبھی ترتیب معانی کی غرض سے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ حروف کو مقدم یا مؤخر لایا جائے یا کہیں حذف کیا جائے یا ضمیر لائی جائے وغیرہ۔ ۱۲۶
حضرت نے فرمایا: میں نے جو تشریح ان رموز کے معانی کی کی ہے وہ کشف و مشاہدہ کے ذریعہ سے اہلِ کشف کو معلوم ہے کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام خداوندی عنایات و کرامات کے ساتھ جو ادراک کی طاقت سے باہر ہیں مشاہدہ کرتے ہیں اور وہ دیگر مخلوقات کو جن میں انبیاء، فرشتے وغیرہ شامل ہیں اور جو کچھ اللہ نے انہیں دیا ہے مشاہدہ کرتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ سید الوجود سے نکل کر مادہ نور کے ذروں میں تمام مخلوق کی طرف جاری ہے اور انبیاء و فرشتوں تک پھیلا ہوا ہے۔ اس طرح یہ اہلِ کشف اس استفادہ کی عجیب و غریب کیفیت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔
حضرت نے فرمایا ایک صالح شخص نے کھانے کے لیے روٹی کا ٹکڑا لیا اور اس میں وہ نسبت نظر آئی جو بنی آدم کو عطا کی گئی ہے تو اس روٹی میں نور کا ذرہ نظر آیا۔ اس نے اس نور کا پیچھا کیا۔ دیکھا تو وہ اس

Marfat.com

نور کے ڈورے سے ملا ہوا تھا جو نورِ محمدی سے جا ملا تھا پھر دیکھا کہ یہ نور کا ڈورا ایک ہے۔ پھر تھوڑی دور تک جا کر ڈوروں کی متعدد شاخیں نکلنی شروع ہو گئیں۔ ہر شاخ اس نعمت سے ملی ہوئی تھی جو ان ذوات کو عطا کی گئی تھیں۔

مؤلف کہتا ہے: یہ قصہ خود حضرت کا اپنا ہے۔ خدا اُن سے راضی ہوا در ہمیں آپ کی جماعت اور گروہ سے بنائے اور ہمارا تعلق کبھی ان سے منقطع نہ ہو۔

ایک واقعہ حضرت نے فرمایا ایک بدنصیب کا واقعہ ہے کہ کہنے لگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مجھے صفحہ ۱۳۵
صرف ایمان کی راہ دکھائی ہے۔ باقی رہا نورِ ایمان سو وہ اللہ کی طرف سے ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہیں۔ صالحین نے اس سے کہا: اچھا اگر ہم اس تعلق کو جو تمہارے نورِ ایمان اور نورِ محمدی کے درمیان ہے منقطع کر دیں اور محض ہدایت جس کا تم ذکر کر رہے ہو، رہنے دیں تو کیا اس پر راضی ہو؟ کہنے لگا، 'ہاں' راضی ہوں۔ ابھی اس نے بات ختم نہ کی تھی کہ اس نے صلیب کو سجدہ اور اللہ اور اُس کے رسول کا انکار کیا اور کفر پر مرا۔ خدا اپنے فضل و کرم سے ہمیں بچائے۔

مختصر یہ کہ اولیاء اللہ جنہیں اللہ عزّ وجلّ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت کا علم ہے ان تمام مذکورہ بالا چیزوں کا اپنی آنکھوں سے بعینہٖ اسی طرح مشاہدہ کرتے ہیں، جس طرح تمام محسوسات کا، بلکہ اس سے زیادہ، کیونکہ نظر بصیرت نظر بصارت سے زیادہ قوی ہے، جیسا کہ آگے ذکر ہو گا۔ چنانچہ وہ دیکھتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے احوال و مقامات جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائے ہیں۔ وہ سیّد الوجود صلی اللہ علیہ وسلم سے ممتد ہو کر حضرت زکریا تک پہنچے ہیں۔ اسی طرح تمام احوال و مقامات حضرت یحییٰ کے اس سورہ میں ذکر ہوئے ہیں۔ نیز مریم اور ان کے احوال و مقامات، عیسیٰ اور اُن کے احوال و مقامات، ابراہیم، اسمٰعیل، موسیٰ، ہارون، ادریس، آدم اور نوح اور ہر نبی جس پر اللہ کا انعام ہوا (سب نورِ محمدی سے استفادہ کرتے ہیں) یہ تھوڑا سا بیان معانیٔ رموز کا ہے، ورنہ جو معانی ابھی باقی ہیں، وہ بے شمار ہیں۔ اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ اس سورت میں رموز کا نہایت ہی تھوڑا حصہ ہے کیونکہ تمام موجودات خواہ ناطقہ ہوں یا صامتہ، عاقلہ ہوں یا غیر عاقلہ، ذی روح ہوں یا غیر ذی روح، سب ہی ان رموز میں داخل ہیں۔

ایک اعتراض حضرت سے یہ عمدہ تفسیر سُن لینے کے بعد میں نے سوال کیا کہ حاشیہ سابقہ میں ابوزید نے سیّدی محمد بن سلطانؒ سے یوں نقل کیا ہے۔ سیّدی عبدالنورؒ نے سیّدی ابوعبداللہ بن سلطانؒ سے جو امام شاذلیؒ کے خواص میں سے ہیں نقل کیا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک فقیہ کے ساتھ کھیعص اور حمعسق کی تفسیر کے بارے میں بحث کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے میری زبان پر یہ جاری کر دیا۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کے درمیان راز کی باتوں میں سے ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں:

Marfat.com

ک : اے محمد تم کہف الوجود ہو جس کے پاس آ کر تمام موجودات پناہ لیتی ہے۔ آپ کل وجود ہیں۔
ھ : ہم نے آپ کو ملک عطا کیا اور ملکوت مہیّا کیا۔ ی ع : اے عین العیون۔ ۱۳۶
ص : تم میری صفات میں سے ہو کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔
حٰ : ہم تمہارے حامی ہیں۔ م : ہم نے آپ کو مالک بنا دیا۔
ع : ہم نے آپ کو علم سکھایا۔ س : ہم نے آپ پر اسرار کھول دیے
ق : ہم نے آپ کو اپنا قرب بخشا۔

اس پر اُنہوں نے مجھ سے جھگڑنا شروع کر دیا اور اس تفسیر کو قبول نہ کیا اس پر میں نے کہا چلو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چل کر فیصلہ کراتے ہیں۔ ہم گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ نے فرمایا جو محمد بن سلطان نے کہا ہے ٹھیک ہے۔ اھ

جواب حضرت نے فرمایا: سیدی محمد بن سلطان نے جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کے متعلق بیان کیا ہے، درست ہے مگر ان حروف کی اپنی وضع اور اصل کے اعتبار سے وہی تشریح ہے جو ہم نے بیان کی۔

مؤلف کہتا ہے کہ حضرت کی بیان کردہ تفسیر کا بلند مقام مخفی نہیں کیونکہ ملک کا ہبہ اور ملکوت کا مہیّا کرنا ہر ایک اس بات کا مقتضی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ چیزیں دو الگ الگ چیزیں ہیں اور یہ کہ ان کی شاخیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں نکلیں۔ کہاں یہ تفسیر اور کہاں وہ تفسیر کہ ملک اور ملکوت اور تمام مخلوقات ص میں شامل ہے پھر حرف نون اور عین کے تقاضا کے مطابق سب پر یہ حکم لگانا کہ ان کا مادّہ سیّد الوجود سے حاصل ہوا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہف الوجود کا بھی یہی معنی ہے کہ یہاں پر موجودات پناہ لیتی ہے۔ لہٰذا جو کچھ سیدی محمد بن سلطان نے بیان فرمایا وہ سب ن ع ص کے تحت آ جاتا ہے۔

اس کے بعد میں نے حضرت سے تمام حروف مقطعات کی تفسیر ایک ایک رمز کر کے سنی جس کے طویل ہونے کے باعث تحریر کرنے کی گنجائش نہیں۔ لہٰذا صرف دو حوالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک حضرت نے ایک فقیہ کے سوال کے جواب میں فرمایا جسے فقراء کی محبّت کا دعویٰ تھا۔

سوال ان سوالات میں سے ایک سوال یہ ہے کہ حرفِ مقطع ق میں کونسا رازِ خداوندی ہے کہ بعض عارفین کہتے ہیں اس میں حضرتِ قدیمہ اور حضرتِ حدیثہ کے دائرہ کا راز جمع ہو گیا ہے۔ ان سوالات سے اس کا مقصد حضرت کا امتحان کرنا تھا اور یہ معلوم کرنا تھا کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ آپ کو علوم لدنیہ حاصل ہیں کیا یہ صحیح ہے؟ چنانچہ اس فقیہ نے علامہ حاتمی[1] وغیرہ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے چند ایک سوالات اکٹھے کر لیے کہ اس کے

---

[1] حاتمی: حاتمی سے مراد محی الدین ابن العربی صوفی ہیں جو حاتم طائی کی اولاد میں سے تھے۔

Marfat.com

خیال ہے کوئی شخص بھی ان کا جواب نہ دے سکے گا۔ چنانچہ اُس نے یہ سوالات حضرت کی خدمت میں روانہ کیے حضرت نے باوجود اُمّی عامی ہونے کے ان سب کا جواب دیا۔

جواب | حضرۃ قدیمہ سے مراد وہ انوارِ حادثہ ہیں جو ارواح واشباح اور زمینوں اور آسمانوں کے پیدا ہونے سے پہلے پیدا کیے جا چکے تھے۔ یہاں قِدم سے مراد قِدم حقیقی نہیں کہ کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ شَیْئٌ (اللہ تھا اور کوئی اور چیز نہ تھی) اور حضرۃ حادثہ سے مراد وہ ارواح واشباح ہیں جو اس کے بعد آئیں اور اس میں شک نہیں کہ ارواح جب اجسام سے مل جائیں تو بعض سے تو اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے اور بعض سے دوزخ کا۔ پھر جن سے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے وہ بعض انوار حضرۃ الانوار کی ایک فرع ہے جس طرح کہ جن سے دوزخ کا وعدہ کیا ہے وہ بھی بعض انوار حضرۃ انوار کی فرع ہے لہذا حضرۃ الانوار کی دوسری قسم پہلی قسم کی فرع ہوئی اور ان کی دو قسمیں ہو گئیں۔ پسندیدہ اور ناپسندیدہ۔

جب تم یہ سمجھ چکے تو اب جان لو کہ اس حرفِ مقطع میں تلفّظ کے اعتبار سے تین حرف ہیں۔ ق، ا، ف۔ چنانچہ ق کو جب الف سے ملا دیا جائے تو سریانی زبان میں اس کے معنی حضرۃ قدیمہ اور حضرۃ حادثہ دونوں میں خیر و شر اور فضل و عدل کے ساتھ تصرف کرنے کے ہیں اور سریانی زبان میں ف ساکن کے معنی اپنے ماقبل سے قبیح کو زائل کرنے کے ہیں۔ اور ان دونوں میں قبیح وہ ہے جسے شر کی وعید فرمائی گئی ہے اور جب موعود بالشر کو زائل کر دیا گیا تو موعود بالخیر باقی رہ گیا اور موعود بالخیر خاصّانِ خدا ہیں۔ لہذا اس حرفِ مقطع ق کا اشارہ خاصانِ خدا اور خیرات کی طرف ہے، جن کا انعام اللہ تعالیٰ نے ان پر کیا۔ حضرتؒ کا یہی راز ہے لہذا یہ اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے۔ جس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی معزز ترین مخلوق کی طرف کی گئی ہے بعینہٖ اس طرح جس طرح عربی زبان میں لفظ سلطان۔ چنانچہ یہ لفظ سے اشارہ بادشاہ اور اس کی رعایا کی طرف خواہ وہ سعادت مند ہوں جیسے مسلمان یا بدبخت ہوں جیسے ذمّی (کافر) پس جب بادشاہ کی تعریف کرنا ہو تو کہیں گے سلطان الاسلام۔ اسلام کا لفظ لانے سے اہل ذمہ ادب، تعظیم اور وقار کے لحاظ سے خارج ہو جائیں گے۔ مگر درحقیقت وہ خارج نہ ہوں گے لہذا اس کے معنی یوں ہوئے کہ کوئی کہے

اے محمد! انبیاء، ملائکہ اور اہلِ سعادت کے رب یہاں تک کہ ان کی کل تعداد اور ان کے اللہ کے ہاں مقامات واحوال کو گنتے جاؤ۔ نیز اہلِ جنّت، ان کے منازل اور درجات کا ذکر کرو۔ پس جب ان تمام کا ذکر کر چکو کہ ذرّہ بھر نہ چھوٹے تو یہ ق کے معنی ہوں گے۔ لہذا اس میں اسرارِ رسالت، اسرارِ نبوّت، اسرارِ ملائکہ اسرارِ ولایت، اسرارِ سعادت، اسرارِ جنّت، تمامی انوار کے اسرار اور وہ تمام خیرات ہوں گے جو تمام موجودات میں پائے جاتے ہیں۔ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ (تیرے رب کے لشکروں کا علم خود اسی کو ہے) صفحہ ۱۳۷

سریانی زبان کا قاعدہ ہے کہ ف جو 'الگ کرنے' کے معنی میں آتی ہے، اسے کتابت میں نہیں لایا جاتا تاکہ کتابت و معنی ایک دوسرے کے موافق بن جائیں۔ اسی لیے اسے ق کی کتابت میں

نہیں لایا گیا۔

حضرت نے فرمایا: اگر چاہو تو حضرۃ قدیمہ سے مراد وہ امور ہوں جو علمِ ازلی میں آ چکے ہیں اور قدیم اپنے حقیقی معنوں میں ہو اور حضرۃ حادثہ سے مراد وہ معلومات ہوں جن کو اللہ تعالیٰ وجود میں لایا اور انہیں اس دنیا میں ظاہر کیا تو یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں اور معنی اپنی حالت پر ہی رہیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مؤلف کہتا ہے خدا آپ کو توفیق دے ذرا غور کریں یہ کس قدر عمدہ جواب ہے۔ میری سائل سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا: کہو حضرت کا جواب کیسا ہے؟ تو کہنے لگا: شیخ زروق[1] نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ حضرت قدیمہ سے مراد ق کا دائرہ ہے اور حضرت حادثہ سے مراد دائرہ کے نیچے کا شوشہ ہے اور اس میں جو راز ہے وہ اشارہ ہے حادثہ کے قدیمہ سے مستفیض ہونے کی طرف، اس لیے کہ تعریقہ (شوشہ) اس حلقہ سے ملا ہوا ہے جسے ہم نے دائرہ کہا ہے۔ لہذا اس کے اتصال سے اشارہ ہو گیا حادثہ کے قدیمہ سے مستفیض ہونے کی طرف۔ لہذا سورۃ ق سے قدیم و حادث دونوں حضرتوں کی طرف اشارہ پایا گیا، اس طرح کہ حلقہ کا اشارہ حضرت قدیمہ کی طرف ہے اور تعریقہ کا حادثہ کی طرف اور حلقہ کے ساتھ تعریقہ کے اتصال کا اشارہ قدیمہ سے حادثہ کے استفادہ کی طرف۔

میں نے کہا کجا یہ تشریح اور کجا وہ تشریح جو حضرت نے بیان فرمائی کیونکہ سوال تو ق جو کہ ایک لفظ ہے، کے معنی کے متعلق تھا۔ اور جو کچھ آپ نے ذکر کیا اس کا تعلق کتابت سے ہے نہ کہ لفظ سے کیونکہ ق میں نہ کوئی حلقہ ہے نہ کوئی تعریقہ۔ مزید برآں آپ کی تشریح میں نہ حضرۃ قدیمہ کا ذکر ہے نہ حادثہ کا، پھر حضرۃ قدیمہ اور حلقہ میں کون سی مناسبت پائی جاتی ہے اور تعریقہ اور حضرۃ حادثہ میں کونسی مناسبت ہے؟ اگر یہ مناسبت محض اتصال کی وجہ سے ہے تو یہ میم کے حلقہ اور اس کے تعریقہ اور ص ض، ع، غ وغیرہ حروف میں جن میں حلقہ اور تعریقہ پایا جاتا ہے موجود ہے۔ سائل ۱۴۸
اس اعتراض کا جواب نہ دے سکا۔ اس سے میرا مقصد حضرت زروق پر اعتراض کرنا نہیں۔ معاذ اللہ کہ میں ان پر یا کسی اور ولی پر اعتراض کروں۔ خدا ہمیں ان کے علوم سے فائدہ پہنچائے۔ میرا مقصد صرف سائل سے بحث و جھگڑا کرنا تھا۔ مزید برآں میں شیخ زروق کی تشریح سے واقف نہ تھا۔ ہو سکتا ہے کہ سائل نے اس کا صرف مفہوم ادا کیا ہو اور اس کی حقیقت سے بے خبر رہا ہو اور اسی لیے اس پر اعتراض وارد ہوا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسرا سوال | حضرت کا دوسرا جواب اس اعتراض کے متعلق تھا جس کی طرف حاشیہ مذکورہ بالا کے مصنف عبدالرحمن فاسی نے کیا ہے اس اعتراض کا ماحصل یہ ہے کہ جب فواتح السُّور یعنی حروفِ مقطعات ان سورتوں

---

[1] شیخ احمد زروق، ان کا ذکر آگے آئیگا۔ (ملاحظہ ہو صفحہ)

Marfat.com

کے مضامین کے رموز ٹھہرے تو پھر کیا وجہ ہے کہ رمز تو ایک ہی ہے مگر سورتیں مختلف ہیں کیونکہ اختلاف سور کا تقاضا تھا کہ رموز بھی الگ الگ ہوں۔

جواب: حضرت نے جواب دیا کہ رمز کے ایک ہونے کے باوجود سورتوں کے مختلف ہونے کا سبب یہ ہے کہ قرآنی آیات کے انوار تین قسم کے ہیں: (۱) ابیض (سفید) اور یہ رنگ ان کلمات کا ہے جن کے قائل بندے ہوتے ہیں اور جن کا سوال اپنے رب سے کرتے ہیں[1] (یعنی کلمات دعائیہ) (۲) اخضر (سبز) جن کا قائل خود حق تعالیٰ ہو[2] اور (۳) اصفر (زرد) یہ وہ کلمات ہیں جن کا تعلق ان لوگوں کے ساتھ ہے جن پر اللہ کا غضب ہوا۔ مثال کے طور پر سورۂ فاتحہ میں سبز رنگ صرف اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا ہے کہ یہ قول ہے حق سبحانہ کا اور سفید رنگ ہے رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سے لے کر غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ تک اور زرد رنگ ہے مَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ سے آخر سورۃ تک اور یہ تینوں انوار ہر سورہ میں پائے جاتے ہیں، البتہ کسی میں کوئی نور کم اور کوئی نور زیادہ ہوگا۔ جیسا کہ تم نے سورہ فاتحہ میں دیکھ لیا۔ ان تینوں انوار کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ لوحِ محفوظ تین مختلف رُخوں میں ہوتا ہے کیونکہ اس کا ایک رُخ دنیا کی طرف ہے یعنی دنیا اور اہلِ دنیا کے حالات کے متعلق ہے اور اس میں ہر وہ چیز درج ہے جس کا تعلق دنیا اور دنیا والوں سے ہے اس
ف ۱۳۸ کا دوسرا رُخ جنت کی طرف ہے اور اس میں جنت اور اہلِ جنت کے احوال و صفات درج ہیں اور تیسرا رُخ جہنم کی طرف ہے اور اس میں جہنم اور جہنمیوں کے احوال و صفات درج ہیں۔ خدا ہمیں جہنم اور عذاب جہنم سے پناہ دے چنانچہ دنیا کی طرف جو رُخ ہے اس کا نور سفید ہے۔ جو جنت کی طرف ہے اس کا نور سبز ہے اور جو جہنم کی طرف ہے اس کا نور زرد ہے۔ درحقیقت یہ نور سیاہ ہے مگر مؤمن کی نگاہ میں یہ زرد نظر آتا ہے کیونکہ جب اس کا نور بصیرت سیاہ رنگت پر پڑتا ہے تو اُسے اس کی نگاہ میں زرد بنا دیتا ہے۔ حتیٰ کہ مومن جب محشر میں کھڑا ہوگا اور اس کو اس کی لکھی ہوئی تقدیر کے مطابق نور ملے گا اور اُس سے دور ایک کافر ہوگا جسے بہت بڑی سیاہی اور تاریکیوں نے گھیرا ہوگا تو وہ کافر مومن کو زرد رنگ کا دکھائی دے گا۔ اس سے مومن سمجھ جائے گا کہ یہ کسی کافر کا وجود ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ کافر کوئی چیز نہ دیکھ سکے گا کیونکہ وہ تاریکی جو اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوگی۔ اس کے لیے حجاب (پردہ) کا کام دے گی۔ لہذا اسے سیاہی پر سیاہی کے سوا کچھ دکھائی نہ دے گا۔

میں نے عرض کیا تب تو اس کے دل میں صرف انہی لوگوں کا خیال آئے گا جن کا حال محشر میں اس جیسا ہوگا۔ لہذا وہ مومن کو اپنے سے بہتر حال میں نہ دیکھ سکے گا اور اس کے دل میں یہ تمنا بھی پیدا نہ ہوگی کہ کاش دنیا میں میں مسلمان ہوتا!

---

[1] مثلاً رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (خدایا مجھے اور علم دے) (۲) جیسے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ نماز پڑھو)

حضرت نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جنّت اور اہلِ جنّت کے حالات کا اس قدر علم جتنا کہ ضروری ہے اس کے دل میں پیدا کر دے گا۔

جب تم یہ سمجھ گئے تو پھر آیت کی طرف آؤ۔ اگر اسے اس رُخ سے لیا جائے جو جنّت کی طرف ہے تو اس کا نور سبز ہوگا۔ اگر دوزخ والے رُخ سے لیا جائے تو اس کا نور زرد ہوگا اور اگر دنیا والے رُخ سے دیکھا جائے تو اس کا نور سفید ہوگا۔ پھر ہر رُخ میں کئی قسم کی تفصیل اور تقسیم پائی جاتی ہے جس کا احاطہ سوائے اللہ کے کوئی نہیں کر سکتا۔

اور یہ حروفِ مقطعات جو سورتوں کے شروع میں ہیں، لوحِ محفوظ میں بعینہٖ اسی طرح لکھے ہوئے ہیں جس طرح قرآن مجید میں، البتہ ہر حرف کے ساتھ سریانی زبان میں اس کی شرح بھی لکھی ہوئی ہے۔ چنانچہ اگر ہر حرفِ مقطّع کی شرح میں جو لکھا ہوا ہے اسے دیکھو تو تجھے ان کے الگ الگ ہونے کا علم ہو جائے۔ اس کی شرح یہ ہے کہ الٓمٓ رموز ہیں جن کا اشارہ اس نورِ محمدی کی طرف ہے جس سے تمام مخلوقات استفادہ کرتی ہے۔ اگر اس نور کو جس کی طرف اس رمز سے اشارہ کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے کہ مخلوقات میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو آپ پر ایمان لائے اور کچھ ایسے ہیں جنہوں نے کفر کیا اور یہ کہ مومنین کے کیا حالات ہیں اور کفار کے کیا۔ نیز وہ امور جن کا تعلق اس سے ہے اور کلام کا ربط بھی ان سے ہے تو یہ الٓمٓ وہ ہے جو سورہ بقرہ میں آیا ہے اور یہ ان ہی معنوں میں نازل ہوئی ہے۔

اور اگر نورِ محمدی پر ان بھلائیوں کے اعتبار سے نظر ڈالی جائے جو انہیں اس نور سے حاصل ہیں اور یہ کہ وہ کس طرح حاصل ہوتی ہیں اور ان لوگوں میں سے چند لوگوں کا ذکر کیا جائے جنہیں یہ نعمتیں اور بھلائیاں حاصل ہوئیں تو یہ الم وہ ہے جس کا ذکر سورۂ آلِ عمران میں آیا ہے اور یہ اسی غرض کے لیے نازل بھی ہوئی۔

اور اگر اس نورِ محمدی کو ان سزاؤں اور عذاب کے اعتبار سے دیکھا جائے جو نااہل لوگوں پر نازل ہوا نیز ان مصائب کے اعتبار سے جو اس دنیا میں انہیں پہنچیں۔ وغیرہ وغیرہ، تو یہ الم وہ ہے جس کا ذکر سورۂ عنکبوت میں آیا ہے۔ اسی طرح ہر اُس سورۃ کے متعلق کہا جائے گا جس کے شروع میں یہ رمز آئے گا۔ اس بیان کو ہر وہ شخص جانتا ہے جو لوحِ محفوظ کو دیکھ رہا ہو۔

اس کے بعد میں نے ایک اور سوال کیا جس کا جواب حضرت نے ایسا دیا کہ عقلوں کے احاطہ سے باہر ہے۔ اسی لیے میں نے اسے نہیں لکھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مؤلف کہتا ہے کہ یہ حضرت کے بیان کی صرف سطحی تشریح ہے، ورنہ ان معانی کی تحقیق جن کی طرف حضرت نے اشارہ کیا اور ان کی کُنہ تک پہنچنا سوائے شیخ کے نہیں ہو سکتا۔ یا اس طرح ہو سکتا ہے کہ شیخ کے سامنے

Marfat.com

بیٹھ کر ان سے سمجھا جائے۔ چنانچہ جب کوئی شخص اس کی تعلیم حضرت سے لے اور سائل جس قسم کا سوال دل میں آئے کرے، تو خواہ وہ صاحبِ فتح نہ بھی ہو پھر بھی تمام معنی سمجھ جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سریانی زبان میں حروفِ تہجی کے معانی

اب میری رائے یہ ہے کہ حروفِ تہجی کے متعلق یہ بیان کر دوں کہ سریانی میں وہ کس معنی کے لیے وضع کئے گئے ہیں۔ کیوں کہ ان کی کبھی ضرورت پڑ جاتی ہے اور ہم اس سے پہلے اس کی طرف اشارہ بھی کر چکے ہیں۔ لہٰذا فائدہ کی تکمیل کی غرض سے میں یہاں دے دیتا ہوں۔

ہمزہ۔ ء ءَ۔ (ہمزہ) اگر مفتوح ہو تو اس سے تمام اشیاء کی طرف کم ہوں یا زیادہ، اشارہ ہوتا ہے بعض اوقات متکلم اپنی ذات اور نفس کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے اس اشارہ میں قبض نہیں ہوتا اور اگر ہمزہ مضموم ہو (ءُ) تو یہ اس شئی کی طرف جو قریب اور کم ہو اشارہ ہوتا ہے اور اگر ہمزہ مکسور (ءِ) ہو تو اشارہ ہوتا ہے اس چیز کی طرف جو مناسب طور پر کم ہو۔

ب بَ اگر مفتوح ہو تو اس سے مراد وہ چیز ہو گی جو غایت درجہ باعزت یا غایت درجہ ذلیل ہو۔ اگر مکسور ہو (بِ) تو وہ شئی جو ذات میں داخل یا داخل ہونے والی ہو۔ اگر مضموم (بُ) ہو تو یہ ایسا اشارہ ہے جس کے ساتھ قبض پایا جاتا ہے۔

ت تَ اگر مفتوح ہو تو اس کا مطلب خیر کثیر و عظیم ہے۔ اور اگر مکسور (تِ) ہو تو وہ مصنوع جو ظاہر ہو اور اگر مضموم ہو (تُ) تو قلیل و ظاہر چیز مراد ہے اور کبھی اجتماعِ ضدین کے لیے بھی آتا ہے۔ ص ١٣٩

ث ثَ اگر مفتوح ہو تو نور یا ظلمت کی طرف اشارہ ہے۔ اگر مضموم (ثُ) ہو تو مراد ہے کسی چیز کا کسی چیز سے زائل ہونا اور اگر مکسور (ثِ) ہو تو ایک چیز کا دوسری چیز کے اوپر مقرر کرنا مراد ہے۔

ج جَ اگر مفتوح ہو تو نبوت یا ولایت مراد ہے بشرطیکہ اس سے پہلے یا اس کے بعد حرف ہو جو اس پر دلالت کرے ورنہ اس کے معنی اس خیر کے ہوں گے جو کبھی زائل نہ ہو۔ اگر مضموم ہو تو وہ اچھی چیز جو کھانے میں آئے یا لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں اور اگر مکسور ہو تو وہ کم بھلائی جو ذاتِ انسانی میں نورِ ایمان کی پائی جاتی ہے۔
حضرت نے ایک بار یوں بھی فرمایا کہ اگر مکسور ہو تو کم اور کمزور بھلائی یا نور۔

ح حَ مفتوح ہو تو مراد اشیاء کا احاطہ اور سب پر شمولیت ہے۔ اگر مضموم ہو تو بنی آدم کے علاوہ کسی اور چیز کا عدد کثیر مثلاً ... اور اگر مکسور ہو تو وہ عدد جو ذات میں داخل ہو یا ذات، ان کی مالک ہو، مثلاً غلام اور درہم و دینار وغیرہ

خ خَ مفتوح ہو تو وہ درجہ کمال جس کے ساتھ رقت بھی ہو اگر مضموم ہو (خُ) تو وہ کمال جو حیوانوں میں ہو اور اگر مکسور ہو تو وہ کمال جو جمادات میں ہو۔

د دَ مفتوح ہو تو وہ شے جو ذات سے خارج ہو۔ اگر مکسور ہو تو وہ شے جو ذات میں داخل ہو یا ذات پر داخل

Marfat.com

ہونے والی ہو یا ذات کے قریب ہو اور اگر مضموم ہو تو وہ قلیل یا قبیح شئے جس کے ساتھ غصہ بھی ہو۔

ذ ذَ اگر مفتوح ہو تو وہ شئے جو ذات کے اندر ہے اور ساتھ اس شئے کی عظمت بھی مراد ہو۔ اگر مضموم ہو تو وہ شئے جو فی نفسہٖ کرخت یا عظیم یا قبیح ہو اور اگر مکسور ہو تو وہ قبیح شئے جس کے بعد غصہ نہ آئے۔

ر رَ اگر مفتوح ہو تو جمیع خیرات (بھلائیاں) ظاہرہ اور باطنہ۔ اگر مضموم ہو (رُ)، تو وہ شئے جو اکیلی او ظاہر ہو اور اگر مکسور ہو تو بنی آدم کے علاوہ کوئی اور ذی روح یا خود رُوح۔

ز زَ اگر مفتوح ہو تو وہ چیز جو کسی اور چیز پر داخل ہو تو اسے ضرر پہنچائے اور کبھی یوں فرمایا وہ شئے جس سے احتراز کیا جائے اور اگر مضموم ہو (زُ)، تو وہ قبیح جس میں ضرر پایا جائے مثلاً کبائر۔ اگر مکسور ہو (زِ)، تو وہ قبیح جس میں ضرر نہ ہو مثلاً صغائر، شبہات اور نجاست۔

س سَ[1] اگر مفتوح ہو تو وہ ملیح شئے جو طبعاً رقیق ہو۔ اگر مضموم ہو (سُ)، تو قبیح اور کفری شئے یا ظاہر ۱۴۱
اور باطن سے سیاہ چیز۔ اور اگر مکسور ہو (سِ)، تو مہر لگانے والی شئے جس کی طرف سے اشارہ بھی ہو۔ یہ تشریح حضرت کی اپنی تحریر میں تھی مگر جو کچھ میں نے سنا وہ یہ ہے کہ س مرقق مفتوح سے مراد چیزوں کی خوبیاں مضموم ہو تو ظاہری اور باطنی سیاہی اور اگر مکسور ہو تو ذات کا مغز اور اس کا راز مثلاً عقلِ کامل، عفو اور حلم۔ اور یہ دونوں تشریحیں تقریباً ایک ہی ہیں۔

ش شَ اگر مفتوح ہو تو ایسی رحمت جس کے بعد عذاب نہ ہو۔ یا وہ شخص جس سے عذاب دور ہو چکا ہو اور رحمت اس پر داخل ہو چکی ہو اور پاک ہو گیا ہو۔ اگر مضموم ہو تو وہ شخص جو بذاتِ خود بلند مرتبہ اور اس کی تعظیم کی جاتی ہو اور اگر مکسور ہو تو وہ شئے جس کی طبیعت میں پوشیدہ رکھتا ہو اور کبھی وہ چیز مراد ہوتی ہے جو قلب وغیرہ میں چھپی ہو۔ یہ بیان ان کی تحریر کا ہے لیکن حضرت سے میں نے اس طرح سُنا شَ مفتوح رحمت جس کے بعد عذاب نہ ہو۔ مضموم جس میں ذہن متحیّر رہ جائے یا آنکھوں کو دکھ دے مثلاً تنکا (کنک) وغیرہ اور اگر مکسور ہو تو جسے کسی عضو یا پاؤں سے روندا جائے مگر وہ ظاہر نہ ہو یا جو قلب میں چھپی ہو اور ظاہر نہ ہو۔

۱۴۰ **ص** اگر مفتوح ہو تو زمین کا وہ سارا غبار جو قیامت میں اللہ کے سامنے پیش ہو گا۔ اگر مکسور ہو تو ساتوں زمینیں اور اگر مضموم ہو تو زمین کی تمام پیداوار۔ یہ معانی صں مرقّقہ کے ہیں اور اگر مُفخّمہ ہو تو مفتوح ہونے کی صورت میں وہ زمین جس پر اللہ کا غضب ہوا ہو یا جس پر نبات نہ ہو اور مکسور ہو تو وہ ذات جس میں نبات نہ ہو یا جس ذات میں کوئی خوبی نہ ہو۔ اگر مضموم ہو تو وہ ضرر جو ہر دو مذکور چیزوں سے ہمیں پہنچے۔ ایک اور

---

[1] اصل کتاب میں ز کے بعد ط کا ذکر ہے، پھر دوسرے حروف بھی اس ترتیب میں نہیں دیے جو ترتیب ہمارے ہاں مروج ہے۔ میں نے انہیں عربی حروفِ تہجی کی طرز پر مرتب کر دیا ہے۔ مترجم

بار فرمایا کہ ص مفتوح سے مراد تمام زمین اور ایک فرسخ تک جو کچھ اس پر ہے۔ مضموم ہو تو تمام زمینیں اور وہ چیز جو مٹی سے بنی ہے اور مکسور ہو تو زمین کی سطح کی نباتات اور اگر مغمغمہ ہو تو اشیاء جو ان پر ہیں مگر ساتھ ہی اللہ کا غصہ بھی ہو۔ یہ دوسری تشریح میں نے آپ کی وفات کے بعد آپ کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی پائی ہے۔ پہلی تشریح خود میں نے ان سے سُنی تھی اور دوسری تشریح کی عبارت بھی حضرت کی ہے۔

ض | ضَ جب مفتوح ہو تو مراد صحت اور تکلیف کا نہ ہونا ہے۔ اگر مضموم ہو تو وہ شئی جس میں قطعاً نور یا ظلمت نہ ہو۔ اگر مکسور ہو تو خشوع و خضوع۔

صہ ۱۳۹ ط | ط اگر مفتوح ہو تو وہ شئی جس کی جنس اور ذات دونوں نہایت پاک وصاف ہوں۔ اگر مضموم ہو تو پہلے کے برعکس انتہا درجے کی خبیث شئی اور اگر مکسور ہو تو وہ شئی جس کی طبیعت میں ساکن رہنا ہو یا جسے ساکن رہنے کا حکم دیا گیا ہو۔

ظ | ظ مفتوح ہو تو فی نفسہٖ عظیم شئی مگر اس کے ساتھ اس کی ضد نہ ہو۔ مثلاً شرفا میں جود و سخا اور یہود میں کھوٹ اور دھوکا دہی۔ مضموم ہو تو وہ نفسانی تحریک جس کے پیچھے چلے حالانکہ وہ نفس اسے تباہ کرنا چاہتا ہے۔ اگر مکسور ہو تو وہ شئی جو طبعی طور ضرر رساں ہو اور بندہ اس سے ضرر محسوس بھی کرے۔

صہ ۱۴۰ ع | ع مفتوح ہو تو کسی کا آنا یا کوچ کرنا۔ اگر مضموم ہو تو وہ ساکن جو اس ذات میں ہے جس پر اس کا وجود کا دار و مدار اور اگر مکسور ہو تو ذاتی خُبث۔ یہ تشریح میں نے حضرت سے سُنی تھی مگر آپ کی تحریر میں یوں پایا گیا۔ عَ مفتوح سے مراد قبول کرنے والی چیز۔ مضموم ہو تو وہ چیز جو اپنے ارادہ کے مطابق نفع اور ضرر پہنچائے اور مکسور ہو تو عبودیت کی خباثت اور یہ معنی پہلے معنی کے قریب قریب ہیں۔ کیونکہ جو چیز کسی چیز کو قبول کرتی ہے اس میں کسی چیز کا آنا ہوتا اور وہ ساکن جو اس ذات میں ہو جس سے اس کا قیام ہے اس کی مثال ہے رُوح۔ اور محافظ فرشتے بامر خداوندی نفع بھی پہنچاتے ہیں اور ضرر بھی اور خبثِ عبودیت وہی ذات کی خباثت اور اس کی تاریکی ہے۔

غ | مفتوح ہو تو وہ نگاہ جو شئی کی حقیقت کو پہنچ جائے۔ مضموم ہو تو اسماءِ حسنیٰ میں سے ایک اسم جس میں مہربانی پائی جاتی ہے۔ مکسور ہو تو نامعلوم کا سوال تاکہ دوسرا اپنے علم کے مطابق جواب دے۔ یہ میں نے حضرت سے سنا تھا مگر آپ کی تحریر میں یوں ہے غ مفتوحہ وہ شے جو فطرتاً ہر اس شئی کو دور کرے جو اس کے قریب آئے۔ مضموم سے مراد مہربانی اور تعظیم اور کمالِ عزت، مکسور سے مراد وہ چیز جو بغیر جاننے کے کوئی کلمہ بولے اور یہ غیر معلوم چیز کی طرف اشارہ ہے۔ یہ دونوں تشریحیں تقریباً ایک جیسی ہیں۔

ف | مفتوح ہو تو جس کے متعلق معلوم ہو کہ اس کی جنس میں گندگی پائی جاتی ہے اس سے گندگی دور کرنا یعنی اشیاء کی جو ظاہر ہے اور اس کی جنس خبیث ہے۔ اس کی مثال معاصی وغیرہ ہیں۔ اگر مکسور ہو تو مراد ذات اور جس پر مشتمل ہو اور کبھی اس کے ساتھ قلت کا اظہار بھی ہوتا ہے اگر مضموم ہو تو خبث زائل کرنے کے لیے۔

Marfat.com

ق ق مفتوح ہو تو تمام خوبیوں کو اپنے اندر جمع کرنا یا جمیع انوار مراد ہیں۔ اگر مضموم ہو تو اصل آفرینش یا علمِ قدیم۔ اگر مکسور ہو تو مراد ذلت ہے۔

ک ک مفتوح ہو تو حقیقتِ عبودیت کاملہ۔ مضموم ہو تو سیاہ فام غلام یا قبیح غلام، مکسور ہو تو بندگی کا تمہاری طرف منسوب ہونا مراد ہے۔

ل ل مفتوح ہو تو متکلم کا بہت بڑی چیز کا حاصل کرنا اور عظیم شئی کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔ مضموم ہو تو وہ شئی جس کی انتہا نہیں۔ مکسور ہو تو مراد متکلم کا اپنی ذات کے وجود یا ذات کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ یہ معنی اس وقت ہوں گے جب لام مُرقق ہو لیکن اگر مُفَخّم ہو تو یہ اشارہ ہے مع اضطراب کے اور ایک اور بار فرمایا مع قبح کے۔

م م مفتوح ہو تو مراد تمام کائنات سے ہے مکسور ہو تو ذات کا ظاہری نور جیسے آنکھ کا نور، باطنی نور جیسے دل کا نور، اور اگر مضموم ہو تو چھوٹی مگر پیاری چیز جیسے آنکھ کا پانی اور اسی سے ہے مُوٗ مُوٗ۔

ن ن مفتوح ہو تو وہ خیر جو ذات کے اندر ساکن اور روشن ہو۔ مضموم ہو تو خیرِ کامل یا پھیلا ہوا نور۔ مکسور ہو تو وہ چیز جسے حکم حاصل کرے یا وہ چیز اسی کی ہو۔

ہ ہ اگر مفتوح ہو تو بے انتہا پاک رحمت ہوگی۔ اگر مضموم ہو تو اسماءِ حُسنیٰ میں سے ایک اسم اور اگر مکسور ہو تو وہ خیر جو مخلوق سے نکلتی ہے۔ یہ تشریح آپ کی تحریر میں پائی گئی تھی لیکن میں نے حضرت سے یوں سُنا تھا فتح سے بے انتہا رحمتِ طاہرہ، پیش سے اللہ کا نام جس میں تمام کائنات کا مشاہدہ بھی پایا جاتا ہے برخلاف نون مضموم کے گویا کوئی کہہ رہا رَبِّیْ (اے میرے رب) اور پیش والی ہ کے معنی اس طرح ہیں جس طرح کوئی کہہ رہا ہو رَبَّ الْعٰلَمِیْن (اے عالمین کے رب) اور زیر سے تمام وہ نور جو مومنین کے اجسام سے نکلے۔

و واو مفتوح ہو تو وہ اشیاء جو انسان کے اندر جال کی طرح پھیلی ہوئی ہیں مثلاً رگیں، انگلیاں وغیرہ اگر مضموم ہو تو وہ اشیاء جو انسانوں سے مختلف ہیں مثلاً افلاک اور پہاڑ وغیرہ اور اگر مکسور ہو تو وہ پھیلی ہوئی چیزیں جنہیں پلید یا ناپسند سمجھا جاتا ہے مثلاً آنتین وغیرہ۔

ی ی اگر مفتوح ہو تو ندا کے لیے ہے مگر کبھی اسے تاکید کے لیے بھی لایا جاتا ہے۔ یہ میں نے حضرت سے سُنا تھا مگر ان کی تحریر میں یوں تھا، مفتوح ہو تو ندا کے لیے لیکن کبھی ایسی خبر کے لئے بھی آتا ہے جس میں ضمناً ندا ہو مثلاً لَمْ یَلِدْ کیونکہ جملہ خبریہ ہے جس میں ندا کے معنی پائے جاتے ہیں (یعنی اے وہ ذات جس کو کسی نے نہیں جنا۔ اگر مضموم ہو تو وہ چیز جسے قرار نہ ہو مثلاً بجلی وغیرہ۔ مکسور ہو تو وہ شئی جس سے حیا کی جائے یا جس سے حیا آئے مثلاً شرمگاہ۔

حضرت نے فرمایا یہ ہیں حروف کے اسرار اور پھر ہر حرف کے سات اسرار ہیں جو معانیٔ سابقہ کی مناسبت سے پیدا ہوتے ہیں۔ نیز سات اسرار اور بھی ہیں جن سے عربی زبان کو مناسبت ہے لیکن جب کلام غیر عربی

Marfat.com

ہو تو اس کے مناسب اور ساٹھ اسرار ہیں۔ خدا ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل توفیق اور علم دے۔
اس کا کاتب عبدالعزیز بن مسعود ہے جو دباغ کے نام سے مشہور ہے۔
غور کرو خدا تم پر رحم کرے کیا اس قسم کی باتیں کہیں سنیں یا کسی کتاب میں لکھی ہوئی دیکھیں؟
واللہ تعالیٰ اعلم۔

جس مہینہ میں میری حضرت سے ملاقات ہوئی اور ان کی خدمت میں حاضر ہوا یا اس سے تھوڑا عرصہ بعد آپ نے مجھے تین سریانی الفاظ کہے اور فرمایا ان کو سمجھ لو اور بھولنا نہیں سِنْرِسِذْ عُمَازِدْ سین کے نیچے زیر، نون پر زبر پھر راء ساکن پھر س مکسور جس کے بعد ذال ساکن ہے پھر ع مضموم پھر میم مفتوح پھر الف پھر زا مفتوح پھر دال ساکن۔ میں نے عرض کیا یہ کونسی زبان ہے؟ فرمایا "سریانی" دنیا میں اس زبان میں بولنے والا کوئی نہیں سوائے چند لوگوں کے۔ میں نے عرض کیا ان کلمات کے کیا معنی ہیں؟ لیکن آپ نے ان کے معانی کی تشریح نہ کی اور جب سریانی حروف کے معانی معلوم ہوئے تو میں سمجھ گیا کہ آپ مجھ سے یہ فرما رہے ہیں: دیکھو اس نور کو جو میری ذات میں قائم اور چمک رہا ہے۔ میرے ظاہر میں بھی اور میرے باطن میں بھی۔ دیکھو اس بڑی خیر و خوبی کو جس پر میری ذات نے قبضہ پایا اور اسی سے اس کا قوام ہے، کیونکہ تمامی اکوان کا شرور سے محفوظ رہنا اسی کی بدولت ہے اور ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے یا تمام جہانوں میں ہے خواہ ظاہری خیر ہو خواہ باطنی، تمام کے تمام اس نور سے مستفیض ہیں جو میری ذات میں ہے۔ حضرت مجھے فرما رہے تھے کہ تمام جہانوں میں انہیں کا تصرف ہے (اور یہ مرتبہ غوثیت کا ہے) واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص ۱۴۲

۱۴- وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ (سورہ آل عمران آیت: ۱۴۰)۔
اور وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ وَالصّٰبِرِيْنَ (سورہ محمد آیت ۳۱)
میں نے حضرت سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ اور وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ اور اسی قسم کی اور آیتوں کے متعلق سوال کیا جن سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تجدد و تازگی آئے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے اور قدیم میں تازگی نہیں آتی۔

فرمایا: جس طرح اپنے کلام میں لوگوں کی عادت ہے، اسی کے موافق قرآن مجید کا نزول ہوا کہ فرض کرو کہ بادشاہ کا کوئی مقرب ہو جس سے زیادہ کوئی مقرب نہ ہو اور بادشاہ نے اپنی رعایا کے سارے معاملات

ع تاکہ اللہ کو ایمان والوں کا علم ہو جائے اور تم میں بعض کو درجہ شہادت بخشے اور فرمایا ہے تاکہ ہم تم کو آزمائیں تاکہ مجاہدین اور صابرین کا پتہ چل جائے۔

Marfat.com

اس کے سپرد کر رکھے ہوں اور خود بادشاہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائے اور رعایا کو اس مقرب کی اطاعت کرنے کا حکم ہو اور اس مقرب کے سوا کسی کو بادشاہ کے پاس باریابی نہ ہو۔ اب یہ مقرب بادشاہ سے وہ امور لے کر آئے گا جن سے بادشاہ کی فرماں برداری اور خدمت رعایا پر لازم آئے۔ لہٰذا جب وہ بادشاہ کے احکام جاری کرے گا تو یوں کہے گا بادشاہ تمہیں یوں حکم دیتا ہے، تم سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ تم یہ کام کرو یہاں تک کہ یہ اس مقرب کی عادت بن جائے کہ وہ اپنے تمام خطابات میں یہاں تک کہ ان امور میں بھی جو اس کے ذات سے ہوں اور بادشاہ کی طرف سے نہ ہوں ان میں بھی اسی طرح خطاب کرے گا اور کہے گا بادشاہ کے ساتھ چلو اور فلاں مقام پر بادشاہ کے ساتھ یہ برتاؤ کرو اور اس سے مراد اپنا نفس ہوگا کہ میرے ساتھ چلو اور میرے ساتھ یہ برتاؤ کرو اور اس کا سبب وہ یگانگت ہے جو بادشاہ اور اس مقرب کے درمیان ہے۔ لوگوں میں اس قسم کے کلام کرنے کا دستور مشہور ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح یہاں پر بھی جو علم اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ کوئی نیا علم نہیں ہے یہاں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی طرف اس علم کی نسبت کرنا مقصود ہے یعنی تاکہ رسول جان لے تم میں کون مجاہد اور صابر ہے اور تاکہ رسول کو معلوم ہو جائے پختہ ایمان والا۔

اس کے بعد آپ نے ایک عالی مضمون بیان فرمایا جس میں حق تعالیٰ کے ارشاد اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ (سورہ فتح آیت ۱۰) کے مطلب کی طرف اشارہ تھا۔

مؤلف کہتا ہے یہ جواب مفسرین کے اس جواب سے مختلف ہے جو انہوں نے اس آیت کے متعلق دیا ہے اور یہ کہ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی وَلِیَعْلَمَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ (تاکہ رسول اللہ کو معلوم ہو جائے) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۵ - مسئلۂ غرانیق

میں نے حضرت سے مسئلہ غرانیق کے متعلق استفسار کیا اور عرض کیا کیا حضرت عیاض اور وہ لوگ جنہوں نے ان کا اتباع کیا اس واقعہ سے مطلق انکار کرتے میں حق پر ہیں یا حافظ ابن حجر حق پر ہیں جو اس واقعہ کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

ابن حجر کا بیان | چنانچہ ابن حجر لکھتے ہیں:

ابن ابی حاتم، طبری، اور ابن المنذر نے متعدد طرق سے بروایت شعبہ[1] از ابو البشر[2] از

---

[1] شعبہ: شعبہ بن الحجاج: انہیں امیر المومنین فی الحدیث کہا جاتا تھا۔ ستانوے سال کی عمر میں ۱۶۰ھ=۷۷۶ء میں وفات پائی۔
[2] ابو البشر: ابو البشر صالح المری: اکثر روتے رہتے۔ مردوں کی باتیں سنتے اور ان سے باتیں کیا کرتے تھے۔

Marfat.com

سعیدؒ بن جبیر روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اَفَرَأَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی (لات، عزیٰ اور تیسرے مناة کو دیکھا؟) (سورہ نجم آیت ۲۷) تو شیطان نے (نعوذ باللہ) یہ الفاظ آپ کی زبان پر جاری کرا دیے تِلْكَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰی (یہ خوبصورت اور بلند مرتبہ نوجوان ہیں ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے)۔ یہ سن کر مشرکین نے کہا کہ آج تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے خداؤں کا نام اچھی طرح نہ لیا تھا پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو مشرکین نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔ اس کے بعد اس قصہ کی جو روایت بزّار نے کی ہے اور جو بحث انہوں نے کی ہے اُسے نقل کر کے ابنِ حجر کہتے ہیں:

"ابوبکر بن العربی نے اپنی عادت کے مطابق بڑی دیدہ دلیری سے کہا ہے کہ طبری نے اس سلسلہ میں بہت سی روایات نقل کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں حالانکہ مطلق طور پر اس کا یہ کہنا کہ اس کی کوئی اصل نہیں قطعاً غلط ہے۔ اسی طرح عیاض کا یہ کہنا کہ اس حدیث کو کسی صاحبِ صحت نے نقل نہیں کیا اور نہ ہی کسی ثقہ نے اس کی روایت سالم اور متصل سند سے کی ہے۔ با ایں ہمہ اس کے نقل کرنے والے ضعیف اس کی روایات مضطرب اور اس کی اسناد منقطع ہے۔ اسی طرح عیاض کا یہ کہنا وہ تابعین اور مفسرین جنہوں نے اس قصہ کو نقل کیا ہے کسی نے نہ اس کی سند بیان کی ہے اور نہ صحابی تک اسے مرفوع کیا ہے اور اکثر اسناد اس سلسلہ میں کمزور ہیں حالانکہ بزّار نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا سوائے سعید بن جبیر سے ابوالبشر کی روایت کے کسی طرح جائز نہیں حالانکہ وہاں بھی اس کے متصل ہونے میں شک ہے۔ رہے کلبیؒ سو ان کے سخت ضعیف ہونے کی وجہ سے ان سے روایت ہی جائز نہیں۔ اس کے بعد عیاض نے اسے عقلی طور پر ردّ کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر کوئی ایسا واقعہ ہوا ہوتا تو بہت سے مسلمان مرتد ہو گئے ہوتے حالانکہ اس کا کہیں ذکر نہیں (کہ کوئی مسلمان مرتد ہوا ہو)" اھ

ابن حجر فرماتے ہیں کہ "یہ دلائل اصول کی بنا پر چل نہیں سکتے اس لیے کہ جب ایک حدیث متعدد

۱؎ سعید بن جبیر: بڑے پایہ کے تابعی تھے۔ روتے روتے ان کی آنکھیں چندھی ہو گئی تھیں۔ ۳۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۵ھ میں حجاج کے حکم سے انہیں ظلماً قتل کر دیا گیا۔ قتل سے پہلے دعا کی: اَللّٰهُمَّ لَا تُسَلِّطِ الْحَجَّاجَ عَلٰی اَحَدٍ بَعْدِیْ۔ خدایا میرے بعد حجاج کو کسی پر مسلط نہ ہونے دینا۔ چنانچہ ان کے قتل کے بعد حجاج صرف پندرہ راتیں زندہ رہا۔ دوسری روایت میں ہے کہ چھ ماہ زندہ رہا اور اس کے پیٹ میں ناسور ہو گیا جو اس کی موت کا سبب بنا۔ اس عرصہ میں جب حجاج سوتا تو خواب میں سعید بن جبیر آ جاتے اور اس کا پاؤں پکڑ کر جگا دیتے۔

۲؎ کلبی: ہشام ابن الکلبی حافظ۔ ان کی حدیث متروک خیال کی جاتی ہے اور یہ ثقہ نہیں ہیں۔ ان کا پورا نام ابوالمنذر ہشام بن محمد بن السایب کوفی اور رافضی ہیں۔ ان کی وفات ۲۰۶ھ = ۸۲۱ء میں ہوئی۔

Marfat.com

طریقوں اور مختلف لوگوں سے مروی ہو تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قصّہ کی اصل ضرور ہے حالانکہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ ان میں سے تین اسناد صحیح کی شرط کے مطابق ہیں اور یہ مرسل احادیث ہیں جن کو حجت ماننے والے بطور دلیل پیش کرتے ہیں اسی طرح جو لوگ مرسل کو حجّت نہیں مانتے وہ بھی اسے تسلیم کریں گے اس لیے کہ یہ تمام طرق مل کر ایک دوسرے کو قوت پہنچاتے ہیں۔ اب جب یہ بات طے پا چکی (کہ غرانیق کا واقعہ ضرور ہوا ہے) تو جو بات اس قصہ میں بری ہے اس کی تاویل کرنی پڑے گی“۔

اس سلسلہ میں ابن حجر نے چھ تاویلیں بیان کی ہیں جنہیں اس کی کتاب میں دیکھ لیں اور جب قصہ ثابت ہو گیا تو ابن حجر نے اسی قصہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے فرمان وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ (سورۂ حج آیت ۵۲) کی تفسیر کی ہے اور نقل
کی ہے کہ ابن عباس تَمَنّٰى بمعنی قَرَاَ (پڑھا) اور اُمْنِيَّتِهٖ بمعنی قراءت بتایا کرتے تھے اور ان کا اشارہ مذکورہ ۱۴۳
بالا مسئلہ غرانیق کی طرف ہے اور پھر نحاس[1] کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کے بارے میں یہ تاویل نہایت عمدہ و اعلیٰ ہے“۔

میں نے حضرت سے عرض کیا اس مسئلہ کے بارے میں آپ کے نزدیک کونسی بات صحیح ہے اور اس مشکل مسئلہ میں ہم کس طرز کو اختیار کریں۔

حضرت دباغ کا جواب!

حضرت نے فرمایا اس قصہ کے متعلق ابن العربی، عیاض[2] اور وہ لوگ جو ان سے متفق ہیں، حق پر ہیں۔ ابن حجر کی رائے صائب نہیں۔ غرانیق کا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعاً پیش ہی نہیں آیا۔ مجھے بعض اوقات بعض علماء کے کلام پر تعجب آتا ہے جیسے یہی قول جو ابن حجر اور اس کے موافقین سے صادر ہوا کیوں کہ اگر اس قسم کا کوئی واقعہ پیش آیا ہوتا تو نہ شریعت پر اعتماد رہتا نہ عصمت (انبیاء) کا حکم باقی رہتا اور چونکہ رسول اور اس کے کلام پر شیطان کا تسلط ہوتا یہاں تک کہ شیطان نبی کے ارادہ، پسند اور مرضی کے بغیر جو چاہتا اس کے کلام میں بڑھا دیتا تو پھر رسول دیگر افراد انسانی کی طرح کا ایک فرد ہو گیا۔ اس طرح اس قدر بھاری واقعہ کے ہوتے ہوئے رسالت پر کیا اعتماد رہتا۔ اس کے جواب میں یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے الفاظ محو کر دیتا ہے اور اپنی آیات کو قائم رکھتا ہے، کچھ معنی نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ الفاظ بھی شیطان کے ہوں کیوں کہ جب یہ جائز ہو گیا کہ مسئلہ غرانیق میں الفاظ کو زیادہ کرنے میں وہ آپ پر مسلط ہو گیا تو یہ بھی جائز ہو سکتا ہے کہ وحی پر اس کا اتنا تسلط ہو کہ ساری آیت کا اضافہ کر دیا ہو۔ اس طرح قرآن مجید کی تمام آیات میں شک پیدا ہو سکتا ہے۔ مومن پر اس قسم کی احادیث سے جن سے دین میں شک پیدا ہو، اعراض کرنا واجب ہے اور ان

[1] نحاس: ابوجعفر احمد بن محمد النحاس مشہور نحوی اور لغوی گذرا ہے۔ اس کی وفات ۳۳۸ھ = ۹۴۹ء میں ہوئی۔ انہوں نے تفسیر قرآن لکھی ہے۔

[2] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو شفا عیاض مع شرح خفاجی ج ۴ ص ۹۳ تا ۱۱۰ طبع استنبول ۱۳۱۵ھ، فیض الباری: ج ۲: ۳۸۷ - ۳۸۸۔

Marfat.com

احادیث کو دیوار پر پھینک ماریں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت اور آپ کے مرتبہ کا اس قدر بلند ہونا جس کے اوپر کوئی اور بلندی نہیں کا وہ عقیدہ رکھیں جو آپ کو شایان ہے۔

مزید برآں جو کچھ ان لوگوں نے وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رَّسُولٍ وَّلَا نَبِيٍّ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے وہ اس بات کا مقتضی ہے کہ ہر رسول اور ہر نبی کی وحی پر شیطان کا تسلط اس سے بھی زیادہ ہوا ہو جس قدر کہ قرآن پر ہوا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مِنْ رَّسُولٍ وَّلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ (سورۂ حج آیت ۵۲) فرمایا ہے۔ لہٰذا ان کی تفسیر کے مطابق آیت کا اقتضا یہ ہوا کہ خدا کے انبیاء اور برگزیدہ بندوں کے ساتھ شیطان کی یہ عادت جاری رہی ہے اور اس کے باطل ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

مولف کہتا ہے خدا حضرت سے راضی ہو، باوجود امی ہونے کے آپ کی نظر کس قدر باریک ہے چنانچہ ناصر الدین البیضاوی[1] فرماتے ہیں:۔

"بعض لوگوں کا قول ہے تَمَنّٰی کے معنی قَرَءَ (پڑھا) کے ہیں اور أُمْنِيَّة سے مراد قراءت ہے اور شیطان نے قراءت میں الفاظ ڈال دیے یعنی غرانیق کے الفاظ اتنی بلند آواز سے پڑھے کہ سننے والوں کو یہ شبہ ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ پڑھے ہیں۔ اس قول کو مردود قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس سے وحی پر اعتماد میں خلل واقع ہوتا ہے فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ آيَاتِهِ سے یہ خلل دور نہیں ہوتا کیونکہ ہو سکتا ہے یہ بھی شیطانی القاء میں سے ہو۔

حضرت نے اپنے جواب میں اسی کو شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔

مؤلف کہتا ہے کہ اس پر ایک اور اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ تَمَنّٰی کی ضمیر ان تمام رسولوں اور نبیوں کی طرف لوٹتی ہے جو آپ سے پہلے ہوئے مگر یہ ممکن نہیں کہ شیطان نے ان میں سے ہر ایک کی قراءت میں یہی مسئلہ غرانیق کا القاء کیا ہو۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ عصمتِ انبیاء کا عقیدہ ایسا عقیدہ ہے جس میں پختہ یقین چاہیے لہٰذا جو حدیث اس عقیدہ کو توڑے یا رد کرے اسے کسی صورت میں بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ علماء اصولِ حدیث نے اس حدیث کا جو اس قسم کی ہو، ان احادیث میں شمار کیا ہے جنہیں قطعی طور پر غلط سمجھنا چاہیے رہا حافظ ابن حجر کا یہ قول کہ جو مرسل حدیث کو حجت مانتے ہیں ان کے نزدیک بھی اور جو حجت نہیں مانتے ان کے نزدیک بھی یہ حدیث حجت ہے اس لئے کہ یہ حدیث تین صحیح طریقوں سے وارد ہونے کی وجہ سے قوی ہو جاتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم وہاں کیا جا سکتا ہے جہاں ظن کفایت کرتا ہو جیسے وہ امورِ عملیہ جن کا تعلق حلال و حرام سے ہے۔ مگر امورِ علمیہ اعتقادیہ کے ثابت کرنے میں خبرِ واحد کوئی فائدہ نہیں دیتی چہ جائیکہ ان کے نفی اور

---

[1] ناصر الدین بیضاوی: قاضی ناصر الدین ابی سعید عبد اللہ بن عمر بیضاوی مشہور مفسر اور عالم گذرے ہیں ان کی وفات ۶۸۵ھ = ۱۲۸۶ء میں ہوئی ان کی تفسیر کا نام انوار التنزیل و اسرار التاویل ہے۔

Marfat.com

منہدم کرتے ہیں۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ قاضی عیاض کا قول اصول حدیث کے مخالف نہیں ہے بلکہ جو کچھ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے وہی اصول کے خلاف ہے کیوں کہ اس نے عقائد کو منہدم کرنے میں خبرِ واحد پر عمل کرنا چاہا ہے اور یہ اصولِ حدیث کے خلاف ہے۔

اسی طرح ابن حجر کا تَمَنّٰی کی تفسیر تَمَنّٰی سے اور اُمنیّہ بمعنی قراءۃ کے کہنا اور یہ کہنا کہ یہ ابن عباس سے مروی ہے اور یہ قول اس آیت کی تفسیر میں بہترین، بلند اور اعلیٰ تفسیر ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ ابن عباس سے یہ روایت علی بن ابی صالح کاتب لیث از معاویہ بن صالح از علی بن ابی طلحہ[1] از ابن عباس آئی ہے۔ اور لوگوں کو معلوم ہے کہ ابن ابی صالح کاتب لیث پر کیا کچھ اعتراض کیا گیا ہے اور محققین بالاتفاق اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

آیت وَمَا اَرسلنا من قبلک من رسول ولا نبی کی تفسیر

میں نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ کے نزدیک اس آیت کی جو تفسیر ہے اور اس سے جس نور کی طرف اشارہ ہے وہ کیا ہے؟

حضرت نے فرمایا: جس نور کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رسول یا نبی کسی بھی امت کی طرف بھیجا تو وہ رسول اپنی امت کے لیے ایمان کی تمنا کرتا، اسے ان کے لیے پسند کرتا، انہیں اس کی رغبت دلاتا۔ اسی کی انتہا درجہ کی خواہش کرتا اور اسی پر ان کو حد درجہ کا زور دیتا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہی میں سے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ (سورۂ کہف آیت ۶) اگر یہ لوگ قرآن پر ایمان نہ لائے تو کیا آپ افسوس کے مارے ان کے پیچھے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے (یعنی ایمان نہیں لاتے تو نہ لائیں، آپ اس تمنا میں کیوں گھلے جاتے ہیں) اور فرمایا وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ (سورہ یوسف آیت: ۱۰۳) آپ خواہ کتنی خواہش کیوں نہ کریں، بہت سے لوگ ایمان لانے کے نہیں۔ اور فرمایا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (سورہ یونس، آیت: ۹۹) کیا آپ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کریں گے وغیرہ آیات جن میں اسی تمنا کا مضمون پایا جاتا ہے۔ پھر امت کا حال بھی مختلف ہوتا ہے بعضے مومن اور بعضے کافر۔ شیطان کافر کے دل میں اس قسم کے وسوسے ڈال دیتا ہے جو نبی کی رسالت میں نقص نکالتے اور اس کے کفر کا سبب بنتے۔ اسی طرح مومن بھی وسوسوں سے نہ بچتا کیونکہ ایمان بالغیب کے لیے وسوسوں کا آنا ضروری امر ہے اگرچہ یہ وسوسے اپنے اپنے متعلقات کے اعتبار سے کسی میں کم کسی میں زیادہ ہوتے ہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو اب تَمَنّٰی کے معنی یہ ہوئے کہ نبی امت کے لیے ایمان کی تمنا کرتا ہے اور ان کے لیے بھلائی، ہدایت

---

[1] علی بن ابی طلحہ: انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے حالانکہ ان کے درمیان مجاہد آتے ہیں۔ ان کے ثقہ ہونے میں اختلاف ہے ۲۴۳ھ یا ۱۴۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

Marfat.com

بہبودی اور نجات کو پسند کرتا ہے۔ یہی ہر نبی اور رسول کی آرزو رہی ہے اور شیطانی القاء وہی وساوس ہیں، جنہیں وہ بعض ان لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے جن کی طرف اس رسول یا نبی کو بھیجا گیا ہو اور وہ ان کے کفر کا سبب بنتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ مومنین پر رحم کرتا ہے اور ان وساوس کو ان کے دلوں سے محو کر کے ان میں وہ آیات مضبوطی سے ڈال دیتا ہے جو خدا کی وحدانیت اور رسول کی رسالت پر دلالت کرتی ہیں اور منافقین اور کافرین کے دلوں میں ان وساوس کو اسی طرح رہنے دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ فتنہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہاں یہ معلوم ہو گیا کہ وساوس پہلے دونوں فریقوں کے دلوں میں ڈالے جاتے ہیں مگر مومنین پر قائم نہیں رہتے اور کافروں پر قائم رہتے ہیں۔

مولف کہتا ہے کہ میرے نزدیک یہ تفسیر بہترین تفسیر ہے۔ اس کا پتہ اسی وقت چل سکتا ہے جب ہم ان تفاسیر کو نظر میں رکھیں جو اس آیت کی کی گئیں پھر ان کا اور حضرت کی تفسیر کا مقابلہ کیا جائے۔

پہلی تفسیر چنانچہ اس آیت کی پہلی تفسیر وہ ہے جس کا ذکر ابن ابی صالح کاتب لیث کی روایت میں ہو چکا، اور ہم یہ بتا چکے ہیں کہ یہ تفسیر عقیدہ اور اس کے عموم کے مخالف ہے جس کا ذکر آیت کے شروع میں کیا گیا کیونکہ اس تفسیر میں اسے خاص مسئلہ غرانیق سے تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ لفظ عام ہے جو ہر نبی اور رسول کے لیے ہے۔

دوسری تفسیر دوسری تفسیر: ابو محمد مکی[1] کہتے ہیں کہ طبری نے لکھا ہے تَمَنّٰی بمعنی دل میں کسی چیز کا خیال کرنا تو شیطان ان خیالات میں کچھ اور خیالات بطور حیلہ ڈال دیتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ اللہ سے یہ درخواست کریں کہ آپ کو اس قدر مال غنیمت عطا کرے تاکہ مسلمان مالدار ہو جائیں حالانکہ خدا کو ہر قسم کی مصلحت کا علم ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ القاء شیطانی کو محو کر دیتا ہے چنانچہ فراء[2] اور کسائی[3] نے تَمَنّٰی کے معنی حدیث النفس کے دیئے ہیں۔ اھ۔

مؤلف کہتا ہے اس تفسیر میں جو نقص ہے ظاہر ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شیطان نبی سے چال چلے کیونکہ نبی کی بصیرت تو اس قدر صاف و روشن ہوتی ہے کہ سارا جہان اس سے روشنی حاصل کرتا ہے مزید برآں یہ تفسیر اس عموم سے موافقت نہیں رکھتی جو آیت کے شروع میں ہے اور نہ ہی اس تعلیل سے موافقت رکھتی ہے جو آیت کے آخر میں ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

تیسری تفسیر بیضاوی نے لکھا ہے کہ تَمَنّٰی کے معنی زَوَّرَ فِی نَفْسِہٖ مَا یَھْوَاہُ اپنی خواہشات کو خوبصورت

---

[1] ابو محمد مکی: ابو محمد مکی بن ابی طالب قیسی نحوی مغربی متوفی ۴۳۷ھ = ۱۰۴۵ء ان کی تفسیر پندرہ جلدوں میں ہے۔

[2] فراء: ابو زکریا یحییٰ بن زیاد الفراء نحوی اور لغت دان تھا۔ الکسائی کا شاگرد تھا۔ ۱۴۴ھ = ۷۶۱ء میں پیدا ہوا اور ۲۰۷ھ = ۸۲۲ء میں وفات پائی۔

[3] کسائی: بہت بڑے نحوی اور لغت دان تھے۔ ابو الحسن علی بن حمزہ الکسائی۔ کوفے کے نحویوں کا امام تھا۔ اس کی وفات ۱۸۹ھ = ۸۰۴ء میں ہوئی۔

Marfat.com

بنا کر پیش کیا ۔ اور اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْ اُمْنِیَّتِہٖ کے معنی ہیں شیطان ان کی خواہش میں ایسی چیزوں کا القاء کرتا ہے جن سے آپ دنیا کی طرف مشغول ہو جاتے ہیں جیسا کہ آنحضرت نے فرمایا ہے اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ فَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً[1] میرے دل پہ بادل چھا جاتے ہیں تو میں دن میں ستر بار اللہ سے استغفار کرتا ہوں وغیرہ وغیرہ ۔ جو کچھ بھی اس نے لکھا ہے نہ آیت کے سیاق سے مناسبت رکھتا ہے اور نہ ہی مرتبۂ رسالت کی تنزیہ سے ۔

مختصر یہ کہ اس آیت کی صحیح تفسیر وہی ہو سکتی ہے جس میں تین باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہو (۱) آیت کی ابتدا کا عموم (۲) آیت کے آخر کی تعلیل (۳) اور رسالت کا حق ادا کرے ۔ اور یہ تینوں باتیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ، شیخ کی تفسیر کے سوا کہیں نہیں پائی جاتیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

---

۱۶ ۔ قصۂ ہاروت و ماروت

میں نے حضرت سے قاضی عیاض اور ابن حجر کے درمیان ہاروت و ماروت کے قصہ کے بارے میں جو اختلاف ہے اس کے متعلق دریافت کیا کیوں کہ قاضی عیاض نے اس سلسلہ میں جو احادیث آئی ہیں ان سے انکار کیا ہے اور انہیں باطل قرار دیا ہے اور ابن حجر نے اس قصہ کو سچ سمجھا ہے اور کہا ہے کہ یہ قصہ متعدد طرق سے آیا ہے جن سے قصہ کی صحت کا یقین ہو جاتا ہے اور اس کا وقوع قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے ۔ حافظ سیوطی نے بھی ابن حجر کی تابعداری کی ہے اور اپنی کتاب الحبائک فی اخبار الملائک میں اس کے کئی ایک طریقے دیے ہیں اور کہا ہے کہ اس نے اپنی تفسیر کبیر میں اس قصہ کے تمام طریقے بیان کر دیے ہیں ۔ ۱۴۵

حضرت نے فرمایا ۔ یہاں بھی قاضی عیاض حق پر ہیں ۔ اور پھر وہ اسرار بیان کیے جنہیں نہ لکھا جا سکتا ہے اور نہ ہی افشاء کیا جا سکتا ہے ۔ والسلام ۔

۱۷ ۔ وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْھَا مِنْ بَرَدٍ (سورہ نور آیت: ۴۳)

میں نے حضرت سے آیت وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْھَا مِنْ بَرَدٍ کے متعلق دریافت کیا کہ کیا آسمان میں پہاڑ ہیں جیسا کہ بعض مفسرین کا بیان ہے ۔

حضرت نے فرمایا آسمان میں پہاڑ نہیں ہیں ۔ اس آیت میں سَمَاء سے مراد ہر وہ چیز ہے جو ہمارے سر کے اوپر ہے یعنی " تمہارے اوپر سے اتارتا ہے ۔" اور برف کے پہاڑ اوپر کی طرف سے ہی آتے ہیں ۔ کیونکہ ہوا

---

[1] ملاحظہ ہو مشکوۃ باب الاستغفار ص۲۰۳ مگر وہاں بجائے سبعین مرۃ کے مائۃ مرۃ ہے ۱۲

انہیں زمین سے اٹھا کر اوپر لے جاتی ہے۔

اس آیت کے متعلق حضرت سے سوال کرنے کا سبب یہ تھا کہ کسی نے مجھ سے پوچھا کہ برف کس طرح بنتی ہے اور سوال کے ضمن میں کئی ایک اور باتیں آجاتی تھیں اور مجھے سمجھ نہ آتی تھی کہ کیا جواب دوں۔ یہ سوالات میں نے حضرت کے سامنے پیش کیے۔ آپ نے تمام باتوں کا جواب دیا، میں نے یہ تمام باتیں جواب میں ذکر کر دیں۔ اب میں یہ سوال اور جواب دیتا ہوں تاکہ اس سے پورا فائدہ اٹھایا جا سکے۔

سوال اے علماء کرام خدا مخلوقات کو آپ سے ہمیشہ مستفیض رکھے۔ برف کی اصل کیا ہے؟ کیا اپنی جگہ سے یہ اسی طرح جمی ہوئی اترتی ہے یا یہ اصل میں پانی ہوتا ہے جسے ہوائیں جما دیتی ہیں۔ اور یہ کس جگہ سے اترتی ہے۔

کیا یہ آسمان سے اترتی ہے یا بارش برسانے والے بادلوں سے یا یہ سمندر سے آسمان میں آکر رکی ہوتی ہے جیسا کہ بارش کے متعلق کہا جاتا ہے اور کیا سبب ہے کہ یہ صرف سخت سرد ملکوں میں ہی پڑتی ہے گرم ملکوں میں نہیں پڑتی اور کیا وجہ ہے کہ صرف پہاڑوں پر پڑتی ہے۔ میدانوں میں نہیں پڑتی اور اگر میدانوں میں پڑے تو تھوڑی دیر کے بعد پگھل جاتی ہے حالانکہ پہاڑوں میں قائم رہتی ہے بعض اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بارش کے ساتھ یک لخت اولوں کی صورت میں گرنے لگتی ہے اور کبھی اکیلی برف یعنی اولے برستے ہیں۔ مزید برآں ہم دیکھتے ہیں کہ گرم اور سرد ملکوں کا درمیانی فاصلہ بہت تھوڑا ہوتا ہے مثلاً سولہ میل یا اس سے بھی کم اس کے باوجود ہر ایک ملک کی خصوصیت الگ ہوتی ہے (کہ ادھر سردی ہے اور ادھر گرمی) کیا اس سبب کی کوئی علت ہے یا نہیں؟ کیا وجہ ہے کہ سردی صرف پہاڑوں اور بلند مقامات پر ہوتی ہے، میدانوں میں نہیں ہوتی؟ پھر یہ کہ بجلی صرف ٹھنڈے ملکوں، پہاڑوں اور ان مقامات پر پڑتی ہے جہاں درخت ہوں اور میدانی گرم اور ہموار زمین جیسے صحرا میں نہیں پڑتی چنانچہ میدانوں کے لوگ کہتے ہیں کہ انہیں بجلی کا پتہ ہی نہیں اور نہ وہاں گرتی ہے کیا وجہ ہے کہ ایک جگہ پڑتی ہے اور دوسری جگہ نہیں پڑتی اور اس میں کیا راز ہے؟ شافی جواب دیں۔

جواب الحمد للہ وحدہ وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی الہ وصحبہ۔ الجواب واللہ الموفق للصواب بمنہ۔

برف پانی ہے جسے ہوائیں منجمد کرتی ہیں اور اس کی اصل عموماً بحر محیط کے پانی سے ہے اور بحر محیط کے پانی میں تین خاصیتیں پائی جاتی ہیں:-

(۱) ہواؤں کے قرب اور سورج کی گرمی سے دوری کی وجہ سے جس قدر سخت ٹھنڈا یہ پانی ہوتا ہے کوئی اور پانی نہیں ہوتا۔ اسی لئے معمولی سے سبب سے یہ منجمد ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

(۲) یہ پانی انتہا درجہ کا صاف ہوتا ہے اس لیے کہ یہ اپنی اصل پر قائم ہوتا ہے اور اس میں کسی قسم کے جواہر ارضی ملے نہیں ہوتے کیونکہ یہ ایک ایسا سمندر ہے جسے ازلی قدرت اٹھائے ہوئے ہے یہ نہ زمین پر ہے نہ کسی اور چیز پر۔

(۳) انتہائی بُعد۔ اس لیے کہ ہمارے اور اس کے درمیان نہایت دور کی مسافت ہے۔

جب یہ معلوم ہوگیا تو یاد رکھو کہ جب اللہ تعالیٰ ہواؤں کو حکم دیتا ہے کہ اس پانی میں سے کچھ حصہ اٹھا لے جائیں تو اپنی ٹھنڈک کے باعث اٹھانے کے بعد ہی منجمد ہو جاتا ہے۔ ہوائیں اسے تھوڑا تھوڑا کرکے اٹھاتے اور بہائے چلی جاتی ہیں حتیٰ کہ اس طویل مسافت کے طے کرنے میں جو ہمارے اور بحر محیط کے درمیان واقع ہے اس کی بندش بے حد کھل جاتی ہے یہاں تک کہ یہ غبار کی طرح ہو جاتا ہے اور اپنی تیزی کے باعث اس کے اجزا مجتمع ہو جاتے ہیں اسی لئے کبھی یہ باریک صوف کی صورت میں گرتا ہے اور کبھی اس سے بھی زیادہ باریک۔ برف کی اصل یہی ہے، برخلاف اولے (ژالہ) کے اس لئے اس کے منجمد ہونے اور گرنے کے درمیانی مسافت لمبی نہیں ہوتی کیونکہ اولے ان سمندروں کے پانیوں سے بنتے ہیں جو زمین کے درمیان میں ہیں اور ان نالابوں سے جو بالعموم بارشوں کے گرنے سے زمین پر جمع ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اولے کے بیچ میں زمین کے اجزاء مثلاً گوبر وغیرہ پائے جاتے ہیں اور ثقہ لوگوں نے اس کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔ نیز چونکہ چاروں طرف سے اس پر ہواؤں کے تھپیڑے پڑتے رہتے ہیں اس لیے وہ گول اور ایسا بناؤ لیے ہوتا ہے جیسے گوندے ہوئے سخت آٹے کا پیڑا کہ اس کو عورت برتن میں لت کر ہاتھوں سے گوندھتی ہے اور اولہ کے اجزاء کو ہوا کے جھونکے منہ کر پیڑا بنا دیتے ہیں چنانچہ اگر اولہ فوراً گرے تو ہم یہ بات اس میں دیکھ سکتے ہیں اور اگر اس کے گرنے میں دیر لگے اور ہواؤں کے تھپیڑے جاری رہیں تو اس کے اجزاء ٹوٹ کر برف بن جاتے ہیں۔ برف کی اصل اور حقیقت یہی ہے اور یہیں سے گرتی ہے۔ ۱۳۶

رہی یہ بات کہ برف اور اولہ کے لیے سرد مقامات اور پہاڑ کی چوٹیاں کیوں مخصوص ہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک کوئی مانع پیش نہ آئے برف برابر جمی رہتی ہے اور جب مانع پیش آتے تو یہ بارش بن جاتی ہے اور یہ مانع وہی زمین سے اٹھنے والے اجزاء بخاریہ ہیں اور ان میں کسی قدر حرارت پائی جاتی ہے لہٰذا جب یہ برف سے ملتے ہیں تو اس کی خنکی کو کم کرکے اس کے انجماد کو زائل کر دیتے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اجزاء بخاریہ گرم ملکوں اور میدانوں میں زیادہ پائے جاتے ہیں اسی لیے وہاں برف نہیں پڑتی اور اگر پڑے بھی تو زیادہ دیر تک نہیں رہتی برخلاف سرد ملکوں اور بلند پہاڑوں کے کہ وہاں برف منجمد ہونے سے روکنے کا کوئی سبب موجود نہیں ہوتا۔

اب رہی یہ بات کہ کبھی یہ بارش کے ساتھ گرتی ہے، کبھی تنہا۔ سو بارش کے ساتھ اس کے گرنے کے دو سبب ہیں یا تو اس لیے کہ ان بخاری اجزاء کی وجہ سے جو پہلے ہی موجود ہوتے ہیں، اس کے کچھ اجزا پگھل

جاتے ہیں اس طرح پگھلے ہوئے اجزاء بارش کی صورت میں گرتے ہیں اور جو اجزاء نہیں پگھلتے وہ برف کی صورت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو بارش اولوں کے ساتھ گرتی ہے وہ بالعموم ہلکی کمزور اور باریک بوندوں والی پسی ہوئی شکل کی ہوتی ہے۔ یا یہ کہ یہ پورے طور پر منجمد ہونے سے پہلے گر پڑتی ہے کیونکہ ہوائیں پانی اٹھاتی ہیں تو وہ منجمد ہو جاتا ہے اور وہ اسے پیسنے لگتی ہیں پھر اور پانی اٹھاتی ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ اسے گرنے کا حکم دیتے ہیں تو پہلا حصّہ برف کی صورت میں گرتا ہے اور دوسرا بارش کی صورت میں (کیونکہ وہ تو ابھی منجمد نہ ہوا تھا)

رہا آپ کا یہ سوال کہ سولہ سترہ میل کے قلیل فاصلہ میں کون سی دیوار کھڑی ہو گئی کہ ادھر برف پڑتی ہے اور ادھر نہیں تو اس کا جواب ظاہر ہے کہ اس فرق کا دار و مدار تمام تر مانع وعدم مانع پر ہے۔ سرد ملکوں میں انجماد سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی اور گرم ملکوں میں مانع موجود ہوتا ہے اسی لیے ہر ایک میں اپنی اپنی خصوصیت پائی گئی۔

یہ کہنا کہ پہاڑ اور بلند مقامات میں ٹھنڈک کیوں ہوتی ہے اور میدانوں میں کیوں نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہاڑ اور بلند مقامات میں ٹھنڈک اس لئے ہوتی ہے کہ وہ اس جو (خلا) کے قریب ہوتے ہیں جو انتہا درجہ کا سرد ہوتا ہے اور میدان اس سے دور ہوتے ہیں فرق کی یہی وجہ ہے۔

اب رہا صاعقہ کے متعلق آپ کا سوال کہ گرم ملکوں میں کیوں نہیں گرتی، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دعوٰی ہی غلط ہے کیونکہ ہم نے اپنے شہر سلجماسہ میں صاعقہ گرتی دیکھی ہے حالانکہ یہ میدانی ہموار اور صحرائی علاقہ ہے۔ ہم نے بارہا اسے گرتے دیکھا ہے۔

سیّد نے شرح مواقف میں بھی ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک جنگل میں ایک بچے کے پاؤں پر بجلی گری تو اس کی دونوں پنڈلیاں گر گئیں مگر خون نہیں نکلا۔ مفسرین نے بھی اللہ تعالےٰ کے اس فرمان کے تحت وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِهَا مَنْ یَشَاءُ (اللہ تعالیٰ صاعقہ بھیجتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں لگ جاتی ہے) صحرا میں اس کے گرنے کا ذکر کیا ہے۔

یاد رکھیں کہ جو کچھ جواب میں لکھا گیا وہ سب اس شخص کی اطلاع ہے جو ارباب بصیرت میں سے ہے اور اس نے حقیقت کا مشاہدہ کیا ہے۔ ہماری مراد حضرت سے ہے لہذا یہ جواب حضرات صوفیہ کا جواب ہے۔

مگر ہمیں اہل سنت والجماعت کا اس بارے میں کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے تفسیر، حدیث اور کلام میں ان تمام مقامات کی طرف رجوع کیا جہاں اس مسئلہ کے پائے جانے کا گمان ہو سکتا تھا مگر مجھے کہیں کچھ نہ ملا یہاں تک کہ حافظ جلال الدین سیوطی نے جن کا حدیث و آثار میں اس قدر مرتبہ ہے، اس کا ذکر هَیْئَةُ السَّنِیَّةِ فِی الْهَیْئَةِ السُّنِّیَّةِ میں بھی نہیں کیا حالانکہ علم ہیئت کے اسی قسم کے مسائل کے لیے یہ کتاب لکھی

Marfat.com

گئی تھی اور نہ بیضاوی کے حاشیہ میں حالانکہ سیوطی کا طریقہ یہ ہے کہ حکماء کے اس کلام کا جس کی اتباع بیضاوی کرتا ہے، سلف صالحین کے کلام سے رد کرتا ہے اور نہ اپنی تفسیر الدُّرُّ الْمَنْثُوْرُ فِی تَفْسِیْرِ الْقُرْاٰنِ بِالْمَاْثُوْرِ وغیرہ کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے حالانکہ ان تینوں کتابوں میں رعد، صواعق، بارش، بادل اور بجلی پر بہت بحث کی ہے اس لیے ضروری تھا کہ برف اور اولوں اور ان کے سبب کی بحث کرتا کیونکہ بیضاوی نے ان کے سبب کی فلسفیانہ بحث نقل کی ہے جس کی بناء فاعل بالاختیار یعنی خدا کی نفی پر ہے۔ المواقف[1] کے
۱۴۷ مصنف نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور حکماء کا یہی طرز ہے، مواقف اور اس کی شرح میں مصنف کہتا ہے۔

"یاد رکھیں کہ سورج وغیرہ کی گرمی سے یا ہوا اور پانی کے اجزا مل کر فضا میں اٹھتے ہیں، اسی کا نام بخار ہے اور ان کا بلند ہونا بوجھل ہوتا ہے یا اجزاء ناریہ ارضیہ اٹھتے ہیں۔ یہی دھوآں ہے جس کا بلند ہونا ہلکا ہوتا ہے، دھوآں صرف وہی نہیں جو بالعموم سیاہ رنگ کا اور ان چیزوں سے اٹھتا ہے جو آگ سے جلتی ہیں۔ ایسا بہت شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ خالص بخار اور خالص دھوآں اٹھے بلکہ بالعموم یہ دونوں ملے جلے ہوتے ہیں اور انہی سے تمام آثار علویہ پیدا ہوتے ہیں۔ اگر دھوآں کم ہو اور ہوا میں سخت گرمی ہو تو اس میں پانی کے اجزاء حل ہو جاتے ہیں اور وہ اجزاء ہوا میں بدل جاتے ہیں۔ اسے خالص ہوا کہتے ہیں ورنہ اگر دھواں زیادہ اور ہوا میں اس قدر حرارت نہ ہو جو اسے حل کر دے تو جب یہ بخار بلند ہو کر ٹھنڈی ہوا تک پہنچیگا تو اس کی ٹھنڈک سے منجمد ہو جائے گا اور گاڑھا ہو کر بادل بن جائے گا۔ اور پانی کے اجزاء اگر منجمد نہ ہوں اور سردی زیادہ نہ ہو تو قطروں کی صورت میں گریں گے یا اگر سردی زیادہ ہوگی تو منجمد ہو کر گریں گے اور اگر اجتماع، تقاطر اور بڑے بڑے اجسام بننے سے پہلے انجماد ہو تو یہ برف ہوگی اور اگر بعد ہو تو اولے۔ اولے گیند کی طرح گول اس لیے ہوتے ہیں کہ اس میں بہت تیز حرکت ہوتی ہے جو ہوا کو لگ کر اسے پھاڑتی ہے اس لیے گرنے والے قطروں کے کونے مٹ جاتے ہیں۔ اس کے بعد اس نے سایہ، کہر، دھند، کڑک، بجلی، صاعقہ، ہوا اور دیگر امور علویہ پر بحث کی ہے، پھر ایک طویل عبارت کے بعد جس کا ملخص ہم نے جامع عبارت میں فصل ثانی یا مرصد اول میں ذکر کر دیا ہے کہا ہے کہ یہ تمام فلسفیوں کی آراء ہیں کیوں کہ انہوں نے قادرِ مطلق کی نفی کی ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا۔

ناصر الدین بیضاوی کو فلاسفہ کے طریقہ پر وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ کی تفسیر میں مہارت حاصل ہے۔ تعجب ہے کہ حافظ سیوطی نے اس کتاب کے حاشیہ میں خاموشی اختیار کی

---

[1] مواقف: علامہ عضد الدین عبد الرحمٰن بن احمد ایجی کی تصنیف ہے ...... جو انہوں نے غیاث الدین وزیر خدا بندہ کے لیے لکھی۔

Marfat.com

ہے۔ اسی طرح شیخ الاسلام[1] زکریا انصاری نے بھی اس کے حاشیہ میں سکوت اختیار کیا ہے۔

یاد رکھیں کہ پہلا جواب جسے ہم نے حضرت سے سنا تھا اگر ہم اسے پھیلا کر اس کی تمام وجوہ اور تفصیل بیان کرنے لگیں تو ایک کتاب میں بھی سمانہ سکیں۔ جس قدر ہم بیان کر چکے ہیں۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس کا قائل اور کاتب احمد بن مبارک بن محمد بن علی بن مبارک سلجماسی لمطی ہے، خدا اس پر اپنا کرم کرے۔ آمین۔

زلزلہ اور اس کا سبب میں نے حضرت سے زلزلہ اور اس کے سبب کی نسبت سوال کیا۔ واقعہ یوں ہوا کہ میں رصیف کے بازار میں حضرت کے ساتھ جا رہا تھا کہ ایک معمولی سا جھٹکا آیا جسے کچھ لوگوں نے محسوس کیا کچھ نے نہیں۔ میں نے بھی اسے محسوس نہ کیا تھا۔ جب ہم مخفیہ کے تکیہ پر پہنچے تو لوگوں نے پوچھا کیا تم نے زلزلہ کو محسوس کیا تھا۔ میں نے کہا میں نے تو محسوس نہیں کیا اور نہ ہی زلزلہ آیا۔ حضرت نے فرمایا: زلزلہ آیا تھا اور اس وقت آیا تھا جب ہم رصیف کے بازار میں فلاں شخص کے پاس اس کی دکان پر کھڑے تھے۔ پھر زلزلہ کا علم سب کو ہو گیا۔ چنانچہ میں نے حضرت سے اس کا سبب پوچھا۔ جو کچھ سلف صالحین نے زلزلہ کے بارے میں کہا تھا، اس کا بھی مجھے علم تھا اور جو کچھ فلسفیوں نے کہا ہے، اس کا بھی۔ اس لیے میں نے حضرت سے جواب سننا چاہا۔

حضرت نے فرمایا زلزلہ کا سبب زمین پر حق تعالیٰ کی تجلی کا پڑنا ہے اس کی تفصیل میں راز ہے جو میں نے حضرت سے سن لیا تھا۔ پھر فرمایا ابتداء آفرینش اور پہاڑوں کی پیدائش سے پہلے یہ تجلی بکثرت ہوا کرتی تھی اور زمین بے قرار ہو کر جھک جاتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حجاب ڈال دیا اور پہاڑ پیدا کیے تو زمین ساکن ہو گئی۔ آخر زمانہ میں پھر یہ تجلی زیادہ ہو جائے گی جس کی وجہ سے زمین میں زلزلے بکثرت ہوا کریں گے یہاں تک کہ تمام مخلوق ہلاک ہو جائے گی۔

مؤلف کہتا ہے کہ حافظ سیوطی نے اپنی کتاب كَشْفُ الصَّلْصَلَةِ عَنْ وَصْفِ الزَّلْزَلَةِ میں بروایت ابن عباس قریب وہی بیان کیا ہے جو حضرت نے فرمایا۔

طبرانی نے کتاب السنۃ میں یہ باب باندھا ہے۔ زلزلہ کے وقت زمین پر اللہ تعالیٰ کی تجلی کے متعلق جو کچھ احادیث میں آیا ہے اس کا بیان حفص بن عمر الرقی از عمرو بن عثمان الکلبی از موسیٰ بن اعین از اوزاعی از یحیی بن ابی کثیر از عکرمہ از ابن عباس فرمایا جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرانا چاہتا ہے تو زمین کو اپنا کچھ جلوہ دکھاتا ہے جس سے وہ لرزنے لگتی ہے اور جب کسی قوم کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو پورا جلوہ دکھاتا ہے۔ ١٤٠

---

[1] شیخ الاسلام زکریا انصاری: الخزرجی امام شعرانی کے استاد تھے۔ شریعت اور طریقت دونوں میں اپنے زمانہ میں جواب نہ رکھتے تھے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں ۹۲۶ھ = ۱۵۱۹ء میں وفات پائی۔

Marfat.com

مسند فردوس میں دیلمی نے لکھا ہے: خبر دی عبدوس نے از زنجویہ از القطیعی از محمد بن اسحٰق البلخی القاضی از ابو نعیم از عبد الرحمٰن بن براء ہراتی از ابو عبد اللہ الھروی از محمد بن ابراہیم از ایوب بن موسیٰ از اوزاعی از یحییٰ بن ابی کثیر از عکرمہ از ابن عباس کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو ڈرانا چاہتا ہے تو اپنی کچھ تجلی زمین پر ڈالتا ہے جس سے وہ لرزنے لگ جاتی ہے اور جب اللہ اپنی مخلوق کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو پورا جلوہ دکھاتا ہے۔

خدا حضرت سے راضی ہو، آپ کو امور کا کس قدر علم ہے۔

اس کے بعد امام سیوطی نے لکھا ہے، ان احادیث سے ظاہر ہو گیا کہ حکما، کا یہ کہنا فاسد ہے کہ زلزلے ان بخارات کی کثرت سے آتے ہیں جو سورج کی تاثیر سے پیدا ہو کر زمین کے نیچے جمع ہو جاتے ہیں جہاں ہوا کی برودت ان کو توڑ نہیں سکتی کہ پانی بن جائے اور نہ ہی اپنی کثرت کے باعث تھوڑی سی حرارت سے تحلیل ہوتے ہیں اور سطح زمین بھی وہاں اس قدر سخت ہوتی ہے کہ وہاں سے بخارات نکل نہیں سکتے۔ لہذا جب بخارات اوپر اٹھتے ہیں اور انہیں نکلنے کی راہ نہیں ملتی تو زمین حرکت کرتی ہے اور اس طرح بیقرار ہوتی ہے جس طرح بخار میں مبتلا انسان مضطرب ہوتا ہے کیونکہ گرم بخارات اس کے پیٹ میں جوش مار رہے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات زمین کی سطح پھٹ جاتی ہے تو یہ رکے ہوئے مادے باہر نکل آتے ہیں۔

اس رائے کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے بلکہ اس کے خلاف پر دلیل قائم ہے۔ یہ حافظ سیوطی کا بیان ہے۔

خسف کا سبب میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ زمین میں کبھی خسف ظاہر ہوتا ہے یعنی زمین پھٹ جاتی ہے اور اس میں انسان و دیگر اشیاء دھنس جاتی ہیں اور یہ صورت آخر زمانہ میں بکثرت ہوگی اس کا کیا سبب ہے؟

فرمایا: زمین پانی پر ہے اور پانی ہوا پر اور ہوا اس بڑے میدان سے نکلتی ہے جو آسمان اور بحر محیط کے درمیان واقع ہے۔ اس کی تشریح یوں ہے کہ فرض کرو کہ ایک شخص متواتر چلتا رہے تو چلتے چلتے وہ وہاں پہنچ جائے گا جہاں زمین ختم ہو جائے پھر اسے بحر محیط نظر آئیگا پس اگر ہم فرض کر لیں کہ وہ بحر محیط پر بھی چلتا گیا ہے تو بالآخر وہ ختم ہو جائے گا اور اب اس کے اور آسمان کے درمیان صرف ایک خلا ہوگا جس سے ہوا نکلتی ہے اسے ایسی ہوائیں دکھائی دیں گی جن کی نہ کیفیت بیان ہو سکتی نہ انہیں کوئی برداشت کر سکتا ہے۔ یہی ہوائیں اللہ کے حکم سے پانی اور زمین کو اٹھائے ہوئے ہیں اور آسمان کو تھامے ہوئے ہیں۔ پھر یہ ہر وقت خدمت میں لگی ہوئی ہیں اور ایک لحظہ کے لیے بھی آرام نہیں لیتیں اور آسمان کی طرف اٹھتی رہتی ہیں اور جب اللہ کسی قوم پر بارش برسانا چاہتا ہے تو ان ہواؤں میں تھوڑے سے حصہ کو حکم دیتا ہے تو یہ زمین کی طرف اپنا رخ پھیر لیتی ہیں اور بحر محیط وغیرہ کی سطح کو عبور کر کے جس قدر اللہ کی مرضی

Marfat.com

ہوا اس زمین کی طرف پانی اٹھائے جاتی ہیں۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ میں نے اس پانی کو دیکھا جو اس جو (خلا) سے ملا ہوا ہے جس میں ہوائیں ہوتی ہیں تو مجھے برف کے اس قدر عظیم پہاڑ دکھائی دیئے جن کی عظمت کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں جب میں غار[1] سے واپس آتا تو دیکھتا کہ یہ پہاڑ منتقل ہو کر اس پانی کے کنارے چلے گئے ہیں جو کوہ قاف سے ملا ہوا ہے۔ دیکھا تو انہیں وہ ہوائیں اٹھا کر لائی ہیں جنہوں نے اپنا رخ پلٹا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو زمین میں دھنسانا چاہتا ہے تو یہ ہوائیں زمین میں ان سوراخوں اور ان گڑھوں میں گھس جاتی ہیں جو ان ہواؤں اور پانی کے درمیان ہیں، لہذا جب ان میں ہوا گھستی ہے تو زمین کھل جاتی ہے جس سے لوگ زمین میں دھنس جاتے ہیں۔ آخر زمانہ میں یہ سوراخ زیادہ ہو جائیں گے اور زمین کی طرف ہواؤں کا رخ بھی بکثرت پلٹا کرے گا جس کی وجہ سے خسوف بکثرت ہوا کریں گے یہاں تک کہ دنیا کا نظام مختل ہو جائے گا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فعل اور ارادہ سے ہوتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر ہوائیں زمین کا برابر قصد کرتی رہیں گی اور اس کی تباہی کا ارادہ کریں گی۔ یہاں تک کہ زمین ہواؤں کے ہاتھوں میں اس چھلنی کی مانند ہو گی جس کے ذریعہ سے گندم کو مٹی اور پتھروں سے جدا کیا جاتا ہے اور زمین کا غلہ وہ ریڑھ کی ہڈی ہے جس سے ذاتِ انسانی ترکیب پاتی ہے اور یہ ہڈی انسانوں کے لیے بمنزلہ بیج کے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ان ہڈیوں کو زمین اور سمندروں کی گہرائیوں، غاروں اور پہاڑوں کے نیچے سے اور جہاں کہیں بھی یہ ہوں گی جمع کرے گا۔ اس دن پہاڑ چلیں گے اور ہواؤں کے زور سے انہیں منتشر کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد آسمان پھٹ جائے گا اور ریڑھ کی ہڈیوں پر پانی برسے گا جس سے وہ آہستہ آہستہ پرورش پائیں گی جیسے کدو اور تربوز وغیرہ پرورش پاتا ہے اور یہ سطح زمین پر ظاہر ہو جائے گا۔

حضرت نے فرمایا اسی وقت کے متعلق حضرت عبدالوہاب تازی فرمایا کرتے تھے اس دن کو یاد رکھو جب زمین انڈے دے گی اور ریڑھ کی ہڈی کو نشوونما دینے کی طرف جائے گی۔ پس جب یہ نمو مکمل ہو جائے گا تو بنی آدم اس طرح ان میں سے نکلیں گے جس طرح پرندہ انڈہ کے پھٹنے سے نکلتا ہے۔ فرمایا اس دن ناف پیٹھ کی طرف ہو گی پیٹ کی طرف نہ ہو گی اس کے بعد اللہ تعالیٰ روحوں کو اپنے اپنے جسموں میں داخل ہونے کا حکم دیں گے۔ جب روحیں داخل ہو جائیں گی تو یہ اٹھ کھڑے ہوں گے اور نال کٹ جائے گی جب روحیں اجسام میں داخل ہو چکیں گی تو اللہ تعالیٰ اس ذوالرہبر کو جس نے جہنم کو دنیا کی طرف جانے سے روکا ہوا تھا، حکم دیں گے یعنی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ وہ جنت کی طرف جائے۔ اس وقت جہنم نکل کر اہل دنیا کی طرف آئے گا اور ص ۱۴۹

---

[1] غار سے مراد غار حراء ہے جہاں اہل دیوان کا اجتماع ہوتا ہے۔ شیخ عبدالعزیز دباغ چونکہ غوث وقت تھے اس لئے ان کا وہاں جانا رہتا۔ ۱۲ مترجم۔

Marfat.com

ہر طرف سے ان کو گھیرے گا۔ اس دن جس قدر خوف لوگوں کے دلوں پر طاری ہوگا اس کا علم اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔

حضرت نے فرمایا: اس دن جب روحیں جسموں میں داخل ہونے لگیں گی تو ان روحوں کی سنسناہٹ، تڑپ اور شور سنائی دے گا جس سے دلوں پر رعب چھا جائے گا اور جگر دہشت کے مارے چاک ہوتے جائیں گے اس کے بعد حضرت نے جو کچھ اس دن پیش آئے گا بیان کیا جس کا کچھ حصہ آگے چل کر بیان ہوگا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۷۔ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ الآیت (سورۃ الرحمٰن)

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آیت يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ (اے گروہ جن وانس تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا پس تم اس پر غلبہ نہ پا سکو گے) میں جن اور انسانوں کو خطاب ہے تو کیا یہ واقعہ محشر میں ہوگا یا جہنم میں ڈال دیے جانے کے بعد۔
حضرت نے فرمایا یہ واقعہ میدان محشر میں ہوگا اور یہ وہی آگ ہوگی جو اہل محشر پر نکل کر آئے گی اور انہیں ہر طرف سے گھیرے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۸۔ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ (سورہ انبیا آیت ۱۰۴)

میں نے حضرت سے پوچھا کہ آیت يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ (جس روز ہم آسمانوں کو اس طرح لپیٹ لیں گے جس طرح سجل کتابوں کو لپیٹ لیتا ہے) میں سجل سے کیا مراد ہے کیونکہ بعض مفسرین نے اس کے معنی صحیفہ بتائے ہیں یعنی جس طرح صحیفہ کتاب کو لپیٹ لیتا ہے یعنی اس لکھائی کی خاطر جو اس صحیفہ میں ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس صحیفہ کو اس لکھائی کی وجہ سے جو اس میں ہے لپیٹ لیا جائے گا۔

حضرت نے فرمایا: سجل سے مراد وہ آلہ ہے جس پر لکھنے والا اس کتاب کو رکھتا ہے جس سے وہ نقل کر رہا ہو اور جسے عوام حمار الکتب (رحل) کہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ یہ لفظ سریانی ہے معنی یہ ہوئے کہ جس دن ہم آسمانوں کو رحل کی طرح لپیٹ دیں گے کیونکہ لکھنے والا جب لکھنے سے فارغ ہو جاتا ہے تو اسے لپیٹ دیتا ہے اور للکتاب کا لفظ سجل کا حال واقع ہوا ہے یعنی درآں حالیکہ سجل کتاب کے لیے ہو یعنی وہ سجل نہ ہو جو اور چیزوں کے لیے ہوتا ہے۔ مجھے حضرت سے یہ بات پوچھنے کا خیال نہ رہا کہ اس میں وجہ شبہ کیا ہے اور آسمان کے لپیٹے جانے کی کیا کیفیت ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے آسمان کے لپیٹے جانے سے کیوں تشبیہ دی ہے اور کیا ان دونوں میں کوئی خاص مناسبت ہے جو کسی اور چیز میں نہیں پائی جاتی۔

Marfat.com

کتاب کے سوا کسی اور چیز کا بھی سجل ہوتا ہے تاکہ اس سے احتراز کیا جائے اگر ہے تو کیا ہے۔ اگر میں یہ سب کچھ پوچھ لیتا تو حضرت ان کے جواب میں غیبی علوم ظاہر ہوتے کیونکہ حضرت جو کچھ بیان کرتے مشاہدہ سے بیان کرتے مگر اب چونکہ اس مسئلہ کی تکمیل میں ان کا کلام تو موجود نہیں لہذا میں اسے علماء کے کلام سے مکمل کرتا ہوں۔

امام عبداللہ بخاری اپنی صحیح میں کہتے ہیں سجل کے معنی ہیں کتاب کا ورق۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں فریابیؒ[1] نے اس قول کو اپنے طریقہ سے یعنی مجاہد کے طریقہ سے متصل کر دیا ہے اور فراء نے اس پر تاکید کر دی۔ طبری نے علی بن ابی طلحہ از ابن عباس سجل کے معنی لکھے ہیں جس طرح ورق اپنی تحریر پر لپیٹ جاتا ہے۔ بعضوں نے علیؓ[2] کو من کے معنوں میں لیا ہے یعنی تحریر کی خاطر کیونکہ ورق اس تحریر کی خاطر جو اس میں ہے لپیٹ لیا جاتا ہے۔ ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ سجل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کاتب کا نام ہے۔ اس حدیث کی روایت ابوداؤد، نسائی اور طبری نے عمرؓ[3] بن مالک از ابی الجوزاءؓ[4] از ابن عباس کے طریقہ سے کی ہے۔ ابن مردویہؒ[5] کے نزدیک ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ حبشہ کی زبان میں سجل کے معنی آدمی کے ہیں۔ عبدؓ[6] بن حمید نے عطیہؓ[7] کی سند سے اسی طرح بیان کیا ہے۔ نیز ایک ضعیف اسناد کے ساتھ علی کی روایت سے یہی معنی دئے ہیں۔

---

[1] فریابی: شیخ الوقت ابوبکر جعفر بن محمد بن حسن بن مستفاض ترکی۔ دینور کے قاضی تھے اور صاحب تصانیف ہیں۔ یہ ثقہ تھے اور اوعیۂ علم میں سے شمار ہوتے تھے ان کے پاس ہزاروں کی تعداد میں طالبعلم حدیث پڑھنے آتے تھے ۲۰۷ھ = ۸۲۲ء میں پیدا ہوئے اور ۳۰۱ھ = ۹۱۳ء میں وفات پائی۔

[2] مجھے اس "علی" کی سمجھ نہیں آئی کہ یہ کہاں سے آگیا ہے۔ آیت میں علی کا لفظ نہیں ہے۔

[3] عمر بن مالک شرعبی المعافری المصری۔ ابوحاتم نے انہیں ثقہ شمار کیا ہے۔ ابن یونس اور ضمام دونوں اسے فقیہ پکارتے ہیں مسلم نے اس سے صرف ایک حدیث روایت کی ہے۔

[4] ابوالجوزاء: ابوالجوزا اوس بن عبداللہ ربعی البصری تابعی ہیں۔ انہوں نے ابوہریرہؓ، عائشہ اور ابن عباس وغیرہم سے روایت کی ہے۔ بہت عابد و فاضل تھے۔

[5] ابن مردویہ: ابوبکر احمد بن موسیٰ بن مردویہ اصفہانی۔ صاحب تفسیر ہیں اور تاریخ وغیرہ بھی لکھی ہے حافظ حدیث اور ثقہ تھے ۳۲۳ھ = ۹۳۴ء میں پیدا ہوئے اور ۴۱۶ھ = ۱۰۲۹ء میں وفات پائی

[6] عبد بن حمید: حافظ ابو محمد بن حمید بن نصر مصنف مسند کبیر اور تفسیر ان کا اصل نام عبدالحمید ہے مگر مخفف کر لیا گیا۔ جوانی کے زمانہ میں سفر کیا۔ امام بخاری نے انہیں عبدالحمید ہی لکھا ہے۔ امام حدیث اور ثقہ تھے ۲۴۹ھ = ۸۶۳ء میں وفات پائی۔

[7] عطیہ: عطیہ بن سعد بن جنادہ قیسی۔ انہوں نے ابوسعید، ابوہریرہ وغیرہما سے روایت کی ۱۲۱ھ = ۷۳۸ء میں وفات

Marfat.com

سُہیلیؒ نے نقاشؒ سے نقل کیا ہے کہ سجل دوسرے آسمان میں ایک فرشتہ کا نام ہے جس کے پاس فرشتے ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ کو مخلوق کے اعمال لے جاتے ہیں۔

طبری نے ابن عمر کی حدیث سے کچھ اسی طرح کے معنی دیے ہیں۔ ۱۵

سہیلی اور ثعالبی نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ سجل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب کا نام ہے اس لیے کہ نہ ہی کاتبین وحی میں اور نہ صحابہ میں کوئی ایسا شخص پایا جاتا ہے جس کا نام سجل ہو اور سہیلی کہتے ہیں کہ یہ معنی صرف اسی حدیث میں آئے ہیں۔ سہیلی کا یہ قول درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ ابن مندہؒ اور ابو نعیم نے اسے صحابہ میں شمار کیا ہے اور اس کی سند یوں دی ہے ابن نمیرؒ از عبیداللہ بن عمرؒ از نافعؒ از ابن عمرؒ جو کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کاتب کا نام سجل تھا۔

ابن مردویہ نے بھی اسی سند سے اس کی روایت کی ہے۔ یہ تمام بیان حافظ ابن حجر کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹۔ رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ ؕ قَالَ لَنۡ تَرٰىنِیۡ وَ لٰکِنِ انۡظُرۡ اِلَی الۡجَبَلِ فَاِنِ اسۡتَقَرَّ مَکَانَہٗ فَسَوۡفَ تَرٰىنِیۡ ۚ (سورہ اعراف آیت ۱۴۳)

میں نے حضرت سے آیت رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ قَالَ لَنۡ تَرٰىنِیۡ وَ لٰکِنِ انۡظُرۡ اِلَی الۡجَبَلِ فَاِنِ اسۡتَقَرَّ

۱؎ سہیلی: ابو زید عبد الرحمٰن بن عبد اللہ: ان کی تصانیف معتبر شمار کی جاتی ہیں۔ ۵۰۸ھ = ۱۱۱۴ء میں پیدا ہوئے اور ۵۸۱ھ = ۱۱۸۵ء میں وفات پائی۔ الروض الانف شرح سیرۃ ابن ہشام انہی کی تالیف ہے۔

۲؎ نقاش: ابو بکر محمد بن علی المصری ۲۸۹ھ = ۸۹۷ء میں پیدا ہوئے اور ۳۶۹ھ = ۹۸۱ء میں وفات پائی۔ دارقطنی ان سے حدیث پڑھنے کے لیے تنیس آئے تھے۔

۳؎ ابن مندہ: حافظ ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ بن مندہ۔ یہ اس وقت مسلمان ہوئے جب صحابہ نے اصفہان فتح کیا اور اپنے زمانہ میں بڑے استادوں میں شمار ہوتے تھے۔ ۳۰۱ھ = ۹۱۱ء میں وفات پائی۔

۴؎ ابن نمیر: محمد بن عبد اللہ بن نمیر ابو عبد الرحمٰن کوفی۔ حافظ حدیث تھے۔ امام احمد بن حنبل اس کی بہت تعظیم کرتے اور اسے درۃ العراق کہا کرتے تھے۔ وہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے زاہد اور فقیہ تھے۔ ان کی وفات ۲۳۴ھ = ۸۴۸ء میں ہوئی۔

۵؎ عبید اللہ بن عمر: عبید اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب۔ ان کا شمار فقہاءِ سبعہ میں ہوتا ہے ۱۴۷ھ = ۷۶۴ء میں وفات پائی۔

۶؎ نافع: نافع بن سرجس دیلمی عبد اللہ بن عمر کا آزاد کردہ غلام تھا۔ ۱۱۷ھ = ۷۳۵ء میں ان کی وفات ہوئی۔

۷؎ ابن عمر: عبد اللہ بن عمر حضرت عمر کے بیٹے بچپن ہی میں اپنے باپ کے ساتھ ایمان لائے بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلا بچہ جو اسلام میں پیدا ہوا وہ عبد اللہ بن عمر ہی تھے۔ کم سنی کی وجہ سے جنگ احد میں شرکت نہیں کر سکے مگر احد کی جنگوں میں شرکت کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رَجُلٌ صَالِحٌ کہا ہے انہوں نے کثرت سے حدیث کی روایت کی ہے چنانچہ ان کی ایک الگ مسند بقی بن مخلد نے جمع کی ہے جس میں ایک ہزار چھ سو تیس (۱۶۳۰) احادیث ہیں ۷۳ھ = ۶۹۲ء میں ان کی وفات ہوئی۔

Marfat.com

مَکَانَہٗ فَسَوۡفَ تَرَانِیۡ (موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے میرے پروردگار مجھے اپنی زیارت کرا دیں - فرمایا تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تو بھی مجھے دیکھ سکے گا) کے بارے میں دریافت کیا اور عرض کی کہ موسیٰ علیہ السلام تو بہت بڑے عارف باللہ ہیں اور عارف جب تک مشاہدہ کے سمندر میں غوطہ زن نہ ہو، عارف نہیں کہلا سکتا۔ لہذا باوجودیکہ آپ کو دائمی مشاہدہ[عـ] حاصل تھا، دیدار کا سوال کیوں کیا؟ اور کیا دیدار سے مشاہدہ میں کچھ اضافہ ہو جاتا ہے۔

فرمایا کہ اہل مشاہدہ کو ذات باری کا مشاہدہ افعالِ باری سے خالی اور صاف ہو کر صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ باری تعالیٰ اپنے افعال کو اس سے منقطع فرما لیں اور اگر ایک لحظہ کے لیے بھی کسی ذات سے افعال باری منقطع ہو جائیں تو وہ ذات باقی نہیں رہ سکتی اور دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا لہذا ہر چیز جو دنیا میں پائی جاتی ہے اس میں اللہ کا فعل پایا جاتا ہے۔ یہی اس کا مادہ اور زندگی کا سبب ہے اور یہی حجاب بنا ہوا ہے اس ذات فانی اور ذاتِ باری کے درمیان۔ اور اگر حق تعالیٰ اپنے افعال کو ذات فانی میں حجاب نہ بنائے تو عالم کا ہر حادث وفانی جل جائے۔ لہذا جب اہل مشاہدہ کا مشاہدہ افعالِ باری سے صاف اور خالی نہ ہوا اور وہ اس طرح بن گئے جیسے آنکھ میں کنک۔ اسی لیے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ اپنے فعل کو جو مانع رویت ہے قطع کر کے درمیان سے پردہ اٹھا دے۔ کہ ذاتِ باری کا صاف نظارہ ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے جواب دیا اگر میں اپنے فعل کو ذات حادث سے منقطع کر لوں تو اس کی ذات ہی فنا ہو جائے چنانچہ دیکھو یہ پہاڑ جو تم سے اپنی ذات کے اعتبار سے زیادہ قوی اور جسم کے لحاظ سے زیادہ سخت ہے اس سے اپنا فعل منقطع کر لیتا ہوں۔ دیکھو اگر یہ اپنی حالت پر قائم و برقرار رہا تو تو بھی مجھے دیکھ سکے گا۔ پس جب اللہ نے اپنی تجلی پہاڑ پر ڈالی اور اپنے فعل کا تعلق جو اس کے لیے سطوتِ ذات حق سے حجاب بنا ہوا تھا اس سے قطع فرما لیا تو وہ فوراً پارہ پارہ ہو گیا اور اس کے اجزاء اڑ گئے حتیٰ کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام بھی بیہوش ہو کر گر پڑے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ - یَمۡحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثۡبِتُ (سورہ رعد آیت: ۳۹)

میں نے اللہ کے فرمان یَمۡحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثۡبِتُ (اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے) کے متعلق حضرت سے دریافت کیا اس لیے کہ علماء تفسیر کا اس میں بہت سا اختلاف ہے۔ میں نے علماء کے بعض اقوال بھی نقل کیے۔

حضرت نے فرمایا میں اس آیت کی وہی تفسیر بیان کروں گا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کل سنی تھی پھر فرمایا کہ دنیا میں ہونے والے امور کے متعلق جو خیالات لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں:۔

عـہ استاذ علی ولدہ فرماتے ہیں کہ تعجب اس بات پر ہے کہ باوجودیکہ موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے اپنا دائمی دیدار عطا کیا پھر بھی لَنۡ تَرَانِیۡ کہہ دیا (لواقح الانوار فی طبقات الاخیار جلد ۲ صفحہ ۲۱)

Marfat.com

(۱) وہ امور جو کبھی واقع نہیں ہوتے اور یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاءُ (اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے) کا اشارہ اسی طرف ہے ۔ (۲) جو امور واقع ہونے والے ہوتے ہیں جس کی طرف یُثْبِتُ کے لفظ سے اشارہ کیا ہے مطلب یہ ہے کہ وہ خیالات جن کا تعلق آئندہ آنے والے امور سے ہوتا ہے مثلاً بارش کا اترنا، آنے والے کا آنا۔ یا کسی حادثہ کا پیش آنا ۔ ان میں سے بعض امور پیش نہیں آتے یہی محو شدہ امور ہیں اور بعض صحیح ثابت ہوتے ہیں اور یہی مثبت ہیں اور اصل کتاب یعنی لوح محفوظ اللہ کے پاس ہے ۔ یہی وہ ازلی علم ہے جو کبھی غلط نہیں ہوتا ۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے ، اسی پر اعتماد کرو ۔ اور باقی سب تفسیروں کو چھوڑ دو ۔ باقی سب تفسیروں کو چھوڑ دو کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ میں نے اس سے پہلے اس آیت کی ایک اور تفسیر سنی تھی جس میں آپ نے معرفت کے حقائق بیان فرمائے تھے ۔ (اس لئے فرمایا اسے بھی چھوڑ دو ۔) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۱ - وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَاۗءِ الْعٰلَمِيْنَ - يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ - (سورہ آل عمران آیت ۴۴)

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ یہ آیت وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَاۗءِ الْعٰلَمِيْنَ - يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ - (سورہ آل عمران آیت ۴۴) (اس وقت کو یاد کرو جب فرشتوں نے مریم سے کہا تھا اے مریم، تمہیں اللہ نے منتخب کر لیا ہے ۔ تمہیں پاک بنایا ہے اور دنیا کی عورتوں پر فضیلت بخشی ہے ۔ اے مریم اپنے رب کی فرمانبرداری کرتی رہ اور سجدہ کرتی رہ اور جھکنے والوں کے ساتھ جھکتی رہ) حضرت مریم کی نبوت پر دلالت کرتی ہے اور کیا یہ کہنا درست ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ، فرعون کی بیوی آسیہ ، سارہ ، ہاجرہ ، اور حوّا نبی تھیں کیونکہ بعض علماء نے انہیں نبی کہا ہے اور بعض نے اس سے انکار کیا ہے اور بعض نے مریم علیہا السلام کی نبوت کے متعلق اجماع نقل کیا ہے اگر ایسا ہے تو دوسری عورتیں جن کے نام لیے گئے ، نبوت کی زیادہ حقدار ہیں اور بعض نے مثلاً اہل سنت والجماعت کے رئیس شیخ (ابوالحسن اشعری[۱]) نے توقف کیا ہے یعنی نہ اقرار کیا ہے نہ انکار ۔ ۱۵۱

پہلے فریق کا استدلال یہ ہے کہ فرشتہ کا نزول صرف نبی پر ہوتا ہے اور اس آیت میں تصریحاً بیان کیا گیا ہے کہ فرشتہ کا نزول مریم پر ہوا (لہٰذا نبوت ثابت ہوگئی) اس فریق نے نبی اور ولی کے درمیان یہی فرق بتایا ہے

---

[۱] شیخ ابوالحسن اشعری : اصل نام علی بن اسمٰعیل تھا اور ابوموسیٰ اشعری کی اولاد میں سے تھے ان کی پیدائش ۲۷۴ھ / ۸۷۳ء = ۲۶۰ھ میں بصرہ میں ہوئی۔

Marfat.com

کہ نبی پر فرشتہ اترتا ہے اور ولی پر الہام ہوتا ہے فرشتہ نہیں اترتا۔

حضرت نے فرمایا: دوسرے فریق کا قول صحیح ہے کہ عورتوں میں سے کوئی عورت نبی نہیں ہوئی اور نہ ہی اللہ نے عورتوں میں سے کسی کو نبی بنایا۔ مریم نبی نہ تھیں صدیقہ اور ولیہ کاملہ تھیں۔ اگرچہ نبوت اور ولایت میں یہ بات مشترک ہے کہ ہر ایک انوار الٰہی میں سے نور ہے اور سر ہے اسرار الٰہیہ میں سے مگر دونوں کے نور میں بہت فرق ہے اور اس فرق کی حقیقت کا علم کشف ہی سے ہو سکتا ہے مگر نور نبوت اصلی ہے ذاتی ہے حقیقی ہے اور ذات نبی کے ساتھ اصل خلقت میں پیدا ہوتا ہے۔ اسی لیے نبی ہر حالت میں معصوم ہوتا ہے اور نور ولایت ایسا نہیں ہوتا کیونکہ صاحب فتح انسان جب کسی ایسے انسان کو دیکھتا ہے جو آئندہ ولی ہونے والا ہو تو وہ اسے باقی لوگوں کی طرح نور سے خالی دیکھتا ہے لیکن اگر وہ کسی ایسے شخص کو دیکھ لے جو آئندہ نبی ہونے والا ہے تو وہ اس کی ذات میں پہلے ہی سے نور نبوت دیکھتا ہے اور ذات نبی کی طبیعت میں وہ سات اجزاء نبوت فطری طور پر موجود پاتا ہے جن کا تذکرہ حدیث اُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ میں کیا جا چکا ہے لہٰذا نور نبوت کا مالک طبعی طور پر حق گو ہوتا ہے خواہ حق کتنا ہی تلخ کیوں نہ ہو، نیز صابر ہوتا ہے اور اسے صبر کرنے میں کوئی دکھ اور تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ رحیم کامل ہوتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی اس قدر معرفت ہوتی ہے جتنی کہ ہونی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ سے اسے خوف تام ہوتا ہے کہ خوف باطنی کے ساتھ خوف ظاہری ملا ہو تاکہ ہر حالت میں یہ خوف قائم رہے۔ باطل سے ہمیشہ بغض رکھتا ہے اور کامل عفو بھی اس کی فطرت میں ہوتا ہے تاکہ جو اس سے قطع تعلق کرے یہ اس سے جوڑے اور جو نقصان پہنچائے یہ اسے نفع پہنچائے۔ یہ نبوت کی خصوصیات اور وہ سات اجزا ہیں جو نبی کی فطرت میں شامل ہوتے ہیں فتح سے پہلے بھی اور بعد بھی۔

مگر ولی کی ذات فتح سے پہلے دیگر انسانوں کی طرح ہوتی ہے اور اس میں کوئی زائد بات نہیں ہوتی۔ البتہ جب اسے فتح نصیب ہوتی ہے تو یہ انوار اس میں آجاتے ہیں لہٰذا اس کے انوار عارضی ہوئے۔ اسی لیے فتح سے پہلے اور بعد بھی ولی معصوم نہیں ہوتا۔

یہ فرق جو بیان کیا جاتا ہے کہ ولی پر فرشتہ کا نزول نہیں ہوتا اور نبی پر ہوتا ہے، درست نہیں ہے کیونکہ جس کو حق تعالیٰ فتح نصیب کرتا ہے، خواہ وہ نبی ہو خواہ ولی۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ فرشتوں کو اپنی اصلی صورت میں دیکھے اور ان سے گفتگو کرے۔ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ ولی فرشتوں کو نہ دیکھتا ہے نہ ان سے بات کرتا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان لوگوں کو حق تعالیٰ نے فتح نصیب نہیں کی۔

مولف کہتا ہے کہ حاتمی نے بھی فتوحات مکیہ باب ۳۶۴ میں یہی لکھا ہے کہ ہماری جماعت کے بعض لوگوں نے جن میں ابو حامد امام غزالی بھی ہیں، یہ فرق بیان کرنے میں غلطی کھائی ہے کہ نبی پر فرشتہ اترتا ہے اور ولی کو الہام ہوتا مگر فرشتہ نہیں اترتا۔ حالانکہ صحیح بات یہ ہے (کہ فرشتہ تو دونوں پر اترتا ہے) مگر فرق اس حکم میں ہوتا ہے جو فرشتہ

Marfat.com

لے کر اترے چنانچہ ولی پر فرشتہ اترتا ہے تو اسے (نبی کی) تابعداری کا حکم دیتا ہے اور بعض اوقات فرشتہ اس حدیث کے صحیح ہونے کی اطلاع دیتا ہے جسے علماء نے ضعیف قرار دیا ہو۔ کبھی فرشتہ اللہ کی طرف سے بشارت لے کر آتا ہے کہ وہ اہل سعادت اور اہل امان میں سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ (ان کو خوشخبری سنائی جاتی ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی) ان لوگوں کی غلطی کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے حق تعالیٰ کے طریق سلوک کا قیاس اپنے سلوک پر کر لیا۔ اور چونکہ ان پر فرشتہ نازل نہیں ہوا اس لیے انہوں نے خیال کر لیا کہ کسی اور ولی پر بھی فرشتہ نہیں اترا اور نہ ہی اترا کرتا ہے، اگر یہ لوگ کسی معتبر آدمی سے سن لیتے کہ فرشتہ ولی پر اترا ہے تو اپنے قول سے رجوع کر لیتے اس لیے کہ یہ لوگ اولیاء کی کرامات کو حق سمجھتے ہیں چنانچہ ایک جماعت نے اس قول کی طرف رجوع کیا ہے جس کے خلاف وہ پہلے ڈٹے ہوئے تھے۔"

جب آپ کو شیخ کی بات سمجھ آ گئی کہ ولی اور نبی میں کیا فرق ہے تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ جس فرق کو حاتمی درست سمجھے ہوئے ہیں وہ درست نہیں ہے کیونکہ اس کا ماحصل یہ ہے کہ ولی پر امر و نہی کے احکام لے کر فرشتہ نہیں آتا اور نبی پر آتا ہے اور یہ درست نہیں۔ اس لئے کہ ولی پر بھی فرشتہ امر و نہی کے احکام لے کر آتا ہے اس سے یہ لازم نہیں کہ وہ صاحب شریعت ہی ہو جیسا کہ مریم کے قصہ میں کیونکہ فرشتہ امر لے کر آیا حالانکہ وہ نبیہ نہیں ہے جیسا کہ ذکر ہو چکا۔ جو کچھ ہم نے حضرت سے اس بارے میں سنا اگر ہم اس کا افشا کریں تو یہ طالبین کے لیے نشانی اور رغبت کرنے والوں کے لیے سہارا ہو گا مگر یہ ایک راز ہے جس کا افشاء کرنا روا نہیں۔

اہل فتح کو کن باتوں کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

مگر میں یہاں شیخ کے علوم میں سے دو باتیں ذکر کر دینا چاہتا ہوں۔

(۱) وہ چند چیزیں جن کا مشاہدہ اہل فتح کیا کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ مقام اول میں جن امور کا مشاہدہ ہوتا ہے وہ یہ ہیں۔ (۱) بندوں کے افعال جن کو وہ خلوت میں کرتے ہیں (۲) ساتوں زمین اور ساتوں آسمان کا مشاہدہ (۳) اس آگ کا مشاہدہ جو پانچویں زمین میں ہے اور اس کے علاوہ ان تمام اشیاء کا مشاہدہ جو زمین اور آسمان میں ہیں۔ اور فرمایا یہ آگ برزخ کی آگ ہے اس لیے کہ برزخ ساتویں آسمان سے لے کر ساتویں زمین تک پھیلا ہوا ہے اور روحیں اپنے اجسام سے نکلنے کے بعد اپنے اپنے درجہ کے مطابق اسی برزخ میں رہتی ہیں اور اہل شقاوت کی روحیں اس آگ میں رہتی ہیں اس کی شکل تنگ مکانات مثلاً کنووں غاروں اور گھونسلوں کی سی ہے یہاں کے رہنے والے ہمیشہ کبھی نیچے کبھی اوپر ہوتے رہتے ہیں کہ اوپر آ کر تم سے ایک بات کہے گا اور ابھی پوری کرنے نہ پائیگا کہ اپنے گڑھے میں گر جائے گا اور فرمایا یہ آگ جہنم کی آگ نہیں اس لیے کہ جہنم کی آگ ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کے دائرہ سے باہر ہے اور اسی طرح جنت بھی۔ ۱۵۲

(۲) ساتوں زمینوں کے باہمی اشتباک اور ان میں جو مخلوقات آباد ہے، ان کا مشاہدہ کہ ایک زمین سے دوسری تک کیسے نکلیں گے اور ہر زمین کا مابہ الامتیاز کیا ہے جو دوسری میں نہیں پایا جاتا۔

Marfat.com

۵ - ساتوں آسمانوں کے باہمی اشتباک کا مشاہدہ کہ ایک دوسرے سے کس طرح ملا ہے۔ اور آپس میں ان کی کیا نسبت ہے اور ان میں ستارے کس طرح رکھے گئے ہیں۔

۶ - شیاطین کا مشاہدہ کہ ان کے توالد و تناسل کی کیا صورت ہے۔

۷ - جنات کا مشاہدہ اور یہ کہ وہ کہاں رہتے ہیں۔

۸ - شمس و قمر اور ستاروں کی رفتار اور ان خوفناک آوازوں کا مشاہدہ جو فوراً ہلاک کر دیں مثلاً صاعقہ کیونکہ یہ ہمیشہ ان کے کانوں میں پڑتی رہتی ہیں اور صاحبِ فتح کو چاہیئے کہ وہ ان مشاہدات کو بڑی چیز نہ سمجھے بلکہ معمولی سمجھے ورنہ یہیں ٹھہر جائے گا بلکہ وہ رجعت قہقری کرنے لگے گا اس لیے کہ فتح کے زمانہ میں طبیعت شفاف ہوتی ہے اور وہ جس چیز کو اچھا سمجھتی ہے اس کے بارنگ اسے دیکھ لیتی ہے اور یہ تمام چیزیں جن کا مشاہدہ ہوتا ہے چونکہ ظلمت اور تاریکیاں ہیں اس لیے ان میں اگر کہیں بھی ٹھہر گیا تو تاریکیوں میں ٹھہرا اور اللہ سے تعلق منقطع ہو جائے گا۔ اسی لیے تو وہ ولی جنہیں فتح حاصل نہیں ہوتی بڑے محفوظ مقام میں ہوتے ہیں اور مفتوح علیہ انتہائی خطرے میں ہوتا ہے ہاں مگر جنہیں اللہ محفوظ رکھے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں طبیعت انسانی فتح سے پہلے اللہ سے غافل ہو کر درہم و دینار اور عورتوں کا تو ذکر ہی کیا، بادام، منقّی اور چنے کے دانہ پر فریفتہ اور مشغول ہو جاتی ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ فتح کے بعد جب اسے عالم بالا و زیر کا مشاہدہ ہونے لگے اور پھر شیاطین ہر اس بات میں اس کی مدد کو تیار ہوں جس کی وہ خواہش کرے اور وہ فریفتہ نہ ہو۔ اللہ کی مدد کے بغیر کوئی بھی اس سے بچ نہیں سکتا۔

نیز فرمایا جو ولی ان مذکورہ بالا چیزوں سے کسی ایک چیز پر بھی ٹھہر گیا تو شیاطین ہر وقت اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوتے ہیں اور وہ یا جادوگر بن جاتے ہیں یا کاہن۔ خدا ہمیں اس سے بچائے۔ مگر جس پر اللہ کی رحمت ہو اسے اللہ اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس کے دل میں ایسا دلی شوق پیدا کرتا ہے جس سے وہ ان تمام پردوں کو پھاڑ دیتا ہے۔

دوسرے مقام کے مشاہدات

دوسرے مقام میں جو مشاہدات اسے حاصل ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔ جیسے مقام اول میں اسے امور ظلمانی اور فانی مشاہدہ کرائے گئے تھے۔ اسی طرح دوسرے مقام میں اسے انوار باقیہ کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے چنانچہ اسے عام فرشتے، محافظ فرشتے، دیوان اولیاء اور اُن اولیاء کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے جو آپ کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور آپ کے طرز پر چلتے ہیں۔ پھر حضرت موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کا مقام پھر حضرت ادریس اور ان کے ساتھیوں کا مقام پھر حضرت یوسف اور ان کے ساتھیوں کا مقام پھر تین قدیم رسولوں کا مقام جن میں سے کچھ حضرت ادریس سے پہلے اور کچھ بعد ہوئے اور جن کے نام لوگوں میں مشہور نہیں مشاہدہ کرائے جاتے ہیں۔ اگر مذکورہ بالا انبیاء کے مقامات کی تشریح کر دیں اور یہ بھی بیان کر دیں کہ فرشتوں کو اپنی اصل صورت میں کیسے دیکھا جاتا ہے تو سننے والا ایسی باتیں سنے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھیں۔ ان امور کے مشاہدہ کرنے والے کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ کہیں نہ ٹھہرے اور وجہ

Marfat.com

وہی ہے کہ اس کی طبیعت شفاف ہوتی ہے اور جب کسی مقام پر ٹھہر جاتی ہے تو اس کی طبیعت وہاں کے اسرار پی جاتی ہے چنانچہ مثلاً اگر مقامِ عیسیٰ پر ٹھہر گیا اور اسے پسند کر لیا تو انہی کے اسرار سے سیر ہوگا اور فوراً انہی کا مذہب اختیار کرے گا اور ملت اسلامیہ میں سے نکل جائے گا ۔ خدا بچائے ۔ صاحب فتح ہر وقت بڑے خطرے اور ہلاکت کے قریب ہوتا ہے جب تک مقام محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ نہ کرلے ۔ اس مقام کے مشاہدہ کر لینے کے بعد اسے ہر طرح کی راحت و سرور حاصل ہو جاتا ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ایک قوت ہے جو تمام مخلوقات میں سے آپ کے ساتھ خاص ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف کھینچ لیتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اعز المخلوقات اور افضل العالمین ہیں ۔ جب صاحب فتح مقام محمدی پر پہنچتا ہے تو اللہ کی طرف اس کی کشش بڑھ جاتی ہے اور وہ اللہ سے بے تعلق ہونے سے بچ جاتا ہے ۔ اس میں اور راز بھی ہیں جن کا علم اربابِ فتح کو ہوتا ہے ۔ خدا ہمیں ان میں سے بنائے اور ان کی برکت سے ہمیں محروم نہ کرے ۔

تیسرا مقام : اس مقام پر صاحب فتح مذکورہ بالا انوار میں تقدیر کے اسرار مشاہدہ کرتا ہے ۔ ۱۵۲

چوتھا مقام : چوتھے مقام میں اس نور کا مشاہدہ ہوتا ہے جس پر فعل الٰہی منبسط اور گھل مل گیا ہے جیسا کہ پانی میں زہر ۔ چنانچہ فعل بمنزلہ زہر کے ہے اور نور بمنزلہ پانی کے ہے ۔ اس مقام پر پہنچ کر بہت سے لوگوں کو دھوکا لگ جاتا ہے چنانچہ وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ نور نورِ الٰہی ہے حالانکہ وہ اس سے بدرجہا بلند و برتر ہے ۔

پانچواں مقام : پانچویں مقام میں فعل الٰہی کی اس نور سے علیحدگی کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ نور نور نظر آتا ہے اور فعل فعل ، اس وقت اپنی غلطی کو محسوس کرتا اور سمجھتا ہے کہ اس کا پہلا گمان غلط تھا ۔ ہم نے مقامات کے نام اور ان کے معانی کی تشریح اور تمام اقسام کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ ہماری غرض صاحبِ فتح کو چوکنا کرنا ہے ۔ جو بحمد اللہ حاصل ہو چکا ۔ مزید برآں ان کی تشریح میں وہ اسرار پائے جاتے ہیں جن کا ذکر صاحبِ فتح سے بالمشافہ کیا جا سکتا ہے ۔

۲۔ دوسری بات جس کا ذکر کرنا مناسب ہے یہ ہے کہ نبی اور ولی کے درمیان جو فرق ہے وہ تو معلوم ہو چکا اب ربانی اور فرشتہ میں فرق سو یہ ہے کہ فرشتہ کی ذات نورانی ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے عقل و حواس رکھ دیے ہیں ۔

میں نے حضرت کو فرماتے سنا کہ ہر فرشتہ کی ذات میں پانچ سر ہوتے ہیں ۔ ہر سر کا دایاں ، بایاں اور اوپر ہے [1] چنانچہ اوپر تو منہ ہیں اور ہر سر میں کل ترلیسٹھ منہ ہوئے اور ترلیسٹھ کو پانچ میں ضرب دینے سے ۳۱۵ منہ بنے اور ہر منہ میں کسی فرشتہ کی تین زبانیں ہوتی ہیں کسی کی پانچ اور کسی کی سات ۔ تین زبانوں کے اعتبار سے ضرب دینے سے کل زبانیں ۹۴۵ اور پانچ کے اعتبار سے ۱۵۷۵ اور سات کے اعتبار سے ضرب دینے سے ۲۲۰۵ زبانیں

---

[1] یہاں کچھ عبارت رہ گئی ہے جس سے معنی میں خلل پیدا ہو گیا ہے ۔

Marfat.com

ہوئیں چنانچہ جب کوئی فرشتہ کوئی کلمہ بھی منہ سے نکالتا ہے تو اس کی آواز ان تمام زبانوں سے نکلتی ہے۔ پاک ہے وہ خدا جو خلّاق عظیم ہے۔

لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ مزید طاقت سے صاحب فتح کی تائید نہ فرمائیں تو فرشتہ کی آواز سن کر اس کا دل پھٹ جائے اور اگر وہ فرشتہ کو اپنی اصل خلقت میں دیکھ لے تو خیال کر لو کہ کیا ہو جائے گا۔

جب یہ سن چکے تو اب سمجھ لو کہ فرشتہ کی ذات ایک صاف نور ہے جس میں عقل اور حواس مرکب ہیں تو اس کی مثال روح کی سی ہوئی کیونکہ وہ بھی نور سے پیدا ہوئی ہے اور اس میں عقل ہوتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی پہچان ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ طاقتیں بھی ہوتی ہیں جن کا ذکر روح کے سات اجزاء میں گذر چکا ہے اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ ساتوں علوم اس کے فطری ہیں جو اس کی اصل پیدائش میں شامل ہیں۔ پس یہی حال فرشتہ کا ہے کہ اسے شروع سے ہی فتح نصیب ہوتی ہے۔

مگر نبی کی ذات مٹی سے پیدا ہوئی ہوتی ہے اور اس مٹی کے جسم میں روح کو مع اس کے اسرار کے پوشیدہ کیا گیا ہوتا ہے اور مٹی کی فطرت حجاب کی مقتضی ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء پیدائش میں ہی نبی کی ذات کو نور نبوت سے تقویت دی ہوتی ہے اس لیے اس سے ظلمت زائل ہو جاتی ہے اور حجاب پتلا پڑ جاتا ہے اس نبی کی مثال اس شخص کی ہے جو ہمیشہ حق کا جلیس و ہمخواب ہو۔ اللہ کے قریب، حق کے قریب اس کی ہر حرکت و سکون بھی حق میں ہوتی ہے۔ اس کی خاموشی حق پر ہوگی اور گفتگو حق کے ساتھ اس کے تمام امور حق ہوتے ہیں یہاں تک کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ ایسی قوم میں پیدا ہوا ہو جس کی تربیت گمراہی پہ ہوئی ہو تب بھی محض اس حق کی وجہ سے جو اس کی ذات کے اندر ہے ان سے لڑے گا اور ان کی تمام حرکات و سکنات میں ان کی مخالفت کرے گا خواہ اس نے نہ شریعت کا نام سنا ہو اور نہ امر و نہی کا۔ فتح سے پہلے اور اپنی اصل پیدائش اور ابتدا میں ہر نبی کا یہی حال ہوتا ہے لیکن جب اسے فتح حاصل ہو جائے اور روح اور ذات کے درمیان حجاب کلیتہً زائل ہو جائے اور ہر وقت خدا کی حضوری میں رہنے لگے تب تو اس کے موجزن سمندر اور بحر بیکراں کا حال نہ پوچھ۔ اس وقت نہ کوئی فرشتہ اور نہ کوئی اور مخلوق اس کی طاقت رکھ سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲۔ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ (سورۃ انبیاء آیت ۸۷)

میں نے حضرت سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ (اور ذوالنون کو یاد کر و جب وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر چلے اور خیال کیا کہ ہم ان پر عذاب کرنے کی قدرت نہ رکھ سکیں گے) کیسے ہو سکتا ہے کہ ذوالنون (یونس علیہ السلام) یہ خیال کریں کہ اللہ تعالیٰ ان پر قدرت نہ رکھ سکیں گے اور یہ کہ وہ پروردگار کے احاطۂ قدرت سے نکل جائیں گے کیونکہ اس خیال کا آنا کمزور ترین موحد سے بھی بعید معلوم ہوتا ہے چہ جائیکہ نبی با مرسل سے۔

Marfat.com

حضرت نے فرمایا مُغَاضِبًا کے معنی "ان پر ناراض ہو کر" کے ہیں کیونکہ انہوں نے ان پر ایمان لانے اور ان کی اس اطاعت کو ترک کر دیا تھا جس میں ان کی ہدایت اور بہتری تھی حتیٰ کہ ان پر اللہ کا حکم اور عذاب اس قدر قریب آ گیا کہ دیکھنے والا بھی اسے دیکھ سکے اس لیے کہ عذاب ان کے گھروں کے اوپر آ چکا تھا چنانچہ جب حضرت یونس نے یہ دیکھا تو وہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی میں چلے گئے۔

رہا اللہ تعالیٰ کا فرمان فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْہِ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے یہ خیال کیا کہ ہم اسے اسی عذاب سے ہلاک نہ کریں گے جس سے ان لوگوں کو ہلاک کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انہوں نے عذاب کے علامات دیکھے تو اس خیال سے بھاگ نکلے کہ بچ جائیں گے اور وہ عذاب جو ان کی قوم پر آیا ہے ان پر نہ آئیگا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک شخص کو آگ نظر آوے کہ سامنے سے آ رہی ہے اور سب لوگ اس کی زد میں آ رہے ہیں یا پانی کا سیلاب دیکھے کہ اس کے سامنے جو آیا بچ نہ سکا تو وہ اس خیال سے بھاگے کہ بھاگ جانے سے وہ اس آگ اور سیلاب سے بچ نکلے گا۔ حضرت یونس کی یہی حالت تھی کیونکہ جب انہوں نے اپنی قوم پر عذاب اترتا ہوا دیکھا اور خیال کیا کہ اگر وہ ان کے ساتھ رہ جائیں گے تو ان پر بھی وہی عذاب نازل ہوگا جو ان پر نازل ہوا ہے اس لیے یہ خیال کرتے ہوئے کہ بھاگ جانے سے جو عذاب ان پر اترا ہے ان پر نہ اترے گا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک اور قسم کی قدرت دکھائی جو ان کے گمان میں بھی نہ تھی۔ جب انہوں نے یہ قدرت دیکھی تو تاریکیوں میں ہی پکار اٹھے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے۔ میں نے ہی اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انکی دعا قبول کی اور ان کو نجات دی۔ ان کے بعد یہ واقعہ نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے کرشمۂ قدرت بنا۔ توبہ کرنے والوں کے لیے نمونہ بنا۔ اور مصیبت زدہ لوگوں کے لیے تسلی کا سبب بنا اور سائلین کے لیے کشائش کا دروازہ کھلا کہ ارشاد ہوتا ہے نَجَّیْنٰہُ مِنَ الْغَمِّ وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ (ہم نے اسے غم سے نجات دی اور ہم مومنین کو اسی طرح نجات دیتے ہیں) لہٰذا حضرت یونس کا فرار اس خیال سے تھا کہ وہ اس عذاب سے بچ جائیں جو ان کی قوم پر نازل ہونے والا تھا۔ اس خیال سے نہ تھا کہ وہ خدا کی قدرت کو عاجز کر دیں گے اور اپنے آقا کے احاطہ سے باہر چلے جائیں گے۔

مؤلف کہتا ہے کہ یہ تفسیر بہترین تفسیر ہے جو اس آیت کے بارے میں بیان کی گئی کیونکہ مفسرین نے کئی وجوہ بیان کیے ہیں جن پر غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ حضرت کی بیان کردہ تفسیر ان سب سے بہتر ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳۔ وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ (سورہ انبیا آیت ۸۳)

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آیت وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ

Marfat.com

اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ (اور ایوب کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے رب کو پکار کر عرض کی خدایا میں تکلیف میں ہوں اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے) میں ضُرّ سے کیا مراد ہے اور اس کی تفسیر میں مفسرین نے حضرت ایوب کے بیمار ہونے کا جو ذکر کیا ہے درست ہے ؟ اسی طرح ان کی بیماری کی طویل مدت جو بیان کی جاتی ہے کیا وہ درست ہے ؟ اور حافظ ابن حجر نے جو کچھ اپنی کتاب فتح میں انبیاء کی احادیث دی ہیں ان کا بھی میں نے ذکر کیا۔ جو اس بیان کو پڑھنا چاہے حضرت ایوب علیہ السلام کے بیان میں پڑھ لے۔

حضرت نے فرمایا جو تکلیف حضرت ایوب علیہ السلام کو پہنچی وہ غیر اللہ کی طرف توجہ تھی اور انبیاء و مرسلین کے نزدیک سب سے بڑی تکلیف یہی ہے۔ اسی تکلیف کو دور کرنے کی درخواست حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے رب سے کی تھی۔ بدنی مرض کو دور کرنے کی دعا نہ کی تھی۔ کیونکہ یہ تو انہیں اللہ سے اور قریب کر رہی تھی۔ اور جو چیز آپ کو اپنے رب سے دور کر رہی تھی وہ غیر اللہ کی طرف توجہ اور اللہ سے قطع تعلق خواہ وہ ایک لمحہ کے لیے کیوں نہ ہو، کی تکلیف تھی۔ جس مرض کا ذکر مفسرین اور مورخین نے کیا ہے وہ قطعاً ہوا ہی نہیں۔ اور مدت مرض بھی صرف دو ماہ اور چند روز ہے۔ حضرت نے ان دنوں کی بھی تعیین کر دی لیکن مجھے بھول گئے کہ کتنے فرمائے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۴۔ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى

(سورہ طٰہٰ آیت ۱۲۴)

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آیت وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (جس نے میری یاد سے منہ موڑا، اس کی زندگی تنگ ہو گی اور قیامت کے دن اسے اندھا اٹھایا جائے گا) میں مَعِيْشَةً ضَنْكًا سے کیا مراد ہے ؟ کیونکہ اگر تنگ معیشت مراد لی جائے تو معاملہ مشکوک ہو جاتا ہے کیونکہ بہت سے کافر مالدار دیکھے گئے ہیں۔ ان کی معاش فراخ ہوتی ہے نہ کہ تنگ اور آیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ کے ذکر سے اعراض کرے گا اس کی زندگی تنگ ہو گی۔

حضرت نے فرمایا : ذات انسانی پر جو حالات آخرت میں پیش آئیں گے۔ ان کا اثر دنیا ہی میں عقلوں پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کافر جہنم میں ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ لہذا کوئی گھڑی بھی کافر پر ایسی نہیں گزرتی ہے کہ اس کے دل پر غم نہ طاری ہو کیونکہ اس کے دل پر وسوسے طاری رہتے ہیں اور وسوسوں سے غم کی تحریک ہوتی ہے جو اس کی زندگی کو مکدر کر دیتے ہیں۔ ادنیٰ ترین وسوسہ یہ ہے کہ اسے یہ خیال آئے کہ آیا میں صحیح مذہب پر ہوں یا نہیں اسی خیال کو اللہ کافروں کے دلوں پر ڈالتا ہے اور اسی سے ان کی زندگی تنگ ہوتی ہے۔ خواہ کس قدر مالدار اور بادشاہ ہی کیوں نہ ہوں۔ لہذا تنگی سے مراد دل کی تنگی ہے نہ کہ ہاتھ کی۔ اس لیے جس کے پاس وسیع دنیا ہو اور اسے معلوم ہو جائے کہ

Marfat.com

اسے آخر کار جہنم میں جانا ہے تو اس کی زندگی تنگ ہو گی۔

مؤلف کہتا ہے کہ شیخ نے نہایت خوب کہا۔ بیضاوی نے زندگی کی تنگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کی زندگی اس لیے تنگ ہو گی کہ اس کا سارا غم اور اس کی نگاہ ہر وقت دنیا کے سامان پر لگی ہو گی اور اس کے زیادہ چاہنے کا سخت حریص ہو گا اور اس میں کمی واقع ہونے سے ڈرتا ہو گا برخلاف مومن کے جو آخرت کا طالب ہوتا ہے۔

مؤلف کہتا ہے کہ ایک فقیہ نے مجھے بتایا کہ کفار نے اسے سات سال قید میں رکھا اور وہ اس تمام
۱۵ عرصہ میں ان سے مناظرہ کرتا رہا۔ میں ان کو مدت تک آزماتا رہا اور ان سے بہت گفتگو کی یہاں تک کہ مجھے معلوم ہو گیا کہ ان میں اکثر لوگ اپنے مذہب کے متعلق شک وشبہ میں ہیں۔ ان کے دل کی بیماری کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خارش کا مریض ہو جو کھجانے والے کی تلاش میں ہو لہٰذا جب انہیں کسی مسلمان طالبعلم کا پتہ چلتا تو دوڑ کر اس کے پاس جاتے۔ اس سے سوال اور بحث کرتے پھر اس کی معمولی سی گفتگو سے یہ کافر اس مسلمان کے جال میں پھنس جاتے۔ یہ تو ان کے متوسط درجہ کے لوگوں کا حال ہے۔ اب رہے ان کے بزرگ اور پادری اور ان کے اہل رائے سو کافی عرصہ تک ان کو آزمانے اور ان سے مناظرہ کرنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ان کو اپنی گمراہی کا پورا یقین ہے۔ وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ۔ فقیہ کہتا ہے کہ میں ان سے مناظرہ کرتا رہا حتیٰ کہ انہوں نے ذکر کیا کہ فلاں جگہ ان کا ایک عالم ہے کہ کُتب سابقہ کا علم چلتا چلتا اب اس تک پہنچا ہے۔ میں اس کے پاس گیا تو اسے بحر بیکراں پایا۔ اسے توراۃ۔ انجیل، زبور اور قرآن مجید کی آیات یاد تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث بھی یاد تھیں اور امرؤ القیس[1] کندی کے کچھ اشعار بھی یاد تھے۔ میں نے اس سے کہا میں تجھ سے ایک بات پوچھنے آیا ہوں جس نے مجھے سخت غمزدہ اور پریشان کر رکھا کہ نہ رات کو نیند ہے نہ دن کو قرار۔ کہا وہ کونسی بات ہے؟ میں نے کہا جب تک تو میں اسلامی ملک میں رہا میں یہی سنتا رہا کہ دین اسلام سچا دین ہے اور عیسائی مذہب باطل ہے لیکن جب سے تمہارے ملک میں آیا ہوں معاملہ برعکس ہو گیا ہے اور میں ہر جگہ یہی سنتا ہوں کہ عیسائی مذہب سچا مذہب ہے اور دینِ اسلام باطل ہے اور میں نے یوں ظاہر کیا کہ مجھے مذہب کے بارے میں شک پیدا ہو گیا ہے میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ عیسائیوں کا سب سے بڑا عالم کون ہے۔ سب نے بالاتفاق آپ کا نام لیا اور آپ کے سب سے زیادہ عالم ہونے اور سردار ہونے میں کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جاہل پر فرض کیا ہے کہ وہ عالم سے پوچھے لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ آپ بتائیں کہ آپ کے نزدیک حق بات کیا ہے تاکہ میں قیامت کے دن اللہ اور اپنے درمیان آپ کے جواب کو حجت بنا سکوں۔ میں جاہل ہوں اور

[1] امرؤ القیس کندی: زمانہ جاہلیت میں عربی زبان کا بلند پایہ شاعر۔ تقریباً ۵۴۰ء میں اس کی وفات انگورہ کے مقام پر ہوئی۔

Marfat.com

آپ عالم۔ اللہ تعالیٰ نے جاہل پر پوچھنا فرض کیا ہے اور عالم پر حق گوئی، اور اللہ کے واسطے مخلوق کی خیرخواہی میرے سوال کا اس پر بہت اثر ہوا اور وہ اپنا ماتھا ہتھیلی پر رکھ کر دیر تک خاموش رہا اور عیسائیوں کا ایک ہجوم اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ پھر اس نے اپنا سر اٹھایا اور میرے کان میں چپکے سے کہا اسلام کے سوا کوئی مذہب نہیں۔ یہی وہ حق مذہب ہے جس کے سوا کسی اور مذہب کو اللہ تعالیٰ قبول نہ کرے گا اور پیشتر اس کے کہ میرے جواب کا علم عیسائیوں کو ہو جائے، تو یہاں سے اٹھ کر چلا جا۔ اس کے بعد اس فقیہ نے ان مناظرات کا ذکر کیا جو اس نے یہود و نصاریٰ کے عالموں سے کیئے جن کا یہاں ذکر کرنا ہماری غرض سے باہر ہے۔ اور میرا مقصد صرف شیخ کے فرمان کی تائید کرنا تھا اور جو شخص یہود و نصاریٰ سے مناظرہ کرے گا اسے شیخ کے فرمودہ کا علم ہو جائے گا۔ میں نے بھی یہودی علماء سے بحث کی آخر کار مجھے علم ہو گیا کہ اسے اپنے باطل پر ہونے کا یقین ہے اور ہٹ دھرمی اور اپنی قوم میں رسوائی کے خوف کے سوا کوئی اور چیز اسے اسلام لانے سے مانع نہیں۔ یہ ایک طویل مناظرہ تھا جس میں ہمارے فقہاء اور قراء کی ایک جماعت نے شرکت کی اور یہودیوں کے ساتھ بھی کچھ یہودی آئے۔ اسی طرح میں نے ایک عیسائی سے گفتگو کی لیکن میں نے اس کے پاس کچھ بھی نہ پایا۔ اس بارے میں بہت سی حکایات پائی جاتی ہیں۔ جو ان کا مطالعہ کرنا چاہے وہ عبداللہ میورقی کی تحفۃ الاریب فی الرد علی اھل الصلیب کا مطالعہ کرے۔ عبداللہ میورقی[1] عیسائیوں کا عالم تھا جو مسلمان ہو گیا تھا۔ اسی طرح عبدالحق[2] اسلامی کی تالیفات دیکھیں۔ یہ ایک یہودی عالم تھے جو مسلمان ہو گئے تھے۔ اسی طرح نصاریٰ کے رد میں ابوالعباس[3] قرطبی کی تالیف ہے جس میں عجیب و غریب باتیں دی ہیں اور اس کی ضخامت بیس جزو کے قریب ہے۔ جو شخص ان باتوں کا مطالعہ کرے اور پھر اسے عیسائیوں اور یہودیوں سے ملنے کا اتفاق ہو تو اسے یقینی طور پر معلوم ہو جائے گا کہ ان کے دلوں میں شک کا مرض ہے اور اس بات کا یقین ہے کہ وہ گمراہی پر ہیں۔

۲۵ - وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَن رَّأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ (سورہ یوسف آیت ۲۴)

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آیت وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَن رَّأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ میں جو هَمَّ بِهَا فرمایا، اس سے کیا مراد ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کس بات کا ارادہ کیا تھا؟

فرمایا کہ انہوں نے زلیخا کو مارنے کا ارادہ کیا تھا۔ پھر میں نے جو کچھ مفسرین نے اس بارے میں بیان کیا ہے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے سختی سے اس کا انکار کیا اور فرمایا کہ پھر عصمت کہاں رہی ایک ولی کو جب فتح نصیب ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے بہتر تاریکیوں کی جڑیں نکال پھینکتا ہے جن میں بعض

[1] عبداللہ میورقی: عبداللہ بن عبداللہ الترجمان ان کی کتاب تحفۃ الاریب فی الرد علی اہل الصلیب نو بابوں میں لکھی گئی ہے۔ میورقی نے اسے ۸۲۳ھ = ۱۴۲۰ء میں مکمل کیا۔ اس وقت تونس کا حاکم ابوالعباس احمد تھا۔

[2] عبدالحق اسلامی: ان کا حال معلوم نہ ہو سکا [3] ابوالعباس قرطبی: ابوالعباس احمد بن مسعود القرطبی الخزرجی متوفی ۶۰۱ھ۔

Marfat.com

سے جھوٹ، بعض سے تکبّر، بعض سے ریاء بعض سے حب دنیا بعض سے شہوت ومحبّت زنا وغیرہ وغیرہ بری باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ حال ولی کا ہے نبی جس کی فطرت ہی عصمت پر بنی ہوتی ہے اور اسی پر اس کی تربیت ہوئی ہوتی ہے اس کا تو کیا ہی کہنا۔

پھر فرمایا کبھی ولی اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کی نگاہ میں محل شہوت (یعنی فرج) اور دوسری جگہ ایک جیسی ہوتی ہے یہاں تک کہ عورت کی فرج اور یہ پتھر۔ آپ کا اشارہ اس پتھر کی طرف تھا جو آپ کے سامنے پڑا تھا، ایک جیسے ہوتے ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ صاحبِ فتح سے اور تو اور عورت کے رحم کی چیزیں تک مخفی نہیں رہتیں۔ وہ اللہ کے اس نور سے دیکھتا ہے جس کے پاس شیطان پھٹک نہیں سکتا۔ اور جس کے ہوتے ہوئے کسی قسم کی تاریکی نہیں آتی۔ جب ولی کا یہ حال ہے تو نبی معصوم کی کیا کیفیت ہو گی۔ خدا ہمیں ان لوگوں میں سے بنائے جو نبوت کے حق کو سمجھتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۵۶

۲۶۔ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا (سورہ نساء آیت: ۶۴)

میں نے حضرت سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا (اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا) کیا یہ حضرت موسیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور بڑے بڑے صوفی مکالمہ کا جو ذکر کرتے ہیں حق ہے؟ مثلاً حضرت عارف باللہ ابوالحسن شاذلی حزب کبیر میں فرماتے ہیں ہمیں ایسا مشاہدہ عطا کیا گیا ہے جس کے ساتھ مکالمہ بھی ہے۔

فرمایا: شیخ ابوالحسن اور دیگر صوفیہ نے مکالمہ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے حق ہے، اس میں کوئی شک نہیں اور یہ آیت شریفہ کے خلاف بھی نہیں ہے اس لیے کہ آیت میں حصر نہیں پایا جاتا۔

پھر فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کی مفتوح علیہ پر رحمت ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس طریقے سے سنتا ہے جو خارقِ عادت ہوتا ہے چنانچہ وہ اسے بغیر حرف اور بغیر آواز کے سنتا ہے کہ نہ کسی کیفیت کا ادراک ہوتا ہے اور نہ کسی خاص جہت سے سماع ہوتا ہے بلکہ تمام جہات اور تمام اجزاء سے سنتا ہے اور جس طرح سماع کے لیے کوئی مخصوص جہت نہیں ہوتی اسی طرح کسی عضو کی بھی تخصیص نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اپنے تمام جواہر اور تمام اجزا سے سنتا ہے لہٰذا ہر جزو، ہر جوہر، ہر دانت ہر داڑھ سے سماع ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کا سارا جسم بمنزلہ کان کے بن جاتا ہے۔

اس کے بعد آپ نے بتایا کہ اہلِ فتح کے ہاں یہ سماع بھی اپنے اپنے مراتب کے مطابق مختلف ہوتا ہے جس کا ذکر کرنا مناسب نہیں۔ خدا ہمیں اس سے مستفیض کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

۲۷۔ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ (سورہ نساء آیت ۱۰۱)

میں نے حضرت ۔۔۔ آیت کے متعلق دریافت کیا وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔ اِنَّ الْكَافِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا (جب تم سفر کو جاؤ تو اگر تمہیں اس بات کا خطرہ ہو کہ کافر تمہیں تکلیف پہنچائیں گے تو کوئی حرج نہیں اگر تم نماز کو کم کر دو۔ بیشک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں) اور عرض کیا خوف کی حالت کی قید لگانے کی کیا وجہ ہے حالانکہ امن کی حالت میں بھی قصر جائز ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ یہ قید مفہوم مخالف کے خارج کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ اس بات کی تصریح کر دی جائے کہ خوف کی حالت میں قصر کر لینے میں کوئی حرج نہیں نیز اس بات کی تنبیہ کرنا ہے کہ خوف کی حالت کو بھی اس حکم میں شامل کر لو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام جب جہاد کے لیے جاتے تو اس خیال سے کہ کہیں یہ زندگی کا آخری وقت نہ ہو وہ اور بھی زیادہ عبادت کیا کرتے اور وہ ہر وقت عبادت میں لگے رہتے حتی کہ بعض صحابہ کا یہ حال تھا کہ دن کو جہاد کرتے اور رات بھر کھڑے رکوع و سجود میں لگے رہتے، لہذا جب وہ دشمن کے خلاف جہاد کی غرض سے نکلتے تو عبادت کم کر دینے کو کوتاہی اور سخت گناہ سمجھتے اس لیے کہ یہ آخرت کی تیاری کے منافی ہے اور ان کا خیال تھا کہ ایسی حالت میں زیادہ عبادت کرنا ہی ٹھیک ہے اور یہ خیال ان کے دلوں میں راسخ ہو چکا تھا لہذا جب اللہ تعالی نے اس خیال کو ان کے دلوں سے زائل کرنا چاہا تو حکم کو اسی حالت سے مقید کر کے اتارا جسے وہ عبادت کے منافی سمجھتے تھے۔ واللہ تعالی اعلم۔

فی الغنم السائمۃ زکوٰۃ

جب گفتگو چلتے چلتے مفہوم تک آئی تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان فی الْغَنَمِ السائمۃ زکوٰۃ (کھلی چرنے والی بکریوں میں زکوٰۃ ہے) کا مفہوم دریافت کیا۔

حضرت نے فرمایا مریض بکریاں جو چر نہ سکتی ہوں جب ان کی یہ حالت ہو جائے تو ان سے زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے اس لئے کہ ملکیت کی نعمت پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور جب بکریوں کی یہ حالت ہو جائے کہ ان کا کھانا اور چرنا بھی جاتا رہے تو ملکیت کی نعمت جس سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے نہیں رہتی کیونکہ ایسی حالت میں بالعموم ان کی موت اور ہلاکت واقع ہو جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہی ہے۔

میں نے عرض کیا کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سائمہ سے یہاں مراد وہ بکریاں ہیں جنہیں چارہ ڈالا جائے۔

حضرت نے فرمایا کہ جن کو چارہ ڈالا جائے وہ تو حدیث کے الفاظ میں ہی آجاتی ہیں اس لیے کہ وہ اپنی طبیعت کے اعتبار سے تو سائمہ ہیں۔ انہیں صرف چرنے سے روکا گیا ہے اگر انہیں اپنی طبیعت پر چھوڑ

Marfat.com

دیا جائے تو چرنے کے لیے نکل جائیں مگر مالک نے ان کو چارہ ڈالنے کا ذمہ لیا ہے اس طرح ملکیت کی نعمت تو ثابت ہوگئی۔

اس کے بعد میں نے مجتہدین میں اس کے مفہوم میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کے متعلق دریافت کیا کہ بعض نے مفہوم کا مطلق طور پر لحاظ رکھا ہے اور بعض نے اسے بالکل ہی مہمل قرار دیا ہے اور بعض نے اس میں فرق کیا ہے۔ جیسا کہ علم اصول میں مشہور ہے۔

حضرت نے فرمایا مفہوم کا حقیقی علم صرف اسی شخص کو ہو سکتا ہے جسے ان اسباب و اغراض کا علم ہو، جن کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بات کی قید لگا دی ہے اور اس کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن کا علم حاصل کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے احکام میں کچھ باتوں کی قید لگا دے اور اس کے بعد کہیں چلا جائے تو اس کی قیود کی مراد کے متعلق یقینی علم اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کا عندیہ معلوم ہو جائے۔ اور یہ اسی صورت میں معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر وہ زندہ ہو تو اسی سے خود پوچھا جائے اور وہ اپنی مراد کی تشریح کر دے۔ لیکن جب کسی نے اس کی زندگی میں اس سے پوچھا ہی نہ ہو تو اس کی مراد معلوم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر جنھوں نے مطلق طور پر مفہوم کو معتبر سمجھا ہے انھوں نے ان قیود کے ساتھ ایک طریقہ اختیار کر رکھا ہے اور یہ درست نہیں اس لیے قید لگانے کے مختلف اسباب ہوتے ہیں بعض حکم کی مخالفت کے مقتضی ہوتے ہیں اور بعض موافقت کے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جنہوں نے اصولیوں کے طرز پر فرق کیا ہے۔ چنانچہ جنھوں نے تعداد کو بالکل مہمل قرار دیا ہے اور مطلق طور پر شرط کا اعتبار کیا ہے اس نے تعداد کی قید یا شرط کی قید لگانے میں ایک ہی مسلک اختیار کیا ہے اور یہ ان اغراض کے منافی ہے جن کی وجہ سے یہ قید یا شرط لگائی گئی۔

حاصل یہ کہ شرعی تقییدات کا حقیقی علم صرف بڑے بڑے صاحبانِ کشف و فہم کو ہی حاصل ہوتا ہے جیسے ہمارے حضرت۔ کیونکہ میں نے فارغ التحصیل ہونے اور ان بحثوں پر جو بڑے بڑے اصولیوں نے مفہوم کے متعلق کی ہیں مثلاً امام الحرمین[۱] نے برہان میں اور امام ابو حامد نے المستصفیٰ میں اور امام ابو الولید[۲] باجی نے فصول میں اور ابیاری[۳] اور امام علی بن اسماعیل نے شرح برہان میں اور امام ابو عبد اللہ[۴]

---

[۱] امام الحرمین: ابو المعالی الجوینی نیشا پور کے مشہور فقیہ اور عالم۔ انہیں امام الحرمین اس لیے کہا جاتا ہے کہ انھوں نے مکہ اور مدینہ میں کئی سال درس دیا۔ علاؤالدین جوینی مولف تاریخ جہانکشا اور شمس الدین جوینی انہی کی اولاد میں سے تھے۔ ۴۷۸ھ (۱۰۸۵ء) میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کی کتاب کا پورا نام البرہان فی اصول الفقہ ہے۔

[۲] ابو الولید باجی: اندلس کا مشہور شاعر اور فقیہ ان کی وفات ۴۷۴ھ (۱۰۸۱ء) میں ہوئی۔ یہ ابن حزم کے معاصر تھے اور ان کے ساتھ ان کے بہت سے مناظرے ہوئے۔ ان کے متعلق ابن حزم کا قول تھا کہ قاضی عبد الوہاب کے بعد اصحاب مذہب مالکی میں ابو الولید الباجی کا

Marfat.com

بن الحاج العیدری[۱] نے شرح مستصفی میں مع اس بحث کے جس کا تذکرہ تاج الدین سبکی[۲] نے جمع الجوامع اور اس کی شروح اور حواشی وغیرہ میں کیا ہے پر احاطہ کر لینے کے بعد حضرت سے کئی بار گفتگو کی تو میں نے حضرت سے وہ باتیں سنیں جو اجتہاد سے بھی بڑھ کر ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ وہ ہر وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ خدا ہمیں آپ کی رضا و محبت عطا کرے اور ہمارا حشر آپ کی جماعت میں کرے آمین!

۲۸- فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّي (سورہ انعام آیت ۷۷)

میں نے حضرت سے اللہ تعالیٰ کے فرمان فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّي (جب رات چھا گئی تو ایک ستارہ دیکھا اور کہا یہ میرا رب ہے؟) کے متعلق دریافت کیا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا یہ کہنا اپنے لیے استدلال کی خاطر تھا اور اس لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات پر نظر ڈال کر حق تک پہنچ جائیں یا قوم کو خاموش اور لاجواب کرنے کی غرض سے استدلال تھا۔ کہ آپ نے پہلے ان کا دعویٰ بر سبیل تسلیم پیش کیا اور اس کے بعد اسے باطل کرنے کی طرف رجوع کیا کیونکہ مفسرین کا اس میں بڑا اختلاف ہے۔

فرمایا: اپنے نفس کے لیے استدلال تھا مگر عام لوگوں کی طرح کا استدلال نہ تھا اس لیے کہ انبیا علیہم السلام کا استدلال عام لوگوں کی طرح نہیں ہوتا۔ کیونکہ انہیں انتہا درجہ کی اللہ کی معرفت، کمال عبودیت، انتہائی خوف اور حد درجہ کا خشوع وخضوع نصیب ہوتا ہے جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کی فطرت میں حق کی معرفت اور حق کی طرف میلان پایا جاتا ہے۔ اس آیت میں حضرت ابراہیم کے استدلال کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ اپنے سر کی آنکھوں سے وہی کچھ دیکھ لیں جو کچھ کہ انہیں اپنے باطن اور بصیرت میں دکھائی دیتا تھا۔ انھیں اپنی بصیرت کے ذریعہ سے اللہ کی معرفت تامہ حاصل تھی۔ اب آپ یہ چاہتے تھے کہ آپ کی بصیرت تمام پردے پھاڑ کر بصارت تک پہنچ جائے۔ لہذا انھوں نے اپنی بصارت کے ساتھ اس موجودات میں اس چیز کی تلاش شروع کر دی جو بصیرت میں پہچانی ہوئی چیز کے مناسب ہو۔ اس لیے آپ نے ان روشن اجسام کی طرف نظر کی جن کا ذکر آیت میں آیا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۵

مثل کوئی نہ تھا۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں مثلاً الاستبغانی شرح الموطا۔ کتاب السراج فی علم الحجاج وغیرہ

۳ ابیاری۔ امام شمس الدین ابو الحسن علی بن اسمٰعیل الابیاری المالکی۔

حاشیہ صفحہ ہذا

۱ ابو عبداللہ بن الحاج العیدری۔ ابو عبداللہ محمد بن محمد الحاج العبدری الفاسی المالکی متوفی ۷۳۷ھ ان کی ایک تالیف کتاب البدع ہے (کشف الظنون: ۲: ۱۴۱) ایک اور تالیف مدخل الشرع الشریف علی المذاہب الاربعۃ ہے یہ کتاب انہوں نے ۷۳۲ھ میں لکھی (کشف الظنون: ۲: ۲۴۹)

۲ تاج الدین سبکی: تاج الدین عبدالوہاب بن علی السبکی الشافعی مشہور فقیہ گزرے ہیں ان کی وفات ۷۷۱ھ (۱۳۷۰ء) میں ہوئی ان کی کتاب جمع الجوامع اصول فقہ

Marfat.com

توانہیں دیکھا کہ وہ منزہ اور مقدس ذات کے مناسب نہیں ہیں۔ لہذا ان سب سے بیزار ہو کر اس ذات کی طرف گئے جسے وہ اپنی بصیرت میں پہچانتے تھے۔ اور وہ ذات وہ ہے جس نے تمام زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کیا۔ اس کی مثال محض سمجھانے کی غرض سے یوں سمجھو کہ ایک صاحب کشف ولی نے ۲۹ تاریخ کو ہی اپنی بصیرت سے چاند دیکھ لیا پھر اپنی نگاہ سے دیکھنے لگا تو نظر نہ آیا، پھر اسے وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر چاند دیکھنے لگا۔ اب جو شخص اس کے باطن سے واقف نہیں اگر اسے دیکھے گا تو خیال کرے گا کہ اور لوگوں کی طرح جو چاند کو تلاش کر رہے ہیں۔ اسے بھی چاند ہونے میں شک ہے۔ مگر جو شخص ان کے باطن کو جانتا ہوگا اسے یقین ہوگا کہ انہیں چاند ہونے کا پختہ یقین ہے اور وہ چاند کی تلاش ہمارے ساتھ صرف اس لیے کر رہے ہیں کہ آنکھوں سے بھی اس کا مشاہدہ کرلیں۔ برخلاف اور لوگوں کے کہ انھیں ظاہر اور باطن دونوں طرح سے چاند ہونے میں شک ہے۔ انبیا اور محجوبین کے استدلال میں یہی فرق ہے۔ لہذا ہم پر واجب ہے کہ ان کے استدلال کو اللہ کی معرفت سے ناواقفی اور شک سے پاک سمجھیں۔ نیز ہر اس چیز سے پاک سمجھیں جو اللہ کے متعلق علم ضروری کے منافی ہے جس کی وجہ وہ معصومیت ہے جو انبیا کا خاصہ ہے۔ اور معصومیت شک اور اللہ تعالیٰ کے متعلق ناواقفیت کے منافی ہے اس لیے کہ دونوں باتیں کفر کی قسمیں ہیں اور انبیاء علیہم السلام صغیرہ گناہوں سے بھی معصوم ہیں چہ جائیکہ کبیرہ گناہ اور پھر چہ جائیکہ کفر۔

مؤلف کہتا ہے یہ نہایت ہی معرفت کی بات ہے۔ مجھے حضرت سے متعدد بار ایسا واقعہ پیش آیا کہ ۲۹ تاریخ کی رات آپ ہمیں چاند ہونے کی اطلاع دے دیتے حالانکہ آپ اپنے گھر کی چھت کے نیچے یا مسجد میں یا کسی اور جگہ ہوتے ہم اسی طرح اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے کہ کوئی شخص آتا اور چاند ہونے کی خبر دیتا۔ بلکہ بارہا ایسا ہوا کہ ابھی سورج کی زردی باقی ہوتی کہ آپ ہمیں چاند ہونے کی خبر دیا کرتے پھر ہم درخواست کرتے کہ چاند دیکھنے چلیں۔ لیکن جب ہم چاند دیکھنے کے لیے نکلتے تو چاند کی باریکی اور ہماری بینائی کی کمزوری کی وجہ سے ہم میں سے کوئی بھی اسے نہ دیکھ سکتا۔ ہم کافی دیر تک دیکھتے رہتے مگر چاند نظر نہ آتا یہاں تک کہ کوئی ہم سے زیادہ تیز نظر شخص آتا اور وہ چاند کو دیکھتا اس کے بعد چاند ہونے کی خبر ہر طرف پھیل جاتی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ آپ مجھے فرماتے کہ آج کا دن ماہِ رمضان میں ہے حالانکہ لوگوں نے اس دن کا روزہ نہ رکھا ہوتا تھا، اس خیال سے کہ وہ شعبان کا آخری دن ہے۔ یا یہ کہ آج عید کا دن ہے اور لوگوں نے اس خیال سے روزہ رکھا ہوتا کہ رمضان کا آخری دن ہے یا یہ کہ آج عرفہ کا دن ہے اور اس دن لوگوں کے خیال کے مطابق آٹھویں تاریخ ہوتی۔ اس کے بعد ان مقامات سے جو ہم سے چار یا پانچ دن کی مسافت پر ہوتے بعینہٖ اسی طرح کی خبر آتی جس طرح کہ حضرت نے فرمایا ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

Marfat.com

۲۹- هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ ؁

(سورہ فتح آیت ۲۸)

میں نے حضرت سے اللہ تعالیٰ کے فرمان هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ ؁ خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کرے خواہ مشرکین برا ہی کیوں نہ منائیں) کے متعلق دریافت کیا کہ تمام ادیان پر غالب کرنے سے کیا مراد ہے؟ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ تمام ادیان کو منسوخ کرنے والا ہے یا مراد اس کی حجت و دلیل کے واضح ہونے سے ہے

حضرت نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پاک دین کو تمام ادیان پر ہر لحاظ سے غلبہ دیا ہے۔ خواہ اس لحاظ سے ہو کہ یہ ان کو منسوخ کرنے والا ہے، خواہ اس لحاظ سے کہ اس کے دلائل واضح ہیں یا اس لحاظ سے کہ دنیا میں اس کی کثرت ہے یہاں تک کہ اس کے مقابلہ میں دوسرے دین کالعدم ہیں۔ چنانچہ جس شخص کی بصیرت اللہ تعالیٰ نے کھول دی ہو اور سطح زمین کے آباد و غیر آباد مقامات کو دیکھا ہو تو وہ دیکھے گا کہ ہر مقام میں لوگ اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور وہ دین محمدی پر ہیں۔ زمین ان حضرات سے آباد ہے۔ چنانچہ وہ اس ملک میں بھی ہیں اور اس ملک میں بھی یعنی دار کفر میں بھی، غاروں میں بھی پہاڑوں اور میدانوں میں بھی، آباد اور غیر آباد زمینوں میں بھی۔

اس دین کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایک نور ہے جو اس کی پیروامت کو ارتداد اور رجوع الی الکفر سے روکتا ہے اور یہ صرف اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے محبوب ہیں لہذا آپ کے دین میں بہت سی ایسی خصلتیں جمع کردی ہیں جو سب کی سب ارتداد سے مانع ہیں۔

حضرت نے فرمایا، جو لوح محفوظ کو دیکھ لے اور اس میں رسولوں اور ان کی شریعتوں کو دیکھے جو لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں تو اسے شریعت محمدیہ کے دوام و بقا اور عدم ارتداد کا علم ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نور اور تاریکی کو پیدا کیا پھر بندوں اور امتوں کو پیدا کیا۔ پھر نور کے لیے دروازے رکھے جن میں سے نور ان کی ذات پر داخل ہو اور تاریکیوں کے لیے دروازے بھی رکھے جن میں سے تاریکیاں ان کی ذات میں داخل ہوں۔ اس کے بعد شریعتیں بنائیں اور رسول بھیجے تاکہ ان شریعتوں سے نور کے دروازے کھولے اور تاریکی کے دروازے بند ہوں اور یہ اوامر و نواہی ہیں۔ چنانچہ اوامر نور کے دروازے کھولتے ہیں اور نواہی تاریکی کے دروازے بند کرتے ہیں۔ اور نور کو کھولنے والے اوامر اور تاریکی کو بند کرنے والے نواہی سوائے شریعت محمدیہ کے کسی شریعت میں پورے پورے ذکر نہیں کیے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ شریعت تمام شریعتوں کے اوپر ہے اور آپ کی امت تمام امتوں کے اوپر ہے۔ اسی مطلب کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمودہ میں اشارہ فرمایا ہے کہ لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلَالَۃٍ ۔ میری امت کبھی بھی گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔

Marfat.com

حضرت نے فرمایا کہ جب صاحب فتح گذشتہ امتوں اور ان کی ان بستیوں کو جہاں وہ اپنے زمانوں میں بستے تھے، دیکھتا ہے تو اسے ان کی بستیوں کے اوپر سیاہ کہر کی شکل کی تاریکی دھوئیں کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ پھر یہ تاریکی[1] ان کے قریب ہوتی رہتی ہے اور وہ آہستہ آہستہ اپنے دین کو چھوڑتے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ ان پر آگرتی ہے اور ان کے اجسام اس سے سیر ہو جاتے ہیں اور امت اپنے دین سے نکل جاتی ہے۔ اور پھر کبھی بھی مذہب کی طرف راہ نہیں پاتی۔ مذہب اسلام کی باقی تمام مذاہب پر غالب آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

مؤلف کہتا ہے کہ انشاء اللہ ہم عنقریب الواب ظلمت کا کچھ حال بیان کریں گے اور وہ چیزیں بیان کریں گے جن میں عبرت حاصل کرنیوالوں کے لیے عبرت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۰۔ وَمِنْهُم مَّنْ عَاهَدَ اللهَ لَئِنْ آتَانَا مِن فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ

(سورہ توبہ آیت : ۷۵)

میں نے حضرت سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا وَمِنْهُم مَّنْ عَاهَدَ اللهَ لَئِنْ آتَانَا مِن فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ (ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے دیگا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور نیک بنیں گے) کیونکہ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت ثعلبہ بن حاطب کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے درخواست کی کہ آپ کثرت مال کے لیے دعا فرمائیں۔ اس پر آنحضرت نے فرمایا اے ثعلبہ[2] تھوڑا مال جس کا شکریہ ادا کر سکے اس کثیر مال سے بہتر ہے جس کا تو شکریہ ادا نہ کر سکے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار یہی درخواست کرتا رہا یہاں تک کہ کہا یا رسول اللہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں کثیر مال پر بھی شکریہ ادا کروں گا۔ اور عہد کیا کہ اگر اللہ اسے بہت سا مال دے تو وہ ضرور صدقہ وخیرات کریگا۔ اس پر آنحضرت نے اس کے لیے دعا کی اور اس کے جانور اس طرح بڑھے جس طرح کیڑے بڑھتے ہیں ثعلبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز باجماعت اور جمعہ ادا کیا کرتا تھا۔ لیکن جب اس کے جانوروں کی تعداد بڑھ گئی تو ان کو لے کر مدینہ سے باہر چلا گیا اور نماز با جماعت اس سے چھوٹ گئی لیکن جمعہ کے لیے حاضر ہوتا رہا اس کے بعد اس کے جانور اور بڑھ گئے یہاں تک کہ ان میں لگے رہنے کی وجہ سے وہ نماز جمعہ کے لیے بھی حاضر نہ ہو سکتا تھا۔

---

[1] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے کچھ عبارت رہ گئی ہے جس سے عبارت میں خلل پڑ گیا ہے۔

[2] ثعلبہ: ثعلبہ بن حاطب بن عمرو بن عبید۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے موقعہ پر انھیں معتب بن عوف کا بھائی بنایا تھا۔ بدر، اُحد کی جنگوں میں شریک ہوئے۔ قتادہ اور سعید بن جبیر کے قول کے مطابق یہی ہیں جنہوں نے صدقہ ادا نہ کیا تھا اور جن کے بارے میں ومنہم من عاہد اللہ کی آیت نازل ہوئی۔ ان کی وفات حضرت عمر یا عثمان کی خلافت میں ہوئی۔ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ان کا ذکر نہیں کیا۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ثعلبہ کہاں ہے؛ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کے جانور بہت زیادہ ہو گئے ہیں جن میں لگے رہنے کی وجہ سے وہ جماعت اور جمعہ کیلئے حاضر نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا وائے افسوس ثعلبہ پر۔ اس کے بعد آنحضرت نے زکوٰۃ لینے پر دو شخص مامور کئے اور لوگ خود زکوٰۃ لے کر ان کے پاس آتے اور وہ ثعلبہ کے پاس سے گزرے تو انہوں نے اس سے بھی زکوٰۃ کا مطالبہ کیا اور وہ رقعہ بھی پڑھا دیا جس میں زکوٰۃ اور فرائض کا ذکر تھا۔ ثعلبہ کہنے لگا یہ تو جزیہ ہوا یا جزیہ کی بہن۔ اس وقت تم چلے جاؤ میں سوچ لوں۔ اس پہ یہ آیت اتری تو ثعلبہ زکوٰۃ لیکر حاضر ہوا۔ آنحضرت نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہاری زکوٰۃ قبول کرنے سے منع کر دیا ہے۔ ثعلبہ آہ و زاری کرنے لگا۔ مگر آنحضرت نے فرمایا یہ تمہارا اپنا فعل ہے۔ میں نے تو تمہیں حکم دیا تھا مگر تو نے میری بات نہیں مانی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ زکوٰۃ لیکر ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا مگر انہوں نے بھی قبول نہ کی۔ پھر حضرت عمرؓ کے عہد میں ان کے پاس گیا انہوں نے بھی قبول نہ کی۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ثعلبہ مر گیا۔ حافظ سیوطی بیضاوی کے حاشیہ میں لکھتے ہیں، اس کی روایت ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ[1]، طبرانی اور بیہقی[2] نے شعب الایمان میں ابوامامہ[3] کی حدیث سے کی ہے۔ میں نے حضرت سے دریافت کیا، کیا یہ شخص صحابہ میں سے تھا اور کیا یہ قصہ درست ہے؟

حضرت نے فرمایا میں نے غور کیا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا جس سے ایسا گناہ سرزد ہوا ہو اور نہ ہی مجھے اس حکایت کا کہیں وجود نظر آیا۔[4]

---

(۱) ابن مردویہ: ابوبکر احمد بن موسیٰ بن مردویہ اصفہانی صاحب تفسیر و تاریخ۔ انہوں نے متخرج علی صحیح البخاری لکھی ۳۲۳ھ (۹۳۴ء) میں پیدا ہوئے اور ۴۱۶ھ (۱۰۲۵ء) میں وفات پائی۔ یہ بڑے عالی مرتبہ عالم اور عمدہ تصانیف والے ہیں۔

(۲) ابوامامہ: ابوامامہ دو صحابیوں کی کنیت ہے ایک اسعد بن زرارہ خزرجی انصاری کی ہے عقبہ اولیٰ اور ثانیہ میں موجود تھے۔ ہجرت کے نو ماہ بعد انہوں نے وفات پائی اور دوسرے صحابی ابوامامہ ریاس بن ثعلبہ ہیں یہ بدر کی جنگ میں اس لیے شریک نہیں ہو سکے تھے کہ ان کی والدہ بیمار تھی۔

(۳) ابوامامہ باہلی جن کا نام صدی بن عجلان ہے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔ یہ پہلے مصر میں رہے پھر حمص چلے گئے اور وہیں ۸۶ھ میں وفات پائی۔ یہ شام میں صحابہ میں آخری وفات پانے والے تھے۔ یہاں یہی مراد ہیں (استیعاب: ۶۳۸)

(۴) بیہقی: حافظ ابوبکر احمد بن حسین شافعی متوفی ۴۵۸ھ۔ ان کی شعب الایمان کا نام جامع المصنف ہے جس میں انہوں نے ایمان کو ستر سے زائد حصوں میں منقسم کیا ہے اور ادنیٰ ایمان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنا قرار دیا ہے۔

(۵) بغوی اور خازن (ج ۳ صفحہ ۱۲۰) نے آیت وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا کے تحت منافقین کا ذکر ہوئے بارہ منافقوں کا ذکر کیا ہے۔ جنہوں نے یہ مسجد ضرار تعمیر کی تھی ان منافقین میں ثعلبہ بن حاطب کا نام بھی دیا گیا ہے جس سے اشکال رفع ہو جاتا ہے کیونکہ جب ثعلبہ منافق ٹھہرا تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکی وفات کے بعد خلفا نے جو اس کی زکوٰۃ قبول نہیں کی تو اس کی وجہ ظاہر ہے بالخصوص جبکہ حضرت ابوبکر صدیق نے مانعین زکوٰۃ سے جنگ بھی کی اور ثعلبہ سے زکوٰۃ قبول نہیں کی۔ اس کی وجہ بھی اس کا نفاق تھا۔ لہذا ثعلبہ صحابی نہ ہوا اس سے حضرت عبد العزیز دباغ کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

Marfat.com

مؤلف کہتا ہے حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب الاصابہ فی الصحابہ میں اس حکایت کے انکار کی طرف اشارہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حکایت کسی ایسی سند سے مروی نہیں جس پر اعتبار کیا جائے۔ کتاب مذکور میں ثعلبہ کے حال میں دیکھ لیں۔ کیونکہ میں نے مفہوم ادا کیا ہے اور کتاب کا مطالعہ کیے مجھے کافی عرصہ گزر چکا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۱ - وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ الآیۃ (سورہ اعراف آیت ۱۷۲)

میں نے حضرت سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا واذ اخذ ربك من بنی آدم من ظهورهم ذریتهم الآیہ (اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولادوں کو نکالا اور انہیں خود ان کی اپنی ذات پر گواہ بنا کر پوچھا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ کہا کیوں نہیں! اور ہم گواہ ہیں اور یہ اقرار اس لیے لیا کہ) کہیں قیامت کے دن تم یہ نہ کہو کہ ہمیں تو اس کی خبر ہی نہیں تھی۔ یا یہ کہو کہ شرک تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا نے کیا اور ہم ان کی اولاد تھے جو ان کے بعد آئے تو کیا آپ اس فعل میں ہمیں ہلاک کیے دیتے ہیں جو اہل باطل نے کیا؟)

میں نے عرض کیا کیا یہ واقعہ عالم ارواح میں پیش آیا یا اس وقت جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا اور آپ کی اولاد کو آپ کی پشت میں سے نکالا اور اس میں عقل اور طاقت گویائی رکھ دی کہ انہوں نے یہ جواب دیا۔ یا اس آیت میں جو کچھ فرمایا ہے استعارۃً فرمایا ہے۔ کہ انسان کو دلائل کے ذریعہ اپنی وحدانیت کا علم اور عقل عطا فرمانا گویا اقرار لینا ہے اور انسان کا عقل و فہم سے بہرہ یاب ہونا گویا ربوبیت کا گواہ بننا ہے؟

فرمایا: یہ قصہ عالم ارواح کا قصہ ہے اور جب اللہ نے انھیں اپنے نفسوں پر گواہ بنانا چاہا تو اسرافیل کو حکم دیا اس نے صور پھونکا جس سے ارواح میں سخت ہل چل مچ گئی جیسے حشر کے دن قبروں سے اٹھتے وقت ہوگی بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پردہ دور کر دیا اور انھیں اپنا کلام قدیم سنایا۔ اس وقت روحیں اپنے انوار کی قوت وضعف کے مطابق الگ الگ ہوگئیں۔ چنانچہ بعض روحوں نے محبت سے جواب دیا اور یہ مومنین کی ارواح تھیں اور بعض نے مجبوری کے عالم میں جواب دیا اور یہ کافروں کی ارواح تھیں۔ پھر محبت سے جواب دینے والوں کے مراتب میں فرق تھا بعض کلام قدیم سنکر قوی و طاقتور ہو گئے اور بعض ضعیف اور بعض کلام قدیم سننے کی لذت پا کر خوشی سے جھومتے رہے اور بعض کے لیے اللہ نے اس کلام کو رحمت بنا دیا اور وہ اوروں کو مدد دینے لگا تاکہ اسے قوت آجائے۔ اس سے شیوخ و مریدین کے مراتب ظاہر ہوئے۔ اسی دن روحوں میں باہم تعارف ہوا۔[1] اس کے بعد تمام ارواح پر کلام قدیم کی ہیبت چھا گئی اور وہ اپنی اپنی جگہ برزخ میں اڑنے لگیں اور آرام لینے کی غرض سے

---

[1] جیسا کہ حدیث میں ہے کانت الارواح جنوداً مجندۃ فما تعارف منها ائتلف وما تناکر منها اختلف۔

Marfat.com

زمین کی طرف اترنے لگیں۔ لہٰذا ان کے اترنے کے اعتبار سے زمین کی بھی تین قسمیں ہو گئیں:-

۱- وہ جہاں گروہ در گروہ ہو کر صرف مومنین کی ارواح اتریں۔

۲- وہ جہاں صرف کفار کی روحیں اتریں۔

۳- وہ جہاں دونوں گروہوں کی روحیں اتریں۔

پہلی قسم جہاں صرف مومنین کی روحیں اتری تھیں وہ ایسے مقامات ہیں جہاں اہلِ ایمان و اہلِ عرفان رہیں گے اور وہاں کوئی کافر کبھی بھی آباد نہ ہوگا۔ برعکس دوسری قسم کے کہ وہاں صرف کافر ہی رہیں گے اور تیسری قسم میں دونوں گروہ رہیں گے۔ اور سب سے آخر اترنے والا وہی فریق ہوگا جس پر عالم ارواح میں نزول کا خاتمہ ہوا تھا۔ اگر آخر میں آنے والی سعادت مندوں کی روحیں ہونگی تو اہل ایمان سے ختم کیا جائے گا اور اگر معاملہ برعکس ہوگا تو اس کے اُلٹ یعنی کفار کے نزول پر خاتمہ ہوگا۔ اور بعض اوقات کسی مقام پر سعادتمندوں کی روحوں کے گروہ کا نزول ہوتا ہے۔ پھر بدبخت لوگوں کی روحوں کے گروہ کا پھر سعادت مندوں کی روحوں کا۔ پھر بدبختوں کی روحوں کا۔ اور سلسلہ اسی طرح چلا جاتا ہے کہ اترنا ختم ہو جاتا ہے۔

چنانچہ صاحب فتح جب کسی ایسے مقام کی طرف دیکھتا ہے جہاں آج کل مشرک بستے ہوں تو اسے علم ہو جاتا ہے کہ ان کے بعد اس مقام کو مومن آباد کریں گے یا نہیں۔ اس طرح کہ وہ روزِ الست میں ارواح کے زمین کی طرف اترنے کو دیکھتا ہے اس کے بعد ان روحوں کی طرف دیکھتا ہے جو موجودہ گروہ کے بعد اتریں گی۔ اگر بعد میں اترنے والی روحیں بھی کافروں ہی کی دکھائی دیں تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہاں مسلمان کبھی آباد نہ ہونگے اور اگر اس گروہ کے بعد کچھ سعادتمند روحیں اتریں تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ مقام عنقریب دار اسلام بن جائے گا۔

حضرت نے فرمایا کہ اس کا علم دو اور طریقوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ مشرک کی زمین کی طرف دیکھتا ہے اگر اسے یہ معلوم ہو کہ وہاں اہل فتح اور اہل ولایت کی تعداد بڑھ رہی ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ عنقریب دار اسلام بن جائیگا اور اگر دیکھنے کے بعد اسے معلوم ہو کہ اہل فتح یا اہل ولایت کا وہاں قطعاً وجود ہی نہیں پایا جاتا تو سمجھ جاتا ہے کہ اس بستی پر اللہ کا غضب ہے۔

مَیں نے عرض کیا کہ اگر مشرکوں کی زمین پر کسی کو فتح نصیب ہو جائے تو وہ کیا کرے؟

فرمایا رجال غیب اس کی مدد کریں گے اور وہ خود وہاں جا کر اسے علم ظاہر سکھائیں گے۔ اس لیے کہ اگر علم باطن کے ساتھ علم ظاہر نہ ہو تو شاذ و نادر ہی اس شخص کو فتح نصیب ہوتی ہے۔

ایک اور بار حضرت نے مجھے فرمایا کہ علم ظاہر کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے ننانوے ۹۹ سطریں آب زر سے لکھیں اور علم ظاہر ایسے جیسے کسی نے آخری سویں سطر سیاہی سے لکھی۔ اس کے باوجود اگر یہ سیاہ سطر ان مذکورہ بالا سونے سے لکھی ہوئی سطروں کے ساتھ نہ ہو تو اسے کچھ فائدہ نہ ہوگا بلکہ ایسے علم والا آدمی شاذ و نادر ہی بچ سکتا ہے۔

Marfat.com

ایک اور بار فرمایا کہ علم ظاہر کی مثال اس لالٹین کی ہے جو رات کو روشن ہو کیونکہ وہ رات کی تاریکی میں بہت کام آتی ہے اور علم باطن طلوع اور دوپہر کے وقت سورج کی روشنی کے پھیلنے کی طرح ہے۔ بعض اوقات اس قسم کے علم والا انسان کہہ اٹھتا ہے کہ اس لالٹین سے جو میرے پاس ہے کیا فائدہ مجھے اللہ تعالیٰ نے دن کو روشنی کے ساتھ اس سے مستغنی کر دیا ہے اس لیے وہ اس لالٹین کو بجھا دیتا ہے اور دن کی روشنی بھی اس سے جاتی رہتی ہے اور وہ رات کی تاریکیوں میں پھنس جاتا ہے لہٰذا اس کے دن کی روشنی کے قائم رہنے کی شرط یہی ہے کہ وہ لالٹین جو اس کے ہاتھ میں ہے نہ بجھے۔

حضرت نے فرمایا: بہت سے لوگ اسی دھوکہ میں پھسل گئے اور ان کے دن کی روشنی اس وقت تک واپس نہیں آسکتی جب تک وہ اس لالٹین کو لے کر دوبارہ روشن نہ کرے مگر اللہ تعالیٰ کسی کو توفیق بخشتا ہے کسی کو نہیں۔ دعا ہے کہ خدا ہمیں اس سے بچائے۔

اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ مشرکین کی بستی کو دیکھے اگر اسے وہاں مسجدیں آباد اور غیبی طور پر وہاں جماعت ہوتی دکھائی دیتی ہو تو سمجھ جاتا ہے کہ وہ بستی عنقریب مسلمانوں کے قبضہ میں آجائیگی اور اگر یہ دکھائی نہ دے تو سمجھ جاتا ہے کہ زمین کی قسمت میں تاریکی لکھی ہے۔

حضرت نے اس بارے میں کچھ حکایات بھی بیان کیں جنھیں ہم عنقریب بیان کریں گے، ان شاء اللہ: واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا انبیاء نبوت سے پہلے بھی معصوم ہوتے ہیں

میں نے حضرت سے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے واقعہ کے متعلق دریافت کیا۔ اس سوال کی وجہ یہ تھی کہ مجھ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا انبیاء نبوت سے پہلے بھی اسی طرح معصوم ہوتے ہیں جس طرح نبوت کے بعد اور کیا اس پر سب کا اتفاق ہے یا اختلاف پایا جاتا ہے اور کیا صغیرہ گناہ بھی جہاں تک عصمت انبیاء کا تعلق ہے کبیرہ گناہ کی طرح ہوتے ہیں یا نہیں۔

اگر آپ ہماری بات سمجھ گئے ہیں تو فرمایئے کہ ہمیں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے؛ کیا وہ نبی ہیں یا نہیں۔ اگر نبی ہیں تو جو فعل ان سے سرزد ہوئے ان کا کیا جواب ہے۔ میں نے اس سوال کو اپنی نوٹ بک میں درج کر لیا۔ اور اس کا جواب دینے کا ارادہ کر لیا۔ عصمت انبیاء کا جواب تو میں اس طرح دیتا جس طرح علم کلام کے عالموں نے دیا ہے مثلاً مصنف المواقف[1] نے اور یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے فعل کا جواب حافظ سیوطی کی کتاب دفع التعسف عن اخوۃ یوسف کی مدد سے دیتا اور میرا ارادہ تھا

[1] مواقف فی علم الکلام سید علامہ عضدالدین بن احمد الایجی القاضی کی تصنیف ہے جو انہوں نے سلطان محمد خدا بندہ کے وزیر غیاث الدین کے لیے لکھی۔ اس کتاب پر متعدد لوگوں نے شرح لکھیں جن میں سب سے زیادہ مشہور سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ کی شرح ہے۔

Marfat.com

کہ جواب میں اسی کا خلاصہ دے دوں۔ اس کے بعد حضرت نے میری نوٹ بک میں یہ سوال دیکھ لیا اور اپنے ہاتھ سے یہ جواب لکھا۔

الجواب واللہ الموافق للصواب: انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے اور بعد بھی معصوم ہوتے ہیں اور جو فعل یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے صادر ہوا اس میں وہ دراصل باطنی طور پر مامور تھے اور حکم اللہ کی طرف سے تھا اور اس پر ان کو جو عتاب ہوا وہ ظاہر کے اعتبار سے ہوا۔ اس لیے کہ غیب ایک راز ہے جو اللہ کے پاس ہوتا ہے۔ والسلام۔ اس کا کاتب احمد بن مبارک السلجماسی اللمطی ہے۔ آپ نے یہ جواب میری طرف اس لیے منسوب کیا کہ سوال مجھ سے کیا گیا تھا۔

حضرت نے فرمایا: اکثر عتاب جو انبیاء کو ہوئے اسی قسم کے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ باطن میں ایک کام کرنے کا حکم دیتا ہے، حالانکہ ظاہر میں ان کو اس کے خلاف کرنے کا حکم دیا گیا ہوتا ہے۔ تو بظاہر یہی ان کے گناہ ہوتے ہیں۔

میں نے عرض کیا جب یہ فعل اللہ کے باطنی حکم سے صادر ہوا پھر گناہ کیسا؟ اور عتاب کے کیا معنی؟ حالانکہ کرنے والے نے اللہ کے حکم سے یہ کام کیا ہے۔

حضرت نے فرمایا۔ یہ بات ٹھیک ہے لیکن جب ظاہر کو دیکھتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے مخالف پاتا ہے تو اس کی نگاہ اسے وہ کام گناہ دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک محض ظاہر کی مخالفت کا نام گناہ ہے۔

میں نے عرض کیا یہ تو ظاہر ہی ہے کہ وہ اسے گناہ خیال کرتا ہے۔ لیکن عتاب میں یہ بات ظاہر نہیں اس لیے کہ جس خدا نے اسے ظاہر کا حکم دیا ہے اسی نے باطن کا بھی حکم دیا ہے اور باطنی حکم کی حیثیت ظاہری حکم کو منسوخ کرنے یا اسے مخصوص کرنے والے حکم کی سی ہے۔ لہذا عتاب نہیں ہونا چاہیئے۔

فرمایا: وحی کا نزول انبیاء کے خواطر کا تابع ہوتا ہے لہذا جو خیال نبی کے دل پر وارد ہوگا اسی کے مطابق وحی نازل ہوگی۔ نبی کو جب اپنا فعل گناہ نظر آتا ہے تو وہ اپنے نفس کو اس پر عتاب کرتا ہے لہذا وحی بھی ویسی ہی نازل ہوتی ہے۔

حضرت نے فرمایا جو انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے خواطر کو معلوم کرنا چاہے تو اسے ان کتابوں کو دیکھنا چاہیے جو ان پر نازل ہوئیں کیونکہ یہ ان کے خواطر کے مطابق نازل ہوئیں۔ چنانچہ جہاں کتاب میں نصیحت کی گئی ہے تو اس کا نزول اس وقت ہوا ہے جب نبی کے دل میں مخلوق کو نصیحت کرنے کا خیال آیا اور جب کتاب میں کوئی خوشخبری دی گئی ہے اس کا نزول اس وقت ہوا ہے جبکہ نبی کے دل پر انبساط اور منافع امت کی محبت تھی۔ اور جہاں کتاب میں ڈرایا گیا ہے یا سخت وعید آیا ہے۔ اس کا نزول اس وقت ہوا ہے جس وقت نبی کے دل پر غصہ اور انقباض تھا۔ اسی سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ عصمت انبیاء کا ثمرہ کیا ہے اور یہ کہ ان کے تمام خواطر اور خیالات جو ان کے دل پر گزرتے ہیں حق اور خدا کی طرف سے ہوتے ہیں۔

Marfat.com

۳۲- وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ (الآیت) (سورہ احزاب آیت ۳۷)

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ (اے محمد تم لوگوں (کی باتوں) سے ڈرتے ہو حالانکہ تمہیں اللہ کی ناراضگی سے زیادہ ڈرنا چاہیئے) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عتاب کیا ہے حالانکہ وہ سید العارفین اور امام الانبیا والمرسلین ہیں۔

حضرت نے اس کا بھی وہی جواب دیا اور فرمایا کہ جب زید[1] نے آپ سے زینب[2] کو طلاق دینے کا مشورہ کیا تو آپ نے زید کو حکم دیا کہ زینب کو اپنے پاس رکھو اور اللہ سے ڈرو حالانکہ آپ کو علم تھا کہ حضرت زینب ان کے نکاح میں آجائیں گی مگر آپ نے اسے چھپائے رکھا اور بعد میں آپ نے اپنے نفس کو عتاب کیا اور دل میں کہا "لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو" چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن کے مطابق وحی کا نزول ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اسی عتاب کے طرز میں آپ کا واردِ قلبی ظاہر فرمادیا۔

پھر فرمایا جسے اللہ تعالیٰ نے فتح عطا کی ہو وہ جب کسی آسمانی کتاب پر غور کرتا ہے تو اسے اس میں کلام قدیم کا نور اور وہ نور نظر آتا ہے جو نزول وحی کے وقت نبی کی طبعی حالت کا تھا اور نبی کبھی قبض کی حالت میں ہوتا ہے تو جو آیت اترتی ہے اس میں کلام قدیم کا نور اور اس قبض کا نور ہوتا ہے جو نزول وحی کے وقت نبی پر طاری تھا اور کبھی بسط کی حالت میں ہوتا ہے تو اس وقت جو آیت اترتی ہے اس میں کلام قدیم کا نور اور بسط کا نور بھی ہوتا ہے مگر پہلا نور قدیم اور دوسرا نور حادث ہے اور کبھی نبی تواضع کی حالت میں ہوتا ہے تو اس وقت جو وحی نازل ہوگی اس میں کلام قدیم کا نور اور تواضع کا نور ہوگا۔ اسی طرح ہر آیت میں طبیعت نبوی کا کوئی نہ کوئی جزو ضرور ہوگا۔ یہی حال آیت وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ کا ہے کہ اس میں کلام قدیم کا نور اور اس کے نزول کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کا نور ہے اور یہی عتاب کا نور ہے لہذا کلام قدیم اللہ کی طرف سے امت کی طرف آیا اور عتاب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے، خدا کی طرف سے نہیں۔

حضرت نے فرمایا: جب اہل فتح آپس میں کسی آیت کی تفسیر کرتے ہیں تو ان کا زیادہ تر اہتمام اسباب نزول

---

[1] زید: زید بن حارثہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنیٰ اور آزاد کردہ غلام تھے جن سے حضرت زینب کی پہلی شادی ہوئی تھی۔

[2] زینب: زینب بنت جحش یہ امہات المومنین میں سے تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ۳ھ یا ۵ھ میں شادی کی۔ یہ پہلے زید بن حارثہ کے عقد میں تھیں۔ ان کے طلاق دینے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آگئیں۔ ان کی وفات ۲۰ھ = ۶۴۰ء میں ہوئی۔ آنحضرت کی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد امہات المومنین میں سب سے پہلے ان کی وفات ہوئی۔

Marfat.com

کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسباب نزول سے مراد وہ اسباب نہیں جو ظاہری علم میں پائے جاتے ہیں، بلکہ وہ احوال والوار مراد ہوتے ہیں جو آیت کے نزول کے وقت ذاتِ نبی پر وارد ہوئے ہوتے ہیں لہذا ان اصحاب فتح سے وہ وہ باتیں سننے میں آتی ہیں جن کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی اس لیے کہ وہ ان سمندروں میں غوطہ زن ہوتے ہیں جو آنحضرت کے باطن میں ہوتے ہیں یعنی آدمیت، قبض، بسط، نبوت، روح، رسالت اور علم کامل جن کا ذکر حدیث اِنَّ ھٰذَا القرآن اُنزِلَ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ کی تشریح میں ہو چکا۔

۳۳۔ عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْکَاذِبِیْنَ (سورہ توبہ آیت: ۴۳)

میں نے حضرت سے آیت عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْکَاذِبِیْنَ (خدا آپ کو معاف کرے آپ نے انہیں کیوں اجازت دے دی (آپ کو اجازت نہ دینا چاہیئے تھا) تاکہ سچے اور جھوٹے کا آپ کو پتہ چل جاتا)

حضرت نے اس کا جواب بھی قریب قریب دہی دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ معاف کریں، اچھی طرح سے درگزر کریں اور لوگوں سے معاشرت اور مدافعت باحسن طریق کریں۔ یہاں تک کہ یہ بھی فرمادیا وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ فَاعْفُ عَنْھُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَھُمْ وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ (سورہ آل عمران آیت: ۱۵۹) (اے محمد اگر آپ بداخلاق اور سنگ دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے بھاگ گئے ہوتے لہذا آپ انہیں معاف کرتے رہیں۔ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہیں اور ان سے معاملات میں مشورہ لیا کریں) چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لوگوں سے یہی عادت رہی۔ لہذا جب منافقین آپ کے پاس سفر میں نہ نکلنے کی اجازت چاہنے کے لیے آئے اور انہوں نے اپنا عذر پیش کیا تو باوجودیکہ آپ کو ان کی منافقت کا علم تھا اس رحمت کی وجہ سے جو آپ کی ذات میں پائی جاتی تھی اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے احسن طریق پر معاشرت کرنے کا حکم کئی آیات میں دیا تھا۔ آپ نے ان کو مدینہ رہنے کی اجازت دے دی۔ اور ان کے ساتھ ظاہری مسلک اختیار کیا لیکن اس کے بعد آپ کے دل میں خیال آیا کہ ایسی آیت نازل ہو جو ان کا کھوٹ ظاہر کردے آپ نے خود ان کا کھوٹ اس لیے ظاہر نہیں کیا کہ آپ میں رحمت کا مادہ پایا جاتا تھا۔ اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (فاعف عنھم کہ ان سے درگذر کرو) مدنظر تھا۔ اس لیے اس حیا کی وجہ سے جو آپ میں پایا جاتا تھا جیسے آیت اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْکُمْ وَاللّٰہُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ (اس بات سے رسول کو تکلیف ہوتی ہے لیکن وہ تمہیں شرم کے مارے نہیں کہتے لیکن اللہ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا (سورہ احزاب آیت ۵۳) میں تو آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ان کی رسوائی ہو تو اللہ کی طرف سے ہو اس لیے آپ نے چاہا کہ جو آیت نازل ہو وہ اس طرز پر نازل ہو کہ خود آپ کو عتاب

Marfat.com

کیا جا رہا ہے تاکہ اس میں تہمت کا شائبہ نہ ہو اور اس میں خالص خیر خواہی بھی پائی جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دوبارہ منافقت کرنے سے زور دار تنبیہ بھی کر دی جائے اس لیے کہ اللہ ہی تو منافقوں کے خلاف آپ کے ضامن، جھگڑنے والے اور دلیل پیش کرنے والے ہیں اسی لیے اس عتاب کی صورت میں کئی مصلحتیں مضمر تھیں ورنہ درحقیقت کوئی عتاب نہ تھا۔ صرف بات اتنی تھی کہ اس جھگڑے میں حبیب اپنے محبوب کی طرف سے نیابت کر رہا ہے۔

آنحضرت کو منافقین کا علم تھا

حضرت نے فرمایا ایسا خیال نہ رکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عذر پیش کرنے والوں میں سے سچے اور جھوٹے کا علم نہ تھا۔ آپ پر یہ بات کیسے چھپی رہ سکتی تھی جب کہ اس زمانہ میں بھی صاحب فتح آدمی کو اس زمانہ کے سچے اور جھوٹے لوگوں کا علم ہے اور تمام اہل فتح کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو کچھ انہیں حاصل ہوا ہے وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی بدولت حاصل ہوا ہے چنانچہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور میں سے صرف بال برابر نور عطا کیا گیا ہے۔ اِنَّ ھٰذا القرآن انزل علیٰ سبعۃ احرف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی کیفیت بیان کی جا چکی ہے۔

مؤلف کہتا ہے جن لوگوں نے مفسرین کے کلام پر غور کیا ہے انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس آیت کے متعلق حضرت کا بیان نہایت ہی عمدہ ہے۔ چنانچہ بیضاوی، خدا انہیں اور ہمیں بھی معاف کرے لکھتے ہیں عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو اجازت دے کر غلطی کی کیونکہ معافی ہمیشہ غلطی کے بعد ہوتی ہے۔

شیخ الاسلام زکریا[1] بیضاوی کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ بیضاوی نے زمخشری[2] کی پیروی کی ہے اور زمخشری کے متعلق علامہ طیبی[3]

---

[1] شیخ الاسلام زکریا: شیخ الاسلام قاضی زین الدین زکریا بن محمد انصاری: ان کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ شیخ الاسلام زکریا انصاری فقہ اور طریقت دونوں کے رکن تھے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ انہوں نے بھی بخاری کی شرح کی ہے ۹۲۶ھ = ۱۵۱۹ء میں ان کی وفات ہوئی یہ بہت بڑے زاہد و عابد تھے۔ کشف الظنون میں ان کی تاریخ وفات ایک جگہ ۹۱۰ھ دی ہے مگر دوسری جگہ ۹۲۶ھ دی ہے۔

[2] زمخشری ابو القاسم محمود بن عمر زمخشری جو جار اللہ کے لقب سے مشہور ہیں فقیہہ، نحوی اور لغت دان تھے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں ایک قرآن مجید کی تفسیر میں ہے جس کا نام الکشاف ہے۔ ان کی پیدائش زمخشر میں ۴۶۷ھ = ۱۰۷۴ء میں ہوئی اور وفات ۵۳۸ھ = ۱۱۴۳ء میں ہوئی۔

[3] طیبی: شرف الدین حسن بن محمد طیبی عراقی جنہوں نے کشاف پر حاشیہ لکھا۔ انہوں نے الفاظ میں زمخشری ہی کا تتبع کیا ہے مگر ساتھ مذہب معتزلہ کی زبردست دلائل سے تردید کرتے گئے ہیں اور ثابت کر کے دکھایا ہے کہ بلاغت قرآن کو اہل سنت نے ہی سمجھا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ فاضل مصنف نے تحقیق کا حق ادا کیا ہے پھر فن بلاغت کی نایاب بحثیں بھی اس میں شامل ہیں۔ اس حاشیہ کا نام فتوح الغیب فی الکشف عن قناع الریب رکھا ہے ان کی وفات ۷۴۳ھ = ۱۳۴۲ء میں ہوئی۔ فتوح الغیب چھ ضخیم جلدوں میں ہے مصنف کہتے ہیں کہ حاشیہ لکھنے سے پہلے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ مجھے دودھ کا پیالہ پکڑایا ہے اور مجھے پینے کو کہا چنانچہ میں نے کچھ پیا۔ پھر آنحضرت کی خدمت میں پیش کیا اور انہوں نے بھی پیا۔ (کشف الظنون: ۲: ۱۴۷۷)

Marfat.com

لکھتے ہیں زمخشری نے اس عبارت میں بڑی فحش غلطی کھائی ہے ۔ میں حیران ہوں کہ لطائف معانی کے نکالنے میں شہرہ آفاق ہوتے ہوئے ان سے کیسے بھول ہوگئی کہ اس قسم کے اشاروں میں یعنی عفو کا لفظ پہلے لانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مخاطب واجب تعظیم ہستی ہے ۔ حقیقت بھی یہی ہے ۔ اس لیے کہ اس قسم کے خطاب سے یہ لازم نہیں آتا کہ پہلے گناہ سرزد ہوچکا ہے بلکہ اس لفظ عفو کا شروع میں لانا تعظیم پر دلالت کرتا ہے جیسے تو کسی ایسے آدمی سے کہے جس کی تو تعظیم کرتا ہے "خدا آپ کو معاف کرے آپ نے میرے معاملہ میں کیا کیا" اور "خدا آپ سے راضی ہو میری بات کا کیا جواب ہے" اسی لیے تو تفتازانی[1] لکھتے ہیں زمخشری کے لیے مناسب نہ تھا کہ ایسی بری عبارت سے مضمون ادا کرتے جبکہ دیکھ رہے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنے رسول کے احترام کا کتنا لحاظ رکھا کہ عفو کو پہلے ذکر کیا اور پھر اذن کا ذکر کیا جو آپ کے بلند مرتبہ اور قوت نظر کی خبر دے رہا ہے اور کلام استفہام کی صورت میں لایا گیا اگرچہ مقصد یہی ہے کہ اجازت نہ دینی چاہیے تھی ۔ مزید براں بعض اوقات عفا اللہ عنک کا محاورہ اولیٰ اور افضل کے چھوڑنے پر بھی کہہ دیتے ہیں بلکہ کبھی تعظیم وتکریم کی غرض سے بھی کہہ دیتے ہیں ۔ مثلاً کہیں اللہ آپ کو معاف کرے میرے معاملہ میں آپ نے کیا کیا ۔

نیز علامہ سیوطی نے بیضاوی کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ بیضاوی نے اس بری عبارت کے لکھنے میں حالانکہ صاحب انتصاف[2] کہتا ہے کہ دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے ، یا تو یہ معنی جو بیضاوی نے بیان کیے مراد نہیں ہیں ۔ تو یہ اس کی غلطی ہے ۔ یا یہی معنی مراد ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور آپ کی قدر کو بلند رکھتے ہوئے کنایہ کا استعمال کیا مگر بیضاوی نے کھلے الفاظ میں اس کا اظہار کر دیا ۔ بیضاوی نے بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آداب خداوندی کا لحاظ کیوں نہ رکھا ۔ ... کے ... انتصاف ... نف سے طیبی اور تفتازانی کی عبارت نقل کی ہے اور پھر لکھا ہے کہ قاضی عیاض شفاء میں لکھتے ہیں عفا اللہ عنک کا محاورہ کلام شروع کرنے کے لیے آتا ہے ۔ جس طرح کہتے ہیں اَصْلَحَكَ اللّٰهُ و اَعَزَّكَ اللّٰه

صدر حسن بن محمد بن صالح نابلسی نے اس موضوع پر زمخشری کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے ، جس کا نام جَنَّةُ النَّاظِر وَجُنَّةُ الْمُنَاظِر فی الانتصار لابی القاسم الطاہر ہے ۔ اسی نکتہ اور اس قسم کے دیگر نکات کی وجہ سے دین دار اور پرہیزگار لوگوں نے کشاف کے مطالعہ اور تدریس سے منع کیا ہے

---

[1] تفتازانی : متوفی ۷۹۱ھ ۱۳۸۹ء علامہ سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی ۔ انھوں نے کشاف پر حاشیہ لکھا ہے مگر یہ اسے مکمل نہیں کر سکے ۔

[2] انتصاف : یہ امام ناصر الدین احمد بن محمد بن المنیر اسکندری مکی کی تصنیف ہے ۔ اس میں انھوں نے تفسیر کشاف میں جس قدر معتزلی خیالات ہیں ان کا ذکر اور رد کیا ہے ۔ ان کی وفات ۶۸۳ھ ۱۲۸۴ء میں ہوئی ۔

Marfat.com

تقی الدین سبکی[1] نے اسی غرض سے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام سَبَبُ الاِنْکِفَاف عَنْ اِقْرَاءِ الکَشَّاف رکھا ہے۔ اس کا مطالعہ اسی حاشیہ میں کرلیں کیونکہ مصنف حاشیہ نے اس رسالہ کو پورے کا پورا نقل کردیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۴ - وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۵)

میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ آیت وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (جب تک رسول نہ بھیج لیں، ہم عذاب نہیں کرتے) میں جس عذاب کی نفی کی گئی ہے اس سے کیا مراد ہے۔ کیا دنیا کا عذاب یا آخرت کا؟ اور کیا بلوغ دعوت شرط ہے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے یا شرط نہیں ہے جیسا کہ ان احادیث سے پتہ چلتا ہے جن میں پاگل وغیرہ کا ذکر ہے۔ جو بات نہیں سمجھ سکتے اس لیے کہ قیامت کے دن اسے امتحان کی غرض سے دوزخ کی آگ میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ اگر اس نے مان لیا تو جنّت میں جائے گا اور اگر نہ مانا تو دوزخ میں جائے گا۔

حضرت نے فرمایا: اس عذاب کے لیے جو دنیا میں واقع ہو مثلاً خسف ورجم وغیرہ جو ان پہلی امتوں کو دیا گیا بلوغ دعوت شرط ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کا فرمان وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا یعنی ہم کسی امت کو خسف وغیرہ سے عذاب نہیں کرنے کے جب تک ان کے پاس رسول نہ آجائے اور اللہ کی حجّت ان پر قائم نہ ہو جائے لیکن آخرت کے عذاب کے لیے بعثت رسول شرط نہیں اگر ایسا ہوتا تو یاجوج اور ماجوج میں سے ایک بھی دوزخ میں نہ جاتا حالانکہ دوزخ میں جانے والوں میں بڑی تعداد انہی کی ہوگی۔

میں نے کہا ایک حدیث میں آیا ہے کہ شب معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان پر گذر ہوا اور آپ نے ان کو خدا کی عبادت کی دعوت دی مگر انہوں نے انکار کیا اسی لیے وہ دیگر عاصی لوگوں کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے۔

حضرت نے فرمایا: ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔

مؤلف کہتا ہے کہ حُفّاظ حدیث کی بھی یہی رائے ہے کہ حدیث مذکور کی سند میں نوح[2] بن ابی مریم ابو عصمہ

---

[1] تقی الدین سبکی: شیخ تقی الدین علی بن عبد الکافی سبکی۔ ان سے ذہبی نے حدیث سنی۔ ذہبی نے انہیں فخر الحفاظ لکھا ہے۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ ان کی پیدائش ۶۸۳ھ = ۱۲۸۴ء میں ہوئی اور وفات ۷۵۶ھ = ۱۳۵۵ء میں۔

[2] نوح بن ابی مریم ابو عصمۃ الضبی: نوح بن ابی مریم: ابو مریم کا نام مابنہ ہے۔ نوح مرو کے قاضی تھے اور نوحِ جامع کے نام سے مشہور ہیں۔ عباس بن مصعب کہتے ہیں کہ ان کا باپ مجوسی تھا۔ انہیں جامع اس لیے کہا گیا کہ انہوں نے فقہ ابوحنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ سے پڑھی اور حدیث حجاج بن ارطاۃ اور دارقطنی سے۔ ابن حجر لکھتے ہیں کہ یہ متروک الحدیث ہیں۔ بخاری نے انہیں ذاہب الحدیث کہا ہے۔ نسائی کہتے ہیں کہ یہ ثقہ نہیں۔ حاکم کہتے ہیں کہ اس نے فضائل قرآن کی حدیث وضع کی۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۸۶ تا ص ۴۸۸)

Marfat.com

ضبی آیا ہے جو جھوٹی حدیثوں کے بنانے میں مشہور ہے۔ چنانچہ اس کے بارہ میں ابن حبان[1] فرماتے ہیں "اس میں سچائی کے سوا ہر چیز پائی جاتی ہے۔"

مؤلف کہتا ہے کہ پاگل وغیرہ کے بارے میں جو احادیث آئی ہیں ان کا ذکر کر کے میں کلام کو لمبا نہیں کرنا چاہتا اور نہ ہی جو کچھ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے اس کا ذکر کرنا چاہتا ہوں اور نہ علم اصول کے ماہرین کے اقوال نقل کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ میرا مقصد تو حضرت کا کلام جمع کرنے سے ہے۔ اگر لوگوں میں جہالت عام نہ ہوتی تو میں صرف انہی کے اقوال پر اکتفا کرتا اور ان احادیث وغیرہ کا ذکر نہ کرتا جو ہماری غرض پر دلالت کرتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۵۔ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ (سورہ تکویر پارہ ۳۰ آیت ۲۲)

میں نے حضرت سے دریافت کیا کیا وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اللہ تعالیٰ نے یوں ظاہر فرمائی وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ (تمہارا رفیق دیوانہ نہیں) اور حضرت جبریل کے متعلق یوں کہا "رسول کریم مطاع ثم امین۔ (یہ اللہ کے سفیر ہیں، عالی مقام ہیں، وہاں سردار ہیں اور امین ہیں)

حضرت نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نور حق سے نازل ہوتا ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تعبیر کرنے لگتے ہیں تو اس کی عبارت اس حالت کو اخذ کرتی ہے جو اس وقت آپ پر غالب ہوتی ہے اور یہ حالت کبھی تواضع کی حالت ہوتی ہے کبھی اور کوئی حالت اور اس وقت آپ پر تواضع کی شان کا غلبہ تھا کہ جبرئیل کو بڑا سمجھا اور اپنے آپ کو چھوٹا۔

ایک اور بار حضرت نے ارشاد فرمایا کہ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ماقبل کو ثابت کرنے اور ان اوصاف کی صحت بیان کرنے کے لیے آیا جو جبریل کی طرف منسوب کئے گئے ہیں گویا کہ یوں کہا گیا کہ جبریل کے متعلق جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس کی خبر تم کو وہ رسول دے رہا ہے جس کی سچائی امانت اور یہ کہ وہ جو کچھ وہ کہتا ہے سمجھ کر کہتا ہے سب تم کو معلوم ہے اور جب خبر دینے والا ایسا ہو اور وہ بات کرتے وقت دیوانہ بھی نہ ہو تو اس کی خبر یقیناً قابل وثوق ہو گی لہذا وَمَا صاحبکم بمجنون کہنے سے ماقبل کو مخاطبین کی عقل میں بٹھانا مقصود ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت بیان کرنا مقصود نہیں لہذا یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں تو صفت سلبیہ پر اکتفا کیا اور جبرئیل کی تعریف میں بڑے بڑے وصف بیان کئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص ۱۶۴

---

[1] ابن حبان: ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ انہوں نے حسین بن ادریس ہروی، ابو خلیفہ جمحی وغیرہ سے حدیث سنی اور ان سے حاکم، منصور بن عبد اللہ خالدی وغیرہ نے۔ مدت تک سمرقند کے قاضی رہے۔ فقیہہ، حافظ حدیث، طب اور نجوم اور دیگر علوم کے عالم تھے۔ ان کی تصانیف میں مسند صحیح، تاریخ، کتاب الضعفاء وغیرہ ہیں۔ انہوں نے ۳۵۴ھ = ۹۶۵ء میں وفات پائی۔

Marfat.com

۳۶- وَمَا يَكُونُ لَنَا اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا (سورہ اعراف آیت ۸۹)

میں نے حضرت سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَمَا يَكُونُ لَنَا اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا (ہم تو اس مذہب میں واپس آنے کے نہیں مگر یہ کہ ہمارا رب چاہے) کے متعلق دریافت کیا حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ کیسا استثناء کیا ہے کیونکہ اس جگہ استثناء سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہیں اپنی ایمان والی حالت پر شک تھا اور وہ اس پر ثابت قدم نہ تھے۔

حضرت نے فرمایا: کہ یہ استثنا صرف اللہ کی طرف رجوع کرنے کے لیے ہے اور یہی خالص ایمان ہے اس لیے کہ اہل فتح بالخصوص انبیا و رسل دیکھتے ہیں کہ ان میں اللہ ہی کا فعل کام کر رہا ہے اور یہ کہ ان میں ذاتی طور پر نہ کسی کام کرنے کی طاقت ہے نہ باز رہنے کی اور جو فعل بھی ان سے سرزد ہوتا ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے پس ایسی حالت والا شخص اگر کسی فعل کو اللہ کی مشیت پر چھوڑے تو سمجھ لو کہ وہ بحر عرفان میں غرق ہو چکا ہے اور اس نے ایمان کا بلند ترین درجہ پیش کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۷- وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى (سورہ نجم)

میں نے حضرت سے سوال کیا کہ آیت وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى (قسم ہے ستارہ (ثریا) کی جب وہ اترے کہ تمہارے رفیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ راستہ بھولے ہیں، نہ بھٹکے ہیں) میں اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ستارہ کی قسم کیوں کھائی اور اس میں اور نورِ رسالت میں کیا مناسبت ہے جس کی بنا پر یہ قسم کھائی گئی۔

ل حضرت شعیب علیہ السلام کے استثناء کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ انہوں نے کمال اطاعت کا ثبوت دیتے ہوئے یوں کہہ دیا کہ ہاں اگر اللہ چاہے اور مجھے اس کا حکم دے تو کرنے کو تیار ہوں جس طرح ملائکہ کو حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کرو مگر ابلیس نے اطاعت نہ کی حضرت شیخ عبدالعزیز کا جواب اہل فتح کا جواب ہے لیکن اہل ظاہر کے لیے میرے نزدیک بہترین جواب یہ ہے کہ یہاں استثنا تعلیق بالمحال کے طرز پر آیا ہے جیسے شاعر کے اس قول میں:

وحتی یؤوب القارظان کلاهما   وَيُنْشَرَ فِي الْقَتْلٰى كُلَيْبُ لِوَائِلِ

اسی طرح حضرت شعیب نے فرمایا کہ ہم تو تمہاری ملت میں واپس آنے کے نہیں جب تک اللہ نہ چاہے مگر اللہ تعالیٰ تو یہ چاہ نہیں سکتے کہ ہم بتوں کے سامنے سر جھکائیں لہذا ہم بھی تمہاری ملت میں نہیں آ سکتے۔ عربی زبان میں تعلیق بالمحال کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں چنانچہ ایک اور شاعر کہتا ہے: فَرَجِّي الْخَيْرَ وَانْتَظِرِيْ اِيَابِيْ   اِذَا مَا الْقَارِظُ الْعَنَزِيُّ اٰبَا

(باپ بیٹی سے کہتا ہے) کہ میرے آنے کا اس وقت تک انتظار کر جس وقت تک قبیلہ عنزہ کا قرظ کے پتے جھاڑنے والا واپس آئے (مگر وہ تو مر چکا ہے اس لیے میری واپسی کی بھی امید نہ رکھنا) اسی طرح ایک اور ضرب المثل ہے— حَتّٰى يَرْجِعَ مُصْقَلَةُ مِنْ طَبَرِسْتَان یہاں تک کہ مصقلہ طبرستان سے واپس آئے مگر مصقلہ طبرستان میں ایک جنگ میں مارا گیا تھا۔ اس لیے وہ تو واپس آ نہیں سکتا لہذا میں بھی واپس نہ آؤں گا۔ میرے نزدیک اہل ظاہر کے لیے یہی تشریح بہتر ہے ۱۲۔

Marfat.com

فرمایا ستارہ کی قسم محض اس کے جماد ہونے کی وجہ سے نہیں کھائی گئی بلکہ اس نورِ حق کی وجہ سے کھائی گئی ہے جو اس میں پایا جاتا ہے اور جو نورِ حق اس میں ہے وہ ایسا نور ہے جس سے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں رہنمائی ہوتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے ایک مثال بیان کر کے اس کی وضاحت کی اور فرمایا فرض کرو کہ دو آدمی سفر کے لیے نکلے ہوں اور راستہ بھول گئے ہوں۔ نہ ساتھی ساتھ رہا ہو اور نہ زادِ راہ حتیٰ کہ دونوں کو ہلاکت کا یقین ہو گیا ہو اور نجات اور خلاصی سے مایوس ہو گئے ہوں لیکن ان میں سے ایک کو اس ستارہ (ثریا) کا علم ہو جس کے ذریعہ سے مسافر اپنے سفر کی راہ دریافت کر لیتا ہے چنانچہ وہ اس کی تلاش میں رہا ہو اور جب رات ہوئی وہ اس کے پیچھے ہو لیا ہو یہاں تک کہ وہ منزلِ مقصود تک پہنچ گیا ہو اور اللہ نے اسے بچا لیا ہو۔

لیکن دوسرے کو ستارہ کا علم نہیں ہے، نہ ہی اس بات کا علم ہے کہ ستارہ کے ذریعہ سے راہ کیسے پاتے ہیں اور نہ ہی اس نے اپنے ساتھی کی پیروی کی لہذا وہ گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتا پھرے گا اور آخر مر جائیگا۔ اور مرنے کے بعد اس گرمی و سردی کے باعث جو اس پر گذرے گی وہ چنے کے دانے کی طرح ہو جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لوگوں کا بھی یہی حال ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں شخصوں کے درمیان ہیں۔ ایک گروہ آپ پر ایمان لے آیا اور اس نے آپ کی تصدیق اور تابعداری کی اور جنت نعیم اور اللہ تعالیٰ کی ان عنایات میں پہنچ گئے جن کا بیان نہیں ہو سکتا جس طرح پہلا شخص اس جگہ پہنچ گیا جہاں خوراک اور ساتھی موجود ہیں اور نعمتیں اور وسیع سایہ پا کر اپنی مراد اور حاجت پالی اور ایک فریق نے آپ کی تکذیب کی لہذا وہ اللہ کی ناراضگی میں رہے یہاں تک کہ مر گئے اور جہنّم نے انہیں اپنی گرمی اور زمہریر سے جلا دیا جس طرح دوسرے شخص کے جسم کو گرمی اور سردی سے جلایا تھا۔ لہذا ستارہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں مشابہت پائی گئی اور درحقیقت تو اللہ تعالیٰ نے نورِ حق کے ایک ایسے فرد کی قسم کھا کر جسے وہ جانتے ہیں اس فرد کو محقق کرنا چاہا ہے جسے وہ نہیں جانتے۔

پھر میں نے عرض کیا کہ اِذَا ھَوٰی سے کیا مراد ہے؟

فرمایا کہ اِذَا ھَوٰی کے معنی ہیں کہ آسمان کے وسط سے ہٹ جائے اس لیے کہ جب ثریا آسمان کے وسط میں ہوتا ہے تو اس سے راستہ معلوم نہیں ہو سکتا کیونکہ اس وقت وہ ٹھہرا ہوتا ہے اور کسی جہت میں جھکا نہیں ہوتا اس لئے اس سے راستہ کا پتہ بھی نہیں چل سکتا۔ واللہ اعلم۔

مؤلف کہتا ہے کہ اس آیت کے متعلق مفسرین نے بہت کچھ کہا ہے جن کا ذکر نجم الدین غیطی نے الاسرا والمعراج کے متعلق اپنی تالیف میں بالاستیعاب کیا ہے۔ یہ بڑی قابلِ قدر کتاب ہے اگر آپ اسے پڑھ لیں تو آپ کو فرمودۂ حضرت کی قدر معلوم ہو جائے گی۔ اگر طوالت اور موضوع سے خارج ہونے کا ڈر نہ ہوتا تو ہم ان سب کا ذکر کرتے۔ واللہ اعلم

الصمد | میں نے حضرت کو فرماتے سنا کہ اَلصَّمَد ایسا نام ہے جس سے تمام مخلوقات سیراب ہے خواہ

Marfat.com

درخت ہو یا پتھر یا ڈھیلا اور ذی روح ہو یا غیر ذی روح۔

اہلِ اعراف | میں نے اعراف والوں کے متعلق حضرت کو کہتے سنا کہ وہ سیدی فلاں اور سیدی فلاں ہیں۔
ص ۱۶۵ اور آپ کا اشارہ اہلِ عرفان میں سے بڑے بڑے صاحبانِ فتح کی طرف تھا۔

حضرت نے فرمایا: جنت میں بلند مقامات ہیں جن پر چڑھ کر وہ جنت والوں سے اونچے ہو جائیں گے، جس طرح کہ فاس میں ایک بلند منارہ ہے کیونکہ فاس کے لوگ وہاں چڑھ کر نیچے کی ساری آبادی کو دیکھتے ہیں ان لوگوں کے بلند مقامات کا نام اعراف ہے۔ حضرت نے یہ مثال تقریبی طور پر دی تھی۔

مؤلف کہتا ہے کہ اعراف میں کئی اقوال ہیں جن کا ذکر حافظ سیوطی نے اَلْبُدُوْرُ السَّافِرَۃ میں کیا ہے۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ ان میں سے حضرت حمزہ اور دیگر شہدا ہیں اور یہ قول حضرت کے قریب قریب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۹۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ (سورہ فتح)

میں نے حضرت سے آیت اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ (اے محمد ہم نے آپ کو واضح فتح عطا کی تاکہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے) کے متعلق دریافت کیا۔

حضرت نے فرمایا کہ فتح سے مراد مشاہدہ ہے یعنی مشاہدۂ حق۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں یہ بات پہلے سے موجود تھی کہ ساری مخلوق کو معرفتِ حق حاصل نہ ہو گی کیونکہ اگر تمام اس کی معرفت سے بہرہ ور ہوتے تو صرف ایک ہی گھر (یعنی جنت) ہی ہوتا حالانکہ اللہ نے دو گھر تجویز فرمائے ہیں اس لئے ان لوگوں کے سوا جن پر خدا کی رحمت ہوتی ہے سب کو معرفت سے حجاب میں ڈال دیا۔ اس لیے انہیں اپنے فعل اور ذات کے مشاہدہ سے بھی روک دیا کیونکہ اگر پردہ اٹھا دیا جاتا تو وہ خدا کا مشاہدہ کر لیتے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ (سورۂ حدید آیت: ۴) وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (سورہ ق آیت: ۱۶) وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ (سورہ بقرہ آیت: ۱۸۶) وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَمَا كَانُوْا (سورہ مجادلہ آیت: ۷) (جہاں کہیں بھی تم ہو خدا تمہارے ساتھ ہوتا ہے، ہم اس کے شاہرگ سے بھی زیادہ قریب ہیں جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق سوال کریں (تو کہدیں) میں قریب ہوں۔ اور خواہ کم ہوں یا زیادہ، جہاں کہیں بھی وہ ہوں خدا ان کے ساتھ ہوتا ہے) اور یہ بھی دیکھ لیتے کہ ان کے تمام اخلاق اللہ ہی کے مخلوق ہیں اور فاعل حقیقی اللہ ہے وہ نہیں ہیں۔ اور وہ خود بمنزلہ ظروف وخالی اجسام کے ہیں جسے اللہ تعالیٰ جیسے چاہتا ہے حرکت دیتا ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے: وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ

Marfat.com

اللہ نے نہیں اور تمہارے اعمال کو بھی پیدا کیا ہے۔ یہ مشاہدات کرنے کے بعد کوئی بھی نافرمانی نہ کرتا اس لیے کہ معصیت تو اسی شخص سے سرزد ہوتی ہے جو معصیت کے وقت اللہ سے حجاب میں ہو اور غافل ہو۔

حضرت نے فرمایا: مومن کا اگرچہ یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کے افعال کا خالق اور متصرف ہے اور اسی کا ارادہ غالب ہے لیکن یہ اعتقاد کبھی سامنے آتا ہے اور کبھی اوجھل ہو جاتا ہے جس کا سبب حجاب ہے اس لیے ان کا ایمان محض ایمان بالغیب ہوتا ہے، مشاہدہ رعیان کا نہیں۔ جس پہ اللہ کی رحمت ہو جاتی ہے، اس سے حجاب کو دور کر دیتا ہے اور خدا اپنے مشاہدہ سے اس کو نوازتا لہذا اسے حق کے سوا کچھ نظر نہیں آتا کہ یہ حق کی طرف سے ہے اور اسی کی طرف اس کا انجام ہے "فتح مبین" سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔

میں نے سوال کیا کہ یہ "فتح مبین" آنحضرت کو کب نصیب ہوئی؟

حضرت نے فرمایا: بچپن سے ہی کیونکہ آپ پہ کبھی بھی حجاب نہیں آیا۔

فرمایا: قوت وضعف کے لحاظ سے فتح میں بھی فرق ہوتا ہے لہذا ہر ایک کو اس کی طاقت کے مطابق دی جاتی ہے، اور عقل، روح، نفس، ذات، سر اور حفظہ کے اعتبار سے جو قوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تھی کسی اور میں نہ تھی یہاں تک کہ اگر تمام انبیاء وغیرہ اصحاب فتح کو جمع کر دیا جائے اور وہ قوت فتح جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے، ان پہ ڈالی جائے تو سب پگھل جائیں اور ان کے اجسام ریزہ ریزہ ہو جائیں۔

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ میں ذنب سے مراد اس کا سبب یعنی وہ غفلت اور حجاب کی ظلمت ہے جو آپ کی ترابی خلقت میں پائی جاتی ہے اور فرمایا کہ اس غفلت اور حجاب کا گناہ سے وہی تعلق ہے جو بدبودار اور میلے کچیلے کپڑے کا اس پر مکھی کے گرنے کا ہے۔ لہذا جب کوئی بھی اس کپڑے کو پہنے گا تو مکھی اس پر گرے گی لیکن جب وہ اس کپڑے کو اتار دے گا، مکھیاں دور ہو جائیں گی لہذا کپڑے کی مثال حجاب کی ہوئی اور مکھی کی مثال گناہ کی۔ لہذا اگر کپڑے کو ہی مکھی کہہ دیا جائے تو یہ جائز ہوگا۔ اسی طرح یہاں ذنب (گناہ) سے مراد حجاب ہے اور ما تقدم وما تاخر کنایہ اس کے بالکل زائل ہو جانے سے، مطلب یوں ہوا کہ "ہم نے آپ کو واضح فتح عطا کی تاکہ آپ سے حجاب کلیتہً زائل ہو جائے اور آپ پر ہماری نعمت مکمل ہو جائے۔ اور تاکہ آپ کو راہ دکھائی جائے اور آپ کی مدد کی جائے اس لیے کہ زوالِ حجاب سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی راہنمائی معارف کی طرف راہنمائی سے بڑھ کر ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی نصرت اس شخص کی اس نصرت سے بڑھ کر ہو سکتی ہے جس کی یہ حالت ہو۔

میں نے عرض کیا: کیا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے؟

Marfat.com

فرمایا : ہاں -

میں نے عرض کیا : کیوں ؟

فرمایا : آپ ہر چیز کی آنکھ ہیں -

میں نے کہا اسی لیے محشر میں انبیاء علیہم السلام کہیں گے آؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلیں کیونکہ اللہ نے ان کے تمام گناہ مٹا دیئے ہیں -

مؤلف کہتا ہے کہ جو کچھ حضرت نے فرمایا نہایت ہی نفیس معرفت کی بات ہے اور نہایت لطیف لطیفہ ہے اور بارگاہِ نبوت کے زیادہ مناسب اور نبی کی تنزیہ اور تعظیم کے لیے نہایت واضح اور اس عصمت کے زیادہ موافق ہے جس پر سب کا اتفاق ہے اور اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حق زیادہ ادا ہوتا ہے
۱۶ اور ترتیب و سیاق آیت کے زیادہ مناسب ہے - خدا انہیں ہماری طرف سے بہترین جزا دے -

اس آیت پر کئی ایک لوگوں نے بحث کی ہے اور وہ معنی جن کی طرف حضرت نے اشارہ کیا ہے ان کے ذہنوں میں تھے مگر اس کا اظہار نہ کر سکے - السبکی کبیر اس کے گرد ہی چکر لگاتا رہا ، ابو یحییٰ الشریف جو ابن عبد اللہ الشریف التلمسانی کے نام سے مشہور ہے ، کی عقل اس کی تلاش میں سرگرداں رہی یہاں تک کہ اس نے گناہ کے تین مراتب بنائے اور اسی طرح مغفرت کے بھی تین مراتب بنائے - اس طرح کہ گناہ کا ایک محل صدور ہے اور وہ نفس امارہ ہے اور ایک اس کی حقیقت یعنی مخالفت کرنا اور ایک اس کا اثر یعنی ظلمتِ قلب جس کا ذکر آیہ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ میں ہے (ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ ان کے دلوں کو ان کے اعمال نے زنگ آلود کر دیا ہے) اور حدیث میں ہے اِذَا اَذْنَبَ الْعَبْدُ ذَنْبًا حَصَلَتْ فِيْ قَلْبِهٖ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ (جب کوئی بندہ کسی قسم کا گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ داغ پڑ جاتا ہے) - تلمسانی کہتے ہیں کہ محل ، صدور اور اثر کو مجازاً گناہ کہا گیا ہے کہ محل صدور میں تو سبب کے اعتبار سے یہ نام دے دیا گیا ہے اور اثر میں مسبّب کے اعتبار سے -

مغفرت کا لفظ "غفر" سے ماخوذ ہے جس کے معنی پردہ ڈالنے کے ہیں اور ستر کے کئی مراتب ہیں پہلا درجہ جو سب سے زیادہ قوی ہے یہ ہے کہ شئی کا وجود ہی نہ رہے - چنانچہ گناہ عدم کی تاریکی میں چھپ جاتا ہے - دوسرا درجہ یہ ہے کہ وجود تو ہو مگر اس کا ادراک کرنے والا حاسہ ہم میں نہ ہو اور تیسرے یہ کہ وجود بھی ہو اور حاسہ مدرکہ بھی مگر درمیان میں کوئی چیز حائل ہو جائے چنانچہ سورج اگر مطلقاً آسمان پر نہ ہو تو یہ عدم میں چھپا ہوا ہوگا اور اگر سورج موجود ہو لیکن دیکھنے والے کے بینائی ہی نہیں ہے تو یہ حاسہ مدرکہ کے نہ ہونے کی وجہ سے چھپا ہوا ہوگا اور یہ ستر کا کمزور ترین درجہ ہے - اس لیے کہ بادل ہٹنے پر سورج نظر آ جائے گا -

تلمسانی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں مغفرت کا لفظ جو استعمال ہوا ہے اس

Marfat.com

سے مراد عدم ہے اور گناہ سے محلِ صدورِ گناہ اور حقیقتِ گناہ مراد ہے نہ کہ اثر اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی مغفرت سے اثر کو مٹا دینا خود لازم آجائے گا اور اگر اثر مراد لیا جائے تو محلِ صدور یعنی نفس اور حقیقت یعنی خلافِ حکم کا صدور منتفی نہیں ہوتا اور اول تو یہ عصمت کے خلاف ہوا کہ اگرچہ زنگ اتر گیا گر مادہ مخالفت موجود ہے لہٰذا عصمت کہاں رہی - دوسرے یہ کہ اتنا تو عام مسلمان بلکہ گناہگار میں بھی پایا جاتا ہے - لیکن اس آیت میں گناہ سے مراد حقیقت یعنی مخالفت لی جائے تو لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ میں مِنْ بمعنی عَنْ ہوگا اور ترجمہ یوں ہوگا کہ حق تعالیٰ نے مخالفت سے جو شئ مقدم ہے یعنی محل صدور اور نفس امارہ اس کو بھی معدوم فرما دیا نیز مخالفت سے جو شئ موخر ہے یعنی اثر گناہ اور ظلمتِ قلب اس کو بھی معدوم فرما دیا اور اگر گناہ سے مراد حقیقت اور مجاز دونوں لیے جائیں تو ماتقدم سے مراد حقیقت گناہ ہے کہ مخالفت کے فعل کو معدوم فرما دیا اور متاخر سے مراد اثر گناہ ہے کہ زنگ وظلمت کو بالکل مٹا دیا کیونکہ مخالفت کا وجود اثر کے وجود سے مقدم ہوتا ہے -

علامہ مذکور کی تحریر سے مطلب تو قریب قریب وہی ادا ہو گیا جو حضرت ممدوح نے بیان فرمایا اگرچہ فتح کی تفسیر شیخ[1] کے مطابق نہ ہو سکی حالانکہ مسئلہ کی روح وہی ہے - انہوں نے فتح سے مراد قضا وقدر لی ہے - یعنی اے محمد ہم نے تمہارے لیے مقدر فرمایا لیکن یہ بیان نہیں کیا کہ کیا چیز مقدر کی گئی تاکہ البعد کو اس پر چسپاں کیا جا سکے جیسا کہ اس کے مطالعہ سے معلوم ہو جائے گا۔

اس مسئلہ میں حافظ سیوطی نے ایک عمدہ رسالہ تالیف کیا ہے جس میں علماء کے اقوال جمع کر دیے ہیں - اسی ابو یحییٰ بن ابو عبداللہ الشریف التلمسانی مذکور نے بھی ایک رسالہ اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے اور شیخ ابو العباس سیدی احمد بابا سودانی نے ان دونوں تالیفوں کو اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے - خدا اپنے کرم و احسان سے ان سب پر رحم کرے اور ہمیں ان سے اور ان کے علوم سے فائدہ پہنچائے - آمین

---

[1] شیخ کی تفسیر کے مطابق آیت کا ترجمہ یوں ہوا کہ اے محمد ہم نے تم کو مشاہدہ کاملہ نصیب فرمایا تاکہ مادہ گناہ تم سے بالکل جاتا رہے اور تاکہ نعمت خداوندی تم پر مکمل کر دی جائے اور تاکہ تم کو ہدایت و معارف حاصل ہوں اور تاکہ تم ملکِ حقائق کے منصور و فاتح ہو جاؤ -

مگر اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس آیت کے شان نزول اور واقعات سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری فتح مراد لی گئی ہے چنانچہ اس آیت کے نزول پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمر کو یہ فرمانا کہ سورہ فتح نازل ہوئی ہے اور حضرت عمر کا یہ عرض کرنا کہ یا رسول اللہ کیا واقعی یہ فتح ہے اور آپ کا فرمانا کہ ہاں فتح مبین ہے - اور پھر موقعہ صلح حدیبیہ کا ہے - لہٰذا اس معنی پر اس تمام گفتگو کا جو آنحضرت اور صحابہ میں ہوئی، کیا جواب ہوگا - البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس آیت کے باطنی معنی ہیں -
(مترجم)

Marfat.com

واللہ تعالیٰ اعلم

۴۰۔ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا (سورہ جن آیت : ۲۶) وقولہ تعالیٰ إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ (سورہ لقمان آیت : ۳۴)

میں نے عرض کیا کہ ان آیات عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا (وہ عالم غیب اپنے غیب پر سوائے پسندیدہ رسولوں کے کسی کو مطلع نہیں کرتا) اور إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ (قیامت کا علم خدا کو ہی ہے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان فی خمس لا یعلمھن الا اللہ (یہ ان پانچ امور میں سے ہے جن کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں) سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب کی باتیں بجز پیغمبر کے کسی کو نہیں بتاتا حالانکہ عارفین کو بھی کشف ہوتا ہے اور وہ غیب کی بات مثلاً ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی بتایا کرتے ہیں۔ اور اس قسم کی کرامات اولیاء میں عام پائی جاتی ہیں۔

حضرت نے فرمایا: کہ جو حصر کلام اللہ اور حدیث میں پایا جاتا ہے اس سے مراد کاہنوں، عرافوں اور ان لوگوں کو خارج کرنا ہے جن کے تابع ہمزاد ہوتے ہیں اور جن کے متعلق جاہل عربوں کا یہ خیال تھا کہ یہ لوگ غیب کی باتیں جانتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے مخاصمات کے فیصلہ کے لیے ان کے پاس جاتے اور ان کی بات پر عمل کرتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس باطل اعتقاد کو ان کے دلوں سے نکالنا چاہا لہٰذا یہ اور اسی قسم کی دوسری آیات نازل فرمائیں اور اسی طرح اس بات کو حقیقۃً اور نفس الامر میں بھی زائل کرنا چاہا چنانچہ ان خبیثات (آسمان پر جانے سے روکنے کی غرض سے) آسمان پر سخت پہرے بٹھا دیے اور شہاب ثاقب مقرر کر دیے۔ ان تمام ۱۶
باتوں سے مقصد صرف اتنا تھا کہ مخلوقات کو باطل سے پھیر کر حق پر جمع کر دیا جائے اور اولیاء حق میں سے ہیں، باطل میں سے نہیں ہیں۔ اس لیے اس آیت میں اور دوسری آیتوں میں جو حصر آیا ہے اس سے وہ خارج نہیں ہوتے۔

فرمایا کہ اس اور اس قسم کی دیگر آیات میں بات عام ہوتی ہے لیکن نور کے جو تیر اس میں ہوتے ہیں وہ اس آیت کو بعض افراد کے ساتھ مخصوص کر دیتے ہیں لہٰذا جب عارف ایک عام لفظ کو سنتا ہے تو ان نور کے تیروں کو دیکھتا ہے۔ اگر وہ محض فلاں و فلاں و زید و عمرو و خالد و بکر پر اترتے دکھائی دیتے ہیں تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ صرف یہی لوگ مراد ہیں کوئی اور مراد نہیں اور اگر لفظ عام ہو اور وہ اس نور کو دیکھے کہ یہ تمام افراد پر اتر رہے ہیں اور کوئی فرد بھی ان سے الگ نہیں رہا تو وہ سمجھ جاتے ہیں کہ سب لوگ مراد ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشتر اس کے کہ آیت آپ کی زبان مبارک سے نکلے اس کا علم ہوتا تھا۔ اس لیے کہ نور کے تیر پہلے ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر وارد ہو جاتے تاکہ آپ کو علم ہو جائے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے۔

مؤلف کہتا ہے کہ حضرت کا اشارہ اس عام کی طرف ہے جس سے خاص مراد لی گئی ہو اور وہ عام جو اپنے عموم

Marfat.com

پر باقی ہو لیکن آپ چونکہ حضرت امی ہیں اس لیے آپ کو اصطلاح کا پتہ نہیں مگر پھر آپ اصطلاح سے معانی کی روح کی طرف سبقت لے گئے ہیں یہاں تک اگر علماء ظاہر کا سب سے بڑا عالم اور سب سے بڑا مناظر، چالاک اور باخبر آدمی اگر آپ سے مقابلہ کرنا چاہے تو وہ آپ کا مقابلہ نہ کر سکے گا اس لیے کہ حضرت اس سے پہلے ہی معانی معلوم کر لیں گے اور اس کے تمام راستے بند کر دیں گے حتیٰ کہ آپ سے مقابلہ کرنے سے ہتھیار ڈالنے اور مطیع ہونے کے سوا کچھ بن نہ آئیگا۔ اور میں اکثر کہا کرتا تھا یا حضرت جس قدر آپ کے بارے میں علماء ظاہر سے بھول ہوئی ہے کسی اور سے نہیں ہوئی کیونکہ اگر وہ آپ کے پاس آتے اور ارباب علم میں آپ سے گفتگو کرتے تو ان کی عقلیں روشن ہو جاتیں اور ان کے شکوک رفع ہو جاتے۔ میرے پاس ابو المظفر اسفرائنی[1] کی کتاب التبصیر تھی جو انھوں نے بہتر فرقوں کے متعلق لکھی ہے اور حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اہل اہواء کے شبہات کا مجھ سے ذکر کرو اور جو اشکال اس میں ہو مجھ سے پوچھو چنانچہ جب کبھی میں نے ان سے ان کا کوئی شک بیان کیا آپ نے فوراً حل کر دیا اور پھر آپ نے اور علوم و معارف کا ذکر کیا۔ میں نے آپ سے آپ کی مرض الموت میں "برھان القطع والتطبیق" کے متعلق گفتگو کی تو مجھے آپ سے بہت سے اسرار سننے میں آئے اور مجھے وہ علوم حاصل ہوئے جن کا ذکر علماء کلام نے کہیں نہیں کیا۔ اس کے بعد حضرت نے مجھے ان صوفیہ کی توحید کی تعلیم دی جو عارف باللہ ہیں اور فرمایا کہ وہ توحید ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی سمجھتے تھے۔ میں نے آپ کا اشارہ سمجھنے کے بعد عرض کی میرے آقا اگر لوگوں کو توحید کے بارے میں اس حق بات کا علم ہو جاتا تو امت تہتر فرقوں میں منقسم نہ ہوتی۔ فرمایا: ہاں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت یہی لکھنا چاہا تھا تاکہ آپ کے بعد آپ کی امت کبھی گمراہ نہ ہو۔

اب ہم پھر اپنے مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ اس آیت میں رسول کو علم غیب کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے لہٰذا ولی اس سے خارج ہو گئے لیکن ولی کو بھی علم غیب ہوتا ہے لہٰذا اعتراض باقی رہا۔

حضرت نے فرمایا: اس آیت سے غیر رسول خارج ہوتے ہیں اور ولی تو آیت میں رسول کے ساتھ داخل ہے پھر آپ نے ایک مثال دی اور یہ بیان کرنے لگے کہ فرض کرو ایک بڑا آدمی مثلاً فلاں شخص یہ چاہے کہ کھیت میں جاکر اپنی زمین اور مزارعوں کو دیکھے تو اس کا کوئی نہ کوئی خادم یا عزیز دوست ضرور اس کے ساتھ جائیگا چنانچہ جب وہ وہاں پہنچے گا اور اپنی زمین اور مزارعوں کے متعلق معلومات حاصل کرے گا تو ان چیزوں کا علم اس کے خادموں اور دوستوں کو بھی ہو جائے گا۔ اسی طرح رسول کے لیے خادموں اور احباب کا ہونا ضروری

---

(۱) ابو المظفر اسفرائنی: ابو المظفر طاہر بن محمد الاسفرائنی جو شہفور بن طاہر شافعی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی وفات ۴۷۱ھ = ۱۰۷۸ء میں ہوئی۔ ان کی کتاب کا پورا نام التبصیر فی الدین و تمییز الفرقة الناجیة عن الفرق الهالكين ہے (ملاحظہ ہو کشف الظنون ج: ۱ ص ۱۸۹)

Marfat.com

ہے لہذا جب رسول کو غیب کا علم ہوگا تو اس میں سے کچھ حصہ اصفیاء کو بھی حاصل ہو جائے گا۔

اس کے بعد میں نے حضرت سے کہا کہ علماء ظاہر خواہ محدثین ہوں یا کوئی اور ان میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پانچ امور کا علم تھا جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۔ (قیامت کا علم خدا کے پاس ہے اور وہی بارش برساتا ہے، وہی جانتا ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے اور نہ کسی انسان کو پتہ ہے کہ کل کیا کرے گا اور نہ ہی کسی کو معلوم ہے کہ کہاں مرے گا بیشک اللہ علیم وخبیر ہے) یا علم نہیں تھا۔

فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ان پانچ چیزوں کا علم کیسے مخفی رہ سکتا تھا حالانکہ آپ کی امت میں ایک صاحب تصرف ان پانچ چیزوں کے علم کے بغیر تصرف کر ہی نہیں سکتا۔ صفحہ ۱۶۸

ع۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے متعلق اس سے پہلے انزل القرآن علی سبعۃ احرف کے تحت مختصر بحث گذر چکی ہے اور اہل حق کا بھی عقیدہ ہے جو کچھ شیخ عبدالعزیز دباغ نے بیان کیا۔ بعض احباب نے اس کے خلاف رسالے لکھے۔ بڑی بڑی موشگافیاں کیں اور اسے خالص توحید سمجھا۔ ان احباب کی خدمت میں مؤدبانہ گذارش ہے کہ خالص توحید کے ساتھ مرتبہ رسالت اور بطور خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کا لحاظ بھی نہایت اہم اور ضروری ہے آخر اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے ہاتھوں معجزات دکھاتا ہے، تو کس لیے؟ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب دانی کو بھی معجزہ خیال کر کے مان لیا جائے تو اس میں کونسی قباحت لازم آتی ہے اور کونسا رکنِ اسلام منہدم ہو جاتا ہے۔ یہ کتاب عوام کے لیے نہیں لکھی گئی اور نہ عوام کے سامنے اس قسم کے مسائل کو زیر بحث لانا چاہیے کہ ان میں فتنہ کا خوف ہوتا ہے یہ خواص کے مسائل ہیں۔

حضرت عبدالعزیز دباغ نے آگے چل کر پھر اس مسئلہ پر بحث کی ہے اور وہاں بھی یہی بات کہی ہے۔

مذکورہ بالا نوٹ لکھنے کے بعد مجھے ایک سند مل گئی کہ قدماء کے ہاں اس مسئلہ پر اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم تھا یا نہ تھا چنانچہ علامہ سیوطی نے شرح الصدور بشرح حال الموتیٰ والقبور طبع لاہور صفحہ ۲۱۴ - ۲۱۵ پر لکھتے ہیں کہ روح کے متعلق بعض علماء نے بحث کرنے سے احتراز کیا ہے اور بعض نے اس کی بحث کی ہے۔ پھر پہلے طریقے کے علماء میں بھی اختلاف ہے کہ آیا روح کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا یا نہ تھا۔ چنانچہ ابن ابی حاتم نے عبداللہ بن بریدہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تاحین وفات روح کا علم نہ تھا دوسرا گروہ کہتا ہے بلکہ آنحضرت کو اس کا علم تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی اطلاع دی تھی مگر کسی کو بتانے کی اجازت نہ تھی اور اس مسئلہ میں اختلاف بعینہٖ اسی طرح ہے جس طرح کہ قیامت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے متعلق اختلاف ہے۔

Marfat.com

پھر میں نے سوال کیا کہ علماء کا قول ہے کہ لیلۃ القدر کا علم آنحضرت کے ذہن سے نکال لیا گیا تھا اسی لیے تو آپ نے فرمایا کہ اسے انتیسویں شب یا ستائیسویں یا پچیسویں شب میں تلاش کرو ورنہ اگر آپ کو اس کا علم ہوتا تو آپ متعین فرما دیتے۔

اس پر آپ کو غصہ آگیا اور فرمایا سبحان اللہ اور پھر فرمایا اگر بندہ اندر آجائے اور بیمار رہتا ہوں اور میری نعش گدھے کی طرح پھول چکی ہو اور میری ٹانگیں اکڑ گئی ہوں کھڑا ہو ایسی حالت میں مجھے اس کا علم ہو جائے گا پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کا علم سید الوجود صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی رہا ہو۔ اس کے بعد آپ نے مذکورہ بالا پانچ باتوں کے متعلق اور لیلۃ القدر کے متعلق وہ اسرار بیان کیے جو ان جیسے عارف کی زبان سے ہی نکل سکتے ہیں۔ خدا ہمیں ان کا اس کتاب میں ذکر کرنے کی توفیق دے۔ حضرت نے مختلف سالوں میں لیلۃ القدر کی تعیین فرمائی چنانچہ بعض اوقات (مثلاً) اس کی تعیین رجب میں کی اور ایک سال شعبان میں اور ایک اور سال رمضان میں اور ایک اور سال عید الفطر کی رات۔ آپ اس رات کے آنے سے پہلے ہی اس کی تعیین فرما دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس کی حفاظت کرو اور یہ بھی فرماتے کہ یہ رات منتقل ہوتی رہتی ہے اسی طرح جمعہ کی ساعت (جو قبولیت دعا کی ساعت ہے) کی بھی تعیین فرمایا کرتے اس کے چند اسرار کا ذکر انشاء اللہ ہم آئندہ کریں گے۔

یہاں ہم ان آیات کو ختم کرتے ہیں جن کی تفسیر حضرت سے لی گئی (ابھی) کچھ اور آیتیں باقی ہیں جو اس کتاب میں اپنے مناسب مقامات پر آئیں گی اور بعض ایسی آیات ہیں جن میں ہم حضرت کی مراد کو اچھی طرح سمجھ نہیں سکے اس لیے انہیں یہاں درج نہیں کیا گیا اور بعض آیات کی شرح میں ایسے معرفت کے اسرار تھے جن کا تحریر کرنا مناسب نہ تھا۔ جو کچھ ہم نے لکھا ہے اسے خدا محض اپنی ذات کے لیے بنا دے اور اسے اپنی عام رضامندی کا سبب بنائے اور اس سے ہر ایک لکھنے والے پڑھنے والے اور اس کے حاصل کرنے والے کو نفع پہنچائے بوسیلہ صاحب کلام حضرت دباغ۔

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Scale 1:25,000

1000 500 0

1000 500 0

HEIGHTS IN METERS

TRANSVERSE MERCATOR PROJECTION

USERS NOTING ERRORS OR OMISSIONS ON THIS MAP ARE URGED TO MARK HEREON AND FORWARD ... OFFICER, ARMY MAP SERVICE, WASHINGTON D.C. MAPS SO FORWARDED WILL BE RETURNED ...

GRID ZONE DESIGNATION	TO GIVE A STANDARD REFERENCE ON THIS SHEET TO NEAREST 100 METERS			DESIGNAZIONE DELLA RETE DELLA ZONA
32T	SAMPLE POINT: GRASSI			32T
100 000 M. SQUARE IDENTIFICATION				100 000 METRI QUADRATE IDENTIFICAZIONE
MQ	1. Locate first VERTICAL grid line to LEFT of point and read LARGE figures labeling the line either in the top or bottom margin, or on the line itself. Estimate tenths from grid line to point	30	8	MQ
	2. Locate first HORIZONTAL grid line BELOW point and read LARGE figures labeling the line either in the left or right margin, or on the line itself. Estimate tenths from grid line to point	07	2	
IGNORE the SMALLER figures of any grid number; these are for finding the full coordinates. Use ONLY the LARGER figures of the grid number; example: 4901000	SAMPLE REFERENCE	308072		IGNORA i numeri PICCOLI di ogni numero della rete ... SOLO i numeri GRANDI del numero della rete; esempio: 4901000m
	If reporting beyond 100 000 meters or if sheet bears an overlapping grid: prefix 100 000 Meter Square Identification, as	MQ308072		
	If reporting beyond 18° in any direction, prefix Grid Zone Designation, as	32TMQ308072		

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

علمِ لدُنّی کا شاہکار

خزینۂ معارف

مشہور عربی کتاب اِبریز کا سلیس اردو ترجمہ،

اس کتاب میں حضرت علامہ احمد بن مبارک سلجماسی نے غوث زماں حضرت سید عبد العزیز دباغ مغربی کے مختصر سوانح حیات، عقائد، کرامات، بعض آیات قرآنی و احادیثِ نبوی کی بےنظیر تشریحات اور علم و عرفان کی نادر باتیں جمع کی ہیں

حصہ اول

ترجمہ از
ڈاکٹر پیر محمد حسن ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی
پرنسپل گورنمنٹ ہائر سکنڈری سکول (راولپنڈی)

علمی کتاب خانہ۔ اردو بازار۔ لاہور

ہدیہ حصہ اول ۸/۵ روپے۔ حصہ دوم ۸/۴ روپے۔ مجلد یکجا ۱۲/۰ روپے

نقوش پریس لاہور

Marfat.com